@TaleefatHakeemUlUmmatThanvi

تسہیل المواعظ

جلد اول

مرتب

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

مکتبۃ العلم

۱۸- اردو بازار لاہور ۰ پاکستان

حضرت حکیم الامت کے تسہیل شدہ ۵۲ باون خطبات

تسہیل المواعظ

جلد اوّل

@TaleefatHakeemUlUmmatThanvi

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا
شاہ محمد اشرف علی تھانوی
رحمۃ اللہ علیہ

دو جلدوں میں

اس "تسہیل المواعظ" کے متعلق حضرت حکیم الامت کا ارشاد
"احقر" کا مشورہ ہے کہ مثل "بہشتی زیور" کے کوئی گھر اس سے خالی نہ رہنا چاہئے۔ اس کا نفع گھر والوں کی درستی میں بہت جلد آنکھوں سے نظر آجائے گا
فقط کتبہ اشرف علی اوائل محرم ۱۳۲۵ھ

ناشر
مکتبۃ العلم
۱۸-اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان
Ph:7231788- 7211788

ایڈمن
محمد طلحہ نذیر

نام کتاب: ———— تسہیل المواعظ

تالیف: ———— حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

طابع: ———— خالد مقبول

مطبع: ———— لعل سٹار پرنٹرز

@TaleefatHakeemUlUmmatThanvi

ملنے کے پتے

- ❖ —— مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ ☎ 7224228 7221395
- ❖ —— اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اردو بازار، لاہور۔ ☎ 7223506 7230718
- ❖ —— خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ ☎ 7314169
- ❖ —— کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی۔ ☎ 5554798
- ❖ —— مکتبہ مجددیہ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ ☎ 7231294

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

@TaleefatHakeemUlUmmatThanvi

تسہیل المواعظ کے متعلق رائے مبارک

از

حضرت اقدس مولانا حاجی محمد شریف صاحب مدظلہم العالی

خلیفہ راشد

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرۃ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضرت حکیم الامت مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تالیفات، ملفوظات، مکتوبات اور مواعظ رشد و ہدایت کا بے بہا خزینہ اور گنجینہ ہیں۔ حضرت کے مواعظ نے لاکھوں اشخاص کے دل بدل دیئے۔ دین سے بھاگنے والے دین کے عاشق بن گئے۔ حضرت رشد و ہدایت کی ایسی شمع روشن فرما گئے کہ مدت مدید تک کے لیے کتاب اور سنت کا طریقہ واضح ہو گیا جس طریق پر رسوم اور بدعات کا غبار بیٹھ گیا تھا اور حقیقت چھپ گئی تھی۔ حضرت کے مواعظ کی برکت سے ہزاروں گمراہ اشخاص انسانیت اور نیکی کے درجۂ کمال کو پہنچے اور اخلاقی بیماریوں سے شفایاب ہوئے۔ حضرت کی بہت ہی خواہش تھی کہ ''تسہیل المواعظ'' کا سلسلہ جاری ہو، تاکہ نفع عام ہو۔ حضرت کی زندگی مبارک میں باون مواعظ کی تسہیل اور اشاعت ہو چکی تھی۔ حضرت کی تمنا تھی کہ ہر گھر میں مواعظ پہنچ جائیں لیکن اب یہ مواعظ نایاب تھے۔ مجھے دلی خوشی ہے کہ مواعظ چھپ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مقبول اور منظور فرمائیں۔

۲۴ رجب ۱۴۰۳ھ　　　　محمد شریف مکان نمبر ۷۰۹، نواں شہر، ملتان

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

(۱) حساب کی آمد

وعظ سننے کا طریقہ 29
سوئم چہلم وغیرہ 32
جمعرات کی فاتحہ اور مردہ کا سامان 33
مردہ کی قبر پر قرآن شریف پڑھوانا اور مؤذن کی ذلت 34
اللہ والوں کی صحبت کا اثر 35
سماع کا اثر 35
صحبت کا ادب لحاظ رکھنے سے ضرور اثر ہوتا ہے 36
ضروری بات پوچھنے سے رکنا نہ چاہئے 36

(۲) حاضری کا خوف

کسی چیز کی خواہش جب ہی معتبر ہے جب اس کے ذریعوں کو بہم پہنچائیں ورنہ صرف ہوس ہی ہوس ہے اس کے لئے کئی مثالیں 39
لوگ دنیا کے بارہ میں تو اس قاعدہ کو مانتے ہیں مگر دین کے معاملہ میں بے وقوف بن جاتے ہیں 41
دنیا کے اسباب کو مقاصد میں اتنا دخل نہیں جتنا کہ آخرت کے اسباب کو دخل ہے 41
عزت و مال داری تدبیر پر منحصر نہیں 41
آخرت کے اسباب پر نتیجہ پیدا ہونا یقینی ہے 42
آیت سے تو جنت کی طلب کا ثبوت ہے اور بعض بزرگوں کا نقل اس کے خلاف اور اس کا جواب 43
اب تو لوگ بزرگوں کے نقال رہ گئے ہیں 44
اعتراض کہ اگر نماز میں محویت ہو تو رکوع و سجدہ کیسے ہو اور اس کا جواب 45
آیت میں جنت کے ذریعوں کا گر بیان ہوا ہے جس میں نہایت آسانی ہے 45
آیت میں دو کام بیان فرمائے جو تمام طریقوں پر حصول جنت کو لئے ہوئے ہیں 47
حد سے بڑھا ہوا خوف اچھا نہیں بلکہ نہایت مضر ہے 47
دین کی اردو کتابوں کو خود دیکھنا مضر ہے خاص کر تصوف کی کتابوں کو! 48
بزرگوں کی کتابوں کو دیکھ کر خود رائے قائم کر لینا بڑی غلطی ہے 48
بڑھاپے میں امید اور جوانی میں خوف غالب رکھنا چاہئے 49
حق تعالیٰ نے جو آیت میں گر بتایا ہے اس سے ایک صورت بھی نافرمانی کی باہر نہیں 49
غیبت سننے والا بھی مثل کرنے والے کے

ہے 50
رشوت لینے میں نفس کی چال 51
ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے واقعی اور فرضی 51
فضول خرچی سے خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے 51
گناہ میں دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہے 52
اطاعت عجیب چیز ہے 53
چور کی حکایت جو بادشاہ کی لڑکی پر عاشق ہوا تھا 53
بعض لوگ بری غرضوں سے اسلام لاتے ہیں مگر انجام کار درستی ہوتی ہے 54
طالب علموں پر اعتراض اور اس کا جواب 55
ایمانداری کے متعلق قصہ 57
مٹی کے سونا ہو جانے کی دعا مانگنے کا قصہ 57
صحابہ ؓ کی ہمدردی کا عجیب قصہ 58
نااتفاقی کی وجہ خواہش نفسانی کی پیروی ہے 58
خواہش نفسانی کا روکنا سب کے نزدیک مانا ہوا ہے 59
افسوس اللہ میاں کے حکم کی قدر کسی کے حکم کے برابر بھی نہیں! 60
لوگ بت پرستی کو منع کرتے ہیں مگر اپنی بغل میں بت ہیں 60
تابعداری کرنے کی دو چیزیں تھیں، عقیدے اور عمل دونوں میں کاٹ تراش ہے 61
ایک شخص کی عجیب بات 61
ایک شخص کا قول کہ سود نہ لینے سے مفلسی آ گئی 61
آم کی بہار کا خلاف شرع سودا کرنا 61
ہماری کوئی حالت درست نہیں 62
افسوس مسلمانوں نے ہر بات میں خلاف کر رکھا ہے 62
خواہش نفس کا علاج 63
عبادت میں عجیب مزہ ہے 64
خواہش نفس چھوڑنے کے لئے خوف مددگار ہے 64
مراقبہ نہایت نافع ہے 65
علم دین کی ضرورت 65
خلاصہ سارے وعظ کا 66

(۳) رمضان کا خالص رکھنا

روزہ میں برے کام کرنے کیسے ہیں؟ 67
رمضان کے مہینہ میں جو عبادت کر لی جاتی ہے اس کا اثر تمام سال رہتا ہے 69
جھوٹ 69
غیبت 70
غلطی ان لوگوں کی، جو کہتے ہیں رزق حلال نہیں ملتا! 70
نفس کی کم ہمتی کا عمدہ علاج 72
رزق میں برکت کے معنی 72

ایک شخص کے مسجد بنوانے کی حکایت 72
اللہ میاں کی خوشنودی تمام دنیا کی چیزوں سے ہزار درجہ بہتر ہے 73
ہماری نماز کی حالت 73
جیسی ہماری نماز ہے اس پر سزا ہی نہ ہو تو بڑی رحمت ہے 74
تراویح میں جو خرابیاں کر رکھی ہیں ان کا بیان 76
شبینہ میں جو خرابیاں کر رکھی ہیں ان کا بیان 76
غیر عورتوں کو قرآن شریف تراویح میں سنانا برائی سے خالی نہیں 78
مردہ کی قبر پر اجرت دی کر قرآن شریف پڑھوانا حرام ہے 79
ایک طالب علم کی حکایت 79
حافظوں کی نیت کس وجہ سے بگڑی اور کس وجہ سے عبادت پر اجرت لینی شروع کر دی 80
ختم کے دن زیادہ چراغ جلانے میں کیا کیا خرابیاں ہیں 81
رونق دین کی دین ہی سے ہوتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ 81
فضول خرچی کسے کہتے ہیں 82
ختم کے دن مٹھائی بانٹنے میں کیا کیا خرابیاں ہیں؟ 83
مسجدوں کو پختہ بنانا اچھا ہے اور ان کو سجانا مناسب نہیں ہے 83
ختم کی مٹھائی میں نیتیں خراب ہونے کی پہچان 84
عید کی رات میں روزہ کی نیت سے نہ کھانا بدعت ہے 84
عید کے دن سویاں ضروری سمجھ کر پکانا بدعت ہے 85
رسم کے طریقہ سے ہدیہ دینے سے محبت نہیں بڑھتی بلکہ اور رنجش ہو جاتی ہے 85
عید کے دن جو ہدیہ بھیجے جاتے ہیں وہ اصل میں قرض کے طور پر دیتے ہیں 86
سارے وعظ کا خلاصہ 86

(۴) قرآن کے حقوق

اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں 89
جس چیز پر ضروری چیز کا حاصل ہونا موقوف ہو وہ چیز بھی ضروری ہوتی ہے 90
تلاوت قرآن کی حقیقت 91
تلاوت کے حقوق ظاہری اور باطنی 92
قرآن کی تلاوت کی ایک مثال 92
قرآن شریف کس طرح پڑھنا چاہئے 93
قرأت حاصل کرنے میں کچھ دشواری نہیں 94
قرآن شریف کو بے معنی سمجھے ہوئے پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں 95
لوگ قرآن کو چھوڑ کر وظیفوں پر مرتے ہیں 96
وظیفوں کی طرف رغبت اللہ کا نام ہونے کی وجہ

سے نہیں کی جاتی 96
دست غیب کی حقیقت 97
دنیا کے لئے وظیفہ پڑھنا کیسا ہے 97
دنیا کیلئے وظیفہ پڑھنا کم ہمتی کی وجہ سے ہے 97
بچہ کا نام قرآن شریف سے نکالنا 98
تیجہ میں قرآن پڑھوانا کیسا ہے 98
اس اعتراض کا جواب مولوی ثواب پہنچانے سے منع کرتے ہیں 98
رسمیں نہ چھوڑنے کی وجہ 98
لوگ خوشامد کر کے نیک کام میں دوسروں کو شامل کرتے ہیں 99
بدمزاجی اور چیز ہے اور لالچ نہ ہونا اور چیز ہے 100
گناہوں سے منع کرنا ضروری ہے اور منع نہ کرنے کا وبال 100
عالموں کو بے طمع رہنا چاہئے 101
آج کل ہر چندہ دینے والے کو یہ خبط ہوتا ہے کہ میری رائے کیوں نہیں لی جاتی 101
قرآن شریف کے نیچے سے بچہ کو نکالنا 101
فوٹو کے ذریعہ سے قرآن بہت چھوٹا چھاپ لینا کیسا ہے 101
ایک کام قرآن شریف سے یہ لیا کہ مونوگراف میں اس کو بھر لیتے ہیں 102
بقدر ضرورت ہر ایک کو قرآن صحیح کرنا ضروری ہے 102
جس وقت تک کسی چیز کی ضرورت سمجھ نہیں لی جاتی اس وقت تک وہ کام نہیں ہوتا 103
چندہ دینے والوں کو کس کس چیز کا خیال رکھنا چاہیے 104
جب حرف صحیح کر لیں تو پھر قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنا چاہیے 106
قرآن شریف کا ترجمہ کرنا مولویں ہی کا کام ہے 106
سب سے بڑا حق قرآن شریف کا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے 106
ہر شخص کو اپنی قدرت کے موافق مدرسہ والوں کی مدد کرنی چاہیے 107

(۵) تکبر کا علاج

اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا خیال رکھنے سے تمام گناہ چھوٹ جائیں گے 109
سب گناہوں کی جڑ غرور ہے 110
غرور سب گناہوں سے زیادہ سخت ہے 111
غرور دیندار اور دنیادار دونوں میں پایا جاتا ہے 111
غرور کا سبب 112
تمام رسمیں شادی کی غرور کی وجہ سے ہوتی ہیں 112
رسموں کی ممانعت پر عورتوں کا اعتراض اور ان کا

جواب 113
آج کل کی رسموں کو رسمیں نہیں سمجھتے 113
جہیز، ولیمہ، عقیقہ وغیرہ کے منکرات 113
ولیمہ کس طرح سنت ہے 115
منگنی کے رسوم 116
رسمیں ہندوؤں سے لی گئیں 116
رسموں میں کسی قسم کی بھلائی نہیں 117
حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی منگنی اور نکاح اور رخصتی 117
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا جوڑہ 117
ہندوستان میں نئی دلہن کی حالت 118
سفر میں نماز کے اندر عورتوں کی کم ہمتی! 118
غیبت اور حسد کا سبب غرور ہے 119
عورتوں کو مسئلے یاد کرنے کی تاکید 119
گھر والوں کی اصلاح ضروری ہے 120
جو لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے ان کو تنبیہ 121
آخرت کی تکلیفوں کا خیال رکھنا چاہیے 121

(۶) پاکیزہ زندگی

دنیا میں کوئی طلب سے خالی نہیں! 123
مطلب سب کا ایک ہے 124
لذت اور راحت حاصل کرنے میں رائیں مختلف ہیں 124
راحت صرف ایک طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے 124
دنیاداروں کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی 125
صرف نماز روزہ کے پابند ہونے سے پورا دیندار نہیں ہوتا 125
بزرگ صرف ظاہر اور باطن کے درست کرنے سے ہوتا ہے 128
آج کل کشف و کرامت کا نام بزرگی ہو گیا ہے 128
بزرگوں کو مصیبتوں میں بھی مزہ آتا ہے 129
موت عاشقوں کے لیے نعمت ہے 129
پریشانی دو وجہ سے ہوا کرتی ہے 129
ایک بزرگ کی توبہ کا قصہ 130
دنیادار کسی کا خیرخواہ نہیں ہو سکتا 130
حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی شفقت اور تواضع کا عجیب قصہ 131
نفس کو آرام دیا جائے تو اس سے دین کا کام لینے کے لیے 132
بزرگوں کے حال جدا جدا ہیں 133
حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب قصہ 133
بزرگی حاصل کرنا آسان ہے اور اس میں عوام کی غلط فہمی 134
اعمال کی درستی کی نہایت مختصر اور عمدہ ترکیب 135

(۷) اصلاح کا آسان طریق

آدمی جو کام کرتا ہے آرام یا تکلیف دور کرنے

کے لیے 137
کون سا نفع حاصل کرنے کے لائق زیادہ ہے 138
کونسی تکلیف زیادہ دور کرنے کے قابل ہے 139
دنیا کا کوئی آرام تکلیف سے خالی نہیں! 140
جنت کے سب عیش و آرام ہمیشہ رہیں گے 141
دنیا کی سب تکلیفیں ختم ہونے والی ہیں 141
دنیا کی تکلیفوں میں کچھ نہ کچھ نفع بھی ہے 141
حاصل کرنے کے قابل آخرت کا آرام ہے 141
کس طریقہ سے آخرت کے آرام حاصل ہو سکتے ہیں اور اسکی تکلیفوں سے بچ سکتے ہیں 142
حج لوگوں پر بہت بھاری ہے 143
زکوٰۃ بھی لوگوں پر بہت دشوار ہے 144
غیبت سے نہیں بچتے حالانکہ اس میں کوئی مزہ بھی نہیں 144
دل میں خدا کا خوف بٹھا لو پھر سب کام آسانی سے ہو جائیں گے 145
خوف سے روکنے والی کیا چیزیں ہیں؟ 146
شیطان نے لوگوں کو کاہل بنا رکھا ہے 146
توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے 146
جو شخص توبہ کے بھروسہ پر جان کر گناہ کرے تعجب نہیں جو ایمان بھی کھو بیٹھے 147
عمل درست کرنے کا طریقہ خوف ہے 147
زبان کے گناہ سب اعضاء کے گناہوں سے زیادہ ہیں 147
ہر صبح کو تمام اعضاء انسان کے زبان کو قسم دلاتے ہیں 148
خوف پیدا کرنے کا نہایت عجیب طریقہ 148
خدا اور رسول ﷺ سے محبت کرنے کا طریقہ 149

(۸) عشرہ اخیر کے احکام

رمضان شریف کے دس دن کی بزرگی 151
جمعہ کے دن کی بزرگی پر اعتراض اور اس کا جواب 152
جو شخص ماں کے ساتھ صحبت کرتے ہوئے اپنے کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر 153
جاہل آدمی سے اپنا خواب مت بیان کرو 153
قرآن شریف کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ وہ اللہ پاک کا کلام ہے 154
اللہ پاک جتنا قرآن پڑھنے سے راضی ہوتے ہیں اور کسی چیز کے پڑھنے سے راضی نہیں ہوتے 154
نئے خیال والوں کا بے معنی سمجھے قرآن شریف پڑھنے پر اعتراض اور اس کا جواب 154
اصلاحِ نفس کے زمانہ میں خلق کی طرف بالکل توجہ نہ کرنی چاہیے اور اس کی ایک عجیب حکایت 155
جو پیر کامل ہوتا ہے وہ مرید کو ناامید نہیں کرتا بلکہ اس کا علاج کرتا ہے 156

اللہ تعالیٰ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہیے 156
لوگوں نے قرآن شریف سے دنیا کمانی شروع کردی 157
قرآن شریف کو جتنا مکرر پڑھو ہر بار نیا لطف آتا ہے 157
عوام کی یہ غلط فہمی کہ قرآن جب پڑھنا شروع کریں گے جبکہ مجھ کو اس میں مزہ آنے لگے اور اس کی نہایت عمدہ مثال 158
ایک بزرگ کی خداطلبی کی عجیب حکایت 158
طلبگار وہ ہے کہ وصال سے کبھی ناامید نہ ہو اور اس کی عجیب حکایت 159
جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنا چاہے تو اس کا ضروری دستور العمل یہ ہونا چاہیے 159
جس طرح نرمی علاج ہے اسی طرح سختی بھی علاج ہے 160
شب قدر کی برکت حاصل کرنے کی تاکید 162
جو شخص تمام سال راتوں کو عبادت کرے گا وہ ضرور شب قدر پالے گا اور اس کے متعلق ایک عجیب حکایت 163
اعتکاف کی فضیلت 163
بوڑھے باپ کی خدمت کرنی نہایت ضروری ہے 164
اکثر لوگ ماں باپ کی خدمت تنگ ہو جاتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے لڑکپن کے زمانہ کو بھول جاتے ہیں اور اس کی عجیب حکایت 165
رمضان شریف کی فضیلت 166
جاہل واعظوں کی بڑی بھاری غلطی 166
اینا وَنگر کی عجیب حکایت 167
اگر آئندہ گناہ ہو جانے کا اندیشہ بھی ہو تب بھی توبہ کرنی نہ چھوڑو اور اس کی نہایت عمدہ مثال 168
قرآن سنانے پر اجرت نہ لینی چاہیے 169
قرآن کے ختم میں مٹھائی بانٹنے میں بہت خرابیاں ہیں 169

(۹) صوم اور عید کی تکمیل

آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا بدعت ہونا 172
عیدگاہ میں بچوں کا لے جانا اور اسکی خرابی 172
جماعت کی حکمتیں 173
احکام کی مصلحتیں سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں 173
گاؤں میں جمعہ صحیح ہونا اور مخالفین پر نہایت عمدہ الزام 173
بھولا ہونا کوئی بڑا کمال نہیں 174
سالک مجذوب سے عقل ہی کی وجہ سے افضل ہے 174
قصہ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کا 175
ایک قریہ پر عذاب نازل ہونے کی وجہ ایک عابد کا گناہ کرنے والوں سے خفا نہ ہونے کی وجہ

سے عذاب میں شامل کر دیا جانا 175
اللہ تعالیٰ کے محب کو ناجائز کاموں پر غصہ آنا
لازمی ہے اور اس کی مثال 175
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی غیرت کا قصہ 176
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حکایت 177
غیرت کا مقتضاء محبوب کے غیر کو مٹا دیتا ہے 178
عقل کے اعتبار سے انسان کی چار قسمیں
ہیں 178
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انصاف کی حکایت 180
حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مساکین سے
محبت رکھنے کی حکایت 181
خدا کے طالب کے لئے صابر اور بردبار ہونا
ضروری ہے 182
رمضان کا اول حصہ رحمت اور درمیانی حصہ بخشش
اور آخری حصہ دوزخ سے نجات ہے 182
بغیر توفیق کے کوئی نیک عمل نہیں ہوتا 183
دعا میں یہ قید نہ لگانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ! اگر
آپ چاہیں تو قبول کر لیجئے 184
ہر عمل کی خوبی جب حاصل ہوتی ہے جب کہ
اس کے طریقہ سے کیا جائے 185
شاہ ابوالمعالی اور شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا قصہ
187
رمضان میں غافل رہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
لوگوں کو ڈرانا 188
موروثی زمین کو روکے رکھنا حرام ہے 189
دوسرا مضمون عید کے متعلق 190
عید کی رات میں بالکل نہ کھانے کی اصلیت 190
عید کے دن ہم کو خوشی منانے کا حکم ہے 191
ایک بزرگ کا کتیا کے بچے پیدا ہونے پر
دنیاداروں کی دعوت کرنا اور ایک بزرگ کی
دعوت نہ کرنا 191

(۱۰) نگاہ کی حفاظت

مرض سے اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی کہ گناہ سے
پہنچتی ہے 197
بیماری نہ رہنے کے دو طریقے ہیں 198
جب آدمی مر جاتا ہے تو کوئی مرض نہیں رہتا 198
حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا قصہ 198
موت مومن کا تحفہ ہے 199
روح کی بیماریاں بدن کی بیماریوں سے بہت
سخت ہیں 201
بدنگاہی اور بری نیت کو لوگ ہلکا گناہ سمجھتے
ہیں 201
بزرگوں کی پردہ پوشی 202
بدنگاہی سے آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں 203
شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت پردہ پوشی
کے متعلق 203
بدنگاہی بہت آسان ہے 204
بدنگاہی سے ہم لوگ کچھ پرہیز نہیں کرتے 205

خوبصورت انسان دیکھنے کی خواہش اور قسم کی ہوتی ہے اور پھول وغیرہ دیکھنے کی خواہش اور قسم کی 206

ایک عابد کے خوبصورت لڑکے پر نظر پڑنے کا قصہ 207

بزرگوں نے جو عشق مجازی کا امر فرمایا ہے اس کا مطلب 208

ایک بزرگ نے بھینس کا خیال جمانے کا حکم کیا تھا 209

خدا تعالیٰ کے غیر پر نظر ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے 211

ان بزرگ کی حکایت جو پردہ میں بے احتیاطی کرتے تھے 212

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی حکایت 213

بدنگاہی کا مرض بعض عورتوں میں بھی ہوتا ہے 214

بدنگاہی سے بچنے کا آسان طریقہ 215

ان بزرگ کا قصہ جو مردوں کو بھی نہ دیکھتے تھے 215

بعض بزرگوں نے نگاہ کے گناہ سے بچنے کے لئے جنگل میں رہنا اختیار کیا ہے 216

بعضے بزرگوں کے حسن پسند کرنے کے معنی 216

پیر بنانے کے لائق وہ بزرگ ہیں جن کا ظاہر اور باطن دونوں شرع کیموافق ہوں 218

جیسے بدنگاہی حرام ہے اسی طرح دل سے سوچنا بھی حرام ہے 219

اول درجہ قلب کو روکنا اور اسکا آسان طریقہ 220

دوسرا درجہ کہ آئندہ کے لئے بھی تقاضا پیدا نہ ہو اور اس کا علاج 221

تیسرا درجہ کہ مادہ ہی نہ رہے جس سے تقاضا ہو اور اس کا علاج 221

(۱۱) اعضاء کا پاک رکھنا

آیت میں کان آنکھ دل اور تمام اعضاء کی حفاظت کا حکم ہے 226

کمال رکھنے والوں کی پہچان 226

کسی پر اثر ڈالنا کوئی چیز نہیں 227

حضور ﷺ نے اپنی کوئی خاص شان وشوکت نہیں بنائی تھی 229

ادب کسے کہتے ہیں 229

حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی کوئی روایت نہیں ملی 231

سورہ یٰسٓ کے عمل سے چور کا نام نکالنا کیسا ہے 231

(۱۲) کجی کی درستگی

نصیحت کا سننا اور چیز ہے سمجھنا اور چیز ہے 233

غور وفکر کی عادت لوگوں نے چھوڑ دی ہے اور اس کی ضرورت ہے 233

وعظ سننے کا اصل مقصود 236

خدا کے رستہ کی کیا پہچان ہے 236
جو بات وحی کے ذریعہ معلوم نہ ہوئی ہو وہ خدا کا رستہ نہیں 237
مسلمانوں نے وحی کی پہچان سے کام نہیں لیا 237
ایک دیہاتی کی عجیب حکایت 237
جس کی بڑائی دل میں ہوتی ہے اس کے حکموں میں وجہ تلاش نہیں کیا کرتے 239
خداوندی حکموں میں وجہ تلاش کرنا دلیل اس کی ہے کہ دل میں اس کی کچھ قدر نہیں 240
طبیب اور مریض کی مثال 240
حکم خداوندی کی وجہ دریافت کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے 241
بعض لوگ حدیث وفقہ کو وحی نہیں سمجھتے 241
حدیث وفقہ کو نہ ماننا نفس کا مکر ہے 242
قرآن شریف میں ڈاکٹری کی باتیں ڈھونڈتے ہیں 242
قرآن شریف روحانی طب ہے 243
داڑھی رکھانے کی سچی دلیل 244
شرع کا حکم کس کو کہتے ہیں؟ 244
بعضوں نے وحی میں زیادتی کی اور بدعت میں پھنس گئے! 245
عالموں کا اثر جو لوگوں پر ہے وہ ان کے علم کی وجہ سے نہیں 246
ایک طالب علم کی حکایت 246
عالموں کو بالکل بے طمع رہنا چاہئے 247
عالموں کی وقعت اور ان کا کچھ اثر نہیں بلکہ لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں 247
اثر جس قدر ہے وہ امیروں اور فقیروں کا ہے اور ان دونوں فرقوں کی حالت خراب ہے 249
بعض عالموں کی غلطی 249
کیا وجہ ہے کہ انگریزی پڑھنے والے بلند حوصلہ باہمت ہوتے ہیں اور عربی پڑھنے والے کم ہمت اور کم حوصلہ ہوتے ہیں! 250
کمال کا اثر ہے بے پرواہ ہو جانا 251
جن کو لوگ عالم سمجھتے ہیں وہ عالم نہیں ہیں بلکہ واعظ ہیں 251
ایک جاہل واعظ کی حکایت 251
ایک اور جاہل کی حکایت 252
جاہل خوش تقریر سے زیادہ نقصان ہوتا ہے بہ نسبت غلط بولنے والے کے 252
اختلاف سے بچنے کی تدبیر 253
کامل عالموں کی پہچان 253
آج کل امیروں اور فقیروں کا گروہ زیادہ گمراہ کرنے والا ہے 253
بعض ان میں سے بزرگ بھی ہیں 254
اہل حق کو وہابی کہنا صرف بہتان ہے 254
بدعت کی پہچان 255
جس کام کا شرع نے حکم نہیں کیا اور اس کے

کرنے سے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اس کو چھوڑ دینا چاہئے 255
ثواب پہنچانے کے لئے وقت مقرر کرنا بدعت ہے 256
اعتراض کرنے والوں کی حکائتیں اور ان کے جواب 256
ثواب پہنچانے میں نیت کی اصلاح بھی ضروری ہے 257
دین پھیلانے میں بدنامی کا کچھ خیال نہ چاہئے 258
بعض کے عقیدے اور عمل اچھے ہیں لیکن ان کے اندر غرور ہے! 258
مسلمانوں سے ہمدردی چاہئے نہ کہ غرور! 258
حضور ﷺ کی نرم مزاجی کی حکایت 258
دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے 259
تواضع اتفاق کی جڑ ہے 260
اتفاق کے پیدا کرنے کا طریقہ 261
خدا کے طالب کیا شان ہونی چاہئے 261
کامل کی پہچان 262

(۱۴) اہتمام دین کی ضرورت

اصل نفع دین کا نفع ہے 263
نبیوں علیہم السلام کی اولاد میں مقبول وہی ہے جو ان کے طریقہ پر چلے 264
ہم کو اولاد کیلئے دینی نفع کا خیال چاہئے 265
اس زمانہ میں اولاد کے لئے دنیا کی فکر ہے دین کا خیال نہیں 265
ہم لوگوں میں دین کا اہتمام نہیں اور یہ بہت سخت مرض ہے 266
ایمان بغیر عمل کے قابل اعتبار نہیں 266
ایک کم سمجھ طالب علم کی حکایت 267
رسول ﷺ پر ایمان لانے کو عقل اور نقل دونوں ضروری بتلاتی ہیں 268
آج کل لوگوں نے عملوں میں بھی کمی کر لی ہے 268
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کن کن باتوں کو ضروری ٹھہرایا ہے 269
رسول ﷺ کے ذریعہ سے تعلیم اچھی ہو سکتی ہے
رسول ﷺ کے بغیر ایسی تعلیم نہیں ہوسکتی 270
جاہل آدمی نماز کی اتنی قدر نہیں کرتے جتنی کہ پیر کے بتائے ہوئے وظیفہ کی قدر کرتے ہیں 271
رسول ﷺ کے واسطہ سے تعلیم کرنے کی حکمت 271
نمونہ دیکھ کر کام کرنا آسان ہوتا ہے 271
بچوں کی تعلیم میں کن کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے 272
صحبت کا اثر اور اس کی حکایت 272
بچہ کی اصلاح کس عمر تک ہوسکتی ہے 273

لباس میں بھی سنت کے موافق رہنا چاہئے 273
حضرت فاطمہ ؓ کی شادی کا قصہ 274
شادی میں ہم عمری کا لحاظ ضروری رکھنا چاہئے 274
عورتیں سمجھتی ہیں کو شوہر کا نام لینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے 275
غمی میں حضور ﷺ کی کیا حالت تھی 276
غمی کی بیہودہ رسموں کا ذکر 276
ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کے چالیسویں کی عجیب حکایت 276
قصبہ کیرانہ کے ایک گوجر کی حکایت 277
حضور ﷺ ہمارے لئے نمونہ ہیں ان کی پیروی ہر کام میں ہونی چاہئے 277
حضور ﷺ کا ایک درزی کے یہاں تشریف لے جانا 277
آج کل تمیز کن باتوں کو سمجھتے ہیں 278
غرور بڑا حجاب ہے 278
محبت ہو تو محبوب کی ہر ادا پیاری اور ایک مثال سے اس کی توضیح 278
حضور ﷺ نے غریبی خود پسند کر کے لی تھی 280
حضور ﷺ کے فقیری اختیار کرنے کی حکمت 280
حضرت شاہ ابوالمعالی کے فقر و فاقہ کی حکایت 281
حضرت حاجی ؒ صاحب کے دعا فرمانے کی عجیب حکایت 281
حضور ﷺ کے یہاں فقیری کے ساتھ سلطنت بھی تھی 282
ایک حجام اور رئیس کی حکایت 282
لکھنؤ کے ایک عالم کی سقہ کے گھر جانے کی حکایت 283

(۱۴) علم دین کی ضرورت

قرآن شریف کس فن کی کتاب ہے 285
قرآن شریف کو کسی پورے عالم سے سمجھ کر پڑھ لینا چاہئے 286
(۲) قرآن کی تعلیم امن عام ہے 287
قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی رضامندی پر چلنے کی تعلیم 288
قرآن شریف میں جو حکایتیں ذکر کی گئی ہیں ان سے نصیحت مقصود ہے 288
علم و عمل کی کمی 289
آج کل قرآن شریف کو لوگوں نے بیکار سمجھا ہے 289
قرآن شریف کی تلاوت اور اس کی حفاظت کی ضرورت 290
علم کے ہوتے ہوئے بھی صحت قرآن کے لئے حفظ کی ضرورت ہے 291
قرآن شریف صحیح پڑھنا حفظ پر موقوف ہے اور تائید کے لئے ایک قصہ 291

ضرورت حفظ قرآن کی ایک اور نئی دلیل 292
حفظ قرآن کے متعلق عجیب حکایت 292
حفظ کی ضرورت مرتبۂ علم ہی تک نہیں بلکہ عمل بھی اس پر ضروری ہے 293
اسلام سے دور ہونے کا پہلا زینہ دنیا کو اختیار کرنا ہے 295
مال اور عزت سے اصل مقصود کیا ہے؟ 295
اللہ والوں کو بالکل پریشانی نہیں ہوتی 295
عزت میں بھی اللہ والے دنیا والوں سے بڑھے ہوئے ہیں 296
دین اور دنیا دونوں جمع نہیں ہو سکتے! 296
مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو خالص دین کے خادم ہوں 296
عالم اپنی حاجتوں میں قوم کے محتاج نہیں 297
قوم اگر عالموں کے خرچ کی ذمہ داری نہ اٹھائے گی تب بھی وہ بھوکے نہیں رہیں گے 299
مٹی سے استنجا کرنے کی حکمت ایک ڈاکٹر نے بیان کی ہے 300
کتے کے مٹی کے برتن میں منہ ڈال دینے سے سات مرتبہ اس کو دھو لینا چاہئے اس میں ایک مرتبہ مٹی سے مل کر دھونا چاہئے اس کی حکمت ایک ڈاکٹر نے بیان کی ہے 300
اگر مسلمان اسلام کی حفاظت نہ کریں گے تو عجب نہیں کہ دوسری قوم یہ کام اپنے ذمہ لے 301
انجمن اور مدرسہ والوں کو چاہیے کہ چندہ بالکل نہ مانگیں 301
اللہ والے کسی کے طفیل میں نہیں کھاتے 302
اللہ والوں پر اپاہج ہونے کا الزام غلط ہے 302
دین کی حفاظت عام طور پر سب کے ذمہ ہے 302
لوگ چاہتے ہیں کہ عالم ہماری خواہشوں کے تابع ہو جائیں 303
قوم کے ہمدرد اپنی اولاد کو علم دین نہیں پڑھاتے 303
علم دین پڑھانے کے لیے احمق کو تجویز کرتے ہیں 304
آجکل بڑے بڑے عالم کیوں نہیں ہوتے 304
دین کا علم سستا ہے اور دنیا کا مہنگا ہے 304
علم دین کا ارزاں ہونا اس کے ضروری ہونے کی دلیل ہے 305
عربی کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہئے 305
عربی سے انگریزی میں بھی مدد ملتی ہے اور اس کی توضیح ایک قصہ سے 305
علم دین اگر دنیا کے لیے بھی پڑھا جائے تب بھی وہ انجام کار نفع دیتا ہے 306
علم دین کی حفاظت کی ضرورت 307
قرآن شریف کے صرف الفاظ پڑھنے سے بھی نفع ہے 307

نیکیوں کا نفع آخرت میں ہے اور اس کی توضیح مثال سے 307
بچہ کو اول قرآن پڑھانا چاہیے 309
قرآن نہ پڑھانے سے ایک سخت خطرہ ہے 309
شریعت کے حکموں کو دوسری قومیں لے جارہی ہیں اور مسلمان چھوڑ رہے ہیں 309
اندیشہ اس بات کا کہ قرآن کو بھی غیر قومیں نہ لے لیں 310
ترغیب قرآن شریف کو حفظ کرنے کی اور اس کے متعلق شبہات کا جواب 311

(۱۵) عمل دین کی ضرورت

الفاظ کے حقوق 313
شکایت اس بات کی کہ عالموں کو قرآن صحیح کرنے کی طرف توجہ نہیں 315
قرأت سیکھنے کی ترغیب اور اس کی خوبیاں 315
علم، معنی اور عمل کا بیان 316
لوگ نماز روزہ کو بھی موقوف کرنے کی فکر میں ہیں 317
احکام میں وجہ نکالنے کا بھی مرض عام ہے 318
جو لوگ تہذیب کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تہذیب کے معنی نہیں جانتے 318
آج کل لوگوں کو محبت الٰہی نہیں 319
بعض ترقی یافتہ نماز، روزہ میں شبہات نکالتے ہیں 319
شبہات پیدا ہونے کی دوسری وجہ بمعہ مثال کے 320
مسئلہ قربانی پر شبہ مع جواب کے 321
قربانی کی حکمت اور غرض اور دلیل 322
محبت کی تاثیر اور اس کے متعلق حکایت 322
(۵) آسان طریقہ علم دین کے پھیلنے کا 323
خادم دین بننا کس کو لائق ہے 323
ایک بادشاہ کی حکایت 324
آجکل کے استادوں میں کیا نقصان ہیں؟ 324
دین کا تیسرا جزو عمل اور اس کا مفصل بیان 326
وعظ کا خلاصہ 327

(۱۶) مقبولیت کا طریق

(۱) دولت عظمیٰ پر تنبیہ 329
قرب الٰہی سے کیا مراد ہے؟ 330
صوفیوں کی غلطی قرب کے معنی سمجھنے ہیں! 330
شریعت کے قاعدے کے خلاف عبادت بھی گناہ ہے 331
مسلمان کی کیا حالت ہونی چاہئے 332
جاہل صوفیوں کی بے احتیاطی شعر اشعار پڑھنے میں 333
(۲) امام صاحب رحمہ اللہ کی کثرت عبادت اور اخلاص کا واقعہ 333
(۳) دعا کے قبول ہونے میں دیر کسی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے 333

جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ حقیقت میں مصیبت میں ہیں 335
عیش کی حقیقت 336
ترغیب ترک منازعت 337
اللہ والے دنیا والوں پر رحم کرتے ہیں جیسے تندرست بیمار پر رحم کرتا ہے 337
دنیا کی محبت سے بدتر کوئی مرض نہیں ہے 338
ایک خان صاحب کی حکایت 338
ایک سرحدی کی حکایت 338
حکومت عالم باعمل کا حق ہے 339
حکومت ایسے شخص کے سپرد ہونی چاہئے جو خود درخواست نہ کرے 339
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عہدۂ قضا سے انکار کرنا 339
لوگ آج کل سب باتوں کا ذمہ دار مولویوں کو سمجھتے ہیں 340
مال اور دولت قرب ایمان کا ذریعہ نہیں بلکہ ایمان اور نیک اعمال اس کا ذریعہ ہیں ایمان اور عمل صالح کے متعلق مختصر سا بیان 340
کامل پیر کی پہچان 342

(۱۷) علم اور خوف کے فضائل

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت 343
آج کل کے رئیس عالموں سے فرمائش کرتے ہیں 345
دنیا دار غرور کی وجہ سے اپنے کو دین کا مقتدا سمجھتے ہیں، ایک رئیس کا عید کی نماز میں امام بننے کا قصہ 345
(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کس قدر محبت تھی 346
ہر امتی کو دوسرے کی شفقت و ہمدردی ضروری ہے 347
بزرگوں کو ستانے سے بہت نقصان پہنچتا ہے 348
جو لوگ ہمدردی کا دم بھرتے ہیں ان میں ہمدردی کی بو تک نہیں 349
اللہ والوں اور آج کل کے ہمدردوں میں بڑا فرق ہے 349
حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ 350
ایک بزرگ کی لونڈی کا قصہ سلطان جی کے زمانہ میں 351
کاملوں کو اپنے نفس کے لیے غصہ نہیں آتا 353
(۴) اصل مقصود یعنی آیت کا مطلب 353
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے سے اہل علم نفع اٹھا سکتے ہیں 354
شریعت نے اچھے کاموں کی بھی حد مقرر کر دی ہے 354
شوق کتنا ہونا چاہئے 355
ایک عہدہ دار مسلمان روشن خیال کی حکایت 356
ایک صحابی کی حکایت 357

ایک بزرگ اور ایک بادشاہ کی حکایت 357
صحابہ رضی اللہ عنہم کی شکر رنجی کے متعلق نہایت عمدہ مثال 358
ایک حدیث کے نہایت عمدہ معنی 359
صحابہ رضی اللہ عنہم کی سلطنت کیسی تھی؟ 360
آج کل نفسانیت بڑھا لینے کا نام ترقی رکھا ہے 361
لکھنؤ کے ایک مولوی صاحب کی دعوت کا قصہ 361
دنیاداروں کی تعظیم صرف خوف کی وجہ سے ہوتی ہے 362
اہل دین کے حد سے بڑھنے کا بیان 362
اہل دنیا اور اہل دین کے چندہ مانگنے میں بہت فرق ہے 364
مدرسہ اور انجمن کی ترقی کی آسان ترکیب 365
اصلاح کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے 366
عاشق بدنام ہوتا ہے 367
تقویٰ کے حاصل کرنے کا طریقہ 368
خوف پیدا کرنے کا طریقہ 369
بزرگوں کے موت کی خواہش کرنے کا بیان 370
غیبت کا علاج 372

(۱۸) قربانی کی ترغیب

قرآن شریف کی تعلیم دینے والے سستے کیوں ہیں 374
قربانی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت فرمانا
قربانی کی بڑی بھاری فضیلت ہے 375
انسان کو باپ دادا کے طریقہ سے بہت تعلق ہوتا ہے 375
قربانی کی ترغیب 377
ایک بدو کی محبت کی حکایت 378
ایک شبہ اور اس کا جواب 378
صدقہ میں مال کم نہ ہونے کا کیا مطلب ہے 379

(۱۹) توبہ کی ضرورت

اہل اسلام کی موجودہ حالت سے سخت اندیشہ ہے 382

(۲۰) توبہ کی تفصیل

(۲) اس آیت سے مقصود توبہ کا حکم کرنا ہے، توبہ کی حقیقت 402
ایک مضمون کے بار بار بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے 402
توبہ کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے 402
ہم سے ہر وقت گناہ ہوتے ہیں 403
گناہ کی حقیقت 403
آج کل مسلمان شریعت کے حکموں کو بہت کم جانتے ہیں 403
پردہ کی ضرورت دلیل سے 403

عورتوں کے عالم بننے کا طریقہ 404
مردوں پر ضروری ہے کہ عورتوں کو دین سکھلائیں 404
عورتوں کو شریعت کے تابع بنانے کی تدبیر 405
دل کے گناہ 405
حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت غیبت کے بارہ میں 406
شادی کی رسمیں 406
برادری کے کینہ نکالنے کی حکایت 408
توبہ نہ کرنے کا پہلا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو دین کا علم نہیں 410
ایک انگریزی فاضل کی حکایت 410
عورتوں کی دین سے ناواقف اور سستی 410
جہالت کا علاج 411
بغیر استاد سے پڑھے ہوئے مسئلے سمجھ میں نہیں آتے 411
علم دین سیکھنے کی ترغیب 413
آجکل لوگ بیکار چیز خدا کیلئے دیتے ہیں 413
عوام کے عالم بننے کا طریقہ 415
دوسرا سبب توبہ نہ کرنے کا گناہوں کو ہلکا سمجھنا ہے 415
گناہ کے ہلکا سمجھنے کا سبب کیا ہے؟ 415
گناہ کو ہلکا سمجھنے کا علاج 415
گناہ کے ہلکا سمجھنے کا دوسرا سبب 416
گناہ کے عادی بن جانے کا علاج 416
توبہ نہ کرنے کا تیسرا اور چوتھا سبب 417
توبہ نہ کرنے کا پانچواں سبب 418
پانچویں سبب کی وجہ 418
ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ خیال ہے کہ خداوند تعالیٰ بخش دیں گے 419
خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کے کیا معنی ہیں 420
ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا۔ مع جواب کے 420
دنیا کے کاموں کے لیے تدبر کرنا اور آخرت کے کاموں کو تقدیر پر چھوڑ دینا بڑی غلطی ہے 421
توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہئے اور دیر کرنے کے نقصان 421
(۳) توبہ نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سمجھتے ہیں کہ گناہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتا۔ مع جواب اور طریقہ کے 422
ایک سبب توبہ نہ کرنے کا گناہ کی لذت ہے۔ مع جواب اور اس کا بیان کہ گناہ کے نقصان دنیا میں بھی پہنچتے ہیں 424
دین کے پانچ حصے ہیں 426
ہمارے بھائیوں نے دین کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ لے لیا ہے 426
کسی چیز کو منحوس سمجھنا مع جواب 427

ٹوٹکے 428
نماز کے اندر کمی 430
زکوٰۃ اور حج میں سستی 430
معاملات میں بہت زیادہ گڑبڑ ہے 430
ریل کے سفر میں عورتوں کی بے احتیاطی 431
ماتم کا دن 434

(۲۱) اسلام کی تکمیل

وعظ ایک روحانی علاج ہے 436
وعظ سننے سے بعض لوگوں کی غرض اعتراض کرنے کی ہوتی ہے 437
بعضوں کی غرض لذت ہوتی ہے 437
بعضوں کی غرض ثواب کی ہوتی ہے 437
وعظ کی اصلی غرض اپنے مرضوں کا علاج 437
اس وقت یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اسلام اصل میں کس چیز کا نام ہے 438
صرف توجہ سے کام نہیں چلتا 438
ہمارا اسلام کا دعویٰ کیا ہے 439
اسلام کا مقصود کیا ہے 440
جو لوگ قوم کی خیر خواہی کا دعویٰ کرتے ہیں اوّل ان کی اصلاح ضروری ہے 440
بی بی تمیزہ کے وضو کا قصہ 441
نئی وضع والوں نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں 442
لوگوں نے اسلام کچھ اور ہی چیز کو سمجھ رکھا ہے 443
بعض لوگوں نے عقیدوں میں بھی کانٹ چھانٹ کی ہے 443
اسلام کے قانون کی دلوں میں عزت نہیں ہے اسی واسطے اس کی دلیلیں پوچھتے ہیں اور حاکموں کے قانون کی عزت ہے 444
بعض لوگ دلیلیں دوسروں کو بتلانے کی غرض سے پوچھتے ہیں 445
بعض نے اعمال میں کانٹ چھانٹ کی ہے 445
بعض نے زکوٰۃ چھوڑ دی 445
بعض نے حج چھوڑ دیا 445
بعض نے ناجائز آمدنی کو نہ چھوڑا 446
دیندار بھی بعض خرابیوں میں پھنسے ہوئے ہیں
ریل کے سفر میں اسباب زیادہ لے جاتے ہیں
ڈاکخانہ کے بعض قاعدوں پر عمل نہیں کرتے 446
اسلام کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا 447
اسلام کے امن کی دوسری مثال 448
بعض نے اپنے طرزِ زندگی کو بگاڑ رکھا ہے 448
دوسرے کے گھر اجازت لے کر داخل ہونا 448
بلا ضرورت جمع ہونے سے ممانعت 449
اگر تین آدمی ایک جگہ ہوں تو دو آدمی تیسرے سے چھپا کر باتیں نہ کریں 449
بعض نے اخلاق کو چھوڑ دیا 450
اسلام کامل میں کتنی چیزیں ضروری ہیں؟ 450

ہمیں مسلمان کہلانے کا کتنا حق ہے 450
ہمارے مرضوں کا علاج ان مرضوں کا سبب علم کی کمی اور ہمت کی کمزوری ہے 451
علم دین حاصل کرنے کی ضرورت 451
ایک شبہ اور اس کا جواب 452
اکبر شاہ کی حکایت 452
عالموں کو چاہئے کہ اپنی نیت خالص رکھیں 452
ضرورت کے لائق علم دین پڑھنا ضروری ہے 453
ان پڑھوں کو مسئلے سکھانے کا طریقہ 453
ہمت کی کمزوری اور خوف کی کمی کا علاج 453
اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنی ضروری ہے 454

(۲۴) معاصی کا ترک کرنا

(۱) مقصود وعظ کا ایک بڑے نقصان کا بیان اور اس کے بچاؤ کا طریقہ ہے 455
خدا تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں 455
خدا تعالیٰ کا نفع پہنچانا بے غرض ہے اور مخلوق کا نفع پہنچانا غرض سے ہے 456
وہ نقصان گناہ ہے 459
دنیا کی تکلیف خواہ کتنی ہی بڑی ہو اس میں نفع بھی ہے 460
آخرت کے عذاب میں راحت اور نفع بالکل نہیں 460
آخرت میں ہزار برس کا دن ہونے پر شبہ اس کا جواب 461
گناہ کی خاصیت عقل کھو دینا ہے 462
گناہ میں دنیا کی تکلیف بھی ہے 462
گناہ کی تکلیف اور عبادت کی راحت معلوم کرنے کا طریقہ 463
ایک بزرگ کا حکایت 464
حضرت بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت 464
پریشانی کا اصلی سبب خدا کے غیر سے تعلق رکھنا ہے 465
راحت تمام کام خدا کو سونپ دینے میں ہے 465
حکایت حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی 466
اللہ والوں کی راحت و اطمینان پر شبہ مع جواب کے 466
گناہ کرنے والے ہمیشہ مصیبتوں میں پھنسے رہتے ہیں 467
آخرت کی فکر رکھنی چاہیے 467
اگر ہم توجہ کرتے ہیں تو وظیفوں کی طرف 470
آج کل بزرگی صرف وظیفوں کے اندر سمجھتے ہیں 470
اور اگر گناہ کو چھوڑتے ہیں تو بعض چھوڑتے ہیں کل نہیں چھوڑتے 471

آنکھ کا گناہ 472
زبان کا گناہ 472
کان کا گناہ 472
ہاتھ کا گناہ 472
پیٹ کا گناہ 473
تمام بدن کا گناہ 473
تصویر اور کتے اور داڑھی منڈانے کا بیان 474
باطنی گناہ 475
گناہ چھوٹ جانے کا طریقہ 475

(۲۳) مسجد کے آداب

مسجد میں اللہ کے ذکر کے خلاف کوئی کام کرنا مسجد کی ویرانی ہے 478
قرآن پڑھ کر روپیہ کمانے کی برائی 478
دین کو دنیا کے عوض بیچنے سے بزرگوں کی احتیاط 478
رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ دینا صرف محبت کی وجہ سے ہوتا تھا 479
سب سے بری جگہ بازار ہے اور سب سے اچھی جگہ مسجد ہے 483
بزرجمہر کی حکایت 483
ایک دوست کی عجیب حکایت 484
(۵) مسجد کا کتنا ادب ہونا چاہیے 485

(۲۴) دعا کے شرائط (حصہ اوّل)

دعا میں جب تک دل نہ لگایا جائے اس وقت تک وہ دعا نہیں 488
دعا کے اندر ایک خاص خوبی ہے جو اور عبادتوں میں نہیں! 489
حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا خواب میں حق تعالیٰ سے نزدیک کا راستہ دریافت کرنا 490
(۴) پیر کے پاس رہنا نہایت ضروری ہے 490
سچی طلب ہونی چاہئے 490
ایک بزرگ کا عجیب قصہ 490
دست غیب کی حقیقت 491
دعا کی ترغیب 491

(۲۵) دعا کے شرائط (حصہ دوم)

جو کام اپنے اختیار کے ہیں ان میں ہی دعا کی ضرورت ہے 493
دعا کے ساتھ تدبیر بھی کرنی چاہیے 494
کبھی دعا سے بلا تدبیر کے بھی کام چل جاتا ہے 494
یقین کی برکتیں 495
بسم اللہ کہہ کر دریا سے پار اتر جانا 495
مالداری کوشش و تدبیر پر موقوف نہیں 496
بعضوں نے یہ زیادتی کی کہ تدبیر کو بالکل ہی چھوڑ دیا 496
توکل کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے ہدیوں کا لالچ نہ ہو 497
ایک بزرگ کا لالچ سے پرہیز 497

تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں اور اس کی ایک مثال 498

آنحضرت ﷺ کا' توکل کے ساتھ تدبیر کو جمع کرنے کا بیان 498

لوگوں کی تکلیف سے حضور ﷺ کی احتیاط 499

نواب صدیق حسن خان کے صاحبزادے کی حکایت 499

آج کل کے پڑھے لکھے بھی حقیقت نہیں سمجھتے اور اس پر ایک مزید حکایت 500

دعا سے غفلت کرنے کا پہلا سبب 502

دعا سے غفلت کرنے کا دوسرا سبب 502

دعا سے غفلت کرنے کا تیسرا سبب 503

ہم لوگوں کا دعا میں کوتاہی کرنا 503

دعا میں دوسری کوتاہی 504

ایک شخص کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آئندہ کی باتیں معلوم ہو جانے کی دعا کرانا 505

(۲۶) صوفی کا طریقہ

شریعت میں کوئی دشواری نہیں بلکہ دشواری خود ہمارے ہی ہاتھوں ڈالی ہوئی ہے 509

دعا کے اول اور آخر میں درود شریف پڑھنے کی حکمت 512

جماعت کی حکمت 512

(۴) نیک نیت کے متعلق ایک بزرگ کی حکایت 513

کاملوں کو بھی مصیبت کے وقت تکلیف ہوتی ہے 514

مصیبت کے وقت رنج نہ ہونا کمال نہیں اس کے متعلق حکایت 515

ایک حکیم صاحب کا حدیث کے موافق علاج کرنا 518

تہجد سے محروم رہنے والوں کی غلطیاں 519

(۲۷) گناہوں کا سرسری سمجھنا

توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا حماقت ہے 524

توبہ میں دیر کرنے کی وجہ اور اسکی خرابیاں 525

زیادہ مال کے کارآمد نہ ہونے کے متعلق ایک حکایت 526

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسہ پر توبہ نہ کرنی بڑی غلطی ہے 527

گناہوں کی لذت کی مثال 527

ساری مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور اس کے متعلق ایک بزرگ کی حکایت جو خدا تعالیٰ کی تابعداری کرتا ہے' ہر چیز اس کی تابعداری کرتی ہے اور اس پر حاجی صاحب کی حکایت! 528

دریائے نیل کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رقعہ کی وجہ سے جاری ہونے کا قصہ 529

آسانی کے ساتھ گناہ چھوٹ جانے کا طریقہ 531

(۲۸) معاشرت کے حقوق

اخلاق وعادات کے لیے بھی خاص آداب ہیں 534
سلام کے اندر بے احتیاطیاں 535
بعض لوگ دوسری غرض کے لیے پیٹھ کے پیچھے نیت باندھ لیتے ہیں 536
مولانا فتح محمد رحمہ اللہ صاحب کی حکایت 536
مصافحہ کے آداب 539
جس وقت مصافحہ کرنے سے تکلیف ہو ایسے وقت مصافحہ نہ کرنا چاہیے 541
سفارش کے آداب 541
کسی کو پیچھے سے نہیں پکارنا چاہیے 544

(۲۹) اخلاص (حصہ اول)

اس اعتراض کا جواب کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے 551
وسوسہ کا بیان اور اس کا علاج 555
بعض لوگوں کا حیلہ کہ ہم دنیا دین کے لیے کماتے ہیں اور اس کا جواب 570
کونسی دنیا بری ہے 571

(۳۰) اخلاص (حصہ دوم)

آجکل کے دینداروں کی نظر بھی صورت پر ہے 574
بزرگوں کی تعظیم میں نفس کی چالاکی 575
دکھلاوا بڑا سخت گناہ ہے 576
کسی بزرگ کی اولاد میں ہونا یا کسی بزرگ کا مرید ہونا بغیر نیک کاموں کے نجات کے لیے کافی نہیں 576
برکت کی مثال 577
اگر عمل بھی ہو تو بزرگوں کی اولاد میں ہونے سے درجے بڑھتے ہیں 577
افسوس پیری مریدی کی جو غرض تھی آجکل اس کو بدل دیا 578
ایک دوکاندار پیر کی حکایت 578
آج کل دکھلائے کا مرض عام طور پر پھیل رہا ہے 580
طبعی خوشی پر کچھ ملامت نہیں اور اس کے متعلق اہل خلوص کی اصلاح 580
اپنے نیک کام اگر دوسرا شخص دیکھ لے تو خوش ہوتے ہیں اور وہ خوشی تین طرح کی ہوتی ہے! 581
دکھلاوا کی برائی 582
جو لوگ دکھلائے کا علاج کرتے ہیں اور پھر بھی اس کے عمل میں دکھلاوا کی شرکت ہو جاتی ہے ان پر کچھ ملامت نہیں 583
آجکل دیندار بھی نیک کاموں کے اختیار کرنے میں اور گناہوں سے پرہیز کرنے میں وضع اور رسم ورواج کا پابند ہے 583
حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ کی خوشی نیتی

کی حکایت 585
علاج کی شرطیں 586
پیر سے اصلاح کرانے کا طریقہ 587
حرص ام الامراض ہے 589

(۳۱) عورتوں کی اصلاح

ایک لڑکی کے تکبر کا قصہ 592
غرور جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے 593
عورتوں کے لعنت ملامت کرنے کا بیان 594
بددعا لگ جانے کی حکایت 594
خاوند کی ناشکری کا بیان اور مولوی عبدالرب کا لطیفہ 595
عورتوں کی حرص کی مثال 595
آجکل بڑے گھروں میں بڑی فضول خرچی ہے 596
ایک دلہن کے جہیز کا قصہ 596
بعض لوگوں کے اس عذر کا جواب کہ ہم جہیز کو دکھائے کے لیے نہیں دیتے 597
ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینے کا ذکر 597
عورتوں میں مردوں سے عقل کم ہے چالاکی اور مکر زیادہ ہے 598
میاں جی کی حکایت 598
دین کے جتنے پیشوا ہوئے ہیں سب عقل مند تھے 599
عورتوں کی چالاکی کا بیان 599
مردوں کی بے احتیاطی 600
خاوند کی ناشکری اور ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینے کی دو وجہ ہیں 600
دین کی تمام باتوں میں سے صرف وظیفوں کے اختیار کرنے میں 601
شرافت کے متعلق ایک شبہ 602
سب کے نسب کی انتہا حضرت آدم علیہ السلام پر ہے پس انہیں کی طرف منسوب کرنا چاہیے 603
اس کا جواب کہ نسب میں قریب کا اعتبار ہے اور •
ایک بزرگ کا ایک نوجوان کو نصیحت کرنے کا قصہ 603
نسب کا آخرت میں تو اعتبار نہیں مگر دنیا میں اعتبار ہے 603
نسب کا اعتبار دنیوی انتظام کے لیے ہے اس پر غرور کرنا جائز نہیں غیر شریفوں کا یہ غرور کہ وہ اپنے کو شریفوں کے برابر سمجھتے ہیں! 604
بغیر اخلاق درست ہوئے عبادت اور وظیفہ کار آمد نہیں 605
اصلاح کا طریقہ 606
تمام خرابیوں کی جڑ بے فکری ہے 607

(۳۲) اتباعِ نفس کی برائی

نفسانی خواہش کی پیروی میں عام لوگ مبتلا ہیں 609
جو لوگ دیندار کہلاتے ہیں وہ دین کے رنگ میں نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں 610
شریعت کے تابع نہیں ہوتے شریعت کو اپنا تابع

بتانا چاہتے ہیں 610

ایک شخص کی حکایت جو کہ رضاعی بہن کے حلال ہونے کا فتوے چاہتے تھے 610

ایک چمار کی حکایت 611

دین کے بارہ میں ملامت سننے سے آدمی دین میں اور پکا ہو جاتا ہے 612

کنجوسی اور غصہ وغیرہ بھی اپنے موقع پر نفع کی چیزیں ہیں 612

پیروی کرنے کے قابل صرف وحی ہے 613

آجکل دین پر اس وقت عمل کرتے ہیں جبکہ اپنی خواہش کے خلاف نہ ہو 614

ترکہ تقسیم کرنے کے لیے فرائض اس وقت نکلواتے ہیں جبکہ اپنے ملنے کی امید ہو اور اس پر ایک حکایت 616

ایک شخص کی حکایت جو حقدار کو مردہ کے ترکہ سے محروم کرنے کے لیے اس کے کفر کا فتویٰ چاہتا تھا 617

ہر شخص کو مولوی نہ بنانا چاہیے 618

مدرسہ نظامیہ بنانے کا قصد 618

بادشاہ کا اس وقت مدرسہ کے امتحان کے لیے آنا اور اس کے توڑنے کا ارادہ کر لینا اور امام غزالی ؒ کی وجہ سے باقی رکھنا 619

امیروں کے پاس ایسے مولوی کو جانا درست ہے جو حق بات کہتا ہو اور دبتا نہ ہو 620

ایک بزرگ کی حکایت 620

حضرت ابوالحسن نوری ؒ کی حکایت 620

جو مولوی امیروں سے ملتے ہوں اور ان کو بری باتوں سے منع نہ کرتے ہوں وہ دین کے لیٹرے ہیں 622

ایک مولوی صاحب کا قصہ جو دین کے لیٹرے تھے 622

دین کا شکل میں نفسانی خواہش ہونے کی مثالیں 623

حضرت حاجی صاحب ؒ کی ایک کرامت 624

ایک بزرگ کی حکایت 625

ذکر و شغل کرنے والوں کو شیطان کے دھوکہ دینے کا بیان 630

ذکر سے مقصود کیا ہے 630

امام غزالی ؒ کی حکایت 631

شب برات کی بدعتوں کا بیان 632

بدعتیں کس کی نکالی ہوئی ہیں؟ 635

بدعتیں چھڑانے کی ترکیب 636

خدا تعالیٰ کے کاموں میں اپنی رائے کو دخل دینا بڑی سخت بات ہے 636

بزرگوں کو ایسی باتوں پر ڈانٹا جاتا ہے جس میں گستاخی کا شبہ بھی ہو اور اس پر ایک حکایت 637

کبھی ایسے شخص سے بھی برکت پہنچتی ہے جس کی طرف وہم و گمان بھی نہیں ہوتا 639

بیعت کرتے وقت حاجی صاحب ؒ کی عجیب نیت 639

(۱) حساب کی آمد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلَّمَ۔

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَھُمْ فِی غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَO

ترجمہ ’’لوگوں کا حساب نزدیک ہوگیا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں‘‘

وعظ سننے کا طریقہ

میں پہلے یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ وعظ سننے سے لوگوں کی غرضیں جدا جدا ہوتی ہیں، بعض کی غرض صرف مجمع وعظ کی شرکت ہوتی ہے، اور بعض کی غرض مجمع کی برکت لینا ہوتا ہے، اور بعض کی غرض اپنے مرضوں کا علاج ہے، وہ اس طرح کہ وعظ کہنے والا جو کہتا جائے یہ بات کہ ہر شخص کو اپنے دل کے مرض معلوم ہو سکتے ہیں، جن کو وہ وعظ کے مضمون سے ملا ملا کر دیکھتا جائے۔ تو سمجھ لیجئے کہ ہر ایماندار کو خواہ وہ کتنا ہی کم درجہ کا کیوں نہ ہو ایک بڑا نور دیا گیا ہے۔ کہ جس سے وہ اپنے نفع اور نقصان کو دیکھ سکتا ہے، جس طرح بہت سے چراغ رکھے ہوں کہ سب میں کم یا زیادہ روشنی ضرور ہوتی ہے، حاصل یہ ہے کہ اچھی غرض وعظ سننے سے اپنے حال کی درستی اور ان پر وعظ کہنے والے کی باتوں کو ملا ملا کر دیکھنا ہے اگر اس کوشش میں مر بھی جائے گا تو نیکیوں میں شمار ہوگا۔ یہ تمہید ہوئی۔

اب سنئے کہ اللہ میاں نے شکایت کی ہے بندوں کی غفلت کی وہ یہ کہ ان کا حساب بہت قریب آن لگا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں، اور یہ سمجھ لیجئے کہ شکایت دوست کی ہوتی ہے۔ جس سے غرض یہ ہے کہ وہ اپنی درستی کر لے۔ شکایت سے تعلق توڑنا منظور نہیں ہوتا، اگر کسی سے علاقہ رکھنا منظور نہیں ہوتا تو اس کی شکایت نہیں کیا کرتے دشمن کی شکایت ہی کیا جو کچھ کرے تھوڑا ہے۔ دشمن کے مقابلہ میں تو صاف جواب ہوا کرتا ہے معلوم ہوا کہ اللہ میاں شکایت کرتے ہیں بندوں سے تعلق دور نہیں کرتے بلکہ ان کو اپنا بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کلام اللہ میں فرماتے ہیں: ﴿واللہ یدعوا الی دار السلام﴾ ترجمہ: اللہ میاں جنت کی طرف بلاتے ہیں، اور یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ بدون اپنی کسی غرض اور نفع کے ہمیں سنوارنا چاہتے ہیں۔ اس بات پر بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ جب اللہ میاں کو ہمارے عملوں کی ضرورت نہیں تو پھر کیوں ہمیں تکلیف دی ہے۔ اس کے بارے میں میں کہتا ہوں کہ اگر مریض یوں کہے کہ حکیم جی کو میرے علاج کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کو تو کوئی نفع ہی نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا بیمار اچھا نہیں ہوسکتا، مریض کبھی خیال نہیں کرتا کہ میں حکیم جی پر بڑا احسان کرتا ہوں، اور عبادت کرنے والے کو یہ خیال ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کرنے والا یوں سمجھتا ہے کہ عبادت اللہ میاں کا کام ہے۔ حالانکہ ان کا کام نہیں۔ پھر ہمارے اوپر یہ مہربانی دیکھو کہ اللہ میاں نے پہلی امتوں کو ایک ہی دفعہ ایک کتاب عمل کرنے کو بھیج دی۔ جس میں دل کے سارے مرض لکھے ہوئے تھے۔ اور یہ کام بندوں کے سپرد کر دیا کہ اپنی ضرورت کے موافق اس کتاب میں سے نکال لیں اور اس امت کو ایک ایک نسخہ کر کے بھیجا۔ یعنی مختلف وقتوں میں کلام اللہ کی آیتیں اتاریں یہ نہیں کہ ایک ہی دفعہ پورا کلام اللہ بھیج دیا ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حکیم ابتدائی علاج سے انتہا تک ہر وقت کی موافق ایک ایک نسخہ دیتا ہے۔ یہ زیادہ مہربانی اور رحمت کی صورت ہے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ رحمت ہوئی کہ ہمارے علاج کی دیکھ بھال کے لئے کیسے مہربان پیغمبر ﷺ کو بھیجا چنانچہ کلام اللہ کے اندر حضور ﷺ کے بارہ میں ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ (ترجمہ) آپ صرف خدائے تعالیٰ کی رحمت سے

اس قدر مہربان ہیں۔

پھر خیال تو کرو کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت کی کیا قدر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے انتہا مہربان اور نرم تھے۔ اس سے کیا زیادہ بات ہوگی کہ اللہ میاں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہد الکفار کا حکم فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت نرمی نہ کیجئے کچھ تو سختی چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کی برائی تو چاہی نہیں، اگر کبھی انسانی تقاضے سے تمہارے نقصان کی دعا مانگی بھی تو پہلے خداوند تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ اس دعا کو رحمت کا سبب کر دیا کریں نہ نقصان کا۔ اگر غور کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تو دعا، بددعا بھی دعا ہے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہے۔ کہ صرف زبانی درستی نہیں فرمائی بلکہ خود محنت اٹھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی یہ خیال نہ ہوا کہ عبادت کی کیا ضرورت ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی باتیں سب معاف کر دی تھیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے تھے۔ کہ پاؤں مبارک ورم کر آتے تھے اور فرماتے۔

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ (ترجمہ) کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود بخشش ہو جانے کے یہ حال تھا۔ پھر ہمیں کیا ہوا ہے حالانکہ ہماری یقینی بخشش بھی نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بطور شکر عبادت کرنے پر قصہ یاد آیا وہ یہ کہ ایک بزرگ نے ایک پتھر کو دیکھا کہ رو رہا ہے۔ بہت رحم آیا اور بذریعہ کشف معلوم کیا کہ کیوں روتا ہے۔ اس نے کہا کہ جب سے یہ آیت اتری ہے۔ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (ترجمہ) دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جب سے برابر رو رہا ہوں۔ ان بزرگ نے دعا مانگی کہ اللہ میاں اس پتھر کو دوزخ سے بچا ہی دیا جائے۔ دعا قبول کر لی گئی۔ اس پتھر کا آپ نے اطمینان کر دیا۔ پھر ایک مرتبہ جو گزر ہوا تو دیکھا کہ پہلے سے زیادہ رو رہا ہے۔ اس پر بڑا تعجب ہوا پوچھا کہ اب بھائی کیوں رو رہا ہے۔ تیری تو نجات ہو گئی۔ اس نے کہا واہ جس عمل سے یہ نتیجہ ہوا اس کو اور زیادہ کیوں نہ کروں، غرض یہ ہے کہ عبادت میں بالکل اپنا ہی نفع ہے۔ اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عبادت اللہ میاں کا کام ہے بس بوجھ سا اتار دیا۔ ہمارے نفس دین کے چھوڑ دینے کے لئے یہ سب حیلے کرتے ہیں۔ ہمارے ذمہ جو حقوق ہیں

انکا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ اپنی طرف ہم کو نہ بھی بھیجتے اور مہربانی نہ بھی کرتے تب بھی ہماری طرف سے ہمیشہ طلب جاری رہتی۔ اگر چہ ادھر سے انکار ہی ہوتا۔ مگر نہیں ادھر سے انکار نہیں طلب ہی ہے اور لوگوں کا معاملہ اللہ میاں کے معاملہ کے خلاف ہے کہ وہ بلا رہے ہیں اور یہ منہ پھیرتے ہیں، اس واسطے اللہ میاں شکایت کرتے ہیں، جدا کرنا منظور نہیں۔ محبت جب ہی تک رہتی ہے جب تک گلہ شکایت رہے۔ فرماتے ہیں: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔ کہ لوگوں کا حساب بہت قریب آ گیا اور ان کو کچھ خبر نہیں نہ کچھ پہلی باتوں کا بدلہ کرتے ہیں نہ آئندہ کے لئے احتیاط۔ ہر بات میں جو معاملہ ہمارا ان کے ساتھ ہے لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں۔ ہماری حکم کی ہوئی اور منع کی ہوئی باتوں پر بالکل نہیں چلتے۔ نہ قول میں، نہ فعل میں، نئی نئی باتیں اور کام اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں۔ اور ان کو ہماری خوشی کا سبب جانتے ہیں۔

سوئم چہلم وغیرہ:

ہزاروں مثالیں اس کی ہیں جیسے سوئم چہلم وغیرہ مشہور حدیث ہے:۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (ترجمہ) کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اب دیکھ لیجئے کہ جو کام رواج پا رہے ہیں ان میں نیت کیا ہے۔ صرف ریا کاری اور برادری کو دکھلانا کہ ہم نے فلانے کی موت ایسی کی۔ کہا کرتے ہیں ارے میاں روپیہ دو روپیہ کے چنوں کے لئے ناک کٹی کراتے ہو معلوم ہوا کہ صرف نک کٹی کا خیال اس کا سبب ہے جب اس کام میں صرف نیت ریا کاری ہے تو ثواب کیسا۔ اور جب کرنے والے کو ثواب نہ ہوا تو جس کو بخشتا ہے اس کو کیا چیز پہنچے گی اور جو کوئی اس سے منع کرے تو کہتے ہیں کہ واہ صاحب ثواب پہنچانے سے منع کرتے ہیں۔ سو یہ بات نہیں ہے بلکہ منع کرنے والا ایک صورت سے منع کرتا ہے اور دوسری صورت ثواب پہنچانے کی بتلاتا ہے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ جیسے اس وقت حج بمبئی کے راستے سے منع ہو گیا اور چاٹگام سے اجازت ہے۔ وہ دوسری صورت ثواب پہنچانے کی یہ ہے کہ جتنا روپیہ سوئم و چہلم وغیرہ میں خرچ کرتے ہو۔ محتاج بیواؤں کو چھپا کر دے دو۔ دیکھو کتنا ثواب ہوتا ہے۔ مگر بڑا خیال تو یہ ہے کہ برادری کیا کہے گی۔ چار چار دانہ

برادری کو ملنے چاہئیں تاکہ شہرت ہو جائے، چاہے بھلا ایک کا بھی نہ ہو۔

جمعرات کی فاتحہ اور مردہ کا سامان:

لوگوں نے طرح طرح کے دستور باندھ رکھے ہیں۔ مثلاً جمعرات کا دن آیا اور مسجد کے ملاں کے پاس حلوے اور مٹھائی کی بھرمار ہو رہی ہے ہفتہ کے دوسرے چھ دن دنوں میں تو بے چارے کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ بچی کچھی روٹی اور بسا ہوا سالن اس غریب کے لئے ہے اور آج ساتویں دن آرزو کرتے کرتے یہ دن آیا کہ ایک سالن سے دوسرا سالن اسے ملے گا مگر یوں بے کار ہے کہ ایک دم سے اس قدر آ گیا کہ سب کھا نہیں سکتا اور ہفتہ بھر تک رکھا بھی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ بگڑ جائے گا ملاں بے چارہ اس کو سکھاتا ہے اور پھنکی بنا کر نگلتا ہے۔ اور جو چیز سکھانے کے لائق نہیں جیسے حلوہ اور تر چیز وہ اس کو محلہ والوں سے چھپا کر بیچ دیتا ہے۔ خیال تو کیجئے کہ اس کی نیت بگڑی اور آپ کا مال برباد ہو گیا۔ اگر بجائے اس کے کہ جمعرات ہی کو خیرات کریں دوسرے دنوں میں بھی کوئی نئی چیز اس کے پاس بھیج دیا کرتے تو اس کی نیت نہ بگڑتی اور نہ سکھانے کی نوبت آتی یا یہ دستور ہے کہ مردہ کے کچھ کپڑے اور جانماز وغیرہ اذان دینے والے کو دی جاتی ہے۔ اور ان کپڑوں کے دینے کا دستور اس طرح تاکید سے ہے کہ چاہے گھر میں ان کے سوا اور کچھ سامان نہ ہو، اور گھر کے بچے ننگے ہی رہ جائیں مگر رسم کے خلاف نہ ہو حالانکہ ترکہ میں وہ کپڑے بھی داخل ہیں اور مردہ کا چھوڑا ہوا مال جس کو ترکہ کہتے ہیں سب وارثوں میں مشترک ہے۔ بعض وارث نابالغ ہوتے ہیں ان کے مال میں خیرات کرنا حرام ہے بعض غائب ہوتے ہیں۔ بعض کا دینے کو دل نہیں چاہتا اور کپڑوں کا اچھا پن دیکھ کر لالچ آتا ہے۔ مگر مجبوراً دیئے جاتے ہیں۔ ورنہ برادری والے دیکھ کر کہیں گے کہ دیکھو مردہ کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ اور اگر کپڑے قیمتی ہیں اور پہنچے مئوذن کے پاس تو یوں ان کا ناس ہوا کیونکہ وہ ان کی قدر نہیں جانتا، بازار میں لے جا کر جن داموں بکیں بیچ دیتا ہے۔ صاحبو! اگر یوں صورت کی جاتی کہ ان کو تقسیم کر کے جو بالغ موجود ہوں وہ اپنا حصہ بخوشی بیچ کر قیمت خیرات کر دیتے اور نابالغوں کا حصہ حفاظت سے رکھا جاتا تو کیا اچھی بات تھی۔ یا بچوں کو پہننے دیتے تو کیا جرم تھا۔

مردہ کی قبر پر قرآن شریف پڑھوانا اور مؤذن کی ذلت

یا بعض جگہ دستور ہے کہ مردہ کی قبر پر چالیس ۴۰ روز تک قرآن شریف پڑھواتے ہیں اور کچھ اجرت حافظ کو دینی پڑتی ہے اور اتنے دنوں کا کھانا بھی ملتا ہے۔ اس کے بارہ میں سنیئے۔ وہ یہ کہ قرآن شریف پڑھ کر اجرت لینا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہ یعنی مسئلوں کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور قرآن شریف پڑھانے میں جو جائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے تو اس ضرورت سے کہ لوگوں کو یوں تو پڑھانے کا شوق رہا نہیں اگر پڑھانے کی تنخواہ کو بھی منع کر دیا جائے تو قرآن شریف کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہے۔ اور مردہ کی قبر پر نہ پڑھوانے سے یہ ڈر ہی نہیں اس لئے وہ حرام ہی رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جب بدلہ لے کر قرآن شریف پڑھا گیا تو پڑھنے والے ہی کو ثواب نہ ہوا پھر مردہ کو کیا چیز بخشے گا۔ اس لئے یہ اجرت آپ کی برباد ہوگئی اور حافظ صاحب کے دل پر جو کچھ اثر ہوا وہ الگ۔ وہ ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مرے اور جہاں جنازہ دیکھا اور اطمینان ہوا کہ اب چالیس روز کا سہارا تو ہوا۔ چلہ جوں جوں ختم ہوتا جاتا ہے، تو دعا مانگتے جاتے ہیں۔ وہ مثل ہے کہ مرے موٹا اور بھرے لوٹا۔ صاحبو! یہ ساری خرابیاں کاہے سے پیدا ہوئیں صرف پابندی رسم سے۔ اگر آپ حافظ جی کو یوں ہی کبھی دعوت کر کے عمدہ کھانا کھلا دیا کرتے اور اپنے کپڑوں میں سے کبھی کپڑا دے دیا کرتے تو کیوں وہ تمہارے مرنے کو تکتے۔ مگر حالت یہ ہے کہ بجز موقع موت کے اس کی کوئی بات بھی نہیں پوچھتا اور خاص کر مؤذن کو نوکروں چاکروں سے بھی زیادہ ذلیل سمجھ رکھا ہے۔ نہ معلوم اس طرف یہ بات ہے یا نہیں ہمارے قصبات میں تو محلہ کا پانی تک اس سے بھرواتے ہیں۔ یوں دستور ہے کہ اگر کسی کے مکان سے اصیل یا ماما مسجد کے کنوئیں پر گھڑا بھرنے کو لائے اور مؤذن موجود ہو تو اچھا تو یہ ہے کہ وہ گھڑے کو بھر کر مکان تک پہنچا آئے اور کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ اپنے ہاتھ سے بھر کر اس اصیل کو دے دیں۔ بے چارے کو سینکڑوں گھڑے بھرنے پڑتے ہیں۔ کیا محلہ والوں کا یہ نوکر ہے۔ اگر اس کو روٹی دیتے ہو تو وہ اذان بھی تو کہتا ہے اور اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ مسجدوں میں طالب علم رہا کرتے ہیں۔ وہ پڑھیں یا تمہارے گھڑے بھریں اور ایسے ہی بہت سے رواج اس قسم کے ڈال رکھے ہیں کہ صدہا

خرابیوں کے باعث ہوتے ہیں وجہ اس کی کیا ہے؟ کہ ان خرابیوں پر نظر نہیں اور اسی واسطے ان کی درستی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس بات کا خیال نہیں کہ ان کاموں پر بھی قیامت میں حساب ہوگا۔ اس کا خیال رکھو اور مولویوں کے پاس بیٹھو، اور ان سے لگاؤ پیدا کرو اور اپنی باتوں اور فعلوں کی ان سے پوچھ پوچھ کر درستی کرو۔ پوچھنے میں شرم ہرگز نہ کرو۔ جب ان سے پوچھو گے تو ضرور کوئی شکل نکلے گی، ان کے پاس پہنچو گے تو خدا کے پاس پہنچو گے۔

اللہ والوں کی صحبت کا اثر:

اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے مگر ناقص صحبت سے بچنا چاہئے۔ خیر ضرورت کے واسطے مضائقہ نہیں۔ میل جول بلا ضرورت نہ چاہئے۔ اللہ والوں کی صحبت سے ضرور نفع ہوتا ہے لوگوں کا خیال یہ ہوا کرتا ہے کہ صاحب ہم فلانے بزرگ کے پاس بیٹھے تو کچھ کمال نہ ہوا۔ پہلی دفعہ میں جوش تک بھی نہ ہوا۔ یہ غلطی ہے یہ سمجھ لیجئے کہ صحبت کا اصل اثر یہ ہے کہ دنیا کی محبت گھٹ جائے اور اللہ میاں کی محبت بڑھ جائے۔ پھر کبھی نفس کی حالتوں کا غلبہ بھی اس کے ساتھ پایا جاتا ہے، بعض لوگوں کا حال سنا ہوگا کہ پیر کی بات سن کر پچھاڑ کھا کر گر پڑے۔ لوگوں کے نزدیک یہی بڑا اثر ہے۔ جہاں یہ پایا جائے وہی مجلس اچھی سمجھی جاتی ہے۔

سماع کا اثر:

عام لوگ کہا کرتے ہیں کہ میاں گانا سننا تو وہ چیز ہے کہ سانپ کو بھی مست کر دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہی دلیل ہے کہ یہ خاص حالت لائق اعتبار نہیں۔ کیونکہ لائق ماننے کے وہ حالت ہے کہ انسان ہی میں پائی جائے اور میں نہیں۔ اور جب سانپ کو اس سے اثر ہوا تو معلوم ہوا کہ گانا سننے سے ایسی کیفیت ہوتی ہے جو انسان میں بھی اور دوسرے حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس لئے کوئی کمال نہ ہوا۔ انسان کا خاص کمال تو وہ ہے کہ تمام خلقت پر بڑھ جائے۔ بلکہ فرشتوں پر بھی۔ وہ کمال یہی ہے کہ اللہ میاں کی پوری تابعداری اور نفس کی درستی پیدا ہو۔ ہاں اگر تابعداری کے ساتھ جوش کی حالت بھی پیدا ہو جائے اور اچھا ہے کیونکہ یہ نفس میں تیزی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے تابعداری پر مددگار بن جاتا ہے جیسا کہ انجن میں

آگ کہ گاڑی میں بدون آگ کے ٹھیلنے سے چلتی ہے۔مگر آگ سے خوب تیز چلتی ہے۔ غرض اصل مقصود تابعداری اور خدا کی نزدیکی ہے اگر بھڑک نہیں ہے۔ بڑی مت ہو اور جو دونوں ہوں تو یہ بہتر اور اچھا ہے۔

صحبت کا ادب لحاظ رکھنے سے ضرور اثر ہوتا ہے

لوگ صحبت کا اثر چاہتے ہیں مگر اکثر لوگ آداب صحبت کو جانتے بھی نہیں۔صحبت کے جو طریقے ہیں وہ اختیار کیجئے پھر دیکھئے کہ اثر ہوتا ہے یا نہیں۔طرح طرح کے بکھیڑے لے کر پیروں کی خدمت میں جاتے ہیں۔کوئی مقدمہ کے واسطے دعا کراتا ہے۔کوئی اولاد کو چاہتا ہے۔ اللہ میاں کا چاہنے والا بھی کوئی ہے۔ پیروں کے پاس سوائے ضروری بات کے کچھ بات نہ کی جائے۔اگر وہ خود بھی دنیا کی بات کریں تو یہ سمجھو کہ انتہا کے مرتبے تک پہنچنے والے کو ان سے نقصان نہیں ہوتا۔اور تم ابتدائی حالت میں ہو اس لئے تم کو نقصان ہوگا۔لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی بات پوچھنے کی ہو تو یوں گمان کر رکھا ہے کہ ہم جا کر بیٹھتے ہیں۔اس کو پوچھنا نہ چاہئے۔پیر خود بیان کریں۔صاحبو! اول تو یہ بات کشف سے ہوتی ہے۔اور کشف ہمیشہ اختیار میں نہیں اور مان لو کہ ان کو کشف بھی ہو گیا تو کیا ضرور ہے کہ تمہاری بات کا جواب بھی دیں۔جب تم حاجت والے ہو کر پوچھنے سے بے پرواہ ہو تو وہ بے پرواہ ہوں تو کیوں مجبور کیے جائیں۔پھر یہ ہے کہ تمہارے پوچھنے سے ان کی شفقت اور مہربانی تمہارے اوپر زیادہ ہو جائے گی۔ضرور پوچھو۔جب وہ بدون تمہارے پوچھے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو معلوم ہو جائے اور تمہیں نیک بختی حاصل ہو تو تمہارے پوچھنے سے اور زیادہ مہربانی کریں گے۔

ضروری بات پوچھنے سے رُکنا نہ چاہئے اور مراقبہ کا بیان جو بہت مفید ہے

میں نے اس مضمون کو لمبا چوڑا اس لئے بیان کیا کہ میں تاکید سے کہتا ہوں کہ مولویوں کے پاس آنا جانا اختیار کرو اور اپنی حالت کو درست کرو اور عالموں سے پوچھنے میں شرم نہ کرو۔ ایک بات بہت مفید یہ ہے کہ حساب کا مراقبہ کیا کرو جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی وقت مقرر کر کے تنہائی میں یہ خیال کیا کرو کہ میں اللہ میاں کے سامنے کھڑا ہوں اور عمل تولنے کی ترازو بھی موجود ہے اور میرا حساب ہو رہا ہے۔اور پل صراط سامنے کھڑا کر کے اس پر چلنے کا حکم دیا گیا

ہے۔ پھر دیکھنا کہ تم سے گناہ کیسے ہوتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہوں گے۔ اور اللہ میاں کا خوف دل میں پیدا ہوگا۔ اور شریعت پر چلنا دشوار نہ رہے گا۔ جب شریعت پر چلنے لگے تو پل صراط پر چلنا کوئی بات نہیں بڑے درجہ کے علماء کے نزدیک پل صراط ایک صورت ہے شریعت کی، اس لئے سالک یعنی شریعت پر چلنے والا دنیا میں پل صراط پر چل رہا ہے، اسی لئے قیامت میں کوئی دشواری نہ رہے گی۔ اور اپنے حال کو ہر وقت درست رکھو نہ معلوم کس وقت اللہ میاں کی طرف سے بلاوا ہو جائے۔ حال کے درست ہو جانے کی علامت یہ ہے مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَ ہٗ۔ جو شخص ایسا صاف ہو کہ اللہ میاں کے پاس جانے سے اس کو اندیشہ نہ ہوتا ہو تو اللہ میاں بھی اس سے خود ملنا چاہتے ہیں۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ عمل ٹھیک ہوں حدیث شریف میں ہے۔ اَحْسِنُوا الظَّنَّ بِرَبِّکُمْ۔ (ترجمہ) اللہ میاں سے اچھا گمان رکھو۔

اور تجربہ سے ثابت ہوا کہ گمان اس کا درست ہوتا ہے جس کے عمل ٹھیک ہوں اس صورت میں حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ احسنوا العمل کہ عمل ٹھیک کرو کہ وہ سبب ہے اللہ میاں سے اچھا گمان رکھنے کا اور یہ معنی تھوڑے ہی ہو سکتے ہیں کہ برے عمل کئے جاؤ اور خیال اچھا جماتے رہو۔ یہ تو دھوکہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ایسا حال بنالو کہ جب سوچو موت بری نہ معلوم ہو اور موت کا وقت مقرر نہیں اس لئے ہر وقت حال ٹھیک رکھنا ضروری ہوا۔ کیونکہ شاید یہی آخری سانس ہو اس واسطے ہم کو ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

وعظ ختم ہوا اور لوگوں نے دعا مانگی، فقط

بیماری میں وظائف کا اجر گھٹتا نہیں

مضمون

نوٹ! سخت بیماری کی وجہ سے سب وظائف گڑ بڑ ہو گئے،

جواب: حضرت تھانویؒ

بلکہ بڑھ چڑھ گئے، کیونکہ وظائف کا اجر گھٹتا نہیں اور بیماری کا بڑھ گیا۔

(از مکتوباتِ اشرفیہ)

(۲) حاضری کا خوف

(منتخب از وعظ حصہ دوم اشرف المواعظ حصہ اوّل)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلَّم۔

اَمَّا بَعْد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى

(ترجمہ) جو شخص کہ ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اور روکا نفس کو خواہش سے تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ (یہ آیت سورۃ والنازعات کی ہے)

کسی چیز کی خواہش جب ہی معتبر ہے جب اس کے ذریعوں کو بہم پہنچائیں ورنہ صرف ہوس ہی ہوس ہے اس کے لئے کئی مثالیں

اس میں حق تعالیٰ سبحانہ نے ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے جس کو ہر شخص چاہتا ہے اگر ذرا بھی کسی کو اس کی خبر ہو جائے تو وہ عاشق ہو جائے مگر پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کی خواہش جب ہی معتبر ہوتی ہے کہ جب اس کے ذریعوں میں کوشش کی جائے۔ جو شخص کسی چیز کا طالب ہو مگر اس کے ذریعے بہم نہ پہنچائے تو اس کو اس چیز کا طالب نہیں کہہ

سکتے۔ مثلاً کوئی مال دار ہونا چاہئے تو ماں حاصل ہونے کے ذریعوں کا بہم پہنچانا اس کے ذمہ ضروری ہے مگر جب اس سے کہتے ہیں کہ ان علموں کو حاصل کر جو روپیہ کمانے کے لئے ضروری ہیں پھر کسی واقف کار کی صحبت میں رہ تاکہ ان علموں پر عمل یعنی کمائی کرنے میں مہارت ہوتا کہ کچھ بچے اور تھوڑا تھوڑا جمع ہوکر ایک رقم ہوجائے اور تو مالدار ہوجائے تو وہ یوں کہتا ہے کہ واہ صاحب مجھ سے علموں میں محنت نہیں ہوتی کسی کے نخرے نہیں اٹھائے جاتے اور پابندی کا بوجھ اپنے اوپر کیوں لوں اور خرچ کو ایک حد میں کرکے دل کو کیوں ماروں جتنا دل چاہے گا اتنا خرچ کروں گا۔ تو ایسے شخص کو مال دار ہونے کا طالب نہیں کہہ سکتے ایسے آدمی کو بوالہوس[1] کہتے ہیں۔ یا مثلاً کوئی شخص جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب لینا چاہتا ہے۔ مگر ان راستوں کو نہیں چلتا جن سے جامع مسجد پہنچے اور قدم نہیں بڑھاتا تو یہ شخص جامع مسجد میں کیسے پہنچے گا۔ اور کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جامع مسجد کا ثواب کو چاہتا ہے ہرگز نہیں۔ یا کوئی شخص چاہتا ہے کہ غلہ اس کے پاس آئے اور اس سے کہتے ہیں کہ کھیتی کر زمین میں بیج ڈال پانی دے کھیت کی حفاظت کر تو یوں کہتا ہے کہ کون کھیتی کرے اور بیجا کس سے ہوسکتی ہے، کون گھر چھوڑ کر حفاظت کے لئے جنگل میں پڑے۔ مجھے تو بس چاہئے تو ایسا شخص احمق ہے اور غلہ کا طالب نہیں اور یا جیسے کوئی اولاد چاہے اور جب اس سے کہیں کہ نکاح کر اولاد ہوگی تو وہ یوں کہتا ہے کہ کون بکھیڑے میں پڑے۔ نکاح میں ایک رقم خرچ کروں پھر روٹی، کپڑا بیوی کا میرے ذمہ ہو۔ مکان کی ضرورت پڑے اور طرح طرح کی مصیبتیں کون مول لے۔ میں نکاح تو کرنے کا نہیں بس لڑکا چاہتا ہوں تو ایسا شخص احمق ہے، کیونکہ اللہ میاں نے تو اس خاص کام کو اولاد کے لئے ذریعہ رکھا ہے جو اس کو اختیار کرے گا، اولاد ہوگی، اور جیسے کوئی چاہے کہ پیٹ بھر جائے اور اس سے کہیں کہ کھانا کھاؤ لقمہ چباؤ اور نگلو پیٹ بھر جائے گا تو یوں کہتا ہے کہ میں تو یہ نہیں کرنے کا ظاہر ہے کہ ایسا شخص احمق اور بے وقوف ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ کسی کام کا طالب اگر ذریعوں کو بہم پہنچائے تو طالب ہے ورنہ بوالہوس۔

---

[1] صرف اور صرف ہوس رکھنے والا ۱۲ منہ۔

لوگ دنیا کے بارہ میں تو اس قاعدہ کو مانتے ہیں مگر دین کے معاملہ میں بے وقوف بن جاتے ہیں

اب تعجب یہ ہے کہ یہ قاعدہ دنیا کے کاموں میں تو ہر کس و ناکس واقف کار اور جاہل بڑے اور چھوٹے سب کے نزدیک مانا ہوا ہے کہ جس چیز کا حاصل کرنا منظور ہو تو اس کے ذریعوں کا بہم پہنچانا ضروری ہے۔ مگر جب دین کا معاملہ آتا ہے تو بڑے بڑے سمجھدار لوگ بے وقوف بن جاتے ہیں۔ وہاں مقصود کی زبانی طلب کو طلب کہنے لگتے ہیں اور دل میں اطمینان رہتا ہے کہ ہم بڑے طالب ہیں اور اس طلب پر نتیجہ ضرور ہوگا، اگر یہ دین کے معاملہ میں ٹھیک ہے تو اس کو بھی ماننا چاہئے کہ زبان سے اولاد اولاد کہنے والا بھی بچہ کا طالب ہو اور امید رکھنی چاہئے کہ ایسے شخص کے اولاد ہوگی (معلوم نہیں کس طرح ہوگی شاید مرد کے بچہ پیدا ہوگا) حالانکہ فرق کی کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں ذریعوں کو دخل ہو اور آخرت میں نہ ہو بلکہ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ اس کے خلاف ہے۔

دنیا کے اسباب کو مقاصد میں اتنا دخل نہیں جتنا کہ آخرت کے اسباب کو دخل ہے

وہ یہ کہ دنیا کے اسباب کو اتنا دخل اپنے مقصدوں میں نہیں ہے جتنا کہ آخرت کے اسباب کو اپنے مقصدوں میں دخل ہے، یعنی دنیا کے ذریعے بہم پہنچانے سے یہ ضرور نہیں کہ مقصد حاصل ہو ہی جائے بخلاف آخرت کے کہ اس کے اسباب بہم پہنچانے سے ضرور نتیجہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ دلیلیں اور واقعات اس کو ثابت کر رہے ہیں، دیکھئے کہ قرآن و حدیث میں کہیں نہیں آیا کہ دنیا کے اسباب جمع کرنے پر ضرور مقصد حاصل ہوگا اور تجربہ اور واقعات سے بھی یہی نکلتا ہے چنانچہ اکثر وقت کھیتی کرتے ہیں اور ایک دانہ بھی نہیں پیدا ہوتا یہی حال عزت و آسودگی کا ہے کہ بہت سی تدبیریں کرتے ہوئے عمر گزر جاتی ہے مگر غریبی ہی رہتی ہے اور کبھی بے تدبیر آدمی مال دار ہو جاتا ہے۔

عزت و مال داری تدبیر پر منحصر نہیں

اگر لوگ غور کریں گے تو یہ کبھی نہ کہیں گے کہ عزت و مالداری تدبیر سے ہے میں نے خود ایسی

صورتیں دیکھی ہیں کہ جن کی اوقات کسی وقت میں دو آنہ کی تھی آج وہ لکھ پتی ہو گئے۔ اگر آپ کہیں کہ انہوں نے تدبیر سے اس قدر مال حاصل کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ ان کے پاس جایئے اور اول سے آخر تک ان کی عمر کے حالات لکھئے۔ اور ان کی ساری تدبیریں بھی لکھئے کہ پہلے ان کے پاس دو آنہ تھے۔ انہوں نے فلانا سودا خریدا اور صبح سے شام تک پھیرے کر کے بیچا اس میں ایک آنہ نفع ہوا، ایک آنہ میں سے آدھا کھایا اور آدھا اصل میں شامل کیا اور اگلے دن ڈھائی آنہ کا سودا لے کر پھیری کی۔ ساڑھے تین آنہ یا چار آنہ ہو گئے۔ اسی طرح اصل مال بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب آنوں کے روپیہ ہو گئے تو کچھ بچانے لگے جب ایک رقم کافی جمع ہو گئی تو جائداد خرید لی پھر اس کی آمدنی کو ضرورت کے موافق خرچ کیا اور کچھ خزانہ میں رکھتے گئے۔ یہاں تک کہ خوب تفصیل سے لکھئے۔ بلکہ جو باتیں اس مدت میں اس کو پیش آئی ہیں تاریخ وار لکھ لیجئے، اور آپ بھی ایسا ہی کیجئے جیسا انہوں نے کیا میں کہتا ہوں کبھی بھی تو ان تدبیروں سے آپ ان کے برابر نہیں ہو سکتے اس کی کیا وجہ ہے کہ تدبیر اس نے حاصل کیا اور تم نہیں کر سکتے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ سب کچھ اللہ میاں کے حکم سے ہوتا ہے پس ثابت ہو گیا کہ دنیا کے اسباب پر ہمیشہ اللہ میاں نتیجہ مرتب نہیں فرماتے۔

آخرت کے اسباب پر نتیجہ پیدا ہونا یقینی ہے

اب آخرت کو لیجئے اس کے اسباب جمع کرنے پر نتیجہ پیدا ہونا یقینی ہے۔ چنانچہ دیکھئے فرماتے ہیں وَمَنْ اَرَادَالْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ یعنی جو کوئی آخرت کا طالب ہو اور کوشش کرے تو اس کی کوشش برباد نہ جائے گی۔ بلکہ ایک اور آیت میں فرماتے ہیں: نَزِدْلَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ۔ یعنی اس کا نتیجہ عمل کے موافق ہی نہیں زیادہ دیا جائے گا۔ دیکھ لیجئے کہ وعدہ کے یقینی اس کا نتیجہ پیدا ہونا ضروری اور یقینی ہوا یا نہیں خلاصہ یہ کہ میری بات ثابت ہو گئی کہ دنیا کے اسباب کے اوپر نتیجہ پیدا ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور اسباب آخرت کے لئے وعدہ ہے پھر تعجب ہے کہ دنیا میں جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اکثر یہی ہے کہ جتنا چاہتے ہیں ملتی ہی نہیں مگر پھر ذریعے جمع کرنے سے غفلت

نہیں کی جاتی اور غفلت کرنے کو احمق سمجھتے ہیں اور آخرت میں اتنا ملتا ہے جس کا ارادہ بھی نہیں ہوسکتا مگر ذریعوں سے غفلت ہے اور غفلت کرنے والے کو کوئی احمق نہیں کہتا چنانچہ اللہ میاں فرماتے ہیں: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِیَ لَھُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ۔ (ترجمہ) کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے واسطے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے اور حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ (ترجمہ) میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ ان کا خیال کسی انسان کے دل میں گزرا۔ حالانکہ خیال بڑی وسیع چیز ہے۔ مگر حدیث کی رو سے وہ چیزیں اسباب آخرت جمع کرنے پر ملیں گی جو خیال میں بھی نہ آسکیں۔ اب سوچئے کہاں تک سوچیں گے جمال باغ، نہریں خدمتگار، کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ جہاں تک بھی آپ کا خیال پہنچے پھر ایک صورت یہ نکالیئے کہ خیال سے بھی باہر اور عقل اس کے دریافت کرنے سے عاجز ہو وہ آخرت میں ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور ایک چیز وہاں وہ ہے کہ اس کا لفظ ہی قرآن شریف وحدیث میں سنا ہے اس کی حقیقت تو عقل میں آ ہی نہیں سکتی وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار ہے جو جنت میں سب سے بڑی نعمت ہوگی غرض آخرت کے اسباب جمع کرنے پر نتیجہ پیدا ہونا یقینی ہوا۔ مگر دنیا کے اسباب پر نہیں تو جو شخص اسباب تو جمع کرتا اور کہتا ہے کہ میں طالب جنت ہوں تو کیسے اس کو طالب کہا جاسکتا ہے۔ اسی واسطے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کہ تعجب ہے جنت کے طالب پر کہ اس کا طالب کیسے ہوتا ہے۔ جب ثابت ہوگیا کہ جنت کے حاصل کرنے کے لئے اس کے ذریعوں کا جمع کرنا ضروری ہے تو جو آیت شروع میں میں نے پڑھی تھی اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے جنت کی طلب کا ذریعہ بتایا ہے جس کے ملنے کی سب کو چاہت ہے۔

آیت سے تو جنت کی طلب کا ثبوت ہے اور بعض بزرگوں کا فعل اس کے خلاف اور اس کا جواب

یہاں ایک بات اور قابل بیان ہے کہ آیت سے تو جنت کا طلب کرنا ثابت ہوتا ہے اور اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ موجود ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب

ہے نہ دوزخ کا ڈر۔ اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ یا تو جنت کی طلب نہ چاہئے یا وہ لوگ قرآن کے خلاف ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس قسم کی حکائتیں اہل حال کی ہیں وہ حضرات اس میں معذور تھے ایسی باتیں کوئی جذبہ میں کہہ گیا۔

جان بوجھ کر کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے جوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں اور نہ وہ اختیار میں ہے جو لوگ اختیار سے ایسی باتیں کہتے ہیں وہ کسی درجہ میں بھی شمار نہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں یہ حال ہے کہ جو کوئی واہی تباہی باتیں بکتا ہو اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں۔ یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں ایسی باتوں میں اہل حال تو معذور تھے۔ اور جو جان بوجھ کر کرتے ہیں وہ معذور نہیں ہیں، آیتوں اور حدیثوں میں صاف طور سے جنت کی طلب موجود ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ۔

''اے اللہ میں آپ سے جنت مانگتا ہوں اور وہ کام ... جو قریب کر دے خواہ قول ہو یا عمل''

ان حکموں کو دیکھ کر کسی کا کیا منصب ہے کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کہے البتہ اہل حال معذور تھے۔

اب تو لوگ بزرگوں کے نقال رہ گئے ہیں

اور اب تو لوگوں میں حال ہی نہیں رہا نقل ہی نقل رہ گئی ہے۔ مجھ کو ایک شخص اسی سفر میں ملے کہ وہ کچھ مال کی مدد چاہتے تھے لمبی لمبی باتیں کرنے لگے کہ کیا پرواہ ہے جنت کی اور کیا خیال ہے دوزخ کا میں نے کہا میاں بیٹھے بھی رہو چار روپیہ کے لئے تو گھر چھوڑے پھرتے ہو۔ جنت کی طرف توجہ بھی نہ کرو گے۔ خلاصہ یہ کہ لوگوں کا خیال ہر حال میں یہ ہے کہ جنت کی طلب سے نہ طلب کرنے کا درجہ بڑھ کر ہے حالانکہ غور کرنے سے اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے کہیں آیات و احادیث میں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ نہ طلب کرنا اچھی خبر ہے بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہ طلب کرنے والا معذور ہے سو معذوری میں فضیلت کہاں ذرا سی بات میں وجد میں آ جانا ڈھاڑیں مارنا عاجزوں کا کام ہے۔ جو کمال والا ہے اس کو حال نہ

آنسو ٹپکا سکتا ہے نہ اس کے بدن میں حرکت پیدا کر سکتا ہے نہ اس کی زبان سے بے ساختہ باتیں نکلوا سکتا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند آروغ نزنند؛ ترجمہ: منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے شور مچا بیٹھا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا پی جائیں اور ڈکار نہ لیں۔ یہ یاد رکھئے کہ جب ادھر سے ہی جنت کی طلب کا حکم ہے تو طلب نہ کرنا حکم سے باہر ہونا ہے۔ اطاعت کرنے والا تو اطاعت میں ایسا محو ہوتا ہے جیسے کسی کو شراب پلا دیں کہ اس کو پی کر آدمی سب طرف سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

اعتراض کہ اگر نماز میں محویت ہو تو رکوع وسجدہ کیسے ہو اور اس کا جواب

بعض ناواقف اعتراض کرتے ہیں کہ اگر نماز میں محویت ہو جائے تو رکوع اور سجدے کیسے ہوں۔ جواب یہ ہے کہ محو ہونے کے معنی یک طرفی کے ہیں کہ اس میں صرف اللہ میاں کی طرف خیال ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں عبادت بہت اچھی ہو گی رکوع وسجدہ نہ ہونا کیا معنی۔ عام لوگ محو ہونا اسے سمجھتے ہیں کہ واہی تباہی باتیں زبان سے نکال دیں یا آئندہ پیش آنے والی باتوں پر دعویٰ سے حکم لگا دیں اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں پر ایسا ناز ہے جو منہ سے نکل گیا وہ پورا ہو کر رہتا ہے، اس کا انکار نہیں کہ دعا قبول ہوتی ہے۔ مگر ہر چیز کو مانگ بیٹھنا اور دعوے سے حکم لگا دینا انہیں سے ہو سکتا ہے جو بے خود ہیں یہ محو ہونا لائق تعریف نہیں ہے۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جنت کی طلب فرض اور اس کے لئے حکم ہے۔ اب وہ بات یاد ہو گی کہ ذریعہ کا حاصل کرنا ضروری ہے جب جنت ہر شخص کی مطلوب ہے تو اس کے ذریعوں کی طلب بھی ہر ایک کے ذمہ ہے۔ ورنہ وہی نری ہوس ہو گی۔

آیت میں جنت کے ذریعوں کا گر بیان ہوا ہے جس میں نہایت آسانی ہے۔

تو جو آیت شروع میں پڑھی تھی اس میں اس ذریعہ اور طریق کو بیان کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ

هِیَ الْمَاوٰی۔ سبحان اللہ بادشاہوں کا کلام بھی تمام کاموں کا بادشاہ ہوتا ہے جیسے اللہ میاں ہیں ویسا ہی ان کا کلام ہے۔ جنت سی چیز کے لئے جس قدر بھی ذریعے اور طریقے طلب کے ہوتے کم تھے۔ مگر حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک ایسی بات بتادی، جیسے گر ہوتا ہے یہ ظاہر ہے کہ جس کو کسی چیز کا گر معلوم ہو جائے تو اس کو بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نبیوں کو دیکھئے کہ کتنی جلدی حساب لیتے ہیں وجہ یہی ہے کہ ان کو گر یاد ہوتے ہیں۔ گر کا حاصل یہ ہے کہ بہت سی چیزوں کا یاد رکھنا انسان کو مشکل اور دقت طلب ہوتا ہے، اس لئے ایک قاعدہ اس کے لئے مقرر کر دیا جاتا ہے کہ اس قاعدہ پر عمل کرنے سے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

مثال اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے نوکر کو محفل کے دروازہ پر بٹھا دے اور کہہ دے کہ غیر آدمیوں کو اندر نہ آنے دینا تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ زید، عمرو بکر، خالد وغیرہ کے ایک سو نام لکھ دیئے جائیں کہ ان میں سے جو کوئی آئے تو اندر نہ آنے دینا اس سے بڑی دقت ہے کہ ایک فہرست بنانی ہوگی پھر آنے والوں کے نام پوچھنے پڑیں گے ہر دفعہ ساری فہرست دیکھنی پڑے گی ہر آنے والے کو کچھ دیر ٹھہرنا ہوگا۔ آسانی اس میں ہے کہ سیدھا یوں کہہ دے کہ جس کو تو نہ پہچانتا ہو۔ اس کو نہ آنے دینا گو یہ گر ہو گیا کہ اس میں کوئی دقت نہیں۔ ایسے ہی جنت حاصل ہونے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ جن کا علیحدہ علیحدہ یاد رکھنا نہایت دشوار تھا اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی بات بتادی کہ جب اس کی رعایت رکھی جائے تو جو کلام بھی کیا جائے گا تو اس کو کچھ نہ کچھ دخل جنت کے حاصل ہونے میں ضرور ہوگا۔ اللہ میاں کے کلام کی قدر اسی کو آتی ہے جو طالب ہو۔ جب کسی کے جنت پیش نظر ہو تو اس کو انتہا درجہ کا شوق پیدا ہوگا اور جب یہ بتایا جائے کہ اس کی طلب کرنے کے فلاں فلاں طریقے ہیں۔ (بوجہ اس کے کہ جنت بڑی چیز ہے اس لئے اس کے طریقے بھی زیادہ ہوں گے) تو وہ شخص بہت سے طریقے دیکھ کر گھبرا اٹھے گا۔ مگر چونکہ شوق انتہا درجے کا ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ تو ہوگا نہیں کہ چھوڑ بیٹھے۔ بلکہ ایک حالت سخت بے قراری کی ہوگی اگر اس شخص کو کوئی ایسا گر بتادیا جائے جو سب طریقوں کو شامل ہو تو اس کی کیفیت وجد کی سی ہو جائے گی۔ ایسے شخص کو کلام الٰہی کی قدر معلوم ہوگی۔ اسی قاعدہ کلیہ کو جس کی تعبیر پہلے گر سے کی ہے فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

آیت میں دو کام بیان فرمائے جو تمام طریقوں پر حصول جنت کو لئے ہوئے ہیں

اس آیت میں دو کام فرمائے ہیں۔ جو تمام طریقوں کو جامع ہیں۔ایک اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف۔ دوسرا ونہی النفس عن الہویٰ یعنی اپنے نفس کو خواہش سے روکنا جس شخص کے یہ دونوں باتیں ذہن میں بیٹھ جائیں تو ہر کام اس کی رعایت رکھنے سے بھلے برے میں تمیز آسانی سے ہو جائے گی۔ دیکھئے کتنی سہولت ہوگئی۔ جب آدمی کے دل میں خوف ہوگا کہ مجھے ہر کام پر اللہ میاں کے سامنے جواب دینا ہوگا۔ تو اس کو تامل سے کرے گا اور خیال رکھے گا کہ یہ کام کہیں خلاف مرضی حق تعالیٰ نہ ہو۔ اس سے ایک خاص سمجھ بوجھ پیدا ہوگی کہ ہر برے عمل کو پہچان لے گا اور اس سے بچ جائے گا اور جو سمجھ میں نہ آئے گا تو خوف کی وجہ سے اس کو مولویوں سے پوچھے گا اس طرح سے کوئی گناہ اس کی نظر سے نہ چھوٹے گا۔

حد سے بڑھا ہوا خوف اچھا نہیں بلکہ نہایت مضر ہے اور جو خوف مطلوب ہے وہ رجا یعنی امید کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے

اور یہ سمجھ لیجئے کہ خوف اتنا درکا ہے جس سے گناہ چھوٹ جائیں زیادہ اچھا نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ دعا مانگتے ہیں کہ: **نسئلك من خشيك ماتحول به بيننا و بين معاصيك۔** (ترجمہ) اے اللہ ہم تیرا خوف اتنا مانگتے ہیں جو ہمارے اور ہمارے گناہوں کے بیچ میں پردہ ہو جائے۔ امید کے ساتھ جو خوف ہے وہ یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ امید نہ رہے اور ناامیدی تک نوبت پہنچے تو یہ کفر ہے۔ ایسے بڑھے ہوئے خوف سے گناہ چھوٹتے نہیں ہیں۔ بلکہ آدمی یہ سمجھ کر کہ عبادت سے کیا ہوگا زیادہ گناہوں میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے خود ایک شخص کو دیکھا کہ جن پر حد سے زیادہ خوف غالب ہوگیا تھا اور ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شریعت میں جو خوف کا اوسط درجہ رکھا ہے وہ عین مصلحت ہے۔ وہ یہ کہ ایک وکیل صاحب پہلے نماز روزہ کے پابند تھے خوف غالب ہوا تو عجیب حالت ہوئی

پریشان ہو گئے ان کی یہ کیفیت تھی کہ زبان سے بات ٹھیک ادا نہیں ہوتی تھی۔ قریب تھا کہ نماز بھی چھوڑ دیں۔ اور یہ صورت ایک کتاب کو بطور خود دیکھ کر ہوئی تھی۔

دین کی اردو کتابوں کو خود دیکھنا مضر ہے خاص کر تصوف کی کتابوں کو!

خوب سمجھ لیجئے کہ کتابوں کو خود دیکھنے سے یہ خرابی ہے۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ استادوں کے نخرے کون اٹھائے عبارت کتاب کی اردو ہوتی ہے اس کے سمجھنے میں کیا دقت ہے کیونکہ اردو ہماری مادری زبان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہی بات ہے تو ہر شخص جس فن کا چاہے بدون استاد کے پورا جاننے والا بن سکتا ہے کیونکہ کتابیں ہر علم کی موجود ہیں۔ حالانکہ تجربہ اس کے خلاف ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جائے استاد خالی است۔ استاد کی جگہ خالی ہے میں کہتا ہوں کہ اردو کتابوں کو سبق سبق کر کے استاد سے پڑھنا چاہئے خاص کر تصوف کی کتابوں کو بدون استاد کبھی نہ دیکھے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے خیر ان وکیل صاحب نے احیاء العلوم کی کتاب خوف کو دیکھا تھا اور ایک موقعہ کو پورا نہیں سمجھے۔ اس سے ایسا خوف دل میں بیٹھا کہ بات نہ کر سکتے تھے اور نیند اڑ گئی۔ البتہ یہ خیر تھی کہ آپ ہی آپ کوئی رائے قائم نہیں کی۔

بزرگوں کی کتابوں کو دیکھ کر خود رائے قائم کر لینا بڑی غلطی ہے

جیسا کہ آج کل عادت ہے کہ بزرگوں کی باتوں کو کتابوں میں دیکھ کر کسی جاننے والے سے ان کے سمجھنے کی کوشش تو کرتے نہیں اپنی طبیعت سے جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان بزرگوں سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور واہی تباہی باتیں بکنے لگتے ہیں یا اس کی موافق غلط عقیدہ رکھ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ وکیل صاحب میرے پاس آئے کہ جنت کی امید ہی نہیں خواہ کچھ ہی کرے۔ تمام عمر کوشش کرے اور دنیا کو بے مزہ کر دے۔ اگر کتاب کا لکھا ہوا سچ ہے تو خاتمہ ذرا میں بگڑ سکتا ہے۔ جس وقت میرے پاس کتاب لے کر آئے تو یہ حالت تھی کہ ہاتھ کانپتے تھے۔ زبان لڑکھڑاتی تھی کتاب کی عبارت نہ پڑھی جاتی تھی۔ یہ حال تھا کہ جیسے کسی کو پھانسی کا حکم سنا دیا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ حد سے زیادہ خوف

غالب ہونا اچھا نہیں۔ اور دل ٹھہر گیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ نے مجھ کو بچالیا جانے کیا ہوتا میری جان نہ رہتی یا ایمان نہ رہتا کتاب میں سب کچھ لکھا ہے مگر استاد کی ضرورت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **اسئلك من خشيتك ما تحول به بيننا و بين معاصيك**۔ صرف اتنا خوف چاہتے ہیں کہ گناہوں کو روکے اس قدر نہیں کہ ہم اٹھا نہ سکیں۔ جو خوف الٹا گناہ کا سبب ہو وہ بھی گناہ ہے۔

بڑھاپے میں امید اور جوانی میں خوف غالب رکھنا چاہئے

اسی واسطے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف کیونکہ بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر خوف غالب ہو جائے تو رہے سہے ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور امید میں کچھ نہ کچھ کئے ہی جائے گا۔ اور جوانی میں طاقت ہوتی ہے خوف کو برداشت کر سکتا ہے۔ جتنا خوف زیادہ ہوگا۔ نفس کو تنبیہ ہوگی اس لئے گناہوں سے بچے گا اور اچھے کام کرے گا۔ ہر موقعہ کی تدبیر جدا ہے باطنی طبابت بھی ظاہری طبابت کی طرح ہے۔ چنانچہ کبھی ٹھنڈی دوا پیتے ہیں۔ کبھی گرم مسہل دینا پڑتا ہے کبھی قوت، اسی طرح دل کے مرضوں کی تدبیریں جدا جدا ہیں۔

حق تعالیٰ نے جو آیت میں گر بتایا ہے اس سے ایک صورت بھی نافرمانی کی باہر نہیں

حق سبحانہ تعالیٰ نے جو گر بتایا ہے۔ اگر اس کو سوچے تو ولی ہو جائے۔ ایک صورت بھی نافرمانی کی اس سے باہر نہیں۔ چنانچہ نافرمانی خواہش نفس سے ہوتی ہے۔ مثلاً نماز نہ پڑھی یا دیر کر کے پڑھی یا دل حاضر کر کے نہ ادا ہوئی، اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ خواہش نفس کے نیچے ہو۔ فرض کیجئے کہ نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آ رہی تھی عشاء کا وقت ہوا مگر آرام میں خلل گوارا نہ ہوا سو کر صبح کر دی۔ آرام اور تن کا پالنا یہ خواہش نفس ہی تو ہے۔ دیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے کام میں لگا ہوا ہو۔ اس کام کے بیچ میں رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور نماز میں دیر کر دی۔ یہ

مال کی محبت ہے جو نفس کی خواہشوں میں سے ہے۔ اسی طرح نماز میں بے توجہی جبھی ہوگی کہ جب دوسری طرف توجہ ہو اور توجہ کا ایک طرف نہ رہنے دینا بھی نفس کا کام ہے۔ اسی کی خواہش سے ہوتا ہے قاعدہ یہ ہونا چاہئے کہ ہر بات میں خیال رکھے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں۔ جب اس پر ہمیشگی کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے گناہ ہو سکے تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے۔ ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کرو کہ اس میں نفس کو مزہ آتا ہے یا نہیں۔ اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک صورت گناہ کی ہے پھر اس مزہ کو اپنے اوپر غالب نہ کرو بلکہ تمہیں غالب ہو جاؤ۔ اس طرح کہ اس کے نقصانوں کو آنکھوں کے سامنے رکھو اور ان کے پاس تک نہ جاؤ۔ اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں۔ کہ نقصان ہیں مگر پھر خواہش نفسانی سے دب کر اس کو کرتے ہیں۔ مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو لڑائی ضرور ہوگی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے۔ نفع تو کوئی بھی نہ ہوگا مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو چین ملتا ہے۔ جیسے کسی سے بدلہ لے لیا یہ خواہش نفسانی ہی تو ہے۔

غیبت سننے والا بھی مثل کرنے والے کے ہے

ایسے بھی پرہیزگار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر ان کو سننے میں مزا آتا ہے۔ بہت ہمت کی تو یہ کیا کہ غیبت کرنے والے سے الزام اٹھانے کی غرض سے کہہ دیا کہ میاں جانے دو اور رغبت سے سن رہے ہیں۔ اور دل میں سمجھتے ہیں کہ میں غیبت سے بچا ہوا ہوں۔ بہت احتیاط کرتا ہوں۔ دوسرے کو منع کر دیتا ہوں۔ مگر یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ میاں کو دل کی خبر ہے صرف زبانی باتوں سے کیا کام چلتا ہے۔ اگر ان کے باپ کو کوئی گالیاں دینے لگے تو کیسے لڑنے لگیں گے منع کرنا اس کو کہتے ہیں۔ حضرت ایسے منع کرنے سے رہائی نہیں ہوتی۔ سننا بھی غیبت میں شامل ہے۔ ظاہراً غیبت نہ کی سہی۔ ظاہر بینوں کی نگاہ میں پرہیزگار بن جائیں۔ مگر باطن میں تو مرض موجود ہے۔ نفس نے جو خواہش کی تھی اس کا ظاہر تک اثر نہ آیا سہی دل میں تو مزہ ہے اور اس کی طرف پکی خواہش موجود ہے۔ یہی نفس کی تابعداری ہے۔

رشوت لینے میں نفس کی چال

نفس کی چال میں بڑے بڑے عقل مند آ جاتے ہیں۔ کوئی چیز رشوت میں مثلاً ملنے لگے تو نفس ضرورت بتاتا ہے کہ فلاں فلاں کام تجھے کرنے ہیں۔ ان کے لئے اتنے خرچ کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی حیلہ بھی ذہن میں آ جاتا ہے کہ یہ شخص خوشی سے دیتا ہے اور تجھے ضرورت ہے اس وقت لے لینا چاہئے۔ اور اللہ میاں کریم ہیں یہ ضرورتیں بھی رفع ہو جائیں اور پھر توبہ سے گناہ بھی نہ رہے گا۔ کیسی اچھی بات ہے۔ حضرت یہ سب وہ تدبیریں ہیں جن سے نفس جال میں پھانستا ہے اور اس حیلہ کی ضرورت بھی اس وقت ہوتی ہے جب کچھ خوف دل میں ہو ورنہ حیلہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں اور اتنی دیر کب گوارا ہے گردن پکڑ کر حکم کر دیا کہ یہ رقم ہرگز نہ جانے پائے۔ بس اس کی تعمیل ہوگئی۔ ہاں نفس جن کو احتیاط والا پاتا ہے ان کے لئے خواہ مخواہ کی ضرورتیں کھڑی کر دیتا ہے اور سمجھا دیتا ہے کہ ان کا پورا کرنا ہے۔ حالانکہ یہ فضول خرچی ہے مگر لوگ ضرورتیں ایسی تراش لیتے ہیں کہ ان کو فضول خرچی بھی نہیں سمجھتے۔ آج کل کے عقل منداس مرض میں بہت مبتلا ہیں مجھے ایک شخص ملے اور خوش خبری سنائی کہ لڑکا نائب تحصیلدار ہوگیا۔ میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے مگر ان کو تنبیہ کیجئے گا کہ فضول خرچی نہ کریں۔ کہنے لگے کچھ سامان تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ بڑے لوگوں کی آمدورفت ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چار بھلے مانس آئیں اور میز کرسی لمپ وغیرہ گھٹیا رکھے ہوں یا مکان شاندار نہ ہو۔ یہ اسراف بمعنی فضول خرچی ہے جسے ضروری سمجھ رکھا ہے۔

ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے واقعی اور فرضی:

یہ خیال کر لیجئے کہ ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک واقعی دوسری فرضی واقعی ضرورت کی تو انتہا ہوسکتی ہے۔ اور فرضی ضرورت کی کہیں انتہا نہیں۔ جب انتہا نہ ہوئی تو اس کے رفع کرنے کے لئے کون سی رقم کافی ہوسکتی ہے۔

فضول خرچی سے خاندان کے خاندان تباہ ہوگئے:

فضول خرچی گناہ تو ہے ہی جس کا وبال آخرت میں ہوگا۔ مگر دنیا میں بھی اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہوگئے۔ چنانچہ ایک شادی بھی جس نے

کی اور فرضی ضرورتیں پوری کیں تو نقدی اور جائداد اور مال و متاع سب نذر کر دیا اور پھر بھی پورا نہ ہوا قرض لے کر بہ مشکل آبرو بچائی اور بعد میں آبرو بھی چلی گئی چنانچہ تقریبوں کی رسموں میں جو صرف کرتے ہیں وہ سب فرضی ضرورتیں ہیں۔ بیوی کے کان میں پانچ سو سے کم کا زیور نہ ہو خواہ میاں کی اوقات دو پیسہ کی ہی ہو۔ کہیں سے لاؤ تب منہ دکھاؤ۔ میز کرسی پوشاک سب با قاعدہ ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑا آدمی ان کو چھوٹا کہہ دے۔ حضرت بڑے آدمی کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ میاں کی اوقات صرف پچاس ہی روپیہ کی ہے پھر بڑا کیسے کہہ دے گا۔ یہ ضرورت نہیں صرف فیشن ہے۔ یہ سب فضولیات ہیں۔ جن کو نفس ضروری بتاتا ہے۔ اور ان کو پورا کرنا خواہش نفس کی تعمیل ہے۔ جس میں بڑے عقلمند گرفتار ہیں، نہیں معلوم عقل کیسے گوارا کرتی ہے کہ اپنے کو دشمن کے ہاتھوں میں دے دیا جائے۔

مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ ہر کام میں یوں پوچھے کہ حق تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ بجائے اس کے ہر کام میں شیطان اور نفس سے پوچھتے ہیں کہ سرکار کا کیا حکم ہے۔ مسلمانو! کیا جواب ہوگا جب کہ قیامت کو یہ پوچھا جائے:

الم اعهد اليكم يابنى ادم ان لا تعبدوا الشيطان انه لكم عدو مبين وان اعبدونى هذا صراط مستقيم ولقد اضل منكم جبلا كثيرا۔ افلم تكونوا تعقلون هذه جهنم التى كنتم به توعدون۔

ترجمہ: اے آدم کی اولاد میں نے تم سے عہد نہیں کیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو وہ تمہارا دشمن ہے میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور تم دیکھ چکے تھے کہ بہتوں کو اس نے گمراہ کر دیا تھا تمہیں عقل نہ تھی۔ اب یہ دوزخ موجود ہے۔

دنیا میں سب کے نزدیک قاعدہ مانا ہوا ہے کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی ہے مگر لوگوں نے اللہ میاں کے ساتھ خلاف معاملہ کر رکھا ہے۔ دیکھئے جس قدر اس طرف سے احسان زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر اس طرف سے ناشکری ہوتی ہے۔

گناہ میں دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہے

خواہش نفسانی وہ بری چیز ہے جس میں دین کے صدہا گناہ ہیں اور دنیا کے بھی نقصان

ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ گناہ کرنے سے اللہ میاں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی سامان جمع کرتا ہے مگر وہ سامان مقصد تک بہت کم پہنچاتے ہیں۔ ہر کام میں پریشان رہتا ہے۔بعض آدمی ذریعے کم رکھتے ہیں اور کام زیادہ ہوتا ہے۔اور نافرمان ذریعے زیادہ رکھتے ہیں اور کام اتنا بھی نہیں ہوتا۔ایک یہ کہ گناہ گار کے رزق میں تنگی ہوتی ہے شائد کوئی یوں کہے کہ ہم پر تو تنگی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ رزق سے غرض یہ ہے کہ اطمینان ہو اور یہ گناہ کرنے میں حاصل نہیں ہوتا ناجائز طریقہ سے کتنا ہی کما لو مگر جو خوشی اور بے فکری تھوڑے حلال کے مال سے ہوتی ہے وہ ہرگز اس سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔نامرد کو کتنا ہی سمجھاؤ کہ عورت کی لذت یہ ہوتی ہے وہ کبھی نہ سمجھے گا۔اور الٹا تمہیں بے وقوف بنائے گا۔اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس کا علاج کرو۔ جب طاقت پیدا ہو جائے گی تو خود عقل مندی اور بے وقوفی سمجھ لے گا۔

اطاعت عجیب چیز ہے

اس لئے گناہ چھوڑ کر اطاعت اختیار کرو پھر دیکھو کہ دل میں کیا بات پیدا ہوتی ہے جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ اطمینان یہ چیز ہے۔حضرت اطاعت تو وہ چیز ہے جس کا اثر بھول کر ہو جانے سے بھی ہوتا ہے۔جیسے کپڑا بھولے سے رنگ میں گر جائے تو قصداً رنگنے کے موافق اگرچہ نہ ہو مگر دھبے تو پڑ ہی جائیں گے۔تجربہ ہوا ہے کہ اگر دھوکا سے عبادت ہو گئی تو اس کا بھی اثر ہوگا۔

چور کی حکایت جو بادشاہ کی لڑکی پر عاشق ہوا تھا

چنانچہ مشہور قصہ ہے کہ ایک چور بادشاہ کی لڑکی پر عاشق تھا ایک روز چوری کرنے کے ارادہ سے بادشاہ کے یہاں گیا وہاں بادشاہ اور بیگم میں اسی لڑکی کی شادی کی نسبت بات ہو رہی تھی۔وہ بادشاہ کہہ رہا تھا کہ میں تو اس کی شادی عابد و زاہد پرہیزگار سے کروں گا۔ یہ چور صاحب چوری تو بھول گئے اور بہت غنیمت جانا کہ آج خوب کام بنا۔وہاں سے آ کر ایک مسجد میں جا بیٹھے اور دن رات عبادت کرنا شروع کر دی۔ اس کا شہرہ ہو گیا کہ ایک بڑے عابد صاحب تشریف لائے ہیں۔ادھر بادشاہ نے آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ خبر ملی کہ ایک

عابد صاحب فلانی مسجد میں قیام رکھتے ہیں۔ان سے زیادہ متقی و عابد کوئی نظر نہیں آتا، بادشاہ نے خاص وزیر کو ان کے پاس پیغام لے کر بھیجا اور یہاں کام ہو چکا تھا۔انہوں نے توجہ بھی نہ کی۔وزیر نے نہایت ادب سے پیغام بادشاہی سنایا، انہوں نے کہا کہ اصل میں نیت تو میری بری تھی۔مگر حق تعالیٰ نے اپنا فضل کیا۔اب مجھے نہ آپ کی بیٹی کی ضرورت ہے نہ آپ کے لاؤ لشکر کی۔بس تشریف لے جائیے اور میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔

بعض لوگ بری غرضوں سے اسلام لاتے ہیں مگر انجام کار درستی ہوتی ہے

طاعت ایسی چیز ہے کہ بعض وقت گو اس میں اچھی غرض نہ ہو مگر انجام کار اسی سے درستی ہو جاتی ہے۔ایسوں کے اسلام کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔بعض لوگ غافل نادان کہتے ہیں کہ ان بھکاریوں کو مسلمان نہ کرنا چاہئے، ان لوگوں نے پیشہ کر لیا ہے۔مسلمان کرنے کا نتیجہ ہی کیا ہے۔اس میں اسلام کی بدنامی ہے۔مجھ سے ایک صاحب یہی فرماتے تھے۔میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر ایسی بدنامی کی وجہ سے اسلام سے نکال دیں تو آپ میں بھی بہت سے عیب ہیں جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ نیا مسلمان اگرچہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہو اور موروثی شیطان بھی ہو تو پرواہ نہیں میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ بعض وقت مسلمان کسی لالچ سے ہوتا ہے۔مگر اسلام وہ چیز ہے کہ خود دل میں جگہ کر لیتا ہے۔ایک بزرگ کا قول ہے: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَاَبَى الْعِلْمَ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ لِلّٰهِ۔ (ترجمہ) کہ میں نے علم اللہ کے سوا کسی اور غرض کے لئے سیکھا تھا مگر علم نے خود نہ مانا اور اللہ ہی کا ہو کر رہا۔آگ جلاؤ اور یہ ارادہ کرو کہ لکڑی نہ جلے تھوڑی دیر میں لکڑی راکھ ہو جائے گی کسی بزرگ سے کسی نے کہا دیکھئے صاحب فلانا شخص دکھلائے کا ذکر کیا کرتا ہے۔بزرگ نے کہا تو تو دکھلائے کا بھی نہیں کرتا وہ دکھلائے کا کرتا تو ہے۔کبھی نہ کبھی ذکر دل میں جگہ کر ہی لے گا اور تجھ سے کیا امید ہے۔

ہمارے حضرت (حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے۔کہ عبادت اول ریا ہوتی ہے۔چند روز میں عادت ہو جاتی ہے۔پھر عبادت و اخلاص۔واقعی یہ بات بالکل درست ہے۔دیکھ لیجئے بچپن میں آدمی نماز پڑھتا ہے۔اس وقت کیا حال ہوتا ہے۔پھر جوانی میں اور کیفیت ہوتی ہے۔اور بڑی عمر میں کچھ اور ہی بات پیدا ہو جاتی ہے۔بچپن میں استاد یا

والدین کے ڈر سے پڑھی جاتی ہے اگر کسی وقت دیکھ بھال نہیں ہوتی تو ٹال دی جاتی ہے۔ یا بے وضو اڑا دیتے ہیں۔ یہ رہا ہی ہے۔ پھر پڑھتے پڑھتے شعور کے دنوں میں طبیعت مانوس ہو جاتی ہے اور جیسا کہ اور ضروری کاموں کا تقاضا ہوتا ہے ایسا ہی نماز کا ہونے لگتا ہے۔ تاوقتیکہ ادا نہ کی جائے بوجھ رہتا ہے یہ مرتبہ عادت کا ہے۔ اس کے بعد بحمد اللہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بلا نماز چین ہی نہیں پڑتا۔ یہ درجہ اخلاص کا ہے۔ اس کا تجربہ مدرسہ میں رہ کر طلباء پر اچھی طرح ہوا کہ ابتداء میں اور حالت ہوتی ہے۔ مگر فارغ ہوتے ہی مخلص بن جاتے ہیں۔

طالب علموں پر اعتراض اور اس کا جواب

یہی بات جس کو لوگ نہیں جانتے وہ طالب علموں کی ابتدائی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ یہ لوگ بالکل نکمے ہوتے ہیں۔ دنیا سے تو ناآشنا ہیں ہی دین ہی میں کیا کمال پیدا کیا۔ میں کہتا ہوں ابھی ان کی حالت کیا دیکھتے ہو پڑھنے دو۔ انہیں میں پیشوا ہوں گے اور انہی میں اپنے وقت کے غزالی ہوں گے۔ لوگوں کی یہ حالت ہے کہ طالب علموں سے ذرا سا قصور ہو جائے تو تمام شہر میں سن لیجئے کہ اسلامی مدرسہ والوں نے یوں کیا۔ کس قدر غیرت اس لفظ سے ٹپکتی ہے۔ آپ کو طالب علموں سے لگاؤ رکھنا چاہئے یا بے تعلقی۔ یہ تمہارے دین کے ذمہ دار ہیں۔ ان سے قطع کرنا کس سے قطع کرنا ہے آپ کو ان سے لگاؤ ہی رکھنا چاہئے۔ دیکھئے تو اگر آپ کا بچہ کسی سے لڑ کر آئے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو جائے کہ سراسر زیادتی اسی کی تھی تو آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔ عین لڑائی کے وقت تو آپ اس کی حفاظت ہی کریں گے۔ اور جس طرح ممکن ہوگا اس کی بات نیچی نہ ہونے دیں گے۔ پھر غصہ جاتے رہنے کے بعد علیحدگی میں بچہ کو تنبیہ کریں گے کہ آئندہ ایسا نہ کرنا (یہ بھی جب ہے کہ آپ بہت حق پسند ہوں) اگر غیر آدمی پوچھے گا کہ میاں کیا بات تھی تو یا تو اپنے بچہ جیسی کہیں گے اور اگر بالکل کھلی ہوئی خطا ہو تو کہہ دیں گے کچھ نہیں بازار میں ایک آدمی سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا لڑکا تیز مزاج کا ہے دبتا کسی سے ہے نہیں، بات بڑھ گئی۔ اپنے بچہ کے عیب کو کیوں مشہور نہ کیا۔ کیا اس کا عیب، عیب نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے آپ کو پیدائشی تعلق ہے۔ اس کی بدنامی اپنی بدنامی ہے۔ بچہ سے لگاؤ طبیعت کے حکم سے ہے۔

طالب علم سے حق تعالیٰ کے حکم سے لگاؤ رکھا ہوتا۔ اس کے قصور کو بھی اپنے بچہ کے قصور کی طرح دبایا ہوتا اوراس کی بدنامی میں دین کی بدنامی سمجھی ہوتی۔ بعض کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ان کے قصور نہ پکڑے جائیں تو ان کو تنبیہ کیونکر ہو۔ میں کہتا ہوں اپنی طبیعت سے ہی انصاف کرلو کہ جس طرح اپنے بچہ کو تنبیہ کرتے ہو۔ اسی طرح طالب علم کو کرتے ہو یا نہیں۔ مان لو کہ تمہارا بچہ اس قدر شریر ہو کہ باوجود تنبیہ کے بھی نہ مانے اور بری سے بری حرکتیں کرے۔ جس سے خاندان پر دھبہ آ جائے۔ ننگ و ناموس کو بٹہ لگ جائے۔ تب آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔ کیا آپ اس سے بالکل تعلق چھوڑ دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ اور اگر کوئی چھوڑ بھی دے۔ تو موت سے بدتر دل پر صدمہ رہتا ہے۔ خود سمجھانے سے جب اثر نہیں ہوتا تو جن کا وہ لحاظ کرتا ہے ان سے سمجھوایا جاتا ہے۔ طالب علم کے کسی بڑے جرم پر تو کیا ایک چھوٹے سے قصور پر بھی میں پوچھتا ہوں کہ اسی طرح شفقت سے تنبیہ ہوتی ہے یا غیروں جیسی۔ اگر اسی طرح کرتے ہیں تو الحمدللہ بڑی خوبی کی بات ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بھی کہتا ہوں کہ ان سے آپ نے کیوں تعلق توڑا۔ کیا وہ آپ کے دین کی نگہداشت کرنے والے نہیں ہیں یا آپ کے ذمہ دین کی حفاظت نہیں ہے ان میں سے ایک کے قصور پر آپ سب کو بدنام کیوں کرتے ہیں۔ کیا آپ کے سارے بچے ایک ہی نیک اور بچپن ہی سے تمیز دار ہوتے ہیں۔ ابتدائی حالت دیکھ کر اعتراض مت کرو۔ ہر تابعدار کی ابتدائی حالت دیکھ کر اعتراض مت کرو۔ ہر تابعدار کی ابتدائی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تابعداری ہونی چاہئے خواہ کسی طرح ہو پھر وہ خود آدمی کو درست کرلیتی ہے۔ اور تابعداری ایسی چیز ہے کہ اس میں دین و دنیا دونوں کے نفع ہیں۔ اور گناہ کے یہ تو وہ نقصان تھے جو خود کرنے والے کو پہنچتے ہیں۔ اور وہ اکثر نقصان ہیں جو دوسروں کو پہنچتے ہیں۔ جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی۔ پھر وہ کیوں نہ کرے گا۔ بلکہ اس سے زیادہ کرے گا۔ اس سے دونوں کا نماز روزہ سب عداوت ہی ہو جاتی ہے۔ اٹھنے بیٹھنے سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کس طرح دوسرے کو نقصان پہنچے۔ نیت نماز کی باندھ رکھی ہے۔ اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچی جا رہی ہیں۔ یہ کیا نماز ہوئی اور دل کا شغل حرام

چیز سے ہوا۔ منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں بھری ہے۔ دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے۔ یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو خود حلال تھیں۔ یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو یہ کیا روزہ ہوا۔ غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی۔ اور عداوت وہ چیز ہے کہ دل کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے۔ وہ کیا ہے نقصان پہنچانا آپ جانتے ہیں کہ یہ عداوت کا چھوٹا سا لفظ کس قدر برائی لئے ہوئے ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ بالکل ظاہر ہے کہ عداوت دوستی کی ضد ہے جتنی بھلائی دین اور دنیا کی دوستی میں ہے۔ اتنی ہی برائی بھی عداوت میں ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟ ایک ذرا سی غیبت سے خواہش نفسانی کی اور خرابی سنئے: مثلاً میرا اور آپ کا جائداد پر مقدمہ ہے۔ ہر شخص کی خواہش ہے کہ مجھ کو پورا مل جائے بس لڑائی ہوگئی۔ اگر دونوں یہ کہتے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کا ہے کو کھینچا۔ مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی اور آپس میں نفاق اور عداوتیں کیوں پیدا ہوتیں۔

ایمانداری کے متعلق قصہ

چنانچہ حدیث میں ایک قصہ ہے (پہلی امتوں میں بھی بڑے بڑے اچھے لوگ ہوئے ہیں) ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ اپنا مکان بیچا۔ خریدنے والے نے جب دخل لیا تو اس میں ایک گھڑا سونے کا بھرا ہوا پایا وہ گھڑا لے کر بائع کے پاس آیا کہ تو اپنا گھڑا لے تمہارے مکان میں سے نکلا ہے، اس نے کہا کہ میں تو مکان کی قیمت لے چکا میرا اس میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے تو قیمت مکان کی دی ہے۔ اسی پر معاملہ ٹھہرا ہے۔ یہ گھڑا اس میں شامل نہیں، میں کیسے لے لوں۔ ایمانداری اسے کہتے ہیں۔ اگر آج کل گھڑا نکل آئے تو مزہ آ جائے۔

مٹی کے سونا ہو جانے کی دعا مانگنے کا قصہ

کانپور میں دو آدمیوں نے کہیں سے سن لیا تھا کہ شب برآت میں جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ دونوں ایک مٹی کا ڈھیلا لے کر بیٹھ گئے اور اس پر ایک رومال ڈھک دیا اور دعا مانگنی شروع کی کہ یا اللہ یہ مٹی سونا ہو جائے تمام رات دعا کرتے رہے جوں جوں صبح ہوتی تھی شوق بڑھتا جاتا تھا۔ بمشکل صبح پکڑی اور جلدی سے کھولا دیکھیں تو وہی مٹی۔ ساری

آرزوئیں خاک ہوگئیں اور دل مرگیا کہ شب قدر بھی خالی گئی۔ طرح طرح کے شیطانی خیال آئے کہ دعا کو ویسے ہی سنا کرتے تھے کہ قبول ہوتی ہے اور آج تو شب قدر تھی۔ اسی فکر میں بیٹھے تھے، خیریت ہوئی کہ بندہ خدا ایک درزی پہنچ گیا جو علم والوں کی صحبت پائے ہوئے تھا، ان سے پوچھا کیسے ست ہو۔ انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ بھائی شکر کرو اس میں کچھ حکمت ہوگی۔ ایک ذرا سی بات تو مجھ کو معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میاں تمہارے بدخواہ نہیں ہیں۔ اگر وہ سونے کا نکلتا تو تم دونوں میں لڑائی تو ابھی ہوتی پھر جانے کہاں تک طول کھینچتا۔ ممکن ہے کہ ڈھیلا کسی تیسرے کا ہوجاتا دونوں کی تسکین ہوگئی غرض یہ ہے کہ موہوم سونے کے لئے تو اتنی محنت کی، کہیں سونے کا گھڑا نظر پڑ جائے تو جانے کیا ہو؟

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہمدردی کا عجیب قصہ

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک لڑائی میں بہت سے آدمی شہید ہوئے۔ کئی آدمی نزع کی حالت میں تھے موت کے وقت پیاس کا غلبہ ہوتا ہے ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میری حلق میں ذرا سا پانی ڈال دے تو بڑا کام کرے۔ ایک بندہ خدا پیالہ لے کر پہنچے اور پلانا ہی چاہتے تھے کہ اتنے میں ایک طرف سے آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا انہوں نے پڑے پڑے کہا کہ پہلے ان کو پلاؤ۔ پھر مجھے پلانا یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہنچے پلانا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح ایک اور آواز آئی۔ غرض موقعہ قتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھیرے۔ اور سب یہی کہتے رہے۔ اخیر مین جن کے پاس پہنچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دم آخر ہوگیا۔ یہ لوٹے اور پہلوں کے پاس پانی لائے جس کو دیکھا دم آخر ہوگیا تھا۔ ایثار یعنی (دوسرے کی مصلحت کے لئے اپنی مصلحت کو چھوڑ دینا) اسی کو کہتے ہیں پانی وہ چیز ہے کہ حج کے سفر میں دیکھا ہے کہ پیاس میں باپ بیٹے کو چھوڑ دیتے ہیں موت کے وقت پیاس کا کیا حال ہوگا۔

نااتفاقی کی وجہ خواہش نفسانی کی پیروی ہے

غرض ہم میں جو بجائے ایثار کے کشاکشی اور لڑائی جھگڑے ہیں اس کی وجہ وہی خواہش نفس کی تابعداری ہے یہی باہم اتفاق نہیں ہونے دیتی۔ آج کل سب نے یاد کرلیا ہے۔

﴿اتفاق، اتفاق﴾ یہ خبر نہیں کہ اتفاق کیسے ہوتا ہے۔ اتفاق ہوتا ہے خواہش نفسانی روکنے سے۔

خواہش نفسانی کا روکنا سب کے نزدیک مانا ہوا ہے

غرض ساری برائیوں کی جڑ خواہش نفسانی ہے اور یہی روکنے کی چیز ہے۔ اس نکتہ کو سب ہی نے سمجھا حتی کہ حکام میں سے ان لوگوں نے جن کو مذہب سے کوئی علاقہ نہیں۔ دیکھو حاکم بعض کاموں سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے۔ وہ جن کاموں سے روکتا ہے وہ یہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حاکم کے نزدیک نقصان کا باعث ہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی مصلحتوں کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگر حاکم نہ روکے اور آزاد چھوڑ دے تو جو جی چاہے کرو تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ دنیا کے انتظاموں کو بھی دیکھ کر یہ بات صاف نکلتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے ہی کی چیز ہے تو اپنے گھر میں بی بی کو کیوں روکتے ہو؟ اس کو تو ہر طرح سمجھاتے ہو کہ زیادہ زیور فضول ہے۔ پوشاک میں زیادہ تکلف سے کیا فائدہ مگر اپنے نفس کو نہیں روکتے پابندی وہ چیز ہے کہ کسی کو اس سے چارہ نہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جو عقلمند ہیں وہ اختیار سے کرتے ہیں اور کم عقل زبردستی پابند بنائے جاتے ہیں۔ آپ نفس کو بالکل کسی طرح آزاد نہیں کر سکتے۔

اے مسلمانو! قانون کی وجہ سے تو تم نے خواہش نفس کو چھوڑ دیا۔ اور اللہ و رسول کے حکم سے نہیں چھوڑتے۔ یہ کیا غضب ہے۔ اگر قانون کی رو سے کسی بات کی ممانعت ہو جائے تو ایک بھی حیلہ باقی نہ رہے۔ اور اللہ میاں اگر کسی کام کو منع کریں تو اس میں حیلے نکالے جائیں اور ضرورتیں ثابت کی جائیں۔ قانون کے مقابلہ میں ضرورتیں کہاں چلی جاتی ہیں۔ افسوس اللہ میاں کی محبت دنیا کی مصلحت کے برابر بھی نہ تھی۔ حالت یہ ہے کہ ایک مرد کو عورت اگر کہے رات بھر کھڑے رہو تو کر گزریں گے اور اللہ میاں کے حکم سے عشاء کی نماز بھی بھاری ہے۔ ایک شخص کا قصہ ہے (یہ ایک بزرگ ہیں پہلے حالت ایسی ہی تھی بعد میں بزرگ ہوئے ہیں) وہ یہ کہ ایک عورت سے عشق تھا۔ بڑی آرزوؤں کے بعد ایک دن شام کو کہیں بات کرنے کا موقع مل گیا اور صورت یہ تھی کہ کھڑکی کے نیچے بات کرنے کھڑے ہوئے تھے۔ ایسے

محو ہوئے کہ تمام رات گزر گئی جب مؤذن نے صبح کی اذان دی تو کیا کہتے ہیں بھلے مانس تجھے بھی آج ہی عشاء کی اذان سویرے کہنی رہ گئی تھی۔ کسی نے کہا جناب خبر بھی ہے صبح ہوگئی منہ پھیر کر دیکھا تو واقعی صبح تھی، دل پر اثر ہوا۔ بہت روئے اور ایک بزرگ کی ہاتھ پر توبہ کی اس خیال کو چھوڑا۔ پھر صاحب کمال ہوئے اور بھی کچھ ہوا۔

افسوس اللہ میاں کے حکم کی قدر کسی کے حکم کے برابر بھی نہیں!

غور کریں تو آج کل اللہ میاں کے حکموں کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی کہ ایک کسبی کے حکموں کی ہے۔ اللہ میاں کے حکم کیسے ہی آسان اور سراسر مفید اور حکمت سے بھرے ہوں مگر دشوار ہوتے ہیں۔ اگر کسبی انہیں حکموں کو کہے جن کو اللہ میاں نے فرمایا ہے تو کچھ تکلف نہ رہے۔ بلکہ اگر کبھی ان حکموں کو بھی کہے جو اللہ میاں کے خلاف ہیں تب بھی دشوار نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم اپنی ذات میں دشوار نہیں۔ صرف محبت کی کسر ہے۔ مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ اللہ میاں کے سامنے ایسا ہوتا جیسے قلم لکھنے والے کے ہاتھ میں اور غیر کے سامنے لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ انصاف کی بات ہے کہ اللہ میاں کی طرف سے بندہ پر کس قدر انعام اور فضل ہوتے ہیں اور خلقت کی طرف سے خاک بھی نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ اپنے انعام دینے والے کے سامنے نرم ہونا چاہئے یا کہ آپ جیسے عاجز بلکہ دشمن کے سامنے کیا غضب ہے کہ اللہ میاں کے ہاتھ میں تو ایسے نہ ہوں اور ہوں کس کے ہاتھ میں نفس کے۔

لوگ بت پرستی کو منع کرتے ہیں مگر اپنی بغل میں بت ہیں

حالت یہ ہے کہ بت پرستی کو منع کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہر شخص کی بغل میں بت ہے ظاہری بت پرست پر طرح طرح کے طعنہ کئے جاتے ہیں اور ان کو احمق بتایا جاتا ہے۔ اور خود باطنی بت پرست میں مبتلا ہیں اور عقل مندی کا دعویٰ ہے کسی نے ایک بت کسی نے دوسرے کو۔ جہاں ظاہری بت پرستی چھوڑی باطنی بھی چھوڑ دو اپنی باگ نفس کے ہاتھ میں مت دو۔ احکام الٰہی کے سامنے سر جھکاؤ تابعداری تو وہی ہے کہ آدمی اپنے ارادہ کو چھوڑ کر دوسرے کے ارادہ کے تابع ہو جائے دیکھ لیجئے قانون کے سامنے کیا حال ہوتا ہے کہ اپنی خواہش چھوڑنی پڑتی ہے اور حاکم کا حکم ماننا ہوتا ہے۔

تابعداری کرنے کی دو چیزیں تھیں، عقیدے اور عمل دونوں میں کاٹ تراش ہے۔

تابعداری کرنے کی دو چیزیں تھیں عقیدے اور عمل۔ عمل میں تو یہ گنجائش نکالی گئی کہ ہم مجبور ہیں۔ اور یہ حکم مصلحت وقت کے موافق نہیں ہیں۔ مگر اب عقیدوں میں بھی نفس کی خواہش کو بڑھانے لگے ہیں۔ اور یہ حالت ہے کہ عمل کو پہلے ضروری تو سمجھتے تھے مگر تکلیف جان کر اس کے ادا کرنے میں قصور تھا۔ اب ان کی ضرورت ہی ذہن سے اڑ گئی۔

ایک شخص کی عجیب بات

ایک صاحب فرمانے لگے کہ دین میں کچھ حارج ہے وہ نماز ہے۔ غیر مذہب کے بہت سے آدمی اس وقت میں اسلام لانے کو تیار ہیں۔ مگر یہ خیال مانع ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد نماز پڑھنی ہوگی پانچ وقت کی پابندی سر پڑے گی۔ اگر مولوی لوگ نماز کی قید اٹھا دیں تو آج ہی دیکھئے کتنے کافر مسلمان بنتے ہیں (نماز ایسی مولویوں کی ہے کہ معاف کر دیں۔)

ایک شخص کا قول کہ سود نہ لینے سے مفلسی آ گئی

اک صاحب کہتے ہیں کہ سود کی ممانعت سے مفلسی آ گئی۔ دوسری قومیں سود ہی کے ذریعہ سے ترقی کرتی جاتی ہیں۔ غرض جو جس کی سمجھ میں آتا ہے اللہ کے حکموں میں اصلاح دینے کو تیار ہے یوں کہو کہ اللہ میاں کو یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم سے رائے لے کر کیوں حکم مقرر نہ کئے تھے۔ ہم لوگوں کا کیا حال ہے۔ عقیدوں میں یہ حال، اعمال میں یہ حال، صورت میں آزادی، آمدنی میں حلال و حرام کی خبر نہیں۔ زمیندار کی طرح طرح کی ناجائز آمدنی لیتے ہیں۔ خرید و فروخت میں سودے کی صحیح ہونے اور نہ ہونے کی پراوہ نہیں۔

آم کی بہار کا خلاف شرع سودا کرنا

چنانچہ آم کی بہار بکتی ہے حالانکہ آم کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ بیع باطل ہے۔ بیع باطل میں مال خریدار کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اس کا لوٹانا واجب ہے اور جہاں تک بھی خریداری کا سلسلہ چلے گا کسی کی ملک نہ ہوگا۔ گناہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ غرض معاملات کی صفائی کی طرف بالکل

خیال نہیں۔ زبان غیبت وطعنہ میں مبتلا دل حرص وطمع میں گرفتار۔ وہ مثل ہے کہ اونٹ سے کسی نے پوچھا تھا۔ اونٹ ارے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ اس نے کہا کوئی بھی نہیں۔ ایسے ہی ہم لوگوں کی حالت ہے۔

ہماری کوئی حالت درست نہیں

ظاہر کی طرف دیکھئے وہ ٹھیک نہیں باطن کی طرف نظر کیجئے وہ درست نہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے صرف احکام ہی نہیں اتارے۔ بلکہ ایک اتنا بڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھیج کر یہ بھی بتا دیا کہ اس نمونہ کے ہو کر آؤ، مگر اس رحمت کی کیا قدر ہوئی۔ ہم کس قدر نمونہ کے موافق بن کر آئے۔ غور کیجئے کہ اگر درزی کو اچکن سینے کے لئے دو اور وہ ساری اچکن بہت ٹھیک اور خوبصورت سیئے جس میں جھول تک نہ ہو مگر ایک آستین کو چار انگل چھوٹا کر لائے تو کیا آپ اس کو لے لیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ درزی کے سر پہ ماریں گے۔ اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو قیمت لینے پر بھی کفایت نہ ہوگی۔ کچھ جرمانہ لیا جائے گا۔ حالانکہ نمونہ سے صرف چار انگل خلاف ہے۔ یہاں نمونہ سے چار انگل بھی موافقت نہیں۔ اللہ میاں کا یہ حکم تھا: ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ اللہ میاں تم کو دوست رکھیں گے۔ حدیث میں آیا ہے: ما انا علیه و اصحابی۔ کہ جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں اس کو اختیار کرو۔ یہ ہے نمونہ جس کے موافق ہو کر ہمیں آنا چاہئے۔

افسوس مسلمانوں نے ہر بات میں خلاف کر رکھا ہے

افسوس مسلمانوں نے ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیا۔ جو وضع بتائی اس کے خلاف وضع تراشی نکاح وغیرہ میں نئی نئی رسمیں رواج دیں۔ اخلاق وعادات نئے اختیار کئے۔ اب عقیدوں میں بھی تراش خراش ہونے لگا اور پھر لطف یہ ہے کہ دعویٰ تابعداری کا ہے معلوم نہیں کہ تابعداری کس چیز کا نام ہے اگر کوئی واقف کار ایسے لوگوں کو دیکھے تو کیا کہہ سکتا ہے کہ یہ قوم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ میں ہے مگر وہ ہونا تو درکنار اب تو اس گروہ کے لوگوں سے ملنا بھی نہیں چاہئے۔ کیونکہ اس گروہ میں دنیا کی ترقی نہیں ہے۔

خواہش نفس کا علاج

ایک شخص نے مجھ سے لکھنو میں بیان کیا کہ آج کمیٹی ہوئی جس میں ان باتوں پر بحث تھی جو مسلمانوں کو ترقی سے روک رہی ہیں۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ مذہب ترقی سے مانع ہے اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ مسلمانوں یہ نوبت پہنچ گئی ہے۔ ساری باتیں خواہش نفس سے پیدا ہوئی ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی کا علاج بتایا ہے سو علاج کیا ہے نفس کو خواہش سے روکنا کیونکہ مرض کا علاج اسی طرح ہوتا ہے کہ اس کے مادہ اور سبب کو نکالیں۔ جب سبب جاتا رہے گا مرض دور ہو جائے گا۔

مسلمانو! نفس کی خواہشوں کو چھوڑ دو اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرو کیا اللہ میاں کا کچھ حق نہیں ہے۔ دیکھئے اللہ میاں ایسے ایسے مریضوں کا علاج بتاتے ہیں، جن کو تم خود کسی طرح نہیں سمجھ سکتے اور وہ مرض اندر ہی اندر تمہارا کام تمام کئے ڈالتے ہیں وہ علاج وہی خواہش نفس کا چھوڑنا ہے۔ جس کا آسان طریقہ بتائے دیتا ہوں۔ چند روز کرنا پڑے گا، بہت ہی تھوڑے دنوں میں انشاء اللہ نفع معلوم ہوگا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر کام ابتدا میں تکلیف سے ہوتا ہے۔ پھر کرتے کرتے اس میں مہارت پیدا ہو جاتی ہے۔ سو آپ اس کا بندوبست کر لیجئے وہ یہ کہ کوئی بات یا کوئی کام دل میں آتے ہی نہ کر ڈالئے۔ بلکہ پہلی سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق وتعالیٰ کے خلاف تو نہیں اس اول ذرا دشواری ہوگی مگر تھوڑے دنوں میں عادت ہو جائے گی۔ اس کا ہر کام میں خیال رکھئے۔ یہاں تک کہ یہ حال ہو جائے کہ بات منہ سے نکالنی چاہی مگر رک گئے کہ اللہ میاں کا حکم کیا ہے اور نفس کی خواہش میں تمیز کیسے ہوگی تو اس کی بابت یہ عرض ہے کہ اس کے لئے علم دین کی ضرورت ہے تھوڑا علم ضرور چاہئے۔ اگر کتاب نہیں پڑھ سکتے تو کسی سے پوچھ لیا کرو۔ چند روز یہی عادت ڈالو اس سے کسی قدر آپ کے بولنے اور کھانے میں کمی ہوگی۔ مگر جس وقت مزہ اس کا حاصل ہوگا تو آپ اس تھوڑے کو بہت سمجھیں گے۔ اچھی تھوڑی چیز بہتر ہے اس سے کہ بری ہو اور بہت ہو۔ غلیظ کتنا ہی ہو مگر ایک چمچ فیرنی پر اس کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ جب عبادت میں مزہ آنے لگتا ہے تو گناہ کی نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے پھر گناہ کا کرنا اس سے زیادہ دشوار ہونے لگتا ہے۔ جیسے کہ پہلے عبادت

کرنا دشوار تھا۔ اور اگر اتفاق سے گناہ ہو بھی جائے تو طبیعت ست رہتی ہے اور کسی طرح چین نہیں آتا۔ تاوقتیکہ استغفار نہ کرے۔

عبادت میں عجیب مزہ ہے

عبادت میں عجیب مزہ ہے کہ آدمی لاکھ روپیہ پر ایک نماز کو ترجیح دیتا ہے۔ حالانکہ ہماری نماز کچھ نماز نہیں ہے۔ یہ کیفیت ہے کہ نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل ادھر ادھر ہے۔ زبان سے پڑھ رہے ہیں مگر بالکل خبر نہیں کہ اللہ میاں سے کیا کہہ رہے ہیں۔ خیریت یہ ہے کہ الفاظ زبان پر چڑھ گئے ہیں، خود زبان پڑھ لیتی ہے۔ ورنہ باعتبار ظاہری حکموں کے بھی نماز کے درست نہ ہونے کا فتویٰ دیا جاتا اور لوٹانا ضروری ہوتا۔ سر سجدہ میں ہے مگر خیال اور کہیں ہے۔ اس حالت پر بھی آدمی لاکھ روپیہ سے زیادہ کوئی چیز اس میں پاتا ہے اور اگر نماز ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ کیا اثر رکھے۔ واقعی عبادت وہ چیز ہے کہ اگر اس میں ایک لحظہ کا لطف بھی میسر ہو جائے تو آدمی دنیا و مافیہا کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے خواہش نفس کا تو دشمن ہی ہو جائے۔ غرض یہ عادت ڈالنی چاہئے کہ ہر کام کو سوچ کر کرے۔ اگر وہ کام خواہش نفس سے ہو تو نہ کرے اس طرح گناہ چھوٹ جائیں گے۔ اور عبادت ہی عبادت رہ جائے گی۔

خواہش نفس چھوڑنے کے لئے خوف مددگار ہے

اور یہ سمجھ لیجئے کہ خواہش نفس چھوڑنے کے لئے خوف سے مدد ملتی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ جس کام سے کوئی باز رہتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے، تو صرف خوف سے رکتا ہے، جسم کی سزا کا خوف ہو یا مال کے نقصان کا یا لوگوں میں ناقدری کا جس چیز کا بھی ہو مگر ہوگا خوف ہی۔ دیکھئے ڈاکو ڈاکہ کیوں نہیں ڈالتا سزا کے ڈر سے۔ بچہ شرارت سے کیوں رکتا ہے، پٹنے کے خوف سے۔ لوگ جرموں سے باز رہتے ہیں۔ جرمانہ کے ڈر سے۔ محفل میں آدمی تہذیب سے کس لئے بیٹھتا ہے اور چھچھوری حرکتوں سے کیوں باز رہتا ہے ذلت کے ڈر سے۔ خوف ہی تو اٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن نہیں رہتی غدر ہو جاتا ہے۔ خوف ہی ساری برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے۔ خوف ہی تمام عبادتوں کا ذریعہ ہے۔ البتہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خوف تو ہر مومن کو ہے پھر کیا وجہ کہ خواہش نفس کی نہیں چھوٹتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ خوف حاضر نہیں

اور حاضر نہ ہونے کی وجہ صرف ایک ہے وہ کیا ہے عذاب کا نہ سوچنا اس لئے انتہائی علاج اس کا یہ ہے کہ خوف کو سوچا کرے کہ اس میں خوف غالب اور حاضر ہو جو کہ خواہش (نفس) کو چھوڑنے کے لئے کافی ہو جائے گا۔

مراقبہ نہایت نافع ہے

اب میں اس کا آسان طریقہ بتائے دیتا ہوں وہ یہ کہ سوچنا شروع کیجئے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کر لیجئے مثلاً سونے کا وقت جس میں دنیا کے کام کا حرج بھی نہیں۔ دنیا کے لئے تو سارا وقت دیا ہے اللہ میاں کے واسطے نکما ہی وقت دو۔ اتنا تو کرو۔ اللہ میاں اس میں تمہارا کام بنا دیں گے۔ وہاں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ بندہ ذرا ادھر کو منہ کر لے اور رحمت کے ڈھیر لگا دیں۔ پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئے، لیٹ کر یا بیٹھ کر یاد کیا کیجئے کہ آج کیا کیا گناہ کئے گناہوں کی فہرست تیار کیجئے۔ پھر اس میں خیال جمایئے کہ گویا میدان قیامت موجود ہے اور ترازوِ عمل تولنے کی کھڑی ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں، دشمن بہت ہیں، حیلہ کوئی چل نہیں سکتا زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے۔ سورج سوا نیزہ سر پر ہے، دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے کوئی جواب لائق ماننے کے بن نہیں پڑتا۔ یہ سب حال نظر میں ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو عذر کرے گا کہ بے شک خطاوار ہوں کہیں ٹھکانہ نہیں، اگر کچھ سہارا ہے تو حضور کے رحم کا اسی کو استغفار کہتے ہیں۔ رات کو یہ کیجئے پھر صبح اٹھ کر یاد رکھئے کہ کل فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائیں، اس تدبیر سے اگر اسی دن سارے گناہ یک لخت نہ چھوٹیں گے تو کمی ضرور ہو جائے گی، اور کچھ عرصہ میں تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ گناہ رہ سکیں یہ ایسی تدبیر ہے کہ تھوڑے دن کرنے سے آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور دل میں گناہ کے وقت ڈر پیدا ہو جاتا ہے۔

علم دین کی ضرورت

پھر اس کے لئے علم کی ضرورت ہوگی تاکہ معلوم ہو کہ یہ کام گناہ ہے اور یہ عبادت۔ سو علم

دین حاصل کیجئے اور اگر کم فرصت ہونے کا عذر ہے تو کئی کتابیں اردو میں چھانٹ دی گئی ہیں ان کو کسی سمجھ دار سے سبق سبق کر کے پڑھ لیجئے۔ضرورت دفع ہونے کو کافی ہیں، کتابوں کو خود نہ پڑھئے کہ اس سے دل میں پہلے سے جو شبہے ہوتے ہیں وہ نہیں جاتے بلکہ اکثر نئے شبہے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے نقصان ہوتا ہے۔

خلاصہ سارے وعظ کا:

خلاصہ سارے وعظ کا یہ ہوا کہ جنت لائق طلب کے ہے اور اس کا ذریعہ خواہش نفس کا چھوڑنا اور اس کا مددگار خوف ہے اور اس کا طریقہ ہے مراقبہ جس کا بیان ابھی ہو چکا۔ جب مراقبہ کیا تو خوف پیدا ہوا، اس سے خواہش نفس کی چھوٹ گئی اس پر نتیجہ ہوگا: فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الماوٰی کہ ایسے شخص کا ٹھکانا جنت ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سمجھ اور عمل کی توفیق فرمائیں۔فقط

❁❁❁

(۳) رمضان کا خالص رکھنا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلَّمْ۔

امابعد! چونکہ رمضان شریف کا زمانہ نزدیک آ گیا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے کچھ حکم بیان کر دیئے جائیں، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ روزہ فرض ہے اس کے تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور ایسے ہی تراویح کو بھی سب لوگ جانتے ہیں کہ ضروری ہے کہ اس کے بیان کرنے کی بھی حاجت نہیں۔

روزہ میں برے کام کرنے کیسے ہیں؟

ہاں اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ بعض لوگوں نے اس مہینہ میں کچھ بری باتیں بڑھا رکھی ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں کو یا تو بالکل علم نہیں یا ہے تو مگر کم ہے یا جانتے بھی ہیں مگر احتیاط نہیں کرتے بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس مہینہ میں بھی بڑے کاموں سے نہیں رکتے سوچتے نہیں کہ اللہ میاں نے تو اس مہینہ میں ان چیزوں کو حرام کر دیا جو پہلے حلال تھیں پھر جو چیزیں پہلے ہی حرام ہیں وہ کس قدر زیادہ حرام ہو گئی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے تو روزہ رکھنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ روزہ اس واسطے ہے کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اب ہر شخص سوچ لے کہ رمضان میں پہلے سے کتنا زیادہ پرہیزگار ہو گیا۔ پہلے کی حالت میں اور اب کی حالت میں کتنا فرق ہوا۔ بدنگاہی کو چھوڑ دیا یا نہیں۔ غیبت سے یعنی

کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہنے سے رکا یا نہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ کوئی بات بھی نہیں چھوڑی، دونوں حالتیں ایک سی ہیں کسی بات میں کچھ نہیں ہوئی بس فقط ایک کام یہ کیا کہ کھانا کھانے کے وقت بدل دیئے ہیں کچھ کھانے میں کمی بھی نہیں کی جتنا پہلے کھاتے اتنا ہی رمضان میں بھی کھاتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے تو روزہ اس واسطے ہم پر فرض کیا تھا کہ برائیاں کم ہو جائیں مگر لوگوں نے کچھ بھی کم نہ کیں۔ اللہ والے تو کھانا بھی اسی مہینہ میں پہلے سے کم کھاتے ہیں اور بعض تو فقط اتنا ہی کھاتے ہیں کہ اس سے زندگی باقی رہے اور اس سے زیادہ نہیں کھاتے انہوں سے سوچ لیا کہ ہمیشہ اچھی طرح کھایا ایک مہینہ عبادت ہی کے واسطے سہی، اسی وجہ سے تو انہوں نے کچھ حاصل بھی کر لیا غرضیکہ ان لوگوں نے کھانے میں بھی کمی کر دی مگر یہ بات ضروری نہیں ایک ثواب کا کام ہے اس کو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو بڑے دین دار ہیں یہ ہر شخص سے نہیں ہو سکتا مگر گناہ تو چھوڑ دو۔ خیر کھانا اگر پہلے کے برابر ہی کھاؤ تو جائز ہے مگر گناہ تو کسی طرح جائز نہیں، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ دن بھر گناہوں میں گھرے رہتے ہیں بلکہ بعض تو رمضان میں اور زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ صبح کی نماز اس مہینہ میں اپنے وقت پر ہوتی ہے یا نہیں سو کہیں بھی نہیں ہوتی۔ اس نماز کو تو وقت سے دیر کر کے پڑھنے کی عادت ہوگئی ہے۔ بہت سوں کی تو قضا ہوتی ہے اور قضا نہ بھی ہو تو اتنی دیر تو ضرور ہی ہو جاتی ہے جس سے جماعت رہ جاتی ہے۔ خوش ہیں کہ ہم نے روزہ رکھ لیا بڑا تعجب ہے کہ نماز چھوڑ دیا بھلا فقط روزہ اس کے لئے کیسے کافی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی بخشش کو اس قدر بڑھا دیا کہ دس گنا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور ہم اس قدر گناہ کرتے ہیں کہ نیکیوں کو دس گناہ کر دینے پر بھی ہمارے گناہ ہی زیادہ رہتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ نیکیاں بڑھی رہتیں اور اس کو بھی اگر جانے دیجئے تو برابر تو رہتیں کیونکہ اس حالت میں بھی ان کے یہاں نیکیاں ہی زیادہ سمجھی جاتیں۔ اس لئے کہ ان کی مہربانی ان کے غصے سے بہت بڑھی ہوئی ہے تو جب برائیاں اور بھلائیاں دونوں برابر ہوں گی تب بھی رحم کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بھلائیوں ہی پر نظر کریں گے۔ اور جب ہماری یہ حالت ہے کہ وہ تو ایک نیکی کو دس نیکیاں بتا دیتے ہیں اور پھر بھی ہمارے گناہ ہی بڑھتے رہتے ہیں تو پھر ہمارا کیا حال ہونا ہے، اچھا اس کو بھی جانے

دیجیے اگر ہمیشہ ہم گناہوں کو گھٹا نہیں سکتے تو رمضان میں تو ایسا کر لیا جائے۔

رمضان کے مہینہ میں جو عبادت کر لی جاتی ہے اس کا اثر تمام سال رہتا ہے

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عبادت کا اثر اس کے بعد گیارہ مہینہ تک رہتا ہے۔ جو کوئی رمضان میں نیکی طبیعت پر زور دے کر بھی کر لیتا ہے تو اس کے بعد آسانی سے نیکی کر سکتا ہے۔ اور جو کوئی رمضان میں کسی گناہ سے بچا رہے تو تمام سال آسانی سے اس سے بچ سکتا ہے۔ اور اس مہینہ میں گناہ چھوڑنے کچھ مشکل نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں۔ پس جب شیطان قید ہو گئے تو گناہ آپ ہی کم ہو جائیں گے اور ان کا چھوڑ دینا آسان ہو جائے گا کیونکہ گناہ کی رغبت دلانے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک تو شیطان دوسرے نفس۔ پس شیطان تو قید کر دیئے گئے اب صرف ایک نفس گناہوں کی طرف رغبت دلانے والا رہ گیا۔ پس ایک کو روک لینا آسان ہے پہلے کی طرح رمضان میں دونوں کے روکنے کی مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ اس ایک مہینہ میں یہ تکلیف اٹھا لینی کوئی بڑی بات نہیں اور جب اس مہینہ میں گناہ چھوڑے رکھو گے تو پھر تمام سال بچا رہنا آپ ہی آسان ہو جائے گا غرض اس مہینہ میں ہر عضو کو گناہ سے بچایا جائے۔

جھوٹ

ایک زبان ہی کے بیس گناہ ہیں جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ایک ان میں سے جھوٹ بھی ہے جس کو لوگوں نے ایسا بنا رکھا ہے۔ جیسے ماں کا دودھ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی بچا ہوا نہیں ہوتا۔ اور وہ چیز جھوٹ ہے کہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ اور پھر اس کو مسلمان کیسا مزہ دار سمجھتے ہیں حالانکہ جھوٹ کے ذرا سے لگاؤ ہو جانے سے بھی گناہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ صحابیہ رضی اللہ عنہا نے ایک بچہ سے بہلانے کے طور پر یوں کہا کہ یہاں سے لے آؤ چیز دیں گے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ آ جائے تو کیا چیز دیں گی۔ انہوں نے دکھایا کہ یہ کھجور ہے میرے ہاتھ میں۔ فرمایا اگر تمہاری نیت کچھ دینے کی نہ ہوتی تو یہ گناہ لکھا جاتا۔ دیکھا آپ نے جھوٹ ایسی بری چیز ہے۔ خیر یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں اگر

اس سے نہ بچ سکے تو جو کھلم کھلا جھوٹ ہے اس سے تو بچنا چاہئے پھر خاص کر روزہ میں۔

غیبت

دوسرا گناہ زبان کا یہ ہے کہ لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی ایسی باتیں کرے جن سے وہ برا مانیں اسے غیبت کہتے ہیں۔ لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم تو اس کے منہ پر کہہ دیں۔ اجی اگر منہ پر عیب نکالو گے تو کون سا اچھا کرو گے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر منہ پر برا کہو گے تو بدلہ بھی پاؤ گے۔ وہ شخص تمہیں برا کہہ لے گا۔ یا اپنے سے اس دھبہ کو مٹا دے گا۔ پیچھے برائی کرنا تو دھوکے سے مارنا ہے۔ یاد رکھو جیسا کہ دوسروں کے مال کی قدر اور عزت ہے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ آبرو کی عزت ہے۔ دیکھو نا جب آبرو پر آ بنتی ہے تو مال تو کیا چیز ہے جان تک کی پرواہ نہیں رہتی تو جب دوسرے کے مال ہی پر ہاتھ ڈالنا جائز نہیں تو آبرو پر ہاتھ ڈالنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ مگر غیبت ایسی پھیل گئی ہے کہ باتوں میں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ غیبت ہو گئی یا نہیں اس سے بچنے کی ترکیب یہی ہے کہ کسی کا بھلا یا برا کچھ بھی ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ بھلائی کا بھی اگر کرو گے تو شیطان دوسرے کی برائی تک پہنچا دیتا ہے اور کہنے والا سمجھتا ہے کہ میں بھلائی کا ذکر کر رہا ہوں، حالانکہ برائی کے مل جانے سے وہ بھلائی بھی کری بے کری برابر ہو گئی۔ اجی حضرت آپ کو تو اپنے ہی کام بہتیرے ہیں پہلے ان کو پورا کیجئے آپ کو دوسرے کی کیا پڑی اور گناہ ہونے کے سوائے غیبت میں کچھ مزہ بھی تو نہیں اور دنیا میں بھی نقصان ہے کیونکہ جب دوسرا آدمی سنے گا تو عداوت پیدا ہو جائے گی۔ پھر آپ خود ہی سمجھ لیجئے کہ اس کا کیا اثر ہو گا۔ اسی طرح زبان کے بہت گناہ ہیں۔ سب سے بچنا ضروری ہے۔ اور ایک گناہ روزہ کے ساتھ خاص ہے وہ یہ ہے کہ حرام مال سے روزہ افطار کیا جائے۔ بڑے تعجب کی بات ہے خیال تو کیجئے کہ اس مہینہ میں حلال کھانا بھی ایک وقت میں حرام ہو گیا پھر یہ کون عقل کی بات ہے کہ دن بھر تو اسے لوگ چھوڑے رہیں اور شام کو حرام سے افطار کریں۔

غلطی ان لوگوں کی، جو کہتے ہیں رزق حلال نہیں ملتا!

اصل میں بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے خبط میں ڈال دیا ہے۔ یوں کہتے ہیں کہ رزق

حلال تو پایا نہیں جاتا سوائے اس کے کہ دریا سے مچھلی شکار کر کے کھائی جائے یا سبزی کھا کر یا گھاس چر کر پیٹ بھر لیا جائے۔ اور اس کے بارہ میں کچھ قصے مشہور کیے ہیں۔ وہ ایک بزرگ کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا بیل چرتے چرتے دوسرے کے کھیت میں چلا گیا۔ تو انہوں نے اس کھیت کا غلہ کھانا چھوڑ دیا کہ نہ معلوم دوسرے کے کھیت کی مٹی جو میرے بیل کے کھر میں لگ کر بلا اجازت چلی آئی کون سے دانہ میں شامل ہوگئی۔ اگر یہ قصہ سچا ہے تو وہ ان کا حال تھا اس کی وجہ سے وہ مجبور تھے دوسروں پر ایسا کرنا ضروری نہیں۔ اگر خود اپنے اختیار سے ایسا کرے تو یہ تقویٰ کا ہیضہ ہے۔ جب اتنے شبہ کو بھی حرام میں داخل سمجھا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے تو گمان یہ ہوگا کہ حرام سے بچنا مشکل ہے۔ تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ سب کے سب حرام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور حلال کو بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سب مولوی حرام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور حلال کو بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کیا سب مولوی حرام کھاتے ہیں۔ ایک بزرگ تھے مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کو حرام مال دھوکے سے بھی کھلا دیتا تھا تو قے ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی دونوں وقت کھانا کھاتے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلال بھی دنیا میں ضرور ہے ورنہ کیا کھاتے اور اگر حرام مال ہی کھاتے تھے تو طبیعت کو حرام سے یہ نفرت نہیں ہو سکتی تھی تو پھر کہنا پڑے گا کہ ہمیشہ قے ہی کیا کرتے ہوں گے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، غرض دنیا میں حلال بھی ہے حرام بھی ہے اگر مسئلے پوچھتے رہیں تو سب معلوم ہو جائیں مگر لوگ پوچھتے ہی نہیں۔ اور اسی کا سارا فساد بھی ہے کہ لوگوں نے پوچھنا چھوڑ دیا جو جی میں آیا کرتے رہے یہاں تک کہ اس کی عادت ہوگئی۔ اب جو کسی نے حرام چیز سے منع کیا تو اس کا چھوڑنا نہایت دشوار معلوم ہوا۔ بس کہہ دیا کہ میاں یہ لوگ تو خواہ مخواہ بھی حلال کو حرام ہی کہا کرتے ہیں۔ ان کی تو غرض یہی ہے کہ مال نہ بڑھے اور مسلمان مال دار نہ ہوں۔ بس ہوتے ہوتے یہ ذہن میں جم گیا کہ ان کے یہاں تو سب چیزیں حرام ہی ہیں حلال کوئی چیز بھی نہیں، اور اس سے حلال چیزوں کو بھی حرام ہی سمجھنے لگے اور خوف سے مولویوں کے پاس جانا چھوڑ دیا کہ دیکھا چاہئے کہ ہمارے کس معاملہ کو حرام بتا دیں اور یہ خیال کر لیا کہ اگر کسی معاملہ کو حلال بھی

بتلائیں گے تو وہ ہماری خاطر ہی سے کہہ دیں گے اور ہوگا تو وہ حرام ہی کیونکہ حلال کا تو پتہ نہیں۔ سو یہ خیال بالکل غلط ہے۔ جس کو مولوی حلال بتادیں وہ خدا کے نزدیک حلال ہے۔ اور جس کو حرام بتادیں وہ خدا کے نزدیک حرام ہے۔ پھر بعض لوگ حرام حلال میں خواہ مخواہ شبہ کر کے حلال کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ جب اس میں شبہ ہوتا ہے تو چھوڑ ہی دو۔ چاہے مولوی کتنا کہیں کہ یہ حلال ہے۔ خیال تو کرو کہ وہ کوئی ظالم نہیں ہیں کہ ناجائز کو جائز بتلا کر خواہ مخواہ تم کو گناہ میں ڈال دیں وہ جائز ہوگا۔ جب ہی تو وہ تم کو بھی جائز بتلاتے ہیں اور یہ خیال مت کرو کہ حلال موجود ہی نہیں۔ مولویوں سے پوچھتے رہا کرو پھر جس بات سے وہ منع کیا کریں اسے ہمت کر کے چھوڑ دیا کرو۔

نفس کی کم ہمتی کا عمدہ علاج

اور اگر نفس کم ہمتی کرے تو اسے یہ سمجھاؤ کہ دنیا کی بادشاہوں کی تو فرمانبرداری تو کرتا ہے پھر جو سب سے بڑا بادشاہ ہے اس کی تابعداری کیسے نہ کرے گا۔ اس کے حکم کو تو ضرور ہی ماننا چاہئے، اور جب تم خود اپنی ہمت مضبوط کرلو گے تو دوسرے لوگ بھی تم کو اس سے نہ روکیں گے لوگ تو سب مان جاتے ہیں آدمی پکا چاہئے۔ اور خود اللہ تعالیٰ ایسے سامان کر دیتے ہیں۔ جس سے ان کے حکموں پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ خیال کر لیجئے کہ حاکم جب کسی کو مشکل کام کا حکم دیتا ہے تو خود اس کی مدد بھی کیا کرتا ہے خلاصہ یہ کہ دل کو مضبوط کرلو اور پکا ارادہ کرلو کہ ہم کوئی کام بلا پوچھے نہ کریں گے۔ ہاں اس پوچھنے سے بعض باتیں ناجائز بھی نکلیں گی جس سے آمدنی کم ہو جائے گی مگر اس سے گھبرانا مت کیونکہ اس کم میں ہی برکت ہو گی جب چاہو آزمالو۔

رزق میں برکت کے معنی

اور برکت ہونے کے یہ معنی نہیں کہ تھوڑی چیز زیادہ ہو جاتی ہے کہ بازار سے تو لائے ایک من اور گھر پر آ کر اترے دو من۔ اگرچہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔

ایک شخص کے مسجد بنوانے کی حکایت

ایک سخی شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنواتے تھے اور ایک تھیلی میں روپیہ رکھتے

تھے اور کام انہوں نے شروع کرا دیا تھا۔ جب ضرورت ہوتی اسی تھیلی میں سے ہاتھ ڈال کر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بن گیا حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا۔ لیکن یہ بہت کم ہوتا ہے زیادہ تو برکت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ جو کچھ تمہاری آمدنی ہے وہ سب تمہارے خرچ میں آئے بے کار خرچ نہ ہو نہ بیماری میں خرچ ہو۔ جو کچھ بھی تمہاری آمدنی ہو وہ تمہاری ہی ذات پر خرچ ہو۔ ایسی تھوڑی آمدنی اس زیادہ آمدنی سے اچھی ہے کہ تمہارے اوپر خرچ نہ ہو۔

اللہ میاں کی خوشنودی تمام دنیا کی چیزوں سے ہزار درجہ بہتر ہے

اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ برکت بھی نہ سہی، خود اللہ میاں کی خوشنودی ہی کیا کچھ کم ہے۔ اس کے سامنے تو تمام دنیا کی چیزوں کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ اجی اللہ میاں ملیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی۔ مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ عزت نہیں۔ سمجھتے ہو دنیا کے بادشاہوں کی رضامندی کے واسطے کتنے کتنے سفر کرتے ہو اور کیا کیا خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بت کہیں وہ رضامند ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے۔ کیونکہ ذرا سی بات پر بگڑ جاتے ہیں۔ اور اللہ میاں ایسے مہربان ہیں کہ فرماتے ہیں کہ ہم شکر کرنے والے ہیں۔ اس لفظ کو ذرا خیال تو کیجئے اگر کوئی شخص بادشاہ کے سامنے کوئی چیز لے جائے اور بادشاہ اس کی منظوری یا نامنظوری کچھ ظاہر نہ کرے مگر ہاں اس میں کوئی عیب بھی نہ نکالے اور صرف اپنے خزانچی کو حکم دے دے کہ اس کو رکھ لو تو لے جانے والے کے دماغ آسمان پر پہنچ جائیں گے اور سناتا پھرے گا کہ بادشاہ نے ہمارا ہدیہ رکھ لیا۔ اور اللہ میاں کو دیکھئے کہ ہم ان کے یہاں اپنے عمل لے جاتے ہیں اور وہ ان پر شکر کرتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے عمل ہیں کس قابل۔ ایک نماز ہی کو لیجئے کہ کھڑے تو ہوتے ہیں اللہ میاںؑ سے باتیں کرنے کو اور دل ہی دل میں تمام جہان سے باتیں کرنے لگتے ہیں کہیں کسی چیز کا خیال ہے کہیں کسی چیز کا دھیان ہے۔

ہماری نماز کی حالت

ہماری حالت ایسی ہے کہ ایک بادشاہ نے صرف اپنی مہربانی سے اپنے غلام کو دربار میں

آنے کی اجازت دی اور جب خود نہ آیا تو پکڑوا کر بلوایا اور جب پکڑے ہوئے دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے مہربانی کی اور محبت سے باتیں کیں۔ تاکہ ساری رعایا میں اس کی عزت ہو جائے بس ہماری بھی یہی حالت ہے کہ وہ زبردستی اپنے دربار میں ہمیں بلاتے ہیں صرف ہمارے نفع کے لئے ان کا کچھ نفع نہیں اور جب دربار میں ہمیں بلاتے ہیں صرف ہمارے نفع کے لئے ان کا کچھ نفع نہیں اور جب دربار میں پہنچے تو کیا کیا کہ پہنچے ہی تو منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے اور کانوں میں انگلیاں دے لیں مگر بادشاہ تو ایسا مہربان ہے کہ اس پر بھی خفا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے خادموں کو حکم دیتا ہے کہ اس بے وقوف کی انگلیاں کانوں سے نکال دو، بلکہ ہاتھ باندھ دو کہ پھر انگلیاں کانوں میں نہ دے سکے اور منہ اس کا ہماری طرف کر دو۔ اور بادشاہ جلدی سے مہربانی کے ساتھ باتیں کرنے لگے تاکہ ایک دفعہ اس کے کان میں پڑ جائیں۔ مگر یہ تو قسم کھا کر چلے ہیں کہ الٹا ہی کریں گے۔ پس انہوں نے جھٹ سے پھر انگلیاں کانوں کی طرف بڑھائیں مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مجبور ہو گئے مگر انہیں یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں محبوب کا کلام کان میں نہ پڑ جائے اس لئے اس جگہ سے بھاگ کر گھوڑوں کے بندھنے کی جگہ جا پہنچے۔ اور وہاں گھوڑے کے پاس چھپ گئے۔ وہاں آدمی پکڑنے کے لئے پہنچا تو آپ وہاں سے نکل کر گدھے کے پاس چھپ گئے۔ غرض ایک گھنٹہ بھر یہی حالت رہی کہ یہ بھاگتے رہے۔ اور بادشاہ کے نوکر بلکہ خود بادشاہ ان کے پیچھے پھرتے رہے مگر یہ اپنی نالائقی سے باز نہ آئے۔

جیسی ہماری نماز ہے اس پر سزا ہی نہ ہو تو بڑی رحمت ہے

اب آپ بتلائیے کہ یہ شخص کسی سزا کے لائق ہے یا اب بھی بادشاہ کو اس پر رحم آنا چاہئے اس کی تو یہ سزا تھی کہ جب پہلی ہی مرتبہ اس نے نالائقی کی تھی۔ اسی وقت اس کو مجرم بنا کر دربار سے نکال دیتے اور کبھی دربار میں آنے کی اس کو اجازت نہ ہوتی اور بادشاہ کی ہتک کرنے کی سزا دی جاتی۔ بس ہم دیکھ لیں کہ ہماری تو اس غلام کی سی حالت ہے اور اللہ کو ہمارے ساتھ کیسی مہربانی کا برتاؤ ہے ان کی طرف سے تو حاضری کی ہر وقت اجازت ہے جب جی چاہے نفل نماز پڑھو سوائے دو تین وقت کے کہ ان میں تو اجازت نہیں جیسے کہ سورج

نکلنے کے وقت اور مثل اس کے باقی سب وقتوں میں اجازت ہے مگر ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں یہاں تک کہ پکڑ کر بلانے کی نوبت پہنچی یعنی فرض نماز کا وقت آیا۔ ہم تب بھی کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہنچے۔ برا بھلا وضو کیا۔ اور مجبوری سے نماز کی نیت کی یعنی سامنے باتیں کرنے کو کھڑے کئے گئے۔ کھڑے ہوتے ہی ایسا منہ پھیرا کہ کچھ خبر نہیں رہی صرف زبان سے لفظ پڑھ رہے ہیں دھوکہ دینے کے واسطے بادشاہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ یعنی سبحانك اللهم پڑھا اللہ میاں نے اس منہ پھیرنے پر نظر کی اور باتیں کرنی شروع کیں۔ الحمد شریف کی ہر آیت پر جواب دینا شروع کیا۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے ہمارے کان میں جو ذرا سی بھنک ان کے جواب کی پڑی تو ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر آ کر دم لیا کبھی بیوی کے پاس کبھی بچوں کے پاس، کبھی مکان میں پھرتے رہے کبھی کہیں کا خیال کبھی کہیں کا، غرض یہی مسخراپن کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بڑی مشکل سے دربار کی حاضری ختم تک پہنچی۔ یعنی سلام پھیرا کہ بڑی خیر ہوئی کہ بادشاہ کی ہم کلامی سے بچ گئے، جانے وہ کاٹ کھاتا یا کیا کرتا مگر یہ خبر نہیں کہ ہم کلامی ہو جاتی تو کیا کچھ ملتا۔

صاحبو! اب ان گستاخیوں بھری ہوئی نماز سے ہم کو وہی سزا ملنی چاہئے جو اس غلام کو ملنی چاہئے تھی کہ اگر ایک دفعہ بھی ہم ایسی نماز پڑھتے تو کبھی اللہ میاں کے یہاں ہم کو گھسنے نہ دیا جاتا اور دربار سے نکلتے ہی فوراً حکم جاری ہو جاتا کہ اس کو ہمیشہ کے واسطے جیل خانہ میں بھیج دو، مگر اب ان کی مہربانی کو دیکھئے کہ حکم فرمایا تو یہ فرمایا کہ كان سعيكم مشكورا۔ کہ اس نے بہت اچھی طرح کام کیا۔ ہمارے لئے مر جانے کی بات ہے۔ جیسا ہم نے اچھا کام کیا ہے اسے تو ہمارا دل ہی خوب جانتا ہے۔ اور جو لوگ وہاں حاضر تھے۔ انہوں نے ہمارے کام کو دیکھا تھا، ان کے سامنے ہماری شرم رکھنے کے واسطے فرماتے ہیں کہ ان کی برائیوں کو ہم نیکیوں سے بدلے دیتے ہیں۔ یہ بیوقوف ہے۔ گو اس نے کتنی ہی گستاخیاں کیں مگر ہم اس آنے کو بھی حاضری میں لکھ لیتے ہیں اور اس کی وہی عزت کی جائے گی جو تمیز کے ساتھ آنے والے کی کی جاتی ہے۔ اب فرمائیے کہ اگر ایک مرتبہ ایسا معاملہ بادشاہ کسی کے ساتھ کرے تو کیا دوبارہ اس شخص کی ہمت پڑ سکتی ہے کہ پھر اس بدتمیزی سے دربار میں جائے ہرگز نہیں بلکہ

شرم کی وجہ سے سر سے پیر تک پسینہ میں ڈوب جائے گا۔ اور ایسا کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوگی۔ مگر ہم ایسے ناشکرے ہیں کہ ایک دو دفعہ کیا معنی سینکڑوں بار بلکہ ہر روز پانچ بار یہی بدتمیزی کرتے ہیں۔ مگر ادھر سے کچھ بھی اس کا خیال نہیں کیا جاتا اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ایک تو ہمارے یہ عمل لنگڑے لولے ہیں ہی دوسرے ان پر پابندی بھی نہیں کرتے بلکہ اور الٹے ناجائز کام کرتے ہیں۔ صاحبو! ذرا شرماؤ اور نیک کام کرو اور حرام سے بچو خاص کر رمضان کے مہینہ میں۔ یہ تو روزہ کے اندر جو خرابیاں کر رکھی ہیں، ان کا بیان تھا۔

تراویح میں جو خرابیاں کر رکھی ہیں ان کا بیان

اب ایک عمل خاص رمضان کا ہے اور جیسے دن کا عمل روزہ ہے ایسے رات کا عمل تراویح ہے۔ اس میں یہ خبط کر دیا ہے کہ تراویح کی بیس رکعت گنتی میں تو پوری کر لیتے ہیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان میں توریت پڑھی جاتی ہے یا انجیل پڑھی جاتی ہے۔ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ یا تو شروع کا حرف سمجھ میں آتا یا رکوع میں جاتے وقت جو اللہ اکبر کہتے ہیں وہ سمجھ میں آتا ہے۔

ایک حافظ کا قصہ ہے کہ قرآن شریف پڑھتے پڑھتے جہاں بھولے وہاں اپنی طرف سے بنا کر پڑھ دیا مدتوں تک بڑی تعریف ہوتی رہی کہ ان کو کہیں متشابہ بھی نہیں لگتا۔ **لاحول ولا قوۃ**۔ صاحبو اللہ میاں کو دھوکہ مت دو جیسے کہ پوری بیس رکعت گناتے ہو ایسے ہی انہیں ڈھنگ سے سر بھی تو کر لو۔ ایک یہ ظلم ہوتا ہے کہ حافظ نمازیوں کو بھگاتا ہے۔ اتنی اتنی لمبی رکعتیں کرتا ہے کہ کوئی ٹھہر ہی نہ سکے پانچ پانچ سیپارہ ایک ایک رکعت میں بھلا پھر کون رکے حضور ﷺ تو فرماتے ہیں کہ خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ اور آسانی کرو اور تنگی میں مت ڈالو ہاں ایسا ہی شوق ہے تو تہجد میں جتنا چاہو پڑھو اور کسی کا بھی شریک ہونے کو دل چاہے تو اس میں شریک ہو جائے مگر اس میں بھی امام کے سوا تین سے زیادہ جماعت میں نہ ہوں۔ کیونکہ کتابوں میں اس کو بھی مکروہ لکھا ہے۔

شبینہ میں جو خرابیاں کر رکھی ہیں ان کا بیان

بعض لوگ ایک ہی رات میں پورا قرآن شریف ختم کرتے ہیں۔ جسے شبینہ کہتے ہیں

اس میں تو کئی بدعتیں ہیں غور کر کے دیکھ لیجئے کہ اس میں دکھلاوہ کی نیت ہوتی ہے جو اس کا انتظام کرتا ہے اس کی بھی یہی نیت ہوتی ہے اور امام اور سننے والوں کو بھی امام تو تعریفوں کے امیدوار رہتے ہیں کہ جہاں سلام پھیرا اور لوگوں نے منہ پر تعریف کر دی تو خوش ہو گئے اور اگر کسی نے تعریف نہ کی تو پڑھا بھی نہیں جاتا حدیث میں حکم کیا ہے کہ تعریف کرنے والے کے منہ پر خاک جھونک دو اور جو امام ہوتے ہیں ان پر بھی اس تعریف کا اثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض امام تو تعریف کرانے کو لقمہ تک نہیں لیتے اپنا ہی پڑھے چلے جاتے ہیں اس خیال سے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ اچھا یاد نہیں اور جو لوگ انتظام کرتے ہیں وہ تو نماز میں آ کر شامل بھی نہیں ہوتے انہیں چائے پانی ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ شبینہ چائے پانی کے لئے کیا ہے یا قرآن شریف سننے کے لئے بس معلوم ہوا غرض ان کی یہ ہے کہ لوگ جان لیں کہ ہمارے یہاں فلانی مسجد سے اچھا انتظام رہا۔ بس چائے پانی اچھا رہا مگر اصل چیز تو چھوٹ گئی اب رہے سننے والے تو انصاف سے کہہ دیجئے وہ قران شریف سننے کے لئے آتے ہیں یا نماز کے ساتھ دل لگی کرنے کو کچھ کھڑے ہیں کچھ بیٹھے ہیں۔ کچھ کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں کبھی بیٹھ جاتے ہیں، کبھی کچھ لوگ بیٹھ بھی نہ سکے تو نیت توڑ کر لیٹے لیٹے سن رہے ہیں۔ اور کریں بھی کیا بے چارے گھنٹوں تک کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں۔ اور بعضے جو ہمت کر کے کھڑے بھی ہیں تو امام کی غلطیوں کو چھوڑے جاتے ہیں خواہ وہ کیسی ہی غلطی کرتا چلا جائے بتلا نہیں سکتے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں کہ بتلانے سے حرج ہو گا اور قرآن شریف ختم ہونے سے رہ جائے گا۔ بعضے یہ غضب کرتے ہیں کہ نماز میں تو شریک نہیں ہوتے۔ ویسے ہی بیٹھے بیٹھے امام کو لقمہ دیئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں اگر امام نے لقمہ لے لیا تب بھی نماز سب کی ٹوٹ جائے گی اور اگر نہ لیا تو غلطی رہ گئی اور غلطی سے اگر معنی خراب ہو گئے تب بھی نماز درست نہ ہو گی۔ اب ان سننے والوں کی ساری محنت بیکار گئی مفت میں بے چاروں کو تکلیف بھی ہوئی، غرض کہ ایسی حالت میں اگر لقمہ لیا تب بھی نماز نہ ہو گی اور اگر نہ لیا تو بھی درست نہ ہو گی۔ اب ان سب حالتوں کو ملا کر آپ ہی کہہ دیجئے کہ یہ نماز ہے یا کھیل ہے اور جب شرع کے قاعدہ سے نماز ہی نہ ہوئی تو پھر قبول تو کیا ہوتی اور ایک خرابی شبینہ میں یہ بھی ہے کہ اکثر ایسا

ہوتا ہے کہ نفل کی جماعت کرتے ہیں۔ کیونکہ بعض ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو تراویح کی جماعت میں کر سکتے ہیں۔ زیادہ نمازی تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اول سے آخر تک شریک رہیں۔ اور اس میں تراویح کو پوری کریں اس لئے اول سب امام اور مقتدی تراویح علیحدہ علیحدہ پڑھ لیتے ہیں اور پھر نفلوں میں پڑھتے ہیں اور نفلوں میں جماعت مکروہ ہے۔ غرض کہ بہت سی خرابیاں شبینہ میں کر رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض حافظ اپنا اپنا پڑھنے کے بعد آن شریک ہوتے ہیں تا کہ امام کو غلطی میں ڈالیں اور اسے چکرا دیں یہاں تک تو آپ کہہ دیں گے کہ یہ سننے کو آتے ہیں اس میں تو کچھ بے ادبی نہیں ہے۔ مگر ذرا نیت تو دیکھ لو اور اسی قسم کی بہت سی بدعتیں اس میں شامل کر رکھی ہیں۔ ہاں اگر شبینہ میں تمہاری صرف یہی نیت ہو کہ قرآن شریف پورا ہو جائے تو اچھی بات ہے مگر نیت کو اچھی طرح دیکھ لیجیئو کہ اس میں دکھاوٹ وغیرہ اور تو کچھ نہیں مل رہا ہے اور اس کی شہرت بھی نہ دو کہ ہمارے یہاں شبینہ ہوگا ورنہ پھر وہی دکھلاوہ ہو جائے گا خالص نیت نہ رہے گی اور جتنی ہمت ہو قرآن شریف پڑھو۔ امام کو گڑبڑ میں نہ ڈالو اور جتنی خرابیاں کر رکھی ہیں ان سے بچے رہو۔

غیر عورتوں کو قرآن شریف تراویح میں سنانا برائی سے خالی نہیں

ایک بدعت رمضان میں یہ کر رکھی ہے کہ حافظ گھروں میں جا کر غیر عورتوں کو محراب سناتے ہیں اس میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ ایک یہ کہ غیر مرد جب خوش آوازی سے پڑھے تو اس کی آواز عورت کو سننا ایسے ہی منع ہے جیسے کہ مرد غیر عورت کی آواز سنے اور رواج یہی ہے کہ خوش آواز مرد تلاش کیے جاتے ہیں۔ اور حافظ صاحب بھی مردوں کی جماعت میں شائد سادہ سادہ ہی پڑھتے مگر عورتوں میں خوب بنا بنا کر پڑھتے ہیں، بھلا عورتوں کو جماعت کی کون سی ضرورت ہے اپنی اپنی الگ پڑھیں اور انہیں کچھ محراب سننے کی بھی ضرورت نہیں، اگر حافظ ہیں تو تنہا تنہا اپنی تراویح ختم کر لیں اور اگر حافظ نہیں تو الم ترکیف سے پڑھ لیں اور ایسا ہی شوق ہے تو روزمرہ جتنا ہو سکے ناظرہ قرآن پڑھ لیا کریں۔ غیروں کی خوش آوازی سننے میں کیوں روپیہ خرچ کرکے گناہ مول لیتی ہو۔ دوسری بدعت اس میں یہ کر رکھی ہے کہ حافظ کو

اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوایا جاتا ہے اور عبادت پر اجرت لینی حرام ہے۔

مردہ کی قبر پر اجرت دی کر قرآن شریف پڑھوانا حرام ہے

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قبر پر حافظ کو مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی تو یہی بات ہے کہ عبادت پر اجرت لی جاتی ہے۔ اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب مولویوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مردہ کو ثواب پہنچانا ہی بند کرا دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کا ثواب ہی نہیں پہنچا پھر بند کیا کرا دیا کیونکہ ثواب پہنچنے کی صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اول کرنے والے کو ثواب ملتا ہے پھر اس کو اختیار ہے کہ جسے چاہے بخش دے جیسے اپنا مال جسے چاہے دے دے اور یہاں خود ہی کو ثواب نہیں ملا تو دوسرے کو کیا بخشے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم حافظ کو تراویح میں محراب سنانے کی اجرت نہیں دیتے اور اسی وجہ سے ہم پہلے سے ٹھہراتے بھی نہیں کہ اتنے روپیہ دیں گے۔ مگر آپ کو نہیں معلوم کہ جس بات کا رواج ہے اس کا ٹھہرانا بے ٹھہرانا سب برابر ہے۔ اگر حافظ صاحب کو کسی طرح معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ نہ ملے گا۔ تو درمیان رمضان میں ہی حافظ صاحب چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔ ہاں اگر دینے کا رواج نہ ہو اور کچھ ٹھہرایا بھی نہ جائے تو اس حالت میں جو کچھ دیا جائے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ حافظوں کو ویسے ہی دیتے رہا کرو۔ اب اس طرح دینے کی عادت نہیں رہی اس وجہ سے ان بے چاروں کی نیتیں خراب ہو گئیں، اگر انہیں بلا مانگے اور بلا حیلہ کئے ہی دے دیا جایا کرے تو یہ نوبت کاہے کو آئے۔

ایک طالب علم کی حکایت

ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ وہ ایک جگہ پڑھنے گئے کھانا مقرر نہ ہوا۔ اتفاق سے ایک موت ہو گئی۔ اوروں کے لئے تو غمی تھی مگر اس بے چارہ کے لئے عید کا دن آ گیا۔ ان کا کھانا چالیس دن کے لئے مقرر ہو گیا۔ انہوں نے اس کو غنیمت سمجھا جب چلہ ختم ہونے کو آیا تو انہیں فکر ہوئی کہ پھر وہی فاقہ آتا ہے اتفاق سے چلہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ایک اور موت ہو گئی، ان کے ایک چلہ کا سامان اور ہو گیا۔ غرض اسی طرح کئی موٹے موٹے ایک کے بعد دوسرا ہو

کر لڑھک گئے۔ ان طالب علم کو چاٹ لگ گئی اور ہر وقت انتظار میں رہنے لگے کہ کس طرح کوئی مرے۔ ایک روز ایک شخص نے کہا یہ طالب علم سارے محلہ کو اسی طرح کھا جائے گا ورنہ اس کا کھانا کردو۔ کہیں اس طرح بھی اللہ میاں پہنچاتے ہیں۔

حافظوں کی نیت کس وجہ سے بگڑی اور کس وجہ سے عبادت پر اجرت لینی شروع کردی

غرض یہ نوبت بدنیتی کی کس طرح سے پہنچی۔ صرف اس وجہ سے کہ حق داروں کی خبر نہیں لیتے یوں تو کبھی سالن بھی ڈھنگ کا نہ ملے۔ ہاں جمعرات کے دن حلوے آ جائیں گے اور جو کوئی مولوی کہتا ہے کہ جمعرات ہی کے دن کھانا دینے کو کیوں خاص کر رکھا ہے تو برا معلوم ہوتا۔ صاحبو! سوچو تو کیا آٹھ دن کا کھانا ایک دن کھا سکتے ہو۔ طالب علم غریب نے کیا قصور کیا ہے کہ ہفتہ بھر تو فاقہ کراؤ اور ایک دن اتنا لا کر رکھ دو کہ کھا نہ سکے چاہئے کہ ان کی خدمت کرتے رہا کرو تاکہ ان کی نیت نہ بگڑے مگر لوگ ایسا نہیں کرتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کی خدمت کرنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں اس لئے نہ ان کی کچھ عزت کی جاتی ہے نہ ان کے ساتھ کچھ سلوک کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے رواج ہو گیا ہے کہ اذان کہنے کے لئے وہی مقرر ہوتا ہے جو کسی کام کا نہ ہو لولے لنگڑے اپاہج جو کسی کام کے نہ رہیں وہ اذان کا پیشہ لے لیتے ہیں۔ پھر کوئی ان کی خبر لیتا ہے نہیں اس وجہ سے ان کی نیتیں بگڑ گئیں۔ ایک مردہ کا چادر کسی نے ایک فقیر کو دے دیا تھا اذان دینے والے کو خبر جو لگی تو وہ فوراً پہنچا کہ واہ صاحب میرا حق اس کو دے دیا خدا خدا کر کے تو یہ دن آتا ہے اس میں بھی ہمارا حق اوروں کو دے دیتے ہو۔ بے شک یہی بات ہے بہت انتظار کے بعد یہ دن نصیب ہوتا ہے مگر اس میں اس کا قصور نہیں بلکہ محلہ والوں کا قصور ہے انہوں نے یہ نوبت کیوں پہنچائی۔ اگر ہم لوگ مقرر کر لیں کہ گیارہ مہینہ میں جہاں اپنے لئے کپڑے بناتے ہیں ایک کپڑا ان کو بھی بنا دیں اور جہاں آپ کھاتے ہیں کبھی کبھی ان کی بھی دعوت کر دیا کریں اور اپنے خرچ کے روپیوں کے ساتھ ان کے لئے بھی کچھ روپیہ نکال دیا کریں۔ غرض رمضان کے سوا اور مہینوں میں بھی حافظوں کی

برابر خبر گیری کرتے رہا کریں پھر رمضان شریف میں ان سے کہا جائے کہ قرآن شریف سنا دیجئے تو کیا نہیں سنائیں گے۔ضرور خوشی کی ساتھ منظور کرلیں گے۔اوراس میں کچھ بھی خرابی نہ ہوگی کیونکہ اب عبادت پر اجرت ہی نہیں رہی۔غرض اجرت پر حافظ سے قرآن شریف پڑھوانا جائز نہیں اور ایسی ہی عورتوں کو گھروں میں سنانا مناسب نہیں اور عورتوں کو پورا قرآن سننے کی کیا حاجت ہے۔شرع نے ان پر فرض تو کیا نہیں تو ان کے ذمہ کچھ ضرور نہیں،بس الم ترکیف سے تراویح پڑھ لیا کریں اوراس میں ایک خرابی اور بھی ہوتی ہے کہ جب ایک جگہ حافظ عورتوں کے سنانے کو مقرر کیا جاتا ہے تو سارے محلہ سے عورتیں آ کر جمع ہوتی ہیں اور عورت کو بغیر ضرورت کے گھر سے نکلنا جائز نہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورت چھپانے کی چیز ہے تو پھر عورتوں کا جمع ہونا درست نہ ہوا کیونکہ ان کو محراب سننا کوئی ضروری نہیں۔

ختم کے دن زیادہ چراغ جلانے میں کیا کیا خرابیاں ہیں

ایک بدعت رمضان شریف میں یہ کر رکھی ہے کہ قرآن شریف کے ختم کے روز بہت سے چراغ جلاتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ روشنی کرتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ اس سے دین کی رونق زیادہ ہوتی ہے۔ہم کہتے ہیں کہ رمضان میں ہی دین کو رونق دینے کی ضرورت ہے یاباقی تمام مہینوں میں بھی تو پھر ہمیشہ بہت سے چراغ جلایا کیجئے یا یوں کہئے کہ اور دنوں میں دین کے چھپانے کا حکم ہے۔خوب جان لیجئے کہ رونق اور عزت نیک کاموں ہی سے ہوتی ہے۔

رونق دین کی دین ہی سے ہوتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ سنا ہوگا کہ جس وقت شام کے ملک میں گئے ہیں اور عیسائیوں کے شہر کے پاس پہنچے تو کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے اور آپ کی سواری کا اونٹ ساتھ تھا مگر اس پر خود سوار نہ تھے بلکہ آپ کا غلام اس پر سوار تھا۔لوگوں نے کہا کہ یہاں اپنا مرتبہ اور عزت دکھانے کا موقع ہے کم سے کم گھوڑے پر سوار ہو جایئے آپ نے ان کے بہت کچھ کہنے سننے سے منظور کرلیا۔جب سوار ہوئے تو گھوڑے نے کودنا اچھلنا شروع کیا،آپ فوراً اتر پڑے کہ اس سے نفس میں برائی اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور انہوں نے جو عزت

ظاہر کرنے کی ضرورت بیان کی تھی اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم وہ قوم ہیں کہ دین ہی سے ہماری عزت ہے۔ بھلا چراغوں سے کہیں دین کی عزت ہوسکتی ہے۔ دین کی عزت تو دین ہی سے ہے دین کی باتوں کی پوری پابندی کرو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور شخص تمہارے سوا مسجدوں میں زینت اور رونق کر دے تو کیا تم کو اس سے ایسی خوشی ہوگی جیسے کہ اپنا خرچ لگا کر زینت کرتے ہو اور اس میں تم کو خوشی ہوتی۔ غور کیجئے کہ اتنی خوشی ہرگز نہ ہوگی بس معلوم ہوا کہ صرف اپنا نام جتانے کے لئے کرتے ہیں۔ ورنہ رونق تو دونوں صورتوں میں برابر ہے پھر دوسرے کے زینت کرنے میں خوشی کم کیوں ہے اور اس فضول خرچی سے تو یہ بہتر تھا کہ اس روپیہ کو مالک سے اجازت لے کر مؤذن کو دے دیا جاتا۔ مگر اس کو کیوں دیتے نام کیسے ہوتا؟

فضول خرچی کسے کہتے ہیں

آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ فضول خرچی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فضول خرچی کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ مال خرچ کیا جائے اور اس میں کوئی نیک غرض نہ ہو۔ پھر یہ فضول خرچی کیسے نہ ہوگی، اس میں کون سی اچھی غرض ہے اور چونکہ بہت سے چراغ دکھلاوہ کے لئے جلائے جاتے ہیں اس لئے وہ جائز نہیں، کیونکہ دکھلاوہ کے لئے کام کرنا گناہ ہے پھر یہ لوگ اسے ثواب بھی سمجھتے ہیں تو کتنی سخت غلطی ہوئی یہ خرابیاں ہیں زیادہ روشنی کرنے میں۔ اور پھر یہ خرابی الگ رہی کہ انتظام کرنے والے تو روشنی ہی میں لگے رہتے ہیں نماز میں ان کا دل نہیں ہوتا، انہیں تو روشنی ہی کا خیال لگا رہتا ہے۔ اور بعض وقت تو نماز میں بھی شریک نہیں ہوتے، کہیں ایک صف سے دوسری صف میں جاتے ہیں، حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی گردنوں کو پھلانگے گا اس کو قیامت کے دن پل کی طرح ڈال دیا جائے گا کہ مخلوق اس پر راستہ چلے گی۔ اتنی خرابیاں ہیں اس روشنی میں، میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف اور حدیث کے اندر جو حکم ہیں اگر مسلمان ان پر عمل نہ کریں گے تو اور کون کرے گا۔ کیا دوسرے مذہب والے اس پر عمل کرنے آئیں گے ذرا سوچو تو کہ ان حکموں کو صرف دکھ لینا اور پڑھ لینا کیا کام دے گا جب تک کہ اس پر عمل نہ کریں اور مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ان کو پڑھ لیتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے اگر یہ حالت ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ: یا رب ان قومی اتخذوا هذا القران

مھجورا۔ ترجمہ: اے رب میرے ضرور میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

صاحبو! قرآن کو صرف گھروں میں رکھنا اور زبان سے پڑھنا پورا کام نہیں دے سکتا بلکہ جو کچھ اس کے اندر حکم ہیں ان کو بھی دیکھو اور دل پر اثر ڈالو اور اس پر عمل کرو۔

ختم کے دن مٹھائی بانٹنے میں کیا کیا خرابیاں ہیں؟

اور ایک خرابی ختم کے دن یہ کر رکھی ہے کہ مٹھائی تقسیم کرتے ہیں۔ یہ خرابی اگر چہ ظاہر میں نہیں معلوم ہوتی مگر میں سمجھائے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہ مٹھائی یا تو ایک شخص کی رقم سے آتی ہے۔ تو اس میں یہ خرابی ہے کہ اس کی نیت دکھلاوہ اور نام کرنے کی ہوتی ہے اور اگر چندہ سے ہوتی ہے تو اس میں یہ خرابی ہے کہ چندہ زور ڈال کر وصول کرتے ہیں۔ اور اس سے لوگوں کے دل دکھتے ہیں دل دکھا کر لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ مار پیٹ کر لیا جائے، جب دوسرے کو دبا کر، شرما کر لیا تو اس کے زبردستی ہونے میں کیا شبہ رہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شرما کر اور دباؤ ڈال کر لینا ایسا ہے جیسے کہ لاٹھی کے زور سے لیا جائے۔ اس کا خیال بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں اکثر مسجدوں کے لئے چندہ اسی طریقہ سے کرتے ہیں کہ ایسے لوگ وصول کرتے ہیں جن کا دباؤ دینے والوں پر پڑتا ہے اور وہ اس کے دباؤ اور لحاظ سے چندہ دیتے ہیں، اور پھر اس میں بھی بعض چندہ فضول زینت کے واسطے کرتے ہیں جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ اگر چہ وہ زینت اور سجاوٹ اپنے ہی مال سے کی جائے۔

مسجدوں کو پختہ بنانا اچھا ہے اور ان کو سجانا مناسب نہیں ہے

ہاں عمارت مسجد کی اگر مضبوط بنوائی جائے تو کچھ حرج نہیں، مصالحہ عمدہ لگایا جائے عمارت بنانے والے تجربہ کار ہوں۔ اینٹ پکی ہو ان میں کچھ خرابی نہیں اور اگر معمولی سی زینت بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہ تو کسی طرح درست نہیں کہ لوگوں سے زبردستی وصول کر کے مسجد کے سجانے میں خرچ کیا جائے چھپر کی مسجد بھی نماز پڑھنے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ نماز سے مقصود اللہ میاں کی سامنے عاجزی کرنا ہے۔ اور اس میں چھپر کی مسجد اور پکی مسجد دونوں برابر ہیں، بلکہ پکی مسجد میں تو پھول بوٹوں میں خیال بٹ جاتا ہے اور چھپر کی مسجد میں

سجاوٹ ہی نہیں جو اس سے خیال بٹے تو جب کہ نماز کے مقصود ہی میں خلل آ گیا تو سجاوٹ کیا کام دے گی۔

ختم کی مٹھائی میں نیتیں خراب ہونے کی پہچان

ایسا ہی حال ہے مٹھائی میں کہ اس میں بھی کوئی تعریف کرانے کے واسطے دیتا ہے کسی سے دباؤ ڈال کر لیا جاتا ہے اور اس کا امتحان یوں ہو سکتا ہے کہ اگر بعد میں نمازی زیادہ جمع ہو جائیں تو مٹھائی کی فکر پڑ جاتی ہے تو جو انتظام کرنے والے ہوتے ہیں انہیں تو اپنی آبرو کی پڑ جاتی ہے اور نمازیوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اب ایک ہی ایک بتاشہ ملے گا۔ پھر نماز میں دل لگنا تو کوسوں دور رہ گیا مٹھائی کیا آئے گی اتنے گناہ چپکا لائی۔ اور سوائے اس کے ایک یہ بات بھی ہے کہ اکثر بے نمازی لوگ بھی آ جاتے ہیں اور تعجب نہیں کہ بعضے ان میں سے ناپاک بھی ہوتے ہیں۔ پھر لوگ باتیں کرتے ہیں، بیہودہ باتیں کرتے ہیں، ایک دوسرے کی برائی غیبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا ظلم سمیٹتے ہیں۔ یہی حال ہے مولود شریف کی مٹھائی کا۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ عرب میں تو مٹھائی بانٹی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بری بات کسی کے کرنے میں اچھی نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ تم میں اتنی سادگی بھی نہیں ہے جتنی عرب میں ہے ان کی تو ایسی بے تکلف عادت ہے کہ جب کچھ رہ جائیں اور مٹھائی ختم ہو جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ خلاص یعنی مٹھائی ہو چکی، ان کو یہاں کی طرح سے آبرو وغیرہ کی فکر نہیں ہوتی جس کو پہنچ گئی پہنچ گئی۔ نہ پہنچی تو کچھ خیال نہیں۔ پس آپ اپنے کام کو ان کے کام کے ساتھ کیسے برابری دے سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مٹھائی بانٹنے کا رواج شروع اس طرح ہوا تھا کہ پورا قرآن سن لینے سے خوشی ہوتی ہے۔ اس خوشی کی وجہ سے بانٹ دیا کرتے تھے۔ اور خود مٹھائی بانٹنے کے اندر کوئی برائی تھی نہیں۔ مگر اب تو اس کے اندر بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اس وجہ سے اس کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔

عید کی رات میں روزہ کی نیت سے نہ کھانا بدعت ہے

اور ہمارے شہروں میں ایک رسم یہ بھی پھیل گئی ہے کہ عید کی رات میں کچھ نہیں کھاتے اور اخیر رات میں صبح کی اذان کا انتظار کرتے ہیں جب اذان ہو لیتی ہے تو کہتے ہیں کہ روزہ

کھول لو پھر کچھ کھاتے ہیں تو ان کے نزدیک اب تک رمضان ہی باقی تھا۔ حالانکہ عید کا چاند دیکھتے ہی دوسرا مہینہ شروع ہو گیا۔ خیال تو کیجئے یہ کیسی بے وقوفی ہے۔ دوسرے مہینہ کی ایک رات بھی گزر گئی اور ان کے یہاں ابھی روزہ ہی ہے۔ حدیث شریف میں تو ہے کہ چاند دیکھتے ہی روزہ افطار کیا تھا۔ اب رات میں کھانا نہ کھانا اپنا اختیار ہے تو سمجھ لو کہ کھانا نہ کھانے پر روک ٹوک نہیں کی جاتی بلکہ اس کو روزہ سمجھنے سے منع کیا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آپ اس کو روزہ سمجھتے ہیں۔ ورنہ صبح کی اذان سن کر یہ نہ کہتے کہ روزہ کھول لو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں بے کھائے پئے رہنے کو روزہ سمجھتے ہیں اور یہ تو کھلی ہوئی بدعت ہے۔ ایسے موقعہ پر تو رسم توڑنے کے بعد خود ارادہ کر کے فجر سے پہلے ہی کھانا چاہئے۔

عید کے دن سویاں ضروری سمجھ کر پکانا بدعت ہے

ایک رسم عید کے دن یہ کرتے ہیں کہ سویاں ضرور پکائی جاتی ہیں اگر سویاں نہ ہوئیں تو ان کے نزدیک کچھ ہوا ہی نہیں سمجھتے ہیں کہ عید کے دن خاص سویاں ہی ہونی چاہئیں۔ حالانکہ سویاں اور دوسری چیزیں شرع سے برابر ہیں ان کے اختیار کرنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ دن عید کا کام کاج کا ہوتا ہے اس لئے زیادہ بکھیڑہ کی چیز سویرے سے نہیں پکتی اور منظور یہ ہوتا ہے کہ سویرے کچھ کھا کر عید گاہ کو جائیں۔ کیونکہ عید کے دن سویرے سے کچھ کھا لینا ثواب ہے اس وجہ سویاں کا رواج ہو گیا۔ کیونکہ وہ آسانی سے تیار ہو جاتی ہیں۔ اس میں کچھ بکھیڑہ کرنا نہیں پڑتا۔ لوگ کہتے ہیں۔ عید کا دن خوشی کا ہے دوستوں کے پاس تحفے کیوں نہ بھیجے جائیں اس سے محبت بڑھتی ہے۔

رسم کے طریقہ سے ہدیہ دینے سے محبت نہیں بڑھتی بلکہ اور رنجش ہو جاتی ہے

مگر یہ دھوکا ہے کیونکہ رسم کے طریقہ سے دینے میں کچھ محبت نہیں بڑھتی بلکہ اور رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ تجربہ سے یہ بات ظاہر ہے ہاں بغیر رسم کے اگر کچھ محبت سے بھیجا جائے تو اس سے بے شک محبت زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے کہ دو دوست آپس میں ہدیہ کبھی کبھی بھیج دیتا کریں اور رسم سے تو محبت نہیں بڑھتی۔ دیکھ لیجئے کہ پیر و مرید ان میں کس قدر محبت ہوتی ہے کہ مرید پیر کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے پھر مال تو کیا چیز ہے اتنی محبت اور کسی سے بھی

نہیں ہوسکتی۔ مگر جب یہ بھی آپس میں رسم برتنے لگتے ہیں تو کچھ محبت نہیں رہتی اکثر مرید پیر کی خدمت کیا کرتے ہیں اوران کو نذر دیا کرتے ہیں اوراس سے محبت زیادہ ہوجاتی ہے۔ مگر جب اسی نظر دینے کو رسم بنالیا تو دیکھ لیجئے کی پیری مریدی کا اب کیا حال ہوگیا۔ محبت تو کیسی اب تو یہ حالت ہے کہ جس جگہ پیر صاحب پہنچ گئے مرید چھپنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ کچھ دینا پڑے۔ دعائیں مانگنی پڑتی ہیں کسی طرح پیر صاحب جلدی ٹلیں۔ اب فرمائیے کہ یا تو پیر کو نذر دینے سے، اس کی خدمت کرنے سے محبت بڑھتی تھی یہاں الٹی اور نفرت پیدا ہوگئی یہ کس وجہ سے ہوا، صرف اسی رسم سے، میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ ایک مدت تک انہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط نہیں بھیجا میں نے ان سے وجہ پوچھی تو کہا میں اتنے دنوں خالی ہاتھ رہا فکر میں ہوں کچھ روپیہ کہیں سے مل جائے تو خط لکھوں۔ میں نے کہا اس خیال میں مت پڑو اب تو ضرور بلا ہدیہ کے خط بھیجو۔ اب دیکھ لیجئے کہ ایک مدت تک اس خیال نے ان کو فائدہ حاصل کرنے سے روکے رکھا اگرچہ پیر کو ہدیہ دینا اچھی بات ہے مگر رسم کر لینے سے اس میں خرابی آ گئی۔

عید کے دن جو ہدیہ بھیجے جاتے ہیں وہ اصل میں قرض کے طور پر دیتے ہیں

ایسے ہی عید کے دن کے ہدیہ ہیں اگر ان میں آپ غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ یہ قرض دیئے جاتے ہیں کیونکہ دیتے وقت یہ ضرور نیت ہوتی ہے کہ اس کے یہاں سے بھی آئے گا۔ اور اگر ایک مرتبہ نہ آئے تو ادھر سے بھی بند ہو جاتا ہے۔ پس یہ ہدیہ نہ رہا یہ تو قرض ہوگیا۔ پھر قرض دار ہونے سے یا قرض دار کرنے سے کیا فائدہ۔ خلاصہ یہ کہ جن جن کاموں میں خرابیاں ہیں ان سب سے بچنا چاہئے۔ ذرا سی خوبی کسی کام میں دیکھ کر اس کو کر لینا اور اس کی خرابیوں پر نظر نہ کرنا بڑی بے وقوفی ہے۔ اب وعظ ختم کرتا ہوں۔

سارے وعظ کا خلاصہ

اور جو کچھ سارے وعظ کا خلاصہ ہے اس کو دہراتا ہوں کہ روزہ رکھا مگر پیٹ حرام سے بھرا اور دن کو بھی غیبت وغیرہ میں پھنسے رہے تو یہ روزہ کس کام کا ہوا۔ حاصل یہ ہوا کہ روزے

کے جو آداب ہیں اور جو اس کے حق ہیں انہیں سیکھو اور عورتوں کو بھی سکھاؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''بہت سے روزے رکھن یوالے اور رات کو نفلیں پڑھنے والے ایسے ہیں کہ ان کی بھوک اور پیاس کی اللہ میاں کو کچھ حاجت نہیں۔'' اور اگر جیسے کہ روزہ رکھنا چاہئے تھا ویسا ہی رکھ لیا تو اس کے حق میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: روزہ اور نماز دونوں شفاعت کریں گے۔ پس اس کے ساتھ دو نگہبان عذاب سے بچانے کے لئے موجود ہوں گے۔ پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس کے لئے دو سرکاری نگہبان موجود ہوں، اس کی کیسے نجات نہ ہوگی۔ خدائے تعالیٰ عمل کی توفیق بخشیں۔ آمین

❁❁❁

یاد کی تمنا بھی یاد ہی کی قسم ہے

مضمون

حضرت ارشاد فرمائیں کہ مجھے کس طرح یاد رہا کرے تا کہ اکثر وقت اللہ کی یاد میں گزرے میرے پاس تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں۔

جواب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

یاد کی تمنا اور کمی پر حسرت، یہ بھی یاد ہی کی ایک قسم ہے۔

(از مکتوبات اشرفیہ)

(۴) قرآن کے حقوق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوۡلٰنَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ بَارِکۡ وَسَلَّمۡ۔

اَمَّابَعۡد۔ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰھُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُوۡلٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ فَاُوۡلٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ۔

ترجمہ: جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسا حق ہے پڑھنے کا یہی لوگ ایمان والے ہیں اور جو لوگ کتاب پر ایمان نہیں لائے وہ ٹوٹے میں پڑ گئے ہیں۔

اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں

(۱) یہ آیت سورہ بقرہ کی ہے اس کی دو تفسیریں ہیں۔ لیکن اتنا مضمون دونوں میں ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے پڑھنے والوں کی تعریف کی ہے اس آیت میں گو کتاب سے مراد توریت ہے مگر ظاہر ہے کہ توریت کے پڑھنے کی جو تعریف کی گئی ہے اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی کتاب ہے ورنہ یوں تو دنیا میں بہت سی کتابیں ہیں۔ صرف کتاب ہونے کی وجہ سے یہ تعریف نہیں کی گئی۔ اور چونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے سب سے

بڑھ کر کتاب ہے اس لئے اس کا پڑھنا اور بھی زیادہ قابل تعریف کے ہو گا۔ کیونکہ جب درمیانی درجہ کی کتاب کا پڑھنا قابل تعریف کے ہوا تو اس سے بڑھیا کتاب کا پڑھنا تو ضرور قابل تعریف ہو گا۔ پس اس آیت سے قرآن پاک کے پڑھنے کی تعریف بھی بہت اچھی طرح معلوم ہو گئی چونکہ اس مدرسہ کے بارہ میں مجھے کچھ کہنا ہے۔ اس لئے وعظ کہنے کے لئے یہ آیت زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔

جس چیز پر ضروری چیز کا حاصل ہونا موقوف ہو وہ چیز بھی ضروری ہوتی ہے

اور ظاہر بات ہے کہ قرآن پاک کا پڑھنا بغیر اس کے کہ استاد سے سیکھیں اور اس سے پڑھیں ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کا واسطہ صرف یہی ایک ہے۔ لہذا سیکھنا بھی ضروری ہوا دیکھئے اگر آپ باورچی کو حکم دیں کہ کھانا پکا تو اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ہانڈی چولہے پر رکھ کر آنچ دے لا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بازار سے گوشت لا، اور مصالحہ لا اور اناج لا۔ اور پکانے کے برتن جمع کر اور آگ جلا تب ہانڈی کو آنچ دے چنانچہ جب کہ کھانا پکانے کا حکم آپ دے دیں اور جس کو حکم دیا ہے وہ ان کاموں کے کرنے میں لگ جائے تو جب تک وہ ان کاموں میں لگا رہتا ہے یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ پکانے ہی کے حکم کو پورا کر رہا ہے۔ اگر اناج مثلاً نہ ہوا اور بیٹھا رہے اور کھانا کھلانے کے وقت یہ عذر کر دے کہ حضور نے مجھے صرف پکانے کا حکم دیا تھا یہ نہیں کہا تھا یہ نہیں کہا تھا کہ اناج بھی منگانا اور اناج تھا نہیں پھر میں کھانا کیسے پکاتا تو اس کے کہ پہلے اناج لائے پھر آگ جلائے پھر ہانڈی رکھے کھانا خود بخود کیسے پک جائے گا یہ سب کام کرنے کھانا پکانے ہی میں داخل ہیں۔ اسی قاعدہ کے موافق جب کہ قرآن کا پڑھنا ایک ضروری چیز ٹھہرا تو اس کا سیکھنا اور استاد سے پڑھنا بھی ایسا ہی ضروری ہوا، اس لئے کہ بغیر استاد کے پڑھنا آ ہی نہیں سکتا جو خوبی پڑھنے کی ہو گی وہی سیکھنے کی بھی ہو گی۔ اور جس قدر ضرورت پڑھنے کی ہو گی اسی قدر سیکھنے کی بھی ہو گی۔ غرض قرآن شریف کا کسی استاد سے پڑھنا ضروری ہوا اور دیکھئے کہ حق تعالیٰ صرف پڑھنے ہی کا حکم نہیں فرمایا، بلکہ بہت اچھی طرح پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور اس میں بڑا فرق ہے مثلاً ایک تو یوں کہیں کہ یہ کام کر لاؤ اور ایک یوں کہیں کہ دیکھو بھائی ذرا اچھی طرح سنبھال کر اس کام کو کرنا۔ اس دوسرے

لفظ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صرف کام کرنے سے تم اس حکم کے پورا کرنے والے نہیں سمجھے جاؤ گے جب تک کہ خوب اچھی طرح اس کام کو نہ کرلو اس طریقہ سے جب حکم ہوتا ہے تو کام کرنے کی زیادہ تاکید ہو جاتی ہے۔ اس لئے قرآن شریف کے پڑھنے کی زیادہ تاکید ہوگئی۔ پھر پڑھنے کی تاکید ہو جانے سے سیکھنے کی بھی تاکید ہوگئی کیونکہ پڑھنا سیکھنے پر موقوف ہے پس اتنا سیکھنا کافی نہ ہوگا۔ جس سے قرآن شریف پڑھ تو سکیں لیکن اچھی طرح نہ پڑھ سکیں بلکہ اتنا سیکھنا پڑے گا جس سے پڑھنے کے سب حق ادا ہو جائیں یعنی بہت اچھی طرح پڑھ سکیں۔

تلاوت قرآن کی حقیقت

اب یہ سمجھ لیجئے کہ پڑھنے کے حق کیا ہیں اور قرآن شریف کا پڑھنا اصل میں ہے کیا چیز چونکہ قرآن شریف اللہ کا کلام ہے اور ان کی اتاری ہوئی کتاب ہے جس میں وظیفے بھی ہیں اور اچھے کاموں کے حکم بھی ہیں اور قصے بھی ہیں جس سے نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں پس وہ خود بھی ہر طرح خوبیوں سے بھری ہوئی ہے اور کلام بھی سب بادشاہوں کے بادشاہ کا ہے بلکہ اس کے لئے صرف یہی خوبی ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے ہم حقیر بندوں کو اس کا پڑھنا نصیب بھی ہوتا کہاں۔ اللہ پاک کا کلام اور کہاں ہم بے قدر بندے۔ پس اللہ پاک کا کلام پڑھنا تو ایسا ہے جیسے اللہ پاک سے باتیں کرلیں پھر ہم اس لائق کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان سے کلام کرسکیں دیکھ لیجئے دنیا کے ذرا ذرا سے بادشاہوں کے دربار کی حاضری کے لئے لوگ کتنی کتنی کوششیں کرتے ہیں اور عمریں گذار دیتے ہیں جب کہیں سلام کرنے کا موقع ملتا ہے اور جس کو سلام کرنے کا موقع مل گیا اور ایک دو بات کرنی بھی نصیب ہوگئی تو وہ اپنے آپ کو کیا کچھ سمجھنے لگتا ہے اور تمام ملک میں اس کی کیا کچھ عزت ہو جاتی ہے جب دنیا کے بادشاہوں سے باتیں کرنے کی یہ عزت ہے تو سب سے بڑے بادشاہ سے کلام کرنے کی کیا کچھ قدر ہونی چاہئے دنیا کے بادشاہوں سے کلام کرنے کی آرزو دو چار برس میں پوری ہوتی ہے تو اللہ پاک سے کلام کرنا اگر کچھ بھی نہیں تو دو چار سو برس کی محنت کے بعد تو نصیب ہونا چاہئے۔ مگر نہیں کس درجہ رحمت ہے اللہ میاں کی کہ ہمارے ہاتھوں میں اپنی کتاب دے دی اور عام طور پر اجازت دے دی کہ جس کا جس وقت جی چاہے ہم سے باتیں کرے پھر صرف اجازت ہی نہیں بلکہ

بندوں کو حکم بھی کر دیا کہ ہم سے باتیں کرو۔ اب ہم بندے اپنی ذلت اور اللہ میاں کی عزت کو نگاہوں کے سامنے رکھ کر خیال کریں کہ یہ باتیں کرنے کی تاکید کرنا صرف ان کا فضل و کرم اور خالص عنایت نہیں تو اور کیا ہے۔ قرآن شریف پڑھنے کی حقیقت (کہ اصل میں وہ کیا چیز ہے) آپ کو معلوم ہوگئی۔

تلاوت کے حقوق ظاہری اور باطنی

اب پڑھنے کے حق اور قاعدہ بھی سمجھ لو۔ جن کے ساتھ پڑھنے کا آیت میں حکم کیا ہے۔ وہ تین قسم ہیں اول تو ظاہر کے درست کرنے کے متعلق ہے دوسرا باطن کے متعلق ہے تیسرا جو بہت ہی کچھ باطن سے تعلق رکھتا ہے۔

قرآن کی تلاوت کی ایک مثال

اس کو مثال سے سمجھ لو۔ اگر بادشاہ کسی کے ہاتھ میں شاہی قانون دے کر کہے کہ اس کو پڑھو تو اس کی حالت پڑھنے کے وقت یہ ہوگی کہ ہر ہر لفظ کو صاف صاف پڑھے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کو اس کا پڑھنا ناپسند ہو اور ہر لفظ کے معنی اور مطلب کو بھی سمجھتا جائے گا۔ ایک تو اس خیال سے کہ بے سمجھے ہوئے اچھے لہجے سے پڑھا نہیں جاتا۔ دوسرے اس خیال سے کہ شائد کہیں بادشاہ پوچھ بیٹھے کہ کیا مطلب سمجھا تو ذلت ہو اور ایک حالت پڑھنے والے کی یہ ہو گی کہ دل میں اس سرکاری حکم پر عمل کرنے کا پکا ارادہ رکھتا ہوگا، پس یہ تین حالتیں ہوئیں۔ اول ہر لفظ کو صاف صاف پڑھنا یہ پہلا حق ہے پڑھنے کا جو ظاہر کے متعلق ہے۔ دوسرے ہر لفظ کے معنی سمجھنا یہ دوسرا حق ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی معنی سمجھنا دل کا کام ہے۔ جو باطن ہے دیکھتا نہیں۔ تیسرے عمل کرنے کا ارادہ رکھنا یہ تیسرا حق ہے پڑھنے کا پس ایک قسم پڑھنے کے حقوق کی ظاہر سے تعلق رکھتی ہے۔ اور دو قسمیں باطن سے۔ سبحان اللہ! اللہ پاک نے ہمیں ایسی عمدہ شریعت دی کہ جس نے ظاہر کی درست کرنے کا بھی حکم دیا اور باطن کے درست کرنے کا بھی صرف بناوٹ ہی کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جیسے ظاہری حق بتلائے ایسے ہی باطنی بھی بلکہ باطنی کو ظاہری سے زیادہ ضروری رکھا دیکھئے ماں باپ کے ظاہری حق کو فرمایا کہ

ان کے سامنے عاجزی سے رہو۔ کلام کرو تب عاجزی سے، اٹھو بیٹھو تب عاجزی سے ہر بات میں، ہر کام میں، ان کی تعظیم کا خیال رکھو یہ تو ظاہری حق ہوا باطنی حق کی نسبت فرمایا کہ یہ عاجزانہ برتاؤ صرف اوپر سے دل سے نہ ہو بلکہ دلی محبت سے ہو اور جو اس سے پوشیدہ ہے۔ اللہ پاک نے اس کو بھی والدین کا حق ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور دعا کرو (اپنے ماں باپ کے حق میں) کہ اے میرے پالنے والے رحم کیجئے میرے ماں باپ پر جیسے کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے اور مجھ پر رحم کیا ہے دعا کرنے کو بھی ان کا حق ٹھہرادیا کہ جس کی ان کو خبر تک نہیں ہوتی، پس جو نرا باطن ہی تھا اس کو بھی لے لیا۔ یہی خوبی ہے کلام اللہ کی کہ کوئی ضروری بات نہیں چھوڑی جاتی مگر یہ کہ اس میں بیان کر دی جاتی ہے۔

قرآن شریف کس طرح پڑھنا چاہئے

غرض قرآن کے پڑھنے کا ظاہری حق تو یہ ہے کہ اس کو صاف صاف پڑھنے کا مطلب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا ہے کہ حرفوں کو عمدہ کر کے پڑھنا اور جہاں جہاں ٹھہرنا چاہئے ان موقعوں کو پہچاننا۔ لیکن ہم آج کل کی حالت دیکھتے ہیں کہ ہمارے امام جن کو بڑی بڑی جماعت سے چھانٹ کر امام بناتے ہیں وہ بھی قرآن شریف صحیح نہیں پڑھتے اس سے عام مسلمانوں کے پڑھنے کی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے جب کہ جو لوگ امام ہیں وہی غلط پڑھتے ہیں تو عام لوگ کیا صحیح پڑھتے ہوں گے۔ اس ظاہری حق کو پورا کرنے میں ایسی کمی کی گئی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح پڑھنے کو سکھایا تھا۔ جس کے موافق آج تک قاری پڑھتے چلے آرہے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سکھایا تھا اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم (قرآن کے متعلق اپنا جی چاہا کچھ نہیں بولتے وہ قرآن صرف وحی ہے جو (ان پر) بھیجی جاتی ہے پس جب کہ یہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے تو اس بھاری مرتبہ کی نعمت کی یہی قدر ہونی چاہئے کہ اس کو اس طرح غارت کیا جائے کہ مسلمانوں میں ہزار میں بھی ایک قاری نہیں افسوس کہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں رہی۔ اور اگر کوئی توجہ بھی کرتا ہے، تو اس کی بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ ضاد اور ظا کے پیچھے پڑ گئے۔ کہیں آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں کہیں علماء کے پاس اس کے متعلق فتویٰ چاہنے کے لئے خط بھیجے جارہے ہیں، حالانکہ اس پوچھنے سے اکثر ان

لوگوں کی غرض اپنی بات کا اونچا کرنا ہوتا ہے۔حق کا معلوم کرنا ان کو مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جھگڑے کرنے والے دور ہی سے فتویٰ منگواتے ہیں یہ توفیق کسی کو نہیں ہوتی کہ تھوڑا خرچ کر کے کسی بڑے قاری کے پاس چلے جائے اور اس حرف کو صحیح طور پر سیکھ لیں۔ بھلا خط کے اندر جواب دینے سے اس حرف کی آواز کس طرح ٹھیک سمجھ میں آ جائے گی۔ کیونکہ آواز تو کاغذ پر لکھی جا ہی نہیں سکتی صرف یہ ہوسکتا ہے کہ حرف جس جگہ سے نکالا جاتا ہے اس کو لکھ دیا جائے مگر اس سے کیا ہوتا ہے، گانے اور قرآت کا علم تو سننے ہی سے آتا ہے، بعض لوگ قرآت نہ سیکھنے کا یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم قاری تو ہونے سے رہے پھر اس کے پیچھے پڑنا ہی بے کار ہے کام ہو تو پوری طرح ہو ورنہ بالکل نہ ہو۔ صاحبو! یہ نفس کا دھوکہ ہے کیونکہ اگر بہت بڑے قاری نہ ہوگے تو ضرورت کے موافق تو تم کو آ جائے گا۔

قرأت حاصل کرنے میں کچھ دشواری نہیں

اور قرآت سیکھنے میں دشواری ہی کیا ہے کل اٹھائیس حرف ہیں اگر ایک ایک دن میں ایک ایک حرف سیکھنے تب اٹھائیس دن میں بقدر ضروری قاری ہوسکتا ہے اور اگر یہ بھی مشکل معلوم ہو تب بھی جتنا اپنی کوشش سے ہو سکے، اتنا تو حاصل کرلو اور اگر حاصل نہ بھی ہو تو ہم کو کوشش کرنا تو ضرور چاہئے دیکھئے مال و دولت کوشش کرنے سے ہر ایک کو حاصل نہیں ہو جاتا، لیکن پھر اس کے لئے کوشش کرتے ہیں بات یہ ہے کہ شیطان نے دھوکا دے رکھا ہے جب کوئی اس کا ارادہ کرتا ہے تب وہ یہی کہہ دیتا ہے میاں قرآت کہیں تمہارے بس کی ہے۔ جب کسی سے کہا جاتا ہے قرآن شریف صحیح کرو تو وہ کہتا ہے کہ میاں ہم تو بڈھے طوطے ہیں۔ اب ہماری زبان کہیں ٹوٹ سکتی ہے۔ اچھا صاحب آپ تو بڈھے طوطے ہیں بھلا اولاد نے کیا قصور کیا ہے ان کو کیوں نہیں سکھاتے۔ یاد رکھو کہ جیسے اولاد کے اور حق آپ پر ہیں ویسے ہی یہ بھی حق ہے۔ اگر آپ نے یہ حق ادا نہ کیا اور وہ تمام عمر قرآن شریف غلط پڑھتے رہے، تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کو دینا پڑے گا لیکن افسوس کہ قرآن ہی کی طرف توجہ نہیں اس کا پڑھنا بہت کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر قرأت کیا سیکھیں گے۔ بعضے کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے سے دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ انگریزی کے قابل نہیں رہتا۔ بعض کو میں یہ کہتے ہوئے

سنا ہے کہ جب سمجھنے میں نہ آیا تو نرے پڑھنے سے کیا فائدہ میں کہتا ہوں کہ فائدہ کیا سمجھنے ہی سے ہوتا ہے بغیر سمجھے ہوئے نہیں ہوتا۔

قرآن شریف کو بے معنی سمجھے ہوئے پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں

یاد رکھو کہ بلا سمجھے ہوئے بھی فائدہ ہوتا ہے اور وہ فائدہ یہ ہے جس کی خبر حدیث میں ہے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں کیا نیکیاں ملنا فائدہ نہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے جو دوسری حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے نبی ﷺ کے قرآن پڑھنے کو کان لگا کر سنتے ہیں جب کہ وہ اس کو خوش آوازی سے پڑھتے ہیں ایسے کسی اور کلام کو نہیں سنتے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف توجہ کرتے ہیں تو کیا خدائے تعالیٰ کا بندہ کی طرف توجہ کرنا کچھ فائدہ نہیں۔ اس پر ایک قصہ یاد آیا میرے مرشد علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ ایک بار دہلی میں ایک دوکان پر گزر ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ہجوم ہو رہا ہے بہت سے آدمی جمع ہیں اور درمیان میں ایک شخص بیٹھا ہوا رسالہ دردنامہ (جو حضرت مرشد کا کلام ہے) بہت شوق سے پڑھ رہا ہے۔ حضرت بھی اس کو سننے کو کھڑے ہو گئے اور خوش ہوئے۔ ایسا ہی واقعہ ایک بار پانی پت کو جاتے ہوئے راستہ میں پیش آیا تھا۔ غرض قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کتاب بناتا ہے تو جب دوسروں کو اس کتاب کو پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے اور قرآن شریف بھی خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی کتاب ہے جب یہ پڑھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پڑھنے والے کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ میرا بندہ میری کتاب پڑھ رہا ہے اگر اور کچھ بھی فائدہ نہ ہو تو کیا کم ہے کہ اللہ میاں کی خوشی ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سے حاکموں کی خوشی کے لئے کیا کیا تکلیف اٹھاتے ہیں اور کیا کچھ اس کے لئے خرچ کرنا پڑتا ہے، کہیں ڈالیاں بھیجی جاتی ہیں کہیں دعوتیں کی جاتی ہیں اور اپنے بہت سے کام حرج کئے جاتے ہیں، کیا اللہ پاک کا اتنا بھی حق نہیں۔ غرض یہ کہ بہت لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ بے سمجھے پڑھنے کو بے فائدہ سمجھ کر بچوں کو پڑھاتے ہی نہیں اگر کسی نے پڑھایا بھی تو حفظ نہیں کرایا، حفظ کرانے کا رواج ہی چھوڑ دیا حالانکہ صرف ناظرہ پڑھا ہوا قرآن شریف بلا حفظ کئے ہوئے اگر کچھ دنوں کو چھوٹ جائے تو پھر دیکھ کر پڑھنا بھی مشکل ہے۔ غرض ہر طرح سے قرآن شریف کو چھوڑ دیا۔

لوگ قرآن کو چھوڑ کر وظیفوں پر مرتے ہیں

اکثر دیکھا ہے کہ قرآن شریف کو چھوڑ کر لوگ وظیفوں پر مرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ آدمیوں کے تابع بنانے کا وظیفہ بتائیے۔کوئی کہتا ہے کہ دست غیب کا وظیفہ بتا دیجئے جس کے ذریعہ غیب سے روپے آ جایا کریں۔کوئی کہتا ہے کہ اولاد ہونے کے لئے تعویذ کر دیجئے غرض وظیفوں کو بہت آسان پا لیا ہے۔ ساری دنیا کے کام وظیفوں ہی سے بیٹھے بیٹھے ہو سکتے ہیں میں کہتا ہوں اگر یہی بات ہے تو کھاؤ پیو بھی مت، نکاح بھی نہ کرو، نوکری چاکری کے جھگڑوں میں بھی مت پڑو۔ وظیفوں ہی سے پیٹ بھی بھر جائے گا اور انہیں سے اولاد بھی ہو جائے گی اور انہیں سے گھر بیٹھے روپے بھی مل جایا کریں گے، آپ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو بڑے بڑے اثر ہیں اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ خوب۔

وظیفوں کی طرف رغبت اللہ کا نام ہونے کی وجہ سے نہیں کی جاتی

غور کر کے دیکھ لیجئے کہ وظیفوں کی طرف رغبت اللہ کا نام ہونے کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ اس کا سبب صرف کم ہمتی ہے جو لوگ شروع عمر کھیل کود میں برباد کر دیتے ہیں، اور کوئی ہنر نہیں سیکھتے جب انہیں خرچ کا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے تو اس وقت افسوس کرتے ہیں کہ اس عمر میں کوئی ہنر کیوں نہیں سیکھا جو اس وقت کام آتا اور ضرورت سر پر آ ہی پڑتی ہے اس لئے چاروں طرف نظر دوڑتی ہے اور ہر کام مشکل اور طاقت سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی چیز آسان اور اپنے اختیار میں معلوم ہوتی ہے تو وہ عمل ہے کہ اس میں نہ کسی کی خوشامد ہے نہ کوئی امتحان دینا ہے نہ کچھ خرچ ہے صرف زبان کا کام ہے تھوڑی سی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ پس یہ وجہ ہے وظیفوں کی طرف رغبت کرنے کی اور اگر اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بڑائی ہوتی تو جو سب سے بڑا وظیفہ اور سب سے زیادہ فائدہ مند عمل ہے اس کی طرف رغبت کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا اور اس کی تعریف کی کہ وہ دلوں کے روگوں کو کھو دینے والا ہے اور مسلمانوں کے لئے رحمت ہے مگر نہیں حقیقت میں وجہ وہی ہے جو میں نے عرض کی اسی وجہ سے ان وظیفوں سے بھی نہیں بچتے جو شریعت کے خلاف ہیں اور جن کا کرنا گناہ ہے۔

دست غیب کی حقیقت

خوب یاد رکھئے کہ وظیفوں میں زیادہ پڑنے میں بہت سی خرابیاں ہیں جس کو آپ دست غیب کہتے ہیں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سے جن تابع ہو جاتے ہیں اور روپیہ چرا چرا کر لا دیتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ چند بدمعاش کوئی شخص نوکر رکھ لے اور ان سے چوری کرایا کرے۔ پھر اس کے گناہ ہونے میں کیا شبہ اور اگر کوئی ایسا وظیفہ ہو کہ اس میں وہ اپنے ہی پاس سے لاتے ہوں تو یہ ان پر زبردستی ہے کہ وظیفہ سے ان کو مجبور کر کے وظیفہ پڑھنے والے ان کا مال لے لیتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے وظیفوں میں خرابیاں ہیں۔ سب سے بہتر اور آسان وظیفہ تو دعا ہے، اسے کیوں نہیں اختیار کرتے اللہ تعالیٰ نے ہر جائز کام کے لئے دعا کرنے کی اجازت دی ہے بلکہ دعا نہ کرنے سے غصہ ہوتے ہیں اگر وظیفوں ہی کا شوق تھا تو قرآن شریف پڑھ پڑھ کے دعا مانگی ہوتی۔ سب سے بڑا وظیفہ یہ تھا جس میں کوئی خرابی نہ تھی۔ مگر افسوس جو لوگ قرآن شریف بھی پڑھتے ہیں ان کی نیت درست نہیں ہوتی۔

دنیا کے لئے وظیفہ پڑھنا کیسا ہے

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ مسجد میں توبہ توبہ پاخانہ پھر رہا ہوں۔ یہ خواب ایک بزرگ سے بیان کیا۔ فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم کوئی وظیفہ دنیا کے لئے مسجد میں پڑھتے ہو۔

دنیا کے لئے وظیفہ پڑھنا کم ہمتی کی وجہ سے ہے

غرض ہر کام کے لئے وظیفوں کو بہت آسان پا لیا ہے۔ اس کی وجہ صرف کم ہمتی ہے دنیا کے لئے بڑی ہمت کی تو وظیفے پڑھ لئے اور دین کے لئے ہمت کی تو بزرگوں سے کہتے ہیں کہ حضرت سینے میں سے کچھ دلوائیے۔ سینہ کوئی تھیلہ ہے کہ اس میں ہاتھ ڈالو اور جو چاہو نکال کر دے دو اور اگر دیا بھی جائے تو اسے رکھے گا کون کیونکہ جو چیز بے محنت ملتی ہے اس کی قدر نہیں ہوتی جو طریقہ ہے حاصل کرنے کا اسی طرح سے حاصل کرو دنیا حاصل کرو جائز تدبیروں سے اور دین حاصل کرو علم سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے لیکن افسوس جو بڑا بھاری علم اور علم کا ذریعہ ہے یعنی قرآن پاک اس کو چھوڑ ہی رکھا ہے۔

بچہ کا نام قرآن شریف سے نکالنا

ایک اس کام کے قرآن شریف رہ گیا ہے کہ جب کسی کے یہاں بچہ ہوا تو اس میں سے نام نکال لیا کہ سات ورق الٹ کر ساتویں سطر میں دیکھ لیا اور اگر اول میں الف ہے تو اللہ بخش اور اگر خ ہے تو خدا بخش اور اگر ر ہے تو رمضانی' اور ع ہے تو عیدو نام رکھ دیا کہ بڑے برکت والے نام ہیں کہ اللہ میاں کے کلام میں سے نکال کر رکھے ہیں۔

تیجہ میں قرآن پڑھوانا کیسا ہے

اور ایک اس کام کے لئے قرآن رہ گیا ہے جب کوئی مرا تو اس کے تیجہ میں پڑھوا دیا' مٹھی مٹھی بھر چنوں کے لالچ میں قرآن شریف کی کیا گت بنتی ہے۔ بہت سے پڑھنے والے بے وضو ہوتے ہیں' بہت سے رسم کی پابندی نیت سے شریک ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص نہ آئے تو اس کی شکایت کی جاتی ہے اور اگر آ کر عذر کر کے چلا جائے تو شکایت نہیں رہتی معلوم ہوا کہ پڑھنے سے غرض نہیں صرف شکایت مٹانی ہوتی ہے۔ بہت جگہ اجرت دے کر پڑھوایا جاتا ہے۔ حالانکہ عبادت پر اجرت دینا لینا دونوں حرام ہیں۔

اس اعتراض کا جواب مولوی ثواب پہنچانے سے منع کرتے ہیں

آپ شائد یہ کہیں کہ مولوی ثواب پہنچانے سے منع کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بعض وقتوں میں نماز پڑھنے سے آپ بھی منع کرتے ہیں۔ حالانکہ نماز آپ کے نزدیک بھی سب عبادتوں سے بڑھ کر عبادت ہے۔ اب میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ ٹھیک دوپہر کے وقت نماز پڑھنا کیسا ہے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھنا کیسا ہے اور حیض کی حالت میں نماز پڑھنا کیسا ہے اور جب کہ نہانے کی حالت ہو اس وقت نماز پڑھنا کیسا ہے۔ سب کا جواب آپ یہی دیں گے کہ جائز نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نماز سے منع کرتے ہیں۔ بس ایسے ہی ہم بھی رسموں سے منع کرتے ہیں۔

رسمیں نہ چھوڑنے کی وجہ

جانتے سب ہیں کہ رسموں میں یہ یہ خرابیاں ہیں مگر کسی بات کا رواج پا جانے کے بعد

اس کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ رسموں میں ظاہری رونق بھی ہے اوران کے چھوڑنے سے سادگی رہتی ہے۔ اس لئے ان کے چھوڑنے کو نفس قبول نہیں کرتا۔ شادی میں ناچ گانا نہ ہوتو کہتے ہیں چلو بھائی چنے پڑھ آئیں یہ اللہ والوں کی شادی ہے یہ خطاب ہم کو دیا جاتا ہے۔ لیکن ہمیں تو یہ خطاب سرآنکھوں سے قبول ہے اور ہمارے پاس اس طعنہ کا جواب بھی ہے۔ لیکن میں جواب دینا نہیں چاہتا کیونکہ جیسے طعنہ تمیز کے خلاف کیا ہے ایسے ہی اس کا جواب بھی تمیز کے خلاف ہے بلکہ ان لوگوں کو جواب دینے کے بدلے اپنے ہی لوگوں کو سمجھاتا ہوں کہ تم رسموں اور سوائے اس کے اور برے کاموں کے منع کرنے میں سوائے اللہ پاک کی رضامندی کے اور کچھ غرض مت رکھو نفسانیت کو اس میں کچھ دخل نہ دو پھر انشاء اللہ منع کرنے کا اثر ضرور ہوگا کسی کے برے کاموں پر اعتراض کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اتنا ہو کہ اس میں نفسانیت نہ ہو۔ ہم میں یہ مرض ہوتا جاتا ہے کہ نفسانیت کو دین داری کی صورت میں ظاہر کرنے لگتے ہیں۔

لوگ خوشامد کر کے نیک کام میں دوسروں کو شامل کرتے ہیں

آج کل دیکھا جاتا ہے کہ جس طرح منع کرنے والے دین داری کی صورت میں نفسانیت برتتے ہیں' اسی طرح خوشامد کر کے لوگوں کو نیک کاموں میں شریک کیا جاتا ہے مدرسہ میں جو لوگ چندہ دیتے ہیں۔ ان کا مدرس[1] اور طالب علم سب دباؤ مانتے ہیں اور ان کو سلام کرنے اور ان کا دل خوش کرنے کے لئے ان کے یہاں حاضری دیتے ہیں۔ بات بات میں حد سے زیادہ ان کی تعریف کی جاتی ہے حالانکہ اس خوشامد کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ کچھ مدرسہ والوں کے گھر کا کام تو ہے نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ یہ نہ کریں گے تو اور کوئی کرے گا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ عالموں کو ضروری ہے کہ ذرا طمع نہ رکھیں ان کو خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں' کوئی اس خیال میں نہ رہے کہ اگر ہم نہ کریں گے تو یہ کام بند ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے کہ اگر تم منہ پھیرو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم کو کھڑا کر دیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عالموں کو حاجت نہیں ہاں اس حاجت کو کسی کے سامنے لے جانے کی

[1] مدرس جو طالب علموں کو پڑھاتا ہے۔

ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو دین کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کے خود مددگار ہیں۔ میں بد مزاجی نہیں سکھاتا بلکہ ہر شخص کے ساتھ نرمی برتیں۔ لیکن ان کے مال پر نظر نہ رکھیں اور کسی خاص شخص کی شرکت پر دین کا کام موقوف نہ سمجھیں' البتہ ضرورت کے ظاہر کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ رغبت دلانے میں بلکہ یہ سنت طریقہ ہے غرض یہ کہ خوشامد نہ کرنا بدمزاجی نہیں ہے۔

بدمزاجی اور چیز ہے اور لالچ نہ ہونا اور چیز ہے

بدمزاجی اور چیز ہے اور لالچی نہ ہونا اور چیز آج کل اس کی احتیاط بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ اپنی حاجت لوگوں کے سامنے لے جاتے ہیں اور اس کا خیال بھی نہیں کرتے کہ یہ اس لائق بھی ہیں یا نہیں۔ بہت سے امیر بالکل دنیادار ہوتے ہیں کہ جن کا سوائے گناہوں کے اور کچھ شغل نہیں ہوتا ان غرض کے بندوں کو ان کے پاس جاتے بھی شرم نہیں آتی' بلکہ ان کو گناہ کرتے دیکھتے ہیں اور کان نہیں ہلا سکتے کیونکہ یہ اپنی حاجت لے کر جاتے ہیں اس لئے انہیں اپنے کام سے غرض ہوتی ہے اور اعتراض کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں خفا نہ ہو جائیں اور اگر یہ خفا ہو گئے تو پھر ہماری غرض پوری نہیں ہو سکتی۔

گناہوں سے منع کرنا ضروری ہے اور منع نہ کرنے کا وبال

یاد رکھو جو شخص کسی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھ لے اور منع کرنے کی قدرت بھی ہو اور پھر منع نہ کرے تو وہ بھی گنہگار ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں قصہ آیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک گاؤں کی نسبت حکم ہوا کہ اس گاؤں کو الٹ دو' انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ ان میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جس نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ اس سمیت الٹ دوں' فرمایا کہ ہاں اس سمیت الٹ دو' اگرچہ اس نے گناہ نہیں کیا' کیونکہ اس نے آدمیوں کو گناہ کرتے دیکھا اور کبھی اس کے ماتھے پر بل نہیں پڑا' اور نہ اس کو ان پر غصہ آیا۔ دیکھو اس نے گناہوں سے آدمیوں کو منع نہیں کیا تھا اس وجہ سے اس کو یہ سزا ملی۔ بعض پڑھے لکھے کہہ دیا کرتے ہیں کہ منع نہ کرنے میں بھی مصلحت ہے کہ اس سے چندہ لینا ہے۔ کیوں صاحب کیا اس کے چندہ پر اللہ میاں کا کام موقوف ہے۔ ہرگز نہیں اللہ میاں خود ذمہ دار ہیں۔ چھوڑو بھی کیسی مصلحت ان کے کام تو

اللہ تعالیٰ بناتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام کیا بنائیں گے۔

عالموں کو بے طمع رہنا چاہئے

میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ عالموں کو بے طمع رہنے کی ضرورت ہے' اسی کو چھوڑ کر انہوں نے اپنی قدر کھودی ہے اور طرح طرح کی خرابیاں مول لے لی ہیں۔ جب دنیادار ان سے کھینچتے ہیں تو یہ کیوں ان کی طرف جھکیں' ہاں اس کی وجہ نفسانیت نہ ہو بلکہ صرف خدائے تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو خالص دل سے اپنا کام کئے جائیں اور کسی کو دخل نہ دیں۔

آج کل ہر چندہ دینے والے کو یہ خبط ہوتا ہے کہ میری رائے کیوں نہیں لی جاتی

دخل نہ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ بے قاعدہ کام کریں بلکہ قاعدہ بنانے میں ہر شخص کی رائے نہ لیں اور یہ خیال نہ کریں کہ جو چندہ دیتا ہے اس سے رائے بھی ضرور لی جائے آج کل یہ بھی ایک خبط ہو گیا ہے کہ ہر چندہ دینے والے کو یہ حوصلہ ہوتا ہے کہ میری رائے کیوں نہیں لی جاتی۔

قرآن شریف کے نیچے سے بچہ کو نکالنا

ایک کام عورتوں نے قرآن شریف سے یہ لیا کہ چادر میں رکھ کر دو عورتوں نے اس چادر کو پکڑ لیا اور بچے کو اس کے نیچے سے نکال دیا کہ اس کی برکت سے سب بلاؤں سے بچا رہے گا۔ اب نہ اس پر جادو چل سکتا ہے نہ نظر لگ سکتی ہے نہ کوئی اور آفت آ سکتی ہے یوں کہتی ہوں کہ اللہ میاں کے نام کی برکت سے جو کچھ ہو وہ کم ہے۔ جیسے دعاء گنج العرش کہ جو کوئی اس کو بازو پر باندھ لے نہ اس پر تلوار اثر کرے نہ پانی میں ڈوبے نہ آگ میں جلے نہ سولی پر چڑھے۔ بس دعاء گنج العرش باندھ کر چوری کیا کرو خوب بے دھڑک ہو کر' جو چاہو سو کیا کرو۔ کیونکہ کوئی آفت تو آنے کی نہیں لاحول ولا قوۃ

فوٹو کے ذریعہ سے قرآن بہت چھوٹا چھاپ لینا کیسا ہے

ایک کام چھاپہ خانہ والوں نے قرآن شریف سے یہ لیا کہ اس کو فوٹو کے ذریعہ سے اتنا

چھوٹا کرلیا کہ بغیر شیشے کے پڑھا نہیں جا سکتا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھوٹا قرآن شریف ایک شخص کے پاس دیکھا تو اس کو کوڑے سے مارا اور فرمایا کہ تو قرآن شریف کی بے عزتی کرتا ہے' قرآن شریف کا تو ایک ایک حرف الگ الگ اور صاف چمکتا ہوا لکھنا چاہئے' اور اس کو بڑا کمال سمجھ کر رواج دیتے ہیں کہ لو اب تمام وظیفوں اور تعویذوں کی جڑ ہی ایک تعویذ کی صورت میں آ گیا' ہر شخص کو بازو پر باندھنا چاہئے یہ گت بنی قرآن شریف کی کہ تماشا کی طور پر شیشے سے دیکھا جا رہا ہے اور جب تمام وظیفوں کی جڑ ہی پاس ہے تو کسی آفت کا خوف بھی نہیں' گناہوں پر ہمت اور زیادہ ہو گئی' گھر میں بیٹھے ہیں تب بازو پر بندھا ہے' پائخانہ میں ہیں تب پاس ہے۔ عورت کے پاس جائیں تب ساتھ ہے نہانے کی حاجت ہو تب لئے پھرتے ہیں' یہ حق قرآن شریف کا مطبع والوں نے ادا کیا' حضرت قرآن شریف وہ چیز تھی کہ دروازے سے آتا ہو دیکھتے تو خوف سے بے اختیار کھڑے ہو جاتے' نہ یہ کہ شیشے سے اس کا تماشا بنائیں کیونکہ تعظیم میں جیسے کہ عقیدہ کو دخل ہے ایسے ہی اس کے بڑے ہونے کو بھی دخل ہے بڑی چیز کو دیکھ کر خواہ مخواہ بھی دل میں ایک اثر پیدا ہوتا ہے۔

ایک کام قرآن شریف سے یہ لیا کہ مونوگراف میں اس کو بھر لیتے ہیں

ایک کام قرآن شریف سے یہ لیا گیا کہ فونوگراف میں سورتیں بند کی جاتی ہیں اور دو دو پیسہ لے کر سنائی جاتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری آیتوں سے دنیا کا مال مت خریدو' افسوس اللہ میاں کی آیتوں کی یہ قدر کی کوڑیوں پر بازار میں ماری پھریں' دوسری یہ کہ خرابی بھی ظاہر ہے کہ اس سے قرآن شریف کھیل بن گیا جہاں کسبیوں کے راگ بھرے ہوئے ہیں وہاں قرآن شریف بھی ہے تاکہ جو لوگ راگ سننے سے احتیاط کرتے ہیں وہ بھی اس ذریعہ سے راگ سننے کے گناہ میں شامل ہوں' کہاں کسبیوں کے راگ اور کہاں قرآن پاک' جہاں برہمن وہاں قصائی۔

بقدر ضرورت ہر ایک کو قرآن صحیح کرنا ضروری ہے

مسلمانوں سے میں یہ نہیں کہتا کہ سب کے سب قاری بن جائیں ہاں یہ سب کے ذمہ

ہے کہ بقدر ضرورت قرآن شریف کو صحیح کرلیں اور یہ جب ہوسکتا ہے کہ استاد سکھلانے والا ہو' اور تجربہ سے معلوم ہے کہ خواہ سیکھنے والا تھوڑا ہی سیکھے مگر سکھانے والا پورا ہو، حاصل یہ کہ قرآن شریف صحیح کرنے کے لئے ایک قاری کی ضرورت ہے مگر کام تو باتوں سے نہیں ہوتا' جب قاری رہے تو اس کے تمام خرچوں کی ذمہ داری بھی آپ کو ضروری ہے اور قرأت سکھانے کے لئے کچھ کتابیں بھی ضرور ہونی چاہئیں پس جتنے خرچ ہوں گے ان کا انتظام آپ کو کرنا چاہئے پھر اس کے دو طریقے ہیں' ایک تو یہ کہ ہر شخص کے یہاں ایک ایک قاری رہے اور ہر جگہ کتابیں' اور ایک یہ ہے کہ ایک جگہ اس کا پورا انتظام آپ کو کرنا چاہئے' پھر اس کے دو طریقہ ہیں' ایک تو یہ کہ ہر ہر شخص کے یہاں ایک ایک قاری رہے اور ہر جگہ کتابیں اور ایک یہ ہے کہ ایک جگہ اس کا پورا انتظام کرلیا جائے اور اسی میں آسانی بھی ہے' آپ کو خبر دی جاتی ہے کہ اس مکان میں جہاں آپ بیٹھے ہیں یہ انتظام کیا گیا ہے کہ اس میں قرآت سکھائی جائے اور اس کے لئے جتنے سامان کی ضرورت ہے سب اکٹھا جمع کیا جائے' قرآن شریف صحیح کرنے کی ضرورت تو ہر شخص کو معلوم ہوگئی' پھر اس کی ضرورت کے پورا کرنے کا جو طریقہ بھی ہوتا خواہ کیسا ہی مشکل ہوتا اختیار کرنا ضرور تھا' مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے آسان کردی کہ اپنے کچھ بندوں کو اس طرف متوجہ کردیا' جنہوں نے اللہ میاں کا نام لے کر شروع کیا ہے' میں کہتا ہوں کہ دین میں عجیب خوبی ہے کہ تھوڑے روپے سے بے انتہا دولت ملتی ہے' کیا اچھا ہوتا کہ اس دولت کی ضرورت لوگوں کو معلوم ہو جاتی۔

جس وقت تک کسی چیز کی ضرورت سمجھ نہیں لی جاتی اس وقت تک وہ کام نہیں ہوتا

تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کسی چیز کی ضرورت نہیں سمجھتے اس وقت تک اس میں دیر کرتے ہیں اور جہاں ضرورت سمجھے پھر کہیں نہ کہیں سے اس کا سامان ہو ہی جاتا ہے' ان آدمیوں کو دیکھیے جن کی آمدنی بہت سی تھوڑی ہے اگر ان سے کہا جائے کہ مسجد یا مدرسہ میں چندہ کی ضرورت ہے تو عذر کریں گے کہ ہم خود مفلس ہیں اور جب شادی ہوتو

انہیں کے پاس کہیں نہ کہیں سے مال آ جاتا ہے وجہ کیا ہے کہ شادی کے خرچہ کی وہ ضرورت سمجھ گئے ہیں کہ برادری میں نک کٹی ہوگی اور مسجد اور مدرسہ کے چندہ کی ضرورت نہیں سمجھتے' اور مسجد اور مدرسے کی بھی ضرورت جہاں سمجھ جاتے ہیں تو خدا کا شکر ہے کہ مسلمان اس کام کی بھی پوری خبرگیری کرتے ہیں۔

چندہ دینے والوں کو کس کس چیز کا خیال رکھنا چاہیے

چندہ دینے والوں کو دو باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیے ایک تو یہ کہ اپنی حیثیت سے کم مت دو' خواہ تھوڑا دو مگر اس کو نباہ دو' حدیث شریف میں ہے کہ جو عبادت ہمیشہ کی جائے گو وہ کم ہو مگر اللہ تعالیٰ کو سب عبادتوں سے زیادہ پسند ہے پس جتنا دو ہمیشہ دو' دوسرے یہ کہ چندہ دے کر اپنے کو مدرسہ کا مالک مت سمجھو' اور مدرسہ کے مہتمم کی رائے میں دخل مت دو۔ آج کل یہ مرض بہت پھیل گیا ہے کہ ذرا سا چندہ دے کر حکومت کرنے لگتے ہیں ایک پیسہ بھی مدرسہ میں جس کا شامل ہے وہ مدرسہ کے ہر کام میں دخل دینے کو تیار ہے اور چاہتا ہے کہ میری رائے مانی جائے اور اگر بلا رائے ان کے کوئی انتظام کرلیا جائے تو چندہ بند کر لیتے ہیں' بعض لوگوں کی تو یہاں تک عادت ہے کہ خواہ مخواہ اعتراض کیا کرتے ہیں خود کوئی تدبیر ٹھیک نہیں بتاتے اور دوسروں کی تدبیر سے جو کام ہو اس میں عیب چھانٹتے ہیں' ان کی وہ حالت ہے کہ ایک لڑائی میں بہت آدمی مارے گئے تھے اس میدان میں ہزاروں مردے پڑے ہوئے تھے ایک صاحب ان میں ایسے بھی پڑے تھے کہ وہ مرے تو نہ تھے مگر زخم ایسے لگے تھے کہ اٹھ نہیں سکتے تھے اتفاق سے لشکر کا بنیا ان کے پاس کو ہو کر نکلا انہوں نے آواز دی کہ بھائی ذرا سنتے جاؤ تمہارے کام کی بات ہے' بنیے نے تھوڑی دور کھڑے ہو کر پوچھا کیا ہے؟ کہا میں تو اب مر ہی جاؤں گا میری کمر میں ایک ہمیانی ہے اسے تم کھول لو تمہارے ہی کام آ جائے گی کہیں ایسا نہ ہو کہ اور کسی کے ہاتھ پڑ جائے' بنیے لالچی ہوتے ہی ہیں' یہ آگے بڑھے جب خوب قریب پہنچ گئے تو اس زخمی نے اپنے پورے زور سے ان کی ٹانگ میں ایک تلوار ماری کہ ہڈی ٹوٹ گئی' انہوں نے کہا کم بخت تو نے یہ کیا کام کیا' کہا کہ ہمیانی کہاں سے آئی' کوئی ہمیانی بھی کمر سے باندھ کے لڑائی میں آتا ہے' ہم اس میدان میں رات کو اکیلے پڑے رہتے' دوسرا ایت کے لیے

تمہیں بھی بلا لیا تو وہ بنیا کیا کہتا ہے کہ اوت کا اوت نہ آپ چلے نہ اور کو چلنے دے بس یہی حال ہے ان اعتراض کرنیوالوں کا کہ نہ خود چلیں اور نہ کسی کو چلنے دیں ایسے لوگوں کو کہہ دینا چاہئے کہ ہمیں آپ کا چندہ نہیں چاہیے مہربانی فرما کر ہمارے کاموں میں خلل نہ ڈالیے ہم لوگوں کی عادت بچھو کی سی ہوگئی ہے کہ اس کا احسان یہی ہے کہ تکلیف نہ پہنچائے سو خود مدد نہ دیں مگر دوسروں کے کام کو نہ بگاڑیں رہا اعتراض کرنا اور عیب نکالنا سو بے عیب تو خدا کی ذات ہے جن کو عقل دی گئی ہے وہ نرے عیب پر نظر نہیں کرتے جہاں عیب و ہنر دونوں پاتے ہیں ہنر کی طرف دیکھتے ہیں اور عیب کو چھپا دیتے ہیں یا درستی کر دیتے ہیں اور ضد کی تو بات ہی دوسری ہے مدرسہ والوں میں اعتراض پیدا ہونے کیا مشکل ہیں جبکہ نبی علیہ السلام پر بھی اعتراض کیے گئے حدیث شریف میں ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کون لاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جبریل علیہ السلام لاتے ہیں کہنے لگے جبریل علیہ السلام تو ہمارے دشمن ہیں اگر میکائیل علیہ السلام وحی لاتے تو ہم بھی ایمان لے آتے یہ بھی اعتراض ہی تھا پس اعتراضوں سے تو کوئی بھی نہیں بچا اگر مدرسہ والوں پر کیے جائیں تو کیا تعجب ہے، صاحبو! آپ کو تو دل و جان سے مدد کرنی چاہئے نہ کہ عیب نکالنا ہاں اگر کوئی عیب آپ کے نزدیک ثابت ہو تو اس کو اس طریقہ سے دفع کیجئے جو اس کا قاعدہ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے یعنی جیسے کہ آئینہ دیکھنے والے کا عیب صرف اسی پر ظاہر کرتا ہے، دوسروں سے ہرگز نہیں کہتا اسی طرح جو کوئی بھی مدرسہ کے عیب چھانٹے وہ صرف مدرسہ والوں ہی پر ظاہر کرے پس اس سے ہم بالکل خوش ہیں اس سے مدرسہ کی درستی ہوتی ہے مگر ایسے آدمی کم ہیں، آج کل تو مرض یہ ہے کہ چندہ دے کر یہ خیال ہو جاتا ہے کہ ہم مدرسہ کے مالک ہیں اور جو لوگ اس خیال سے بچنا بھی چاہتے ہیں اکثر انہیں بھی رائے دیتے وقت غلطی ہو جاتی ہے کہ عیب نکالنے کو نصیحت سمجھ جاتے ہیں پھر نصیحت کے دھوکہ سے عیب نکالنے لگتے ہیں اس سے بچنے کا طریقہ میں بتائے دیتا ہوں کہ جو بات آپ کے نزدیک اعتراض کے قابل ہو اس کو ظاہر کرتے نہ پھریئے بلکہ تنہائی میں مہتمم یا کسی مدرس سے ظاہر کیجئے اور پھر یہ انتظار نہ کیجئے کہ ہمارے کہنے کے موافق ہی ہو جائے، اس طرح آپ

نصیحت کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے اور عیب نکالنے کی برائی سے بھی بچ جائیں گے' غرض یہ کہ رائے دو' انتظام میں دخل نہ دو' مدرسہ کو اللہ میاں کا سمجھ کر اس کا کام کرو اپنا مت سمجھو، یہ وہ گر ہے کہ اگر اس کا سب لوگ خیال رکھیں تو کوئی بھی خرابی پیدا نہ ہو۔

جب حرف صحیح کرلیں تو پھر قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنا چاہیے:

جب حرف صحیح کرلیں تو قرآن شریف کا ترجمہ پڑھیں آج کل اس میں بھی خبط کر رکھا ہے جب ترجمہ دیکھنے کا خیال ہوتا ہے تو ترجمہ بھی بڑے آدمی کا تلاش کرتے ہیں جیسے دنیاوی کاموں میں مال و دولت اور ترجمہ دیکھا جاتا ہے ایسے ہی دین میں بھی بڑا آدمی ہونا دیکھا جاتا ہے' خیال یہ ہے کہ ڈپٹی صاحب کا ترجمہ اور تحصیلدار صاحب کا ترجمہ بھی تحصیلدار ہوگا۔

قرآن شریف کا ترجمہ کرنا مولویں ہی کا کام ہے:

حالانکہ ہر کام کے لیے کچھ آدمی ہوتے ہیں' کسان کسان ہی کا کام کرسکتا ہے' اور بڑھئی بڑھئی کا کام اور لوہار لوہار ہی کا کام کرسکتا ہے' میں پوچھتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب اور تحصیلدار صاحب کا کام مولوی لوگ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں' جواب یہی ہے کہ نہیں کر سکتے اور مولویوں کو ان کے کام میں دخل دینا مناسب نہیں' پھر ڈپٹی صاحب اور تحصیلدار صاحب کو یہ حوصلہ کیسے ہو گیا کہ مولویوں کا کام کرنے لگے ان سے اپنا ہی کام خوب ہوتا ہے اس خدمت کے لیے مولویوں کو ہی چھوڑ دیا ہوتا' یہ ان کا کام نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے ترجمہ کرنے میں کھلی غلطیاں کی ہیں' قرآن شریف کے ترجمہ کرنے کو عالموں کی سی لیاقت رکھنا ضروری ہے' قرآن شریف میں جیسے بادشاہی شان برتی ہے ایسے ہی اس کے ترجمہ میں بھی ہونی چاہیے' زبان میں بناوٹ نہ ہو زنانہ پن نہ ہو' جب پڑھا جائے تو یہ معلوم ہو کہ شاہی حکم رعایا کو سنایا جاتا ہے کوئی لفظ شاہی طرز کے خلاف نہ ہو۔

سب سے بڑا حق قرآن شریف کا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے

تیسرا حق قرآن شریف پڑھنے کا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور سب میں بڑا مقصود یہی ہے' میں یہ نہیں کہتا کہ اگر عمل کرنے کی نیت نہ ہو تو پڑھو بھی مت پڑھو تو ضرور ہی گو یہ!

ادبی ہے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ دین کا علم ایسی چیز ہے کہ اگر اس کے شروع کرتے وقت عمل کرنے کی نیت نہ بھی ہو تب بھی شروع کرنے کے بعد نیت ٹھیک ہو جاتی ہے بلکہ وہ خود ہی ٹھیک کر لیتا ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم نے علم پڑھا تو تھا دنیا کے لیے مگر علم نے خود ہی نہ مانا اور وہ اللہ ہی کا ہو کر رہا اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر عمل کرنے کی ہمت نہ بھی ہو تو تب بھی علم پڑھے جاؤ انشاء اللہ ضرور عمل کرنے کی بھی ہمت ہو جائے گی جب آدمی ہمیشہ بزرگوں کے قصہ پڑھے گا تو کب تک اس پر نہ ہوگا' مگر ہاں یہ خیال رکھو کہ گناہ کے پیچھے بھی نہ پڑ جاؤ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے اپنے استاد سے حافظہ کے کم ہونے کی شکایت کی تو آپ نے جواب دیا کہ گناہ کرنے بالکل چھوڑ دو' کیونکہ علم تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور گنہگار پر احسان نہیں کیا جاتا' تجربہ کر لیجئے کہ گناہ کرنے سے کھانے تک کا مزہ مٹ جاتا ہے اگر سونے کا لقمہ بھی ہے تو مٹی سے بدتر ہو جاتا ہے۔

ہر شخص کو اپنی قدرت کے موافق مدرسہ والوں کی مدد کرنی چاہیے:

مدرسہ والوں کی مدد کرو کیونکہ اس سے تم بھی ان کے ثواب میں شامل جاؤ گے حدیث شریف میں ہے کہ نیک کام کے بتلانے والے کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا کرنے والے کو ملتا ہے' بتا دینا ذرا سی مدد ہے' جب ذرا سی مدد کا یہ ثواب ہے تو ظاہر ہے کہ پوری مدد کرنے کا کیا ثواب ہوگا' روپے سے مدد کرو' ہاتھ پاؤں سے مدد کرو' بہت سے کام ایسے ہیں کہ روپے سے ہوتے ہیں اس میں روپے سے شریک ہو اور اگر کسی کے پاس روپیہ نہ ہو اور ہاتھ پاؤں سے بھی مدد نہ دے سکے تو دعا سے مدد کرو کہ اللہ میاں اس میں کوشش کرنے والوں کی مدد کریں یہ قرآن شریف کی خدمت ہے' اگر آپ ہمت کریں گے تو قرآن شریف کے سب حق ادا ہو جائیں گے' اب دعا کرو کہ خدا تعالیٰ اس کی توفیق بخشیں۔

ملتقط

❁❁❁

کھانے کے آداب

ارشاد: کھانے کے وقت قوتِ فکریہ کو دوسری طرف صرف نہ کرنا چاہیے۔ ایک جگہ ایک شخص نے دسترخوان پر سوال و جواب شروع کر دیئے۔ میں نے کہا کہ یہ جلسہ اس کا نہیں ہے (قوتِ فکریہ کو دوسری طرف متوجہ کرنے سے کھانے کے لطف میں کمی ہوتی ہے۔) اور کھانے کا ادب یہ بھی ہے کہ اس پر ایک جنس کے لوگ ہوں۔ (اگر غیر جنس ہوتا ہے تو طبیعت منقبض ہوتی ہے، کھانے کا جلسہ بے تکلف ہونا چاہیے' اس لیے میزبان نئے آدمی کو کسی مہمان کے ساتھ شریک کرنا چاہے تو مہمان سے اس کے ساتھ کھانے کی اجازت لے لے، ممکن ہے کہ وہ غیر جنس ہو اور اس وجہ سے مہمانوں کی طبائع مختلف ہوں اور کھانا بھی بار ہو جائے۔

(ملفوظ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ از حسن العزیز جلد سوم)

(۵) تکبر کا علاج

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلَّمْ۔

اَمَّابَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا خیال رکھنے سے تمام گناہ چھوٹ جائیں گے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

ترجمہ: ''اور خاص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بڑائی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں اور وہ غالب ہیں اور حکمت والے ہیں (اس آیت کے متعلقہ یہ مضمون ہیں)

(۱) اس آیت میں اللہ پاک نے اپنی ایک خاص صفت بیان فرمائی ہے جو کسی بندہ میں نہیں پائی جاسکتی' اگر انسان اس کو نظر میں رکھے تو تمام گناہوں سے بچا رہے کیونکہ اللہ پاک نے بڑائی کو اپنے ساتھ خاص کر دیا ہے پس بندوں میں بڑائی نہیں پائی جاسکتی پس جب اس کا خیال رکھا جائے گا کہ ہم میں کسی قسم کی بڑائی نہیں اور بڑائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تو کوئی گناہ نہ ہونے پائے گا۔

سب گناہوں کی جڑ غرور ہے:

کیونکہ سب گناہوں کی جڑ یہی ہے کہ اپنے اندر کسی قسم کی بڑائی سمجھے دنیا میں جو کوئی بھی کافر ہوا ہے وہ اپنے غرور ہی کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ سچا دین چھپا ہوا نہ تھا' ابو طالب کو ایمان سے کس نے روکا' صرف عار نے' یوں کہا کہ اگر مرتے وقت ایمان لاؤں گا تو میری برادری کہے گی کہ ابو طالب دوزخ سے ڈر گیا یعنی جو عزت برادری میں مجھ کو ہے وہ نہ رہے گی اور برادری کی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں گا' اس غرور نے پیچھا نہ چھوڑا یہاں تک کہ کام ہی تمام کر دیا' واقعی بندہ جب اپنے اندر بڑائی سمجھے گا تو جو کچھ بھی عیب پیدا ہوں وہ کم ہیں' یہ مرض کسی ایک گروہ میں نہیں بلکہ یہ ایسا عام مرض ہے کہ تھوا بہت سب لوگوں میں پایا جاتا ہے اور دوسرے عیبوں میں تو اکثر جاہل لوگ پھنسے ہوتے ہیں' پڑھے لکھے ہوئے لوگوں میں وہ عیب کم ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان عیبوں کے برے نتیجوں کو خوب جانتے ہیں لیکن اس مرض میں پڑھے بے پڑھے سب پھنسے ہوئے ہیں کسی میں کم کسی میں زیادہ عرب کے مشرک تو جاہل تھے یہود کو دیکھیے جو سب کچھ جانتے تھے کہ وہ بھی صرف غرور ہی کی وجہ سے ایمان نہ لائے' ایمان لانے سے نبی علیہ السلام کا تابعدار ہونا پڑے گا جس سے ہماری یہ قدر نہ رہے گی جواب ہے اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ مشرک اور کافر صرف غرور ہی کی وجہ سے ایمان نہ لائے' اب غور کر کے دیکھیے تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اور بہت سے گناہ صرف غرور ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ گنہگار اپنے برے کام کو صرف اس شرم سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کہ پہلے سے کیوں بیوقوف بنے رہے ہمیشہ سے کرتے ہی کیوں رہے جواب چھوڑنا پڑا' اس شخص نے بیوقوفی کے طعنہ سے بچنے کے لیے گناہ چھوڑنا گوارہ نہ کیا' یہی غرور ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھا اس کا علاج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو نظروں کے سامنے رکھے جس سے اپنے اندر کسی قسم کی بڑائی ہونے کا خیال بھی نہ رہے اور جبکہ بزرگی اور بڑائی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوئی تو اپنے نفس میں اس کو رکھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری ہوئی اور بعض گناہوں کی تو حد بھی ہے کہ جب تک اس حد تک نہ پہنچے گناہ نہیں ہوتا' مثلاً کھانا جب تک اتنا زیادہ نہ ہو کہ بیمار ہونے کا سبب ہو جائے اس وقت تک گناہ نہیں' یا بھوکا رہنا جب تک مر جانے کا خوف نہ ہو اس وقت

تک گناہ نہیں مگر غرور وہ گناہ ہے کہ جس کے لیے کوئی حد نہیں' حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ بھر غرور ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

غرور سب گناہوں سے زیادہ سخت ہے:

اب سمجھ لو کہ غرور کس قدر سخت گناہ ہے اور ہونا ہی چاہیے کیونکہ سب میں بڑا گناہ کفر ہے اور غرور خود اس کی بھی جڑ ہے تو مسلمان کو چاہیے کہ غور کیا کرے کہ اس کے دل میں غرور ہے یا نہیں۔

غرور دیندار اور دنیادار دونوں میں پایا جاتا ہے:

مگر ہماری تو عادت ہوگئی ہے کہ سوچتے ہی نہیں ورنہ معلوم ہو جاتا کہ دیندار ہمارے غرور سے خالی ہیں نہ دنیادار' چنانچہ دیندار لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیاداروں سے اچھے ہیں' جتنا نفع ان کو نماز پڑھنے سے ہوتا ہے اس سے زیادہ نقصان اس غرور سے ہو جاتا ہے' اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ نماز پڑھنے سے جب یہ نقصان ہوتا ہے تو ان کو چاہیے کہ نماز چھوڑ دیں' اصل یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں جب پیدا ہوتی ہے جب کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی نہ ہو اور اس کا خیال نہ رکھا جائے اور جب اللہ پاک کی بڑائی کا خیال رکھا جائے تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی بلکہ اللہ پاک کی بڑائی اور بزرگی کے سامنے اپنی نماز سے آدمی بجائے اترانے کے الٹا اور شرمندہ ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بادشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی تحفہ بہت کم قیمت لے جائے دربار کی شان وشوکت دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوگی بلکہ اس ذلیل تحفہ کو بادشاہ کے سامنے پیش بھی نہ کر سکے گا ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھے گا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے جلدی کسی طرح یہاں سے خیریت سے نکل جاؤں' ہماری نمازوں کی جو کچھ حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے کہ کس لائق ہیں پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے ذرا نہ شرمانا حالانکہ وہ سب بادشاہوں کے بادشاہ ہیں' اسی وجہ سے ہے کہ خدائے تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی سے ہم نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی اور اپنی نماز کو کچھ سمجھ کر دوسروں

کو حقیر سمجھنے لگے۔

غرور کا سبب:

اس بیان سے اچھی طرح سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز پڑھنے سے یا اور نیک کاموں سے اگر دل میں غرور پیدا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس نیک کام کو چھوڑ دیا جائے بلکہ جو سبب ہے غرور کا اس کو دور کیا جائے' نیک کام کرنا غرور کا سبب نہیں بلکہ غرور کا سبب یہ ہے کہ اللہ پاک کی بزرگی دل میں نہیں ہے سو اس کو پیدا کرنا چاہیے اس سے عبادت کی بھی پابندی ہوگی اور جو خرابی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی نہ رہے گی اس غلطی میں پڑھے لکھے سمجھدار بھی پھنس جاتے ہیں کہ اس بیہودہ خیال سے نیک کام کرنے ہی چھوڑ دیتے ہیں' غرض ہمارے دیندار بھی غرور میں پھنسے ہوئے ہیں اور دنیادار بھی' البتہ غرور ہر ایک کا جدا جدا ہے' دنیاداروں کا غرور چال چلن میں' کپڑوں میں' بیاہ شادی وغیرہ میں ہوتا ہے' غرور ہی کی وجہ سے بڑھیا کپڑے پہنتے ہیں جو حیثیت سے بھی زیادہ ہوتے ہیں اور غرور ہی کی وجہ سے شادیوں میں حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور غرور میں سب گناہوں سے بڑھ کر ایک خرابی اور ہے' وہ یہ ہے کہ مسلمان خواہ کسی مرتبہ کا ہو مگر اس کے دل میں یہ بات ضرور ہے کہ گناہ کر تو گزرتا ہے کسی ضرورت سے لیکن کرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پشیمان ہوتا ہے مگر غرور کہ یہ گناہ ساری عمر دل میں رہتا ہے اور دل پر رنج نہیں ہوتا۔

تمام رسمیں شادی کی غرور کی وجہ سے ہوتی ہیں:

آپ دیکھتے ہیں کہ بیاہ شادی کی جتنی رسمیں ہیں وہ سب نمود اور شہرت ہی کے لیے کی جاتی ہیں پھر کسی کے دل کو رنج تو کیا ہوتا اور ان سے خوش ہوتے ہیں خاص کر جب ان سے شہرت بھی ہو جائے' جب کسی کے یہاں خوب دھوم سے شادی ہو اور اس میں کسی قسم کی بے انتظامی بھی نہ ہوئی ہو تو یوں کہتے ہیں اپنی حیثیت سے زیادہ لگا دیا' اور بڑی ہمت کی پانچ روپیہ کی اوقات میں کھانا کیا اچھا دیا بارات کیسی بڑھیا لایا' اس کو اگر کفر نہ بھی کہیے مگر کفر کے قریب تو ضرور ہے' شرع کا مسئلہ ہے اور کتابوں میں لکھا ہے کہ گناہ کو چھوٹا سمجھنا کفر ہے اس کو

سب جانتے ہیں' پھر غرور تو سب گناہوں کی جڑ ہے۔ اس سے خوش ہونا کیا کفر کے قریب بھی نہ ہوگا' اب سمجھ لیا آپ نے کہ ان شہرتوں سے خوش ہونا کس درجہ کا گناہ ہے۔

رسموں کی ممانعت پر عورتوں کا اعتراض اور ان کا جواب:

رسموں کے متعلق عورتوں نے یہ دلیل سیکھ لی ہے کہ آج ہی کل نئے مولوی نکل آئے ہیں اگر یہ بری تھیں تو پہلے کسی مولوی نے کیوں منع نہیں کیا' خوب سمجھ لو کہ نصیحت خواہ کیسی معمولی سی ہو دل میں جب ہی جمتی ہے جبکہ اس کی طرف توجہ ہو تو یہ کہنا تو غلط ہے کہ کسی مولوی نے منع نہیں کیا' مولویوں نے ہمیشہ سے منع کیا کیونکہ انہی کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں منع لکھا ہے ہاں تم نے ان کے منع کرنے کو سنا نہیں کیونکہ توجہ ہی نہیں تھی' اب یہ بات اپنے دل میں گھڑ لی کہ منع نہیں کیا۔

آج کل کی رسموں کو رسمیں نہیں سمجھتے:

ایک یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسمیں تو وہ تھیں جو کسی زمانہ میں تھیں' جیسے گنگنا باندھنا' برہمن سے تاریخ رکھوانا اور اب تو کچھ رسمیں رہی ہی نہیں' ان میں کیا کفر اور شرک ہے' بیبیو! کیا کفر اور شرک ہی گناہ ہے' فخر اور دکھاوٹ اور فضول خرچی گناہ نہیں' جس شریعت میں کفر اور شرک کو برا لکھا ہے اسی میں ان کو بھی برا لکھا ہے' زیادہ سے زیادہ گوہ اور موت کا سا فرق کہہ لو بلکہ ان ساری رسموں سے زیادہ خوف ہے نقصان پہنچنے کا کیونکہ جس گناہ کو آدمی گناہ نہ سمجھے اس سے توبہ کی کیا امید ہو سکتی ہے' اور آج کل کی رسموں کو برا ہی نہیں سمجھتے' پھر ان سے توبہ کیا کریں گے' دیکھئے یہ نقصان پہنچا ان رسموں سے کہ مرتے وقت بھی توبہ نصیب نہ ہوئی۔

جہیز' ولیمہ' عقیقہ وغیرہ کے منکرات:

بعض رسموں کی نسبت یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے جیسے کہ جہیز دینا' بچوں کو کرتا ٹوپی دینا' ولیمہ اور عقیقہ آج کل کے رواج کے موافق کرنا' میں پوچھتا ہوں نماز پڑھنا کیسا فعل ہے ہر مسلمان جانتا ہے کہ وہ فرض ہے اب اگر اس کو کوئی ذرا بھی قاعدہ کے خلاف کر کے پڑھے مثلاً قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے پڑھے تو یہ نماز کیسی ہے جائز ہے یا ناجائز ہے اور

اگر اس نماز سے منع کیا جائے تو کیا یہ نماز سے منع کرنا کہلائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے پڑھنے سے منع کیا ہے نماز پڑھنے سے نہیں منع کیا یہی حال رسموں کا ہے جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ دکھلائے اور فضول خرچی سے منع کیا جاتا ہے جہیز اگر محبت کی وجہ سے دیا جاتا ہے تو اس میں برادری کے دکھانے کو کیا دخل ہے کہ ایک ایک عدد دکھا کر گنوا کر دیا جاتا ہے' اگر اسی کا نام محبت ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی بیٹی سے شادی ہی کے دن سے محبت ہوگی اس سے پہلے نہ تھی کیونکہ پہلے کی عادت تو یہ تھی کہ جو کچھ کھلایا پلایا کبھی دوسروں کو بلا کر نہیں دکھایا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محلہ کے دو چار آدمیوں کو بھی جمع کر کے دکھایا ہو کہ لڑکی کے لیے حلوا پکایا یا کوئی عمدہ کپڑا سلوایا ہے بلکہ یہ کوشش رہتی ہے کہ کسی کو خبر بھی نہ پہنچے کہ اس کے پیٹ میں پڑ جائے کسی کی نظر نہ لگے یہ آج نئی محبت کیسی پیدا ہوئی اگر پہلے محبت تھی تو یہ محبت نہیں اور اگر یہ محبت ہے تو اس سے پہلے محبت نہیں تھی' بیبیو! ذرا عقل سے کام لو کیا جہیز دینے کی یہ صورت نہیں ہوسکتی کہ کپڑے برتن جو کچھ سامان دینا ہو صندوق میں بند کر کے بھیج دیئے جائیں اور بند بھیجنے میں بھی یہ ضرور نہیں کہ لڑکی کے ساتھ جائے کیونکہ اس میں بھی ضرور ہے کہ وہ سب کے سامنے کھلے گا' پھر دکھاوٹ کی دکھاوٹ ہی رہی بلکہ جب لڑکی میکے آئے اس کو دے دو پھر وہ جب چاہے لے جائے خواہ ایک ہی مرتبہ یا تھوڑا کر کے مگر اس کو کوئی گوارا نہیں کرتا اس سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ان کو شہرت اور دکھلاوا ہی منظور ہے۔ پھر جہیز میں وہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جو صرف دیکھنے ہی کی ہوتی ہیں کسی کام کی نہیں آ سکتیں' چوکی ضرور دی جاتی ہے جو نہ تو اتنی بڑی ہی ہوتی ہے کہ نماز پڑھنے کے کام آئے اور نہ اتنی چھوٹی ہی کہ ہر وقت اٹھا بچھا سکیں اگر چھوٹی ہوتی تو باورچی خانے ہی میں پڑی رہا کرتی' یہ ایک عجیب دردِ سر ہے کہ ایک جگہ ڈال دیں اور دیکھا کریں' پیڑھی نواڑ کی بنی ہوئی ضرور ہوتی ہے حالانکہ کبھی کام میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ ایک طرف احتیاط سے رکھ دی جائے اور گل کر اور ٹوٹ کر ایندھن ہو جائے کیونکہ پیڑھی کا کام تو یہ ہے کہ چولہے کے پاس اس پر بیٹھ سکیں اور جہیز کی پیڑھی اس قدر نازک اور تکلیف کی ہوتی

ہے کہ چولہے کے پاس رکھنے سے جی دُکھتا ہے' چولہے کے پاس اس وجہ سے نہیں رکھی جاتی' اور کسی کام کی ہے نہیں بتاؤ یہ کونسی عقل کی بات ہے' جہیز کی چیزیں اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں جو ایک دفعہ دکھانے کے لیے نئی جیسی بنادی جاتی ہیں اور واقع میں بیکار اور پرانی ہوتی ہیں' حتیٰ کہ بازار والے بھی جانتے ہیں جب خریدنے جاؤ تو پوچھتے ہیں گھر کے برتنے کے لیے چاہیے یا دینے کے لیے' محبت اسی کا نام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دولہا کے سارے خاندان کے جوڑے دیئے جاتے ہیں اور ان میں کئی پشت تک کے مردوں کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے' شاید مردوں کو پہنانا منظور ہوتا ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ جوڑے پہننے کے قابل ہوتے بھی نہیں صرف رواج ہونے کی وجہ سے عدد پورے کردیئے جاتے ہیں اور جن کے یہاں پہنچتے ہیں وہ ان کا کرتہ پاجامہ بناتے ہی نہیں کیونکہ چھوٹے اتنے ہوتے ہیں کہ بن ہی نہیں سکتے' اور کاموں میں لاتے ہیں' کیا یہ باتیں عقل کی ہیں۔

ولیمہ کس طرح سنت ہے:

اب ولیمہ کی سنیے اس پر بہت ہی زور دیا جاتا ہے کہ یہ تو قطعاً سنت ہے' سنت کا نام تو سن لیا مگر یہ بھی معلوم کیا کہ کون سا ولیمہ سنت ہے' سنت وہی ولیمہ ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر ہو' آپ ﷺ کے ولیمہ کی کیفیت سنیے' حضور ﷺ نے ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' صبح کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جو کچھ کھانے کی چیز کسی کے پاس ہو لے آؤ لوگوں کے پاس سفر میں جیسا کچھ توشہ موجود تھا لا کر رکھا' کسی کے پاس کھجوریں تھیں کسی کے پاس پنیر کسی کے پاس سوکھی روٹیاں تھیں جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا اور سب نے حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھالیا' یہ حضور ﷺ کا ولیمہ تھا' اب ولیمہ کا سنت ہونا تو یاد رہ گیا اور اس کا طریقہ یاد نہیں رہا کہ حضور ﷺ نے کس طرح کیا تھا کوئی ایسا سادہ ولیمہ کرسکتا ہے' دوسری حدیث شریف میں ہے کہ سب کھانوں میں برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے آج کل کا ولیمہ ایسا ہی ہوتا ہے اگر کوئی

غریب محتاج مانگے تو کہہ دیتے ہیں پہلے جن کے واسطے پکا ہے ان کو تو کھا لینے دو تم کو پیچھے ملے گا اس ولیمہ کی برائی میں نے حدیث سے سنا دی' پھر مولوی اگر ایسے ولیمہ کو منع کریں تو کیا برائی ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے بخا بخشی سے کھلانے والوں کی دعوت قبول کرنے کو منع کیا' اب دیکھ لو کہ برادری کے کھانے ایسے ہی ہوتے ہیں یا نہیں' اگر ایک نے گوشت روٹی دیا ہے تو دوسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ بریانی دے' تیسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ فیرنی بھی ہو' چوتھا شیر مال اور بڑھاتا ہے حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک کے یہاں بھی کھانا نہ چاہیے' یہ ان رسموں کی حالت ہے جن کو سنت بتاتی ہے۔

منگنی کے رسوم:

اب یہاں کی منگنی کے حالات سنیے جو کہ صرف زبانی بات چیت ہے کہ کیا کچھ اس میں نور پھیلائے جاتے ہیں' اس کا بھی ایک پورا قانون ہے' دور دراز سے لڑکے والا سفر کر کے جائے اپنا وقت خراب کرے۔ روپیہ برباد کرے اتنے دنوں میں جو کچھ کماتا اس پر خاک ڈالے تب اس سے بات قرار پائے' یہ بہت مختصر بیان ہے ورنہ جو جو قیدیں دونوں طرفوں سے مقرر ہیں سب جانتے ہیں' غرضیکہ جو کام دو پیسے کے خط سے نکلتا اس میں سینکڑوں روپیہ خراب کیے جاتے ہیں' کیونکہ صاحب اس میں کیا مصلحت ہے' اگر یہ کہو کہ خط کا کیا اعتبار پہنچا یا نہ پہنچا تو کہا جا سکتا ہے کہ خط کو رجسٹری کرا دیا ہوتا تا کہ نہ پہنچنے کا شبہ ہی نہ رہتا' پھر فضول روپیہ کیوں خراب کیا جاتا ہے۔

رسمیں ہندوؤں سے لی گئیں:

رسموں کی پابندی صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہیں مگر سوچا تو ہوتا کہ ہمیشہ سے کب سے ہوتی ہیں ہندوستان میں پہلے مسلمان ہی نہ تھے جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور ہندوؤں کے ساتھ رہنا ہوا تو یہ سب رسمیں ان کی مسلمانوں میں بھی آ گئیں اور اگر یہ رسمیں خود مسلمانوں ہی کی ہوتیں تو ان کی کتابوں میں بھی ہوتیں'

عقل صاف کہتی ہے کہ ہندوؤں کی رسمیں ہیں' ہندوؤں کے ساتھ میل جول ہونے سے مسلمان بھی سیکھ گئے۔

رسموں میں کسی قسم کی بھلائی نہیں

بیبیو! اگران رسموں میں بھلائی ہوتی تو دونوں جہان کے بادشاہ جناب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ضرور ہوتیں' کیا حضور ﷺ کے یہاں کہیں کی کمی تھی اللہ تعالیٰ جو چاہتے دے دیتے' آپ ؓ کی منگنی کا قصہ بیان کرتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مجھ سے کر دیجئے' حضور ﷺ نے وحی سے معلوم کر کے منظور کرلیا یہ منگنی ہوئی' یہاں کچھ بھی نہ ہوا فقط دولہا سب کے سامنے بول ہی اٹھے تو غضب آ جائے کہ کیسا بے حیا دولہا ہے۔

حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی منگنی اور نکاح اور رخصتی

اب بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی سنیے اور بارات کا سامان سنیے' حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا اور نکاح پڑھ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے نکاح ہونے کے بعد آپ کو خبر پہنچی تب آپ ؓ نے قبول کیا یہ بارات تھی کہ نکاح کے وقت نوشاہ بھی موجود نہ تھے' پھر حضور ﷺ نے اپنی باندی کو حکم دیا (جن کا نام ام ایمن تھا) کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا آؤ' بی بی صاحبہ منہ لپیٹے ہوئے ہاتھ پکڑائے اپنے گھر پہنچ گئیں' یہ رخصتی ہوئی' رسول اللہ ﷺ نے جہیز دیا مگر نہ اتنا کہ گھر لٹا دیا نہ کسی کو دکھایا' جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا ہاں جس طرح آج کل دیتے ہیں وہ منع ہے ایک ایک عدد اٹھا کر سب کو دکھایا جاتا ہے' جوڑوں پر گوٹہ لپیٹا جاتا ہے کہ جو کوئی نہ بھی دیکھے تو اس کی چمک ہی سے نگاہ اٹھ جائے' بیبیو! یہ تو جائز نہیں ہوسکتا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا بہوڑہ

اب چوتھی کا حال سنیے، نکاح سے اگلے دن جناب رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ذرا سا پانی لاؤ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

سے فرمایا کہ تم بھی ذرا سا پانی لاؤ اور دونوں پر پانی چھڑکا اور دعا کی۔

ہندوستان میں نئی دلہن کی حالت:

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت فاطمہ ؓ نکاح ہی کے وقت سے چلتی پھرتی تھیں یہاں کی طرح بت بنے نہیں بیٹھی تھیں' یہ تکلف صرف نہیں ہے کہ بہو مدت تک بت بنے رہتی ہے کیا مجال کہ بغیر سہارے کے دو قدم بھی چل سکے اگر پیشاب پاخانے کی بھی حاجت ہوتی ہے تو بلا دوسرے کے نہیں جا سکتی کئی کئی دن پہلے سے کھانا کم کیا جاتا ہے تاکہ پاخانہ کی حاجت جلد نہ ہو یہ تو اچھا خاصا قید خانہ ہو گیا' خدا کی پناہ اور اس قید کو ایسا بڑھایا کہ بہو نماز بھی نہیں پڑھتی' اول تو نمازی ہوتی بہت کم ہیں اور جو کوئی نمازی بھی ہوئی تو نماز کے وقت اگر کوئی سہیلی موجود ہے تو دبے دبائے پڑھ لی اور نہیں تو یہ عذر ہے کہ کوئی تھا ہی نہیں کون پڑھواتا تف ہے ایسے پردے پر بہت جگہ اس قید سے لڑکیاں بیمار ہو گئیں اور جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ ہم لوگوں نے جو بات اختیار کی ایسی ہی بے ڈھنگی پردہ ہو تو اتنا گہرا اور نہ ہو تو بالکل نہیں' دیور جیٹھ خالہ پھوپھی کے لڑکوں سے بالکل پردہ نہیں کرتیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ دیور موت ہے یعنی اس سے ضرور پردہ کرنا چاہیے' ایسے ہی خالہ پھوپھی کے لڑکے ہیں ان سے بھی ضرور پردہ کرنا چاہیے۔

سفر میں نماز کے اندر عورتوں کی کم ہمتی!

ریل کے سفر میں جو کچھ آسانی ہے اس کو سب جانتے ہیں' مگر یہ عورتیں جب ریل میں سفر کرتی ہیں تو اتنی آسانیوں کے ہوتے ہوئے بھی نماز قضا کر دیتی ہیں اور عذر کرتی ہیں کہ ہم کو قبلہ معلوم نہ تھا یا کہتی ہیں کہ وضو کے لیے پانی کہاں سے آتا' پانی مانگنے یا قبلہ پوچھنے میں بے پردگی ہوتی ہے' کیوں بیبیو! جس گاڑی میں تم بیٹھے ہو اگر اس میں آگ لگ جائے یا کوئی چور ڈاکو گھس آئے تو کیا اس وقت بھی نہ بولو گی اس وقت تو وہ دہائی مچاؤ گی جیسے قیامت آ گئی اس وقت پردہ کہاں جائے گا' بات یہ ہے کہ دنیاوی تکلیفوں سے ڈرتے ہیں اور آخرت کی تکلیفوں سے کچھ خوف نہیں کرتے' سمجھتے ہیں کہ بہت ہلکی اور معمولی چیز ہیں مگر یاد رکھو کہ دنیا

کی مصیبتوں سے زیادہ سے زیادہ جان جاسکتی ہے یہ تھوڑی دیر کی تکلیف ہے کہ ہوئی اور گزر گئی اور ایک نماز کے بدلے ہزاروں برس ایسے سخت عذاب میں رہنا پڑے گا جس کے سامنے دوزخی موت کی خواہش کریں گے۔

غیبت اور حسد کا سبب غرور ہے:

غیبت اور حسد بھی غرور ہی کی وجہ سے ہوتا ہے' غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے جب اپنے کو دوسرے سے اچھا سمجھتا ہے ورنہ جس کی غیبت کرتا ہے اگر اس کو اپنے سے اچھا سمجھتا تو ہرگز اس کی غیبت نہ کرتا' کسی مریض پر ہنستا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اگر اپنے کو اس سے بھی زیادہ مریض پائے تو کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ اپنے سے کم مریض پر ہنستا ہو' یہ اپنے کو اچھا سمجھنا ہی غرور ہے جس کی وجہ سے غیبت میں پھنسا' اسی طرح دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جو آدمی جلتا ہے (جسے حسد کہتے ہیں) اس کی جڑ یہی غرور ہوتا ہے کیونکہ اپنے کو اس صاحب نعمت سے زیادہ لائق سمجھتا ہے کہ میں زیادہ لائق تھا اس نعمت کے' یہ عیش و آرام تو مجھ کو ملتا میرے ہوتے ہوئے اس کو کیوں ملا' یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے' غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولو گے تو اس کی جڑ غرور ہی کو پاؤ گے' پس سب گناہوں کو چھوڑ دے تاکہ ان کی جڑ ہی دل سے نکل جائے کیونکہ بڑائی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے پس جو شخص غرور کو نہیں چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا ہے کہ بڑائی کس کا حق ہے اور میں کس کو دے رہا ہوں' حق تو ہے اللہ تعالیٰ کا اور دیتا ہے اپنے نفس کو' پس اس شخص سے زیادہ جاہل کون ہوگا یہ شخص گناہوں سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا کیونکہ گناہوں کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے' اگر ایک سے بچے گا دوسرے میں پڑ جائے گا۔

عورتوں کو مسئلے یاد کرنے کی تاکید

عورتوں کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ان کے ہانڈی چولہے کا ایک وقت ہے' کتاب کے پڑھنے یا سننے کا بھی ایک وقت ہونا چاہیے لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ

عورتوں کو اس کا بالکل خیال نہیں‘ مرد تو کبھی کوئی مسئلہ پوچھ بھی بیٹھتے ہیں مگر عورتوں کو نہ کہیں زبانی پچھواتے دیکھا نہ کبھی خط کے ذریعہ سے دریافت کرتے دیکھا حالانکہ عورتوں کے بعض مسئلوں کا سمجھنا اس قدر دشوار ہے کہ ان کا جواب دینا بھی ہر ایک کا کام نہیں‘ جیسے کہ پاکی اور ناپاکی کے مسئلے کہ اس میں وہ وہ صورتیں پیش آتی ہیں کہ بغیر کسی بڑے مولوی سے دریافت کیے ہوئے سمجھ ہی میں نہیں آسکتیں مگر یہ بھلی مانسیں کیسی ہی دشوار سے دشوار صورتیں کیوں نہ ہوں کبھی دریافت نہیں کرتیں مگر اس پر عمل ہے کہ نہ پڑھی نہ قضا ہوئی‘ کچھ عورتیں تو شرم کی وجہ سے نہیں پوچھتیں اور بعض جو کسی قدر لکھی پڑھی ہیں وہ کسی اردو کی کتاب میں دیکھ کر جو الٹا سیدھا سمجھ میں آیا کر گزرتی ہیں۔ بڑے ظلم کی بات ہے کہ اگر کوئی مرض شرم کا ہو جاتا ہے تو اس کے علاج میں یہ نہیں کرتیں کہ بلا سے جان جاتی رہے مگر شرم نہ جائے‘ علاج کے لیے تو سو چکر کوئی نہ کوئی تدبیر ایسی نکال لیتی ہیں کہ شرم بھی جائے اور علاج بھی ہو جائے بیبیو! کسی مسئلہ کا آج کل دریافت کر لینا تو کچھ بھی مشکل نہیں دو پیسے کے خط میں جہاں سے جی چاہے جواب منگا لو اگر خود نہ لکھ سکو تو خاوند کے ذریعہ سے لکھوا کر دریافت کر لو مگر بات یہ کہ یہ سب کچھ جب ہو جب کہ دین کا خیال ہو اس غفلت کو چھوڑو اور دین کو دنیا سے بھی زیادہ ضروری سمجھو‘ دنیا ختم ہو جائے گی اور آخرت ختم نہ ہوگی۔

گھر والوں کی اصلاح ضروری ہے

گھر میں جب مسئلوں کا ذکر ہوگا تو بچوں کے کان میں بھی پڑیں گے اور ساری عمر ان کو یاد رہیں گے اور جو لوگ تمہارے تابعدار ہیں ان کی بھی درستی ہوگی بلکہ سب گھر والے ٹھیک ہو جائیں گے‘ حدیث شریف میں ہے ہر بڑے کو اپنے چھوٹے کی حفاظت کرنی ضروری ہے اور اس سے قیامت میں دریافت ہوگا کہ تم نے حفاظت کی تھی یا نہیں‘ یعنی بری باتوں سے روکا تھا یا نہیں اور نیک کام اسے سکھائے تھے یا نہیں‘ اگر نوکرانی تمہاری نماز نہیں پڑھتی تو وہ گنہگار ہے ہی مگر تم بھی اس کے ساتھ گنہگار ہو اور تمہیں جواب دینا ہوگا کہ اسے نماز کیوں نہیں سکھائی بعض لوگ اس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ ہم نے تو بہتری تاکید کی مگر وہ نماز پڑھتی ہی نہیں‘

کیوں بیبیو! اگر وہ کھانے میں نمک کم یا زیادہ کردے تو تم کیا کرتی ہو کیا ایک دو دفعہ اس کو سمجھا کر چپ ہو رہتی ہو اور پھر نمک ویسا ہی کھا لیتی ہو جیسا اس نے ڈال دیا ہو یہ کبھی نہ کرو گی چاہے نوکرانی رہے یا نہ رہے بلکہ اسے سمجھاؤ گی پھر مارو پیٹو گی اگر کسی طرح نہ مانے نکال باہر کرو گی، بیبیو دین کا اتنا بھی خیال نہیں جتنا نمک کا، جو نماز کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ دین کا خود بھی خیال رکھو اور جن پر تمہارا قابو چل سکے ان کو بھی دیندار بناؤ، جو کوئی تمہاری کوشش سے دیندار بنے گا تمہیں بھی اسی کی برابر ثواب ملے گا۔

جو لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے ان کو تنبیہ

جو لوگ غرور سے بچتے ہی نہیں اور سمجھانے سے ان پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا ان کو اللہ تعالیٰ خبردار کرتے ہیں کہ غالب بھی ہوں اگر تم کہنا نہ مانو گے تو میرے ہاتھ سے کہیں جا نہیں سکتے جیسی چاہوں سزا دوں گا اور اگر سزا ملنے میں کچھ دیر ہو جائے تو سزا سے بے خوف مت ہونا کیونکہ سزا میں دیر اس لیے ہوتی ہے کہ میں حکمت والا ہوں کسی مصلحت سے مہلت دیتا ہوں، بعض لوگ رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا، صاحبو! اس دھوکہ میں نہ رہو خدا کے غضب کو مت بھولو، سزا ملے گی اور پھر ملے گی اور اگر دنیا میں کسی مصلحت سے ٹل بھی گئی تو آخرت میں تو بچ ہی نہیں سکتے، وہاں کی سزا سے تو دنیا کی سزا بھگت لینا اچھا ہے، وہاں کی تکلیف اٹھانے کی کس کو طاقت ہے۔

آخرت کی تکلیفوں کا خیال رکھنا چاہیے

آخرت کی تکلیفوں کو ہمیشہ سوچتے رہنا چاہیے اور ان سے بچنے کی تدبیریں کرتے رہنا چاہیے۔

قرآن شریف میں ہے کہ "خیال رکھے ہر شخص کہ قیامت کے لیے کیا سامان تیار کیا۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "لذتوں کو کھو دینے والی چیز کو بہت یاد کیا کرو۔"

یعنی موت کو کہ وہ ساری لذتوں کو مٹا دیتی ہے اور موت کا یاد رکھنا یہ ہے کہ جب کوئی کام

کرو تو سوچ لو کہ مرنے کے بعد اس پر سزا بھگتنی تو نہ پڑے گی' اگر کچھ سزا کے لائق کام ہو تو ہر گز نہ کرو اور ایسے کاموں سے ہمیشہ توبہ کرتی رہو۔

اب دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کی توفیق دیں۔

تمت

❀❀❀

(٦) پاکیزہ زندگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلَّمْ۔

اَمَّابَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O

ترجمہ: ’’جو شخص نیک کام کرے مرد ہو یا عورت ہو لیکن ہو مؤمن پس بیشک ہم اس کو پاکیزہ زندگی بخش دیں گے اور بیشک ہم ان کو بدلہ میں ثواب دیں گے بسبب ان کے اچھے کاموں کے۔‘‘

(اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں)

دنیا میں کوئی طلب سے خالی نہیں!

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو دو بڑی بھاری نعمتیں بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے اور وہ دونوں نعمتیں ایسی ہیں کہ ساری دنیا ان کی طلب گار ہے اور ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر وہ سوائے نیکوں کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتیں اور حاصل بھی اسی طریقہ سے ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان

فرمایا ہے' سنیے وہ دونوں نعمتیں یہ ہیں، ''مزہ دار زندگی اور آخرت کا ثواب یعنی ہمیشہ کا آرام'' تمام دنیا ان کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور طرح طرح کی کوششیں کرتی ہے مگر نہیں پا سکتی' کوئی مال طلب کرتا ہے کوئی عزت چاہتا ہے' کوئی اولاد کی خواہش رکھتا ہے کوئی مکانات کا شوق رکھتا ہے کسی کو باغ لگانے کی حرص ہے مگر غرض سب کی یہی ہے کہ ہمیشہ کا آرام اور مزہ دار زندگی نصیب ہو جائے اگرچہ طریقے تلاش کرنے کے ہر ایک نے جدا جدا اختیار کیے ہیں۔

مطلب سب کا ایک ہے

لیکن مقصود سب کا ایک ہے جیسے کہ کوئی بزاز ہے کوئی بقال اور کوئی لکھنو میں سوداگری کرتا ہے' کوئی کلکتہ میں کوئی بمبئی میں لیکن مقصود سب کا ایک ہے یعنی نفع پانا کسی نے سمجھا کہ لکھنو میں چکن اچھی ہوتی ہے اس میں نفع خوب ہوگا پس وہ لکھنؤ جا پہنچا' کسی نے یہ خیال کیا کہ کلکتہ میں تجارت سے بہت فائدہ ہوگا وہ کلکتہ پہنچ گیا۔

لذت اور راحت حاصل کرنے میں رائیں مختلف ہیں

غرض کہ مقصود سب کا ایک ہے لیکن اس کے طریقہ ہر ایک نے جدا جدا اختیار کر لیے ہیں پس خوب ظاہر ہو گیا کہ مقصود سب کا یہی ہے کہ مزہ دار زندگی اور ہمیشہ کا آرام نصیب ہو۔ لیکن ہر ایک نے اپنی رائے سے اس کے حاصل کرنے کا جدا جدا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔

راحت صرف ایک طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے

مگر وہ تو اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے سکھلایا ہے یعنی سچے عقیدے رکھنا اور اچھے کام کرنا پس بغیر ان کے اختیار کیے ہوئے کسی طرح یہ مقصود حاصل ہو ہی نہیں سکتا یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ اگر ہم اس کی سچائی کا تجربہ نہ بھی کرتے تب بھی ہم کو بلا کھٹکے مان لینا چاہیے تھا کیونکہ یہ فیصلہ ایسی ذات کا کیا ہوا ہے کہ جس کا فیصلہ غلط ہو ہی نہیں سکتا' مگر ہم کو تو تجربہ سے بھی اس کی سچائی اس درجہ روشن ہو گئی ہے کہ اس میں کسی کو شبہ ہی نہیں رہ سکتا کیونکہ دنیا میں دو قسم کے آدمی ہیں ایک تو نیک کام کرنے والے اور خوش عقیدہ لوگ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے اور دیندار لوگ ہیں' دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں

جو نافرمانی کرتے ہیں اور یہ دنیا دار لوگ ہیں اب دیکھ لیجئے کہ ان میں سے چین و آرام میں کون لوگ ہیں؟

دنیاداروں کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا دار ہر وقت پریشانی میں ہیں کسی وقت ان کو چین نہیں بخلاف دیندار اور پرہیز گاروں کے کہ وہ جس حالت میں ہیں آرام میں ہیں شاید ہر شخص کہے کہ میں دیندار پرہیز گار ہوں اس لیے کہ نماز پڑھتا ہوں روزہ رکھتا ہوں' اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کہے کہ فلاں آدمی بہت خوبصورت ہے کیونکہ اس کے رخسار ایسے ہیں اور آنکھیں ایسی ہیں ایک شخص نے دور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ میاں نکٹے ہیں تو ان کا سارا حسن و جمال اس ناک کے نہ ہونے سے مٹ گیا اور سمجھ دار لوگ کبھی اس کو حسین خوبصورت نہ کہیں گے ایسے ہی ہم لوگوں کا دین ہے کہ دو چار باتیں اسلام کی لے کر سمجھتے ہیں کہ ہم دیندار ہیں تو ایسے دینداروں کی نسبت یہ وعدہ نہیں بلکہ اگر کوئی پورا دیندار ہو' ایمان اور عمل اس کا کامل ہو تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ مزہ دار زندگی اور ہمیشہ کا آرام اس کو بخش دیا جاتا ہے' کبھی اس کے پاس تک پریشانی نہیں آتی۔

صرف نماز روزہ کے پابند ہونے سے پورا دیندار نہیں ہوتا

پورا دیندار صرف ظاہر کے درست کرنے سے نہیں ہوتا کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کے پابند ہو گئے اور پورے دیندار بن گئے' خواہ عادتیں کیسی ہی ہوں تو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا شخص بھی پورا دیندار نہیں ہے پورا دیندار وہ شخص ہے جس کا ظاہر اور باطن دونوں درست ہو گئے ہوں' میں قسمیہ کہتا ہوں کہ ہم میں جو لوگ دیندار کہلاتے ہیں ان میں سے بہت لوگوں کی یہ حالت ہے کہ زبانیں ان کی شکر سے زیادہ میٹھی ہوتی ہیں اور دل ان کے بھیڑیوں کے سے ہوتے ہیں' نماز کے بھی جماعت سے پابند ہیں روزہ کا بھی بہت خیال ہے' داڑھی بھی بڑھائی ہے نیچا کرتہ ہے' غرض کہ ظاہر بالکل شرع کے موافق ہے لیکن عادات کو دیکھا جائے تو دل میں غرور' خود پسندی' کینہ' غصہ وغیرہ کی بلائیں موجود ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ دل میں ان

کے غرور ہے اور وہ آپ کو بہت بڑا خاکسار صاحب تواضع سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تواضع کی حقیقت بھی نہیں جانتے' جیسے کہ ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ کریما پڑھتے تھے اس میں تواضع کا بیان آیا استاد نے پوچھا کہ تواضع جانتے ہو کس کو کہتے ہیں' کہنے لگے کہ تواضع یہی ہے کہ کوئی اپنے گھر آئے اس کو حقہ پان دے دیا اس کو کھانا کھلا دیا اس کی آؤ بھگت کر لی' آج کل بڑے بڑے سمجھدار تواضع کی حقیت اسی قدر سمجھے ہوئے ہیں جو اور زیادہ سمجھدار ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر ایک کے سامنے نرمی سے پیش آئے' صاحبو! تواضع یہ نہیں ہے نہ ایسے شخص کو صاحب تواضع کہہ سکتے ہیں اگر کوئی کہے بھی تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی نقال کسی تحصیلدار کی نقل کرے اس کو کوئی بے وقوف تحصیلدار سمجھنے لگے' تواضع حقیقت میں یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں اپنے نفس کو سب سے کم سمجھے ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں' ہاں ایسے تو بہت ہیں کہ زبان سے اپنے کو برا کہتے ہیں لیکن دل میں اپنے کو برا نہیں سمجھتے اس کی پہچان یہ ہے کہ جب وہ اپنے کو برا بتلائیں اور کہیں کہ میں تو بہت بڑا نالائق ہوں اگر کوئی کہہ دے کہ ہاں صاحب آپ بڑے نالائق ہیں پھر دیکھئے ان کی کیا حالت ہوتی ہے سن کر تلملا ہی تو جائیں گے' وضع داری سے چاہے چپ ہو رہیں مگر دل میں تو یہ آئے گا کہ اس کو کھا جائیں' ہاں اگر دل میں ذرا برا نہ مانیں تو واقعی ان کے اندر تواضع ہے' خلاصہ یہ ہے کہ پورا دیندار وہ ہے جس کا ظاہر اور باطن دونوں درست ہوں اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل قدم بقدم رہیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک تم لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک ایک عمدہ نمونہ ہے (جس کی پیروی کی جائے) مطلب یہ ہے کہ جو کام تمہارے اختیار میں ہیں ان میں ایسے بن جاؤ جیسے جناب رسول اللہ ﷺ' یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہمارے پاس ایک نمونہ بھیج دیا ہے اور فرما دیا کہ ایسے بن جاؤ اپنے عادات کھانا پینا' سونا' بیٹھنا' اٹھنا چلنا پھرنا طرز انداز چال ڈھال ایسا ہو جیسا ہمارے محبوب کا بس اب آپ غور کر لیجئے' کہ اگر ایک بات کی بھی کمی ہوئی تو ہم نمونہ کے موافق نہ ہوئے اس کی ایسی مثال ہے کہ درزی سے ہم کو ایک اچکن سلوانا منظور ہے' ہم نے نمونہ کے واسطے ایک اچکن بھیج دیا کہ ایسا سی لاؤ اب بتلانے کی ضرورت نہیں کہ آستین اس قدر رہوں' سلائی اس طرح کی ہو اس قدر نیچا ہو وہ سی کر

لایا دیکھا تو اس کے موافق ہے لیکن ایک آستین بڑھی ہوئی ہے تو اس درزی سے کہا جائے گا کہ ظالم تیرے پاس ہم نے نمونہ بھیج دیا تھا پھر بھی تو نے اس کے موافق نہ سیا' اور اس اچکن کو نمونہ کے موافق نہ کہا جائے گا' بلکہ وہ اچکن درزی کے منہ پر دے ماریں گے اور اس کو سزا دیں گے تو صاحبو جب ہم حاکم حقیقی کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور ہماری نماز ایسی نہ ہو گی جیسی حضور ﷺ کی تھی وضع لباس' طرز انداز ایسا نہ ہوگا جیسا کہ حضور ﷺ کا تھا تو کچھ عجب نہیں کہ نکال دیئے جائیں' اللہ پاک اس سے ہم کو بچائے رکھیں اور اپنے حبیب ﷺ کے گروہ میں ہم کو اٹھائیں' اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ جب عالمگیر بادشاہ ہوئے تو شاہی قاعدہ کے موافق ہر ایک کو انعام دیا' بہروپیے بھی آئے لیکن عالمگیر ایک مولوی آدمی تھے اس لیے ان کو دینا ناجائز سمجھا مگر صاف منع بھی نہ کر سکے اس لیے مناسب سمجھا کہ کسی عمدہ حیلہ سے ان کو ٹال دیا جائے پس کہا کہ جب ایسی شکل میں آؤ گے کہ ہم تمہیں پہچان نہ سکیں اس وقت انعام دیں گے' وہ طرح طرح کی شکلیں بدل کر آئے مگر عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے پہچان لیا' لیکن جب ملک دکن کے فتح کرنے کے لیے عالمگیر نے سفر کیا تو عالمگیر کا سفر میں یہ طریقہ تھا راستہ میں جس صاحب کمال کو سنتے تھے اس سے جا کر ملتے تھے ایک مقام پر سنا کہ یہاں ایک درویش بڑے باکمال ہیں' اوّل وزیر کو ملنے کے لیے بھیجا وزیر نے ہر طرح ان کو جانچا وہ ہر بات میں پورے اترے' آ کر عالمگیر سے بہت تعریف کی اور کہا کہ ان کو تکلیف دینا بے ادبی ہے آپ خود تشریف لے جا کر ان سے ملیے عالمگیر خود گئے اور مل کر بہت خوش ہوئے اور رخصت ہوتے وقت ایک توڑا اشرفیوں کا پیش کیا' درویش نے ایک لات ماری اور کہا کہ مجھ کو بھی اپنی طرح دنیادار سمجھتا ہے عالمگیر پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس توڑہ کو اٹھا لیا اور وہاں سے چلے راہ میں وزیر سے دیر تک اس درویش کا ذکر رہا جب لشکر میں پہنچے تو سامنے سے دیکھا کہ وہ بزرگ بھی تشریف لا رہے ہیں اور بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور انعام مانگا' عالمگیر حیرت میں ہو گئے اور غور کر کے پہچانا تو وہ بہروپیا تھا' پس اس کو کچھ انعام دیا اور یہ پوچھا کہ میں نے مان لیا کہ تو بہت بڑا ہوشیار ہے' مگر یہ بتلا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس وقت بہت سا روپیہ لینا تو نے قبول نہ کیا اور اب اس سے بہت کم روپیہ ہنسی خوشی لے لیا اس نے کہا جو نقل میں نے کی تھی وہ لینا

اس نقل کے خلاف تھا اس لیے نہیں لیا' تو صاحبو! ہم لوگ تو اس نقال سے بھی گئے گزرے ہوئے۔ ہم سے تو نقل بھی دین کی نہیں ہوتی۔

بزرگ صرف ظاہر اور باطن کے درست کرنے سے ہوتا ہے

حاصل یہ کہ دیندار کامل تو وہ ہے جس کا ظاہر بھی دیندار ہو اور باطن بھی دیندار ہو ظاہری تو نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کا پابند ہونا اور باطنی یہ کہ اچھی عادتیں حاصل کرے جیسے کہ صبر اور شکر کرنا اور خدائے تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہنا وغیرہ وغیرہ اور بری عادتوں سے بچا رہے جیسے کہ غرور' کینہ' حسد وغیرہ اور بزرگی صرف اسی کا نام ہے کہ ظاہر اور باطن کو درست کرلے۔

آج کل کشف وکرامت کا نام بزرگی ہوگیا ہے

آج کل تو درویشی اور بزرگ اس کا نام ہوگیا ہے کہ پوشیدہ چیزیں نظر آنے لگیں اور کرامت بھی ظاہر ہونے لگے' مجھ کو ایک پیر جی صاحب پر بہت تعجب ہوا انہوں نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ میاں تم بہت دنوں سے شغل کرتے ہو اور اللہ کے نام کی تسبیحیں پڑھتے ہو کچھ نظر بھی آتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا تو ہنس کر فرمایا کہ خیر بھائی ثواب جمع کیے جاؤ' آہ افسوس ہے کہ ان پیر جی صاحب نے ثواب کی کچھ بھی قدر نہ کی جو شخص خدا تعالیٰ کی رضامندی کو چھوڑ کر کشف وکرامات کو ڈھونڈے اور چاہے کہ مجھ کو کچھ غیب کی باتیں معلوم ہونے لگیں' اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے وزارت کو چھوڑ کر گھاس کھودنے لگے کیونکہ پوشیدہ باتیں معلوم ہو جانا کچھ کمال نہیں' کمال تو یہ ہے کہ ظاہر اور باطن موافق شریعت کے ہو' پس ایسے شخص کے لیے میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں کہ اس کو مزہ دار زندگی ضرور نصیب ہوگی اور کسی قسم کی پریشانی اس کو نہیں ہوگی' اگر کوئی کہے کہ ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور سنتے آئے ہیں کہ اکثر اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین بڑی بڑی تکلیفیں اٹھاتے ہیں' پھر مزہ دار زندگی کہاں ہوئی' میں کہتا ہوں کہ یہ بیشک صحیح ہے کہ ان حضرات کو مصیبتوں اور بلاؤں کا سامنا رہتا ہے بلکہ اوروں سے زیادہ۔

بزرگوں کو مصیبتوں میں بھی مزہ آتا ہے

لیکن ان کو ان مصیبتوں میں بھی مزہ آتا ہے اور جس کا نام پریشانی ہے وہ نہیں ہوتی اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہو جائے اور محبوب اس سے مدتوں سے نہ ملا ہو اور وہ اس کی یاد میں گھلتا ہوا ایک روز اچانک محبوب آ پہنچا اور آ کر لپٹ گیا اور اس کو خوب دبایا اور اس قدر دبایا کہ پسلیاں ٹوٹنے لگیں' اگر وہ سچا عاشق ہے تو واللہ اس کو اس قدر خوشی ہوگی کہ تمام دنیا کے مال و دولت سے بڑھ کر اس کو سمجھے گا اور کہے گا کہ یہ تو وہ شخص ہے جس کے واسطے تمام عمر کھو دی اور مال و دولت ابرو اس پر نثار کر دیئے' بلکہ اگر محبوب کہے بھی کہ اگر تکلیف ہو تو چھوڑ دوں' تو وہ کہے گا کہ خدا نہ کرے وہ دن کہ تم مجھ کو چھوڑ دو اور کہے گا

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے — کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے — مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے!!

دیکھئے! لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ مصیبت موت ہے۔

موت عاشقوں کے لیے نعمت ہے

اور عاشقوں کے نزدیک وہی موت عجیب دولت ہے کہ اس کی آرزوئیں کرتے ہیں اور جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو نہایت ہی خوش ہوتے ہیں' چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو آٹھوں جنتیں ان کو نظر آئیں' آپ نے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اگر میرا مرتبہ عشق میں آپ کے نزدیک یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنا وقت بیکار ہی کھویا یعنی میرا مقصود تو آپ کی ذات پاک ہے اگر آپ نہ ہوئے تو جنت لے کر کیا کروں گا پھر اس کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کا نور ظاہر ہوا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا' سبحان اللہ اب فرمایئے کہ جب یہ حضرات موت سے بھی پریشان نہیں ہوتے تو افلاس اور تنگدستی سے ان کو کیا پریشانی ہوتی۔

پریشانی دو وجہ سے ہوا کرتی ہے

بات اصل میں یہ ہے کہ پریشانی کی دو وجہ ہوا کرتی ہیں اوّل تو یہ کہ جس سے اپنا معاملہ

ہو اس سے محبت نہ ہو اس وجہ سے پریشانی ہوتی ہے اگر محبت ہو تو پریشانی کسی طرح نہیں ہو سکتی' مثلاً اگر محبوب کہے کہ دھوپ میں کھڑے ہو کر دو گھنٹہ مجھ سے باتیں کرو اگر وہ کہے کہ نہیں' تو وہ دعوئ محبت میں جھوٹا ہے اور اگر سچا ہے تو اس کو وہ ہزار آرام سے بہتر ہے' پس معلوم ہوا کہ پریشانی محبت نہ ہونے کی وجہ سے ہے' دوسری وجہ پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ خلاف امید کے کوئی کام ہو جائے کہ سوچا کچھ اور ہو گیا کچھ' مثلاً ہم تندرستی چاہتے تھے اور طاعون آ گیا یا تجارت میں نفع چاہتے تھے اور ہوا نہیں یا اولاد چاہتے تھے اور نہ ہوئی تو اس وقت پریشانی ہوگی اور جو شخص اپنے ارادے کو مولا کی رضامندی میں بالکل مٹا چکا ہو تو یہ پریشانی اس کو نہ ستائے گی' حضرت بہلول سے کسی نے کہا کہ اناج بہت مہنگا ہو گیا ہے فرمایا کہ کچھ پرواہ نہیں' ہمارے ذمہ یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور ان کے ذمہ ہے کہ موافق وعدہ کے رزق دیں۔

ایک بزرگ کی توبہ کا قصہ

ایک بزرگ نے اپنے توبہ کرنے کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک سال قحط بہت تھا مخلوق بہت پریشان تھی اسی حالت میں دیکھا کہ ایک غلام بے فکری سے گاتا ہوا خوش خوش جا رہا ہے اس سے کسی نے پوچھا کہ مخلوق تو پریشان ہو رہی ہے اور تو اس طرح بے فکر ہے اس نے کہا کہ میں بے فکر کیوں نہ ہوں میرے مالک کے یہاں تو دو گاؤں ہیں' بس اسی وقت دل پر ایک تیر لگا اور سوچا کہ اے نفس جس کے مالک کے یہاں دو گاؤں ہیں وہ تو بے فکر اور تیرے مالک کے قبضہ میں تو زمین و آسمان سارا جہان ہے' پھر تو کیوں پریشان ہے' پس اسی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔

دنیادار کسی کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا

آج کل دنیا کمانے اور رات دن اسی دھن میں رہنے کو ترقی اور بلند ہمتی سمجھتے ہیں اور بے فکری اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کو کم ہمتی کہتے ہیں اور طرہ یہ کہ اپنے کو قوم کا خیر خواہ بھی بتاتے ہیں جو شخص رات دن نفسانی خواہشوں میں مشغول رہتا ہے اور سوائے دنیا کمانے کے اور کوئی مشغلہ نہیں وہ دوسرے کی خیر خواہی کیا کر سکتا ہے' حقیقت میں خیر خواہ انبیاء علیہم السلام اور

بزرگان دین ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ، آپ ﷺ جورات دن ان کی فکر میں گھلتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی فکر میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے آپ ﷺ اپنی جان کو ہلاک کردیں گے۔ یہ آپ ﷺ کی خیر خواہی کی شان تھی۔

حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی شفقت اور تواضع کا عجیب قصہ

شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ حضرت فلاں شخص کے نام ایک رقعہ لکھ دیجئے اس سے میرا ایک کام ہے آپ کا رقعہ دیکھنے سے وہ کردے گا' وہ شخص حضرت کا بہت مخالف تھا' مگر خوش خلقی سے رقعہ لکھ دیا اس نے جا کر اس شخص کو دیا اس نے اس رقعہ کی بتی بنا کر واپس کردی اور یہ کہا کہ شاہ صاحب سے کہہ دینا کہ اس بتی کو اپنے فلاں مقام میں رکھ لو اس شخص نے اسی طرح آ کر حضرت سے کہہ دیا کہ وہ تو یوں کہتا ہے' شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی اگر تیرا اس سے کام چلتا تو مجھے ایسا کرنے میں بھی انکار نہ تھا' یہ جواب اس شخص نے سنا وہ اس کو سن کر تڑپ گیا اور اس قدر اس پر اثر پڑا کہ اس نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آ کر معافی چاہی اور اس کو ہدایت ہوگئی' دس برس کے مجاہدہ میں بھی وہ بات نہ ہوتی جو شاہ صاحب کے اس کلمہ میں ہوگئی' اب بتلایئے کہ ایسی خیر خواہی اور نفع رسانی آج کل کس میں ہے' آج کل ترقی کا دم بھرنے والے اس کو کم ہمتی کہتے ہیں' ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو' انہوں نے فرمایا کہ یہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم اس کے مہمان ہیں اور حدیث میں ہے کہ مہمانی تین دن کرنی چاہیے اور اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار برس کا ہے پس تین ہزار برس تک تو اللہ تعالیٰ کے یہاں دعوت ہے' پھر اس کے بعد آ کر پوچھنا کہ کہاں سے کھاتے ہو۔

میرا مطلب ان حکایات سے یہ نہیں ہے کہ روپیہ نہ کماؤ اور جاگیر اور گھر لٹادو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس میں کھپ مت جاؤ بلکہ ضرورت پر نظر رکھو اور ایسی عادتیں ڈالو جیسے کہ بزرگوں میں تھیں اور مال جمع کرنے کو میں منع نہیں کرتا بلکہ بعض بزرگ روپیہ بہت رکھتے تھے مگر وہ اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ خدا کی مخلوق کو نفع پہنچانے کی غرض سے جیسے کہ خزانچی اور تحصیلدار ہوتا ہے یہ حضرات بھی اسی طرح سے روپیہ رکھتے ہیں اور بغیر اجازت خداوندی کے کچھ خرچ

نہیں کرتے جیسے سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت دی گئی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی اور یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی ملی لیکن حالت کیا تھی کہ جب مصر میں قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے اور اگر بزرگوں میں سے بھی کوئی اچھا کھاتا پہنتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی رضامندی کے لیے مثلاً ایک شخص ہے اس کو یہ معلوم ہوا کہ مجھے مخلوق کو ہدایت کرنی ہو گی اس لیے اس نے وعظ کا اور پڑھانے کا مثلاً سلسلہ شروع کیا سو اگر وہ گھی دودھ اور طاقتور غذاؤں کا کھانا چھوڑ دے تو دماغ میں خشکی آئے گی اور کچھ کام اس سے نہ ہو سکے گا اور اگر دماغ کی حفاظت کرے گا تو سب کام ہو سکیں گے یہ نفس بطور مزدور کے ہے اور یہ دماغ سرکاری مشین ہے اگر اس کو مزدوری ملتی رہی اور مرمت ہوتی رہے تو کام دیتا رہے گا۔

نفس کو آرام دیا جائے تو اس سے دین کا کام لینے کے لیے

پس اگر نفس کی خدمت کی جائے تو سرکاری کام لینے کی غرض سے کی جائے نہ کہ صرف آرام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور فرماتے ہیں کہ قوی مسلمان کمزور مسلمان سے بہتر ہے' یہ سب کچھ جب ہے جبکہ نفس کو آرام دے کر اس سے دین کا کام لو' اور بعض بزرگوں کے متعلق یہ کام نہیں ہوتا انہیں اپنے ہی نفس کے درست کرنے کی فکر ہوتی ہے اس وجہ سے وہ اچھا کھانا پہننا نہیں اختیار کرتے بلکہ کسی قسم کی بدنامی سے بھی نہیں ڈرتے انہیں اپنے کام سے کام ہوتا ہے دوسروں سے کچھ غرض نہیں ہوتی' غرض اولیاء اللہ مختلف رنگ کے ہوتے ہیں یہ سرکاری گلدستہ ہے کہ اس میں گلاب بھی ہے چمبیلی بھی ہے' حاصل یہ کہ جس کی ایسی حالت ہو انصاف کیجیے کہ اس کو کیا کبھی پریشانی ہو سکتی ہے ہرگز نہیں وہ تو ہر وقت چین سے رہے گا' اگر کوئی کہے کہ ہم نے انبیاء کی حکایتیں سنی ہیں کہ ان کو غم ہوئے ہیں' یعقوب علیہ السلام نے مدت تک یوسف علیہ السلام کی جدائی میں رنجیدہ اور غمگین رہے' ایوب علیہ السلام نے سخت مصیبتیں اٹھائیں' یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے بڑی بڑی تکلیفیں سہیں' جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو تکلیفیں ہوئیں لیکن پریشانی نہیں ہوئی' غم اور چیز ہے' اور پریشانی اور چیز' کیونکہ غم بزرگی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اکثر بزرگوں کو ہوا کرتا ہے جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا' پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ

تعالیٰ کا بھی حق ادا کیا اور اولاد کا بھی کیونکہ صبر کر کے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا اور رنج کر کے اولاد کا پس اللہ والوں کو جو رنج دیا جاتا ہے اس میں یہی مصلحت ہوتی ہے کہ صبر کا ثواب حاصل کریں اس لئے کہ صبر بدون رنج کے ہو نہیں سکتا' خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کو خواہ مصیبت ہو رنج ہو فقر و فاقہ ہو یہ ہر وقت خوش ہیں' دیکھئے اگر کچھ مرض ہوتا ہے تو اس سے اچھے ہونے کے لیے کڑوی دعائیں خوشی خوشی پی جاتی ہیں حالانکہ کڑوی دوا طبیعت کے خلاف ہوتی ہے' مگر تندرستی کے خیال سے اس میں بھی ایک قسم کی خوشی ہوتی ہے کہ اب مرض جاتا رہے گا' اسی طرح ان حضرات کو چونکہ اللہ پاک کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس لئے ان کی ملاقات کے انتظار میں سب تکلیفیں خوشی سے جھیلتے ہیں' دنیا میں دیکھ لیجئے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو کہ فلاں وقت وہ ہم سے ملے گا تو اس وقت کے انتظار میں سب بلائیں جھیلنی اس کو آسان ہوتی ہیں' یہ انتظار کہ خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہوں گے یا اس وقت ہم سے خوش ہیں اس کی ایسی خوشی ہوتی ہے کہ سب مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں' یہ سب محبت کی برکت ہے۔

بزرگوں کے حال جدا جدا ہیں

غرض انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ میں بھی ہر ایک کا جدا رنگ ہے اور ان کے لیے وہی رنگ مناسب ہے' بعضے روپیہ پیسہ سے اس لیے گھبراتے ہیں کہ میاں کون جھگڑے میں پڑے ہم سے حقوق ادا نہ ہوں گے' زکوٰۃ صدقہ فطر قربانی وغیرہ وغیرہ سینکڑوں حق ہیں یہ بڑا قصہ ہے ایسے لوگوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ ان کو کچھ نہیں دیتے اور ہمیشہ وہ مفلس رہتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ادھم کہ انہوں نے بادشاہت چھوڑ دی اور جیسے کہ حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ ہمیشہ فقر و فاقہ میں گزر ہوتی تھی۔

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب قصہ

ایک روز کا قصہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کے پیر و مرشد تشریف لائے حضرت مکان پر تشریف نہ رکھتے تھے آپ کی بی بی تھیں انہوں نے بہت تعظیم سے پیر کو

ٹھہرایا لیکن موافق عادت کے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس روز بھی کچھ کھانے پینے کو نہ تھا' بی بی نے پڑوس میں سے آٹا ادھار مانگنے کے لیے خادمہ کو بھیجا' پڑوسیوں نے ادھار بھی نہ دیا کہ ان کو ادھار دے کر کہاں سے لیں گے۔ پیر صاحب خادمہ کو برابر آتا جاتا دیکھ کر عقلمندی سے سمجھ گئے' پوچھا کہ کس فکر میں ہو بی بی نے سمجھا کہ ان سے کیا چھپانا' واقعی یہ حضرات خدا کے نائب ہوتے ہیں' ان سے اپنا کوئی حال چھپانا نہ چاہیے بی بی نے صاف کہہ دیا کہ حضرت آج ہمارے یہاں کچھ نہیں ہے' پیر صاحب نے ایک روپیہ دیا اور فرمایا کہ اس روپیہ کا اناج لاؤ اور ہمارے پاس لانا چنانچہ غلہ حضرت پیر و مرشد کے پاس لایا گیا حضرت نے ایک تعویذ لکھ کر غلہ میں دبا دیا اور یہ فرمایا کہ اس تعویذ کو مت نکالنا پیر صاحب تو رخصت ہوئے اب روزمرہ اس میں سے غلہ نکالا جاتا تھا اور وہ کم نہ ہوتا تھا' کئی روز ہو گئے کہ صبح و شام کھانا ملنے لگا یہ دیکھ کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہائیں یہ کیا بات ہے کئی روز ہوئے کوئی فاقہ نہیں ہوا' بی بی نے کہا کہ پیر صاحب تعویذ دے گئے تھے اس کی برکت ہے' فرمایا ہم فاقہ کسی مجبوری سے نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیں فاقہ ہی پسند ہے لیکن گھبرائے کہ تعویذ اگر نکالے لیتا ہوں تو پیر کے تعویذ کی بے ادبی ہے اور اگر نہیں نکالتا تو فاقہ ہاتھ سے جاتا ہے آپ نے سوچ سمجھ کر فرمایا کہ اناج میرے پاس لاؤ' آپ کے پاس لایا گیا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے پیر کے تعویذ کو اپنے سر پر باندھوں گا تاکہ میرے اندر برکت ہو اناج سے زیادہ حق میرا ہے اناج کو کیا حق ہے کہ میرے پیر کا تعویذ اس میں رہے پس آپ نے تعویذ نکال کر تو اپنے سر پر باندھا اور اناج کے لیے حکم دیا کہ غریبوں کو بانٹ دو شام کو پھر فاقہ ہوا' آپ نے خدا کا شکر کیا اور بعضوں کو جانتے ہیں کہ اگر ان کو نہ ملے گا تو پریشان ہوں گے یا جانتے ہیں کہ یہ مال کے حق ادا کر سکیں گے تو ان کو خوب دیتے ہیں غرض کہ سب اللہ والوں کا حال ایک سا نہیں مگر جو جس حال میں ہے اس میں خوش ہے۔

بزرگی حاصل کرنا آسان ہے اور اس میں عوام کی غلط فہمی

مگر ہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مرتبہ کس کو حاصل ہو سکتا ہے ہم لوگ تو دنیادار ہیں' سینکڑوں طرح کے جھگڑے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں سو یہ شیطانی خیال ہے یوں سمجھ رکھا ہے کہ

جب تک تمام کاروبار دنیا کے چھوڑ کر حجرہ میں بیٹھ کر تسبیح نہ ہلائیں اس وقت تک یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ہر شخص کے لیے جداگانہ طریق ہے اگر اس مقام پر ہر ایک کی تفصیل بیان کی جائے تو اس کے لیے بڑا وقت چاہیے اور پھر بھی پورا بیان نہیں ہو سکتا۔

اعمال کی درستی کی نہایت مختصر اور عمدہ ترکیب:

ایک مختصر سی بات بتلاتا ہوں اور جھگڑے کی بات بالکل نہیں بتلاتا وہ یہ کہ پیر کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بے فکر ہو جاؤ اور اپنے کو بالکل اس کے سپرد کر دو اور اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دو جو طریقہ وہ بتائے اس پر عمل کرو خدا نے چاہا تو ضرور کامیاب ہو گئے ایک چیونٹی کو آرزو تھی کہ خانہ کعبہ پہنچے لیکن اپنی عاجزی اور کمزوری کو دیکھ کر نا امید ہوگئی تھی اتفاقیہ جنگل میں تھی وہیں پر کعبہ شریف کا کبوتر آ گیا وہ چیونٹی اس کے پاؤں کو لپٹ گئی کبوتر اڑ کر کعبہ شریف میں جا پہنچا' چیونٹی نے جو آنکھ کھولی تو دیکھا کہ خانہ کعبہ سامنے ہے' تو صاحبو! اسی طرح ہم اگرچہ ضعیف ہیں لیکن بزرگوں کا دامن اگر پکڑ لیں گے تو ہرگز محروم نہ رہیں گے اسی واسطے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یعنی رہو تم سچوں کے ساتھ بس اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اب دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

تمت

✿✿✿

بزرگوں کی محبت مفتاح طریق ہے

فرمایا کہ بزرگوں کی محبت سے اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے، یہ بھی کافی ہے اور مفتاحِ طریق ہے۔

(از ماثر حکیم الامت)

(۷) اصلاح کا آسان طریق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا○

(ترجمہ) ''اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور بات ٹھیک کہو (پس) درست کر دیں گے (اللہ تعالیٰ) عمل تمہارے اور بخش دیں گے گناہ تمہارے اور جو شخص تابعداری کرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پس پائے گا وہ بڑی مراد۔

اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں

آدمی جو کام کرتا ہے آرام یا تکلیف دور کرنے کے لیے

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بات بڑے کام کی بتلائی ہے جو کہ نہایت ہی فائدہ مند ہے بیان اس کا یہ ہے کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے وہ یا تو آپنے آرام کے لیے کرتا ہے یا تکلیف سے بچنے کے لیے مثلاً کھانا کھاتا ہے لذت اور مزہ کے لیے دوا پیتا ہے بیماری سے اچھا ہونے کے واسطے، نوکری کرتا ہے روپیہ کمانے کے لیے مکان بناتا ہے سردی گرمی سے

بچنے کے لیے' خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر بات ہے کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے' وہ آرام کے لیے کرتا ہے یا تکلیف سے بچنے کے لیے سب لوگ اس کو جانتے ہیں کسی کو اس سے انکار نہیں البتہ اس میں لوگوں کا جدا جدا خیال ہے کہ کس کام سے آرام پہنچتا ہے اور کس کام سے تکلیف دور ہو سکتی ہے اور کس کام سے نہیں' ہر ایک نے اپنی اپنی رائے سے جدا جدا کاموں کے متعلق یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کام سے آرام حاصل ہوگا اور اس کام سے تکلیف سے بچیں گے اسی وجہ سے کوئی کچھ کام کرتا ہے اور کوئی کچھ ورنہ مطلب سب کا ایک ہے' بعض لوگ کوشش کرتے ہیں کہ تھانہ داری یا تحصیلداری یا ڈپٹی کلکٹری مل جائے اس خیال سے کہ اس میں ہماری خوب عزت ہوگی اور ہم بڑے آدمی ہو جائیں گے اور بعض لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں یہ عہدہ نہ ملے کیونکہ تھانہ دار یا تحصیلدار یا ڈپٹی ہو گئے تو غریبوں پر ظلم کرنا پڑے گا سو دیکھو کہ بعضوں پر تو یہ زور دیا جاتا ہے کہ حکومت کی نوکری قبول کرو اور اسی ڈر سے قبول نہیں کرتے' ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے سلطنت حاصل کرنے کے لیے ہزاروں آدمیوں کا خون کر ڈالا اور ایک وہ تھے کہ بادشاہت سے بھاگتے تھے وجہ اس کی یہی ہے کہ کوئی اس میں نفع سمجھتا ہے اور کوئی نقصان جس نے اس میں نفع سمجھا اس نے حاصل کرنے کی کوشش کی جس نے نقصان سمجھا اس نے اس سے بچنے کی کوشش کی۔

کون سا نفع حاصل کرنے کے لائق زیادہ ہے

پس اب فیصلہ کرنا ضروری ہوا کہ کون سا نفع قابل حاصل کرنے کے ہے اور کون سی تکلیف بچنے کے لائق ہے تو غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حاصل کرنے کے لائق وہ نفع اور وہ آرام ہے' جس میں دو خوبیاں ہوں ایک تو یہ کہ آرام اور نفع زیادہ دنوں تک باقی رہے' دوسرے یہ کہ اس نفع کے ساتھ کوئی نقصان بھی نہ ہو' چنانچہ دیکھ لیجئے اگر چیز کا نفع چار سال تک باقی رہے اور دوسری چیز کا آٹھ سال تک تو ہر سمجھدار دوسری ہی کو پسند کرے گا اور اسی کو اختیار کرے گا' مثلاً دو مکان ہوں ایک بڑا عالی شان اور خوبصورت ہو اور دوسرا چھوٹا اور بدصورت ہو اور کسی شخص سے کہا جائے کہ جونسا چاہو ان میں سے پسند کر لو لیکن اگر بڑا

پسند کیا تو چار پانچ دن کے بعد خالی کرنا پڑے گا' اور اگر چھوٹا مکان پسند کیا تو اس میں یہ بات ہے کہ وہ کبھی خالی نہ کرنا پڑے گا' اور ہمیشہ کے لیے تم کو دے دیا جائے گا' اب جونسا چاہو لے لو' تو ظاہر ہے کہ ہر سمجھدار آدمی اس چھوٹے ہی مکان کو پسند کرے گا' تو بس معلوم ہوا کہ جس چیز کا نفع جتنی مدت زیادہ رہے گا اتنی ہی وہ چیز زیادہ قدر کے قابل ہوگی' اسی طرح اگر وہ مکان عالیشان جیسے ظاہر میں خوبصورت ہے ایسے ہی اگر اس میں کسی طرح کی تکلیف بھی ہو مثلاً اس مکان کا پڑوسی اچھا نہ ہو یا اور کسی طرح کا اندیشہ اور خوف ہو اور چھوٹے مکان میں اس طرح کی کوئی تکلیف نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ چھوٹا ہی مکان پسند ہوگا' پس معلوم ہوا کہ وہ نفع زیادہ قدر کے قابل ہے جس کے ساتھ کوئی تکلیف نہ ہو' اسی طرح تکلیفوں میں بھی اس تکلیف کے دور کرنے کا زیادہ خیال ہوتا ہے جو مدت تک باقی رہے' دیکھو اگر سفر میں آدمی کسی مکان میں دو چار دن کے لئے ٹھہرتا ہے تو اس مکان میں اگر کچھ تکلیف بھی ہو تو اس کے دور کرنے کی زیادہ فکر نہیں کرتا کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہاں رہنا ہی کتنے دن ہوگا' دو چار دن کے بعد چلا جاؤں گا اور ایک ہوتا ہے اپنے وطن کا مکان اس میں اگر کسی قسم کی تکلیف ہو تو اس تکلیف کے دور کرنے کی بہت فکر ہوتی ہے کیونکہ وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

کونسی تکلیف زیادہ دور کرنے کے قابل ہے

تو معلوم ہو گیا کہ جو تکلیف زیادہ مدت تک رہے اس کے دور کرنے کی زیادہ فکر ہوتی ہے اسی طرح جو نری تکلیف ہی تکلیف ہو اور اس میں نفع کچھ نہ ہو تو اس کے دور کرنے کا بھی زیادہ خیال ہوتا ہے اور اگر کسی تکلیف میں کچھ نفع بھی ہو مثلاً کسی سے کہا جائے کہ تم چار دن کے لیے دھوپ میں سفر کر لو تو تم کو عمر بھر آرام ملے گا تو ظاہر ہے کہ ہر سمجھدار اس چار دن کی تکلیف کو خوشی سے اٹھا لے گا' کیونکہ جہاں تھوڑی سی تکلیف ہے وہاں یہ نفع بھی ہے کہ عمر بھر چین سے گزرے گی' بس اب دیکھ لیجئے کہ دنیا کے جتنے بھی نفع اور آرام ہیں' کوئی بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں' مگر آخرت کے عیش و آرام سب ایسے ہیں جو

ہمیشہ باقی رہیں گے۔

دنیا کا کوئی آرام تکلیف سے خالی نہیں!

دوسرے یہ بھی سمجھ لو کہ دنیا کا کیسا ہی بڑے سے بڑا آرام کیوں نہ ہو مگر تکلیف سے خالی نہیں' مثلاً کھانے ہی کو دیکھ لو کہ اول تو ملتا ہی کس مصیبت سے ہے کہ اس کے لئے کھیتی کا سامان اکٹھا کرنا پڑتا ہے اس کے بعد بوتے ہیں سینچتے ہیں رکھوالی کرتے ہیں پھر کاٹتے ہیں گاہتے ہیں بھوسہ اڑاتے ہیں پیستے ہیں پکاتے ہیں اتنی تکلیفوں کے بعد تو کھانا میسر ہوا پھر بھی بہت دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ ادھر کھانے بیٹھے ادھر کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے سارا مزہ ہی جاتا رہا کبھی روٹی کا ٹکڑا گلے میں اٹک گیا' کبھی کسی عزیز وقریب کے مرنے کی خبر آ گئی یا اور کوئی ایسی ہی فکر کی بات سن لی تو سب کھانا پکا پکایا بے مزہ ہو گیا یا اگر کھا بھی لیا تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہضم نہیں ہوتا' قبض ہو گیا یا دست آنے لگے' ظاہر میں دنیا کے اندر بادشاہوں اور امیروں کے عیش و آرام سے بڑھ کر کسی کا عیش و آرام نہیں لیکن ان کو سب سے زیادہ پریشانیاں ہیں بعض دفعہ بادشاہوں اور امیروں کو پریشانی کی وجہ سے رات کو نیند بھی نہیں آتی' پھر اولاد کی راحت کو دیکھو تو وہ بھی پریشانی سے خالی نہیں کہ بڑی بڑی تمناؤں کے بعد تو اولاد پیدا ہوتی ہے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر پالتے ہیں پھر اکثر اولاد مرضی کے موافق نہیں ہوتی ماں باپ کو سینکڑوں طرح کی ان سے تکلیفیں پہنچتی ہیں' غرض دنیا کے جس آرام کو ہم دیکھتے ہیں تکلیف سے خالی نہیں پاتے جس آرام کو دیکھو اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور موجود ہے مگر آخرت کے جتنے بھی آرام ہیں سب کے سب پریشانی سے بالکل پاک صاف ہیں کسی تکلیف کا ان میں ذرا میل نہیں' اسی لیے فرماتے ہیں کہ جن آراموں کو تمہارا جی چاہے گا جنت میں وہ سب ہوں گے اور فرماتے ہیں کہ (جنت والوں کو) نہ کسی قسم کی تکلیف پہنچے گی اور نہ کبھی کوئی تھکن ہوگی' غرض یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ دنیا کے آرام نہ تو ہمیشہ رہنے والے ہیں اور نہ تکلیف ہی سے خالی ہیں۔

جنت کے سب عیش و آرام ہمیشہ رہیں گے:

اور جنت کے آرام ہمیشہ رہنے والے ہیں اور تکلیفوں سے بالکل پاک صاف ہیں اب دنیا کی تکلیفوں کو بھی دیکھ لیجئے' کہ جو تکلیف بھی ہے ایک دن ختم ہونے والی ہے' گو کیسی ہی سخت سے سخت تکلیف کیوں نہ ہو۔

دنیا کی سب تکلیفیں ختم ہونے والی ہیں:

اگر کسی کو بیماری ہے اول تو دنیا ہی میں صحت ہو جاتی ہے ورنہ مر کر تو تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو ہی جاتا ہے اسی طرح اگر کسی کو تنگدستی یا اور کوئی رنج و غم ہوتا ہے تو سب ایک نہ ایک دن ختم ہو ہی جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ دنیا کی تکلیفیں باقی نہیں رہتیں' اسی طرح دنیا کی جو تکلیف بھی ہے نفع سے خالی نہیں' بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں سینکڑوں طرح کے فائدے بھی ہوتے ہیں دنیا کے بھی اور دین کے بھی۔

دنیا کی تکلیفوں میں کچھ نہ کچھ نفع بھی ہے.

مثلاً ایک شخص بیمار رہتا ہے تو دنیا کا یہ فائدہ ہے کہ اگر تندرست رہتا تو خدا جانے کیا کیا فساد کرتا اور اس کے سبب سے یہ بے آبرو ہوتا' جیل خانہ جاتا اور ظاہر ہے کہ ہر سمجھ دار کو آبرو جان سے زیادہ عزیز ہے اور دین کا نفع تو بہت ہی ظاہر ہے کہ بیماری اور تکلیف سے گناہ معاف ہوتے ہیں خلاصہ یہ کہ دنیا کی تکلیف فنا ہونے والی بھی ہے اور نفع سے خالی بھی نہیں ہے بلکہ کچھ نہ کچھ اس کے اندر نفع ضرور ہوتا ہے بخلاف آخرت کی تکلیفوں کے کہ وہ باقی بھی رہنے والی ہیں کسی طرح ختم نہ ہوگی اور ان میں ہر طرح سے تکلیف ہی تکلیف ہے کسی طرح کا ان میں نفع نہیں پس اب آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کونسا آرام حاصل کرنے کے قابل ہے۔

حاصل کرنے کے قابل آخرت کا آرام ہے:

سو ظاہر ہے کہ ہر مسلمان (جو کہ اللہ اور رسول ﷺ کو سچا جانتا ہے) اس سوال کا یہی جواب دے گا کہ آخرت کا آرام حاصل کرنے کے قابل ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ

آخرت کا آرام تو ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کے ساتھ کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں اور دنیا کا آرام فنا ہونے والا ہے اور اس کے ساتھ ہی تکلیفیں بھی موجود ہیں' اسی طرح دنیا اور آخرت کی تکلیف ہمیشہ رہنے والی ہے اور ہر طرح سے تکلیف ہی تکلیف ہے کوئی اس کے اندر نفع نہیں اور دنیا کی تکلیف ختم ہونے والی ہے اور اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ نفع بھی ہے پس ہر عقلمند فیصلہ کرسکتا ہے کہ آخرت کی تکلیف کے سامنے دنیا کی تکلیف کی کچھ بھی حقیقت نہیں کہ اس کے دفع کرنے کا خیال کیا جائے اور آخرت کی تکلیف سے بچنے کا خیال نہ کیا جائے اور جان سکتا ہے کہ زیادہ بچنے کے قابل آخرت ہی کی تکلیف ہے۔

کس طریقہ سے آخرت کے آرام حاصل ہو سکتے ہیں اور اس کی تکلیفوں سے بچ سکتے ہیں

جبکہ معلوم ہو گیا کہ زیادہ تر لائق حاصل کرنے کے آخرت کے آرام ہیں اور زیادہ تر بچنے کے قابل آخرث کی تکلیفیں ہیں تو اب سمجھنا چاہیے کہ آخرت کے آرام کس طریقہ سے حاصل ہو سکتے ہیں اور آخرت کی تکلیفوں سے کس طرح بچ سکتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ آخرت کا نفع جنت ہے اور وہ نیک کام کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے اور آخرت کی تکلیف دوزخ ہے اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچا جائے۔ خلاصہ یہ کہ اچھے کاموں کو اختیار کیا جائے اور گناہوں سے پرہیز کیا جائے اور جو گناہ ہو چکے ہوں ان سے توبہ کی جائے لیکن افسوس ہے کہ آج کل نیک کام کرنا لوگوں پر بہت ہی بھاری ہو گیا ہے چنانچہ جو ان میں سے بہت بڑے ضروری ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ دیکھا جاتا ہے کہ ان سب کے اندر بھی بے حد سستی کی جاتی ہے بلکہ ان کو مصیبت سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اخبار میں بھی چھاپ دیا گیا کہ نماز نے ترقی کو روک دیا کیونکہ کافر لوگ یہ سن کر کہ مسلمان ہو کر پانچ وقت کی نماز پڑھنی پڑے گی اسلام سے رک جاتے ہیں اس لیے اس کو اسلام سے خارج کر دیا جائے تو اسلام کی خوب ترقی ہوگی' خدا کی پناہ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ جس اسلام میں نماز نہیں وہ کیا اسلام ہوا' اس بے ہودہ رائے سے معلوم ہوا کہ ان بیوقوفوں پر نماز بہت ہی بھاری ہے دیوبند کے

مدرسے میں ایک شخص پڑھنے آئے وہ نماز کے پابند نہ تھے مگر مدرسہ دیوبند میں نماز کی بہت پابندی ہوتی ہے' وہ یہ پابندی دیکھ کر گھبرائے کیونکہ جب سب طالب علم نماز پڑھنے جاتے تو انہیں بھی پکڑ کر لے جاتے' ایک روز دق ہو کر کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں گئے تھے تو وہاں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں پھر کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تھیں مگر دیوبند میں معلوم ہوتا ہے کہ پچاس کی پچاس اب تک باقی ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک نماز بہت ہی بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جو عاجزی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں' اسی واسطے میں تو نمازی کو ولی سمجھتا ہوں' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہے کہ اس سے نماز پابندی کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے' اسی طرح روزہ کو بھی بہت دشوار سمجھتے ہیں' کانپور میں ایک شخص تھے انہوں نے کبھی روزہ ہی نہیں رکھا تھا' میں نے ان سے کہا تو کہنے لگے کہ میں رکھ ہی نہیں سکتا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا' میں نے کہا امتحان کے لیے ایک تو رکھو چنانچہ رکھا اور پورا ہو گیا تب معلوم ہوا کہ یہ کتنا غلط خیال تھا کہ میں رکھ ہی نہیں سکتا۔

حج لوگوں پر بہت بھاری ہے:

بعض لوگ حج کا نام سن کر وہاں کی برائی بیان کرتے ہیں کہ وہاں بدو مار ڈالتے ہیں' لوٹ لیتے ہیں اور بعضے تو گئے بھی نہیں مگر اوروں سے سن کر وہ بھی برائی بیان کرتے ہیں' یہ سب کم ہمتی کی باتیں ہیں' میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں اس قسم کے واقع نہیں ہوتے بلکہ اگر وہاں کے مجمع پر نظر کی جائے تو حق یہ ہے کہ جس قدر واقعات ہونا چاہئیں ان سے بہت کم ہوتے ہیں' ہندوستان میں اگر اس کا دسواں حصہ بھی جمع ہو جاتا ہے تو بہتیرے واقعات ہو جاتے ہیں' ہم یہ نہیں کہتے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بدوؤں کو لوٹ مار حلال ہے اس لیے کہ وہ دائی حلیمہ سعدیہ کی اولاد ہیں یہ تو بالکل لچر بات ہے وہ اگر ایسا کرتے ہیں تو زیادہ گنہگار ہوتے ہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ ایسے واقعات سن کر حج سے رک جانا بڑی کم ہمتی کی بات ہے کیا ایسے واقعے یہاں نہیں ہوتے پھر مجھے بتلا دو کہ تم نے کون سا سفر موقوف کر دیا ہے اور دنیا کا کون سا کام چھوڑ دیا ہے' پھر یہ سارے بہانے حج ہی کے واسطے کیوں

سوجھتے ہیں اور تم اس کو بھی یاد رکھو کہ حج کا سفر تو عشق کا سفر ہے، عشق کے راستے میں تو سب کچھ تکلیفیں سہی جاتی ہیں اس میں تو کسی بات سے تکلیف نہ ہونا تعجب ہے، آخر دنیا کے محبوب سے ملنے کے لیے کیا کچھ تکلیفیں نہیں اٹھاتے پھر حقیقی محبوب کے لیے تو جو کچھ بھی تکلیفیں بھی سہی جائیں تھوڑی ہیں ایک بزرگ ایسے باہمت تھے کہ انہوں نے تینتیس حج کیے تھے، ایک شخص مولوی منظور احمد صاحب تھے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے مگر ہر سال حج کیا کرتے تھے اور حج کر کے مدینہ شریف لوٹ جاتے تھے۔

زکوٰۃ بھی لوگوں پر بہت دشوار ہے:

اسی طرح زکوٰۃ دیتے ہوئے بھی بعض لوگوں کی جان نکلتی ہے، چالیس ہزار میں سے جب ایک ہزار روپیہ نکلتا ہے تو ان کو گراں گزرتا ہے حالانکہ چالیسواں حصہ بہت ہی کم ہے پہلی امتوں پر چوتھائی حصہ مال کا فرض تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ ہم پر چالیسواں حصہ ہی فرض کیا گیا اور یہ بھی لوگوں پر بھاری ہے حاصل یہ کہ جتنے شرع کے حکم ہیں ان سب میں لوگوں کو گرانی ہوتی ہے جو کرنے کے کام ہیں ان میں گرانی ہو تو زیادہ تعجب نہیں لیکن جن کاموں سے روکا جاتا ہے ان میں بھی گرانی ہوتی ہے حالانکہ کرنے سے نہ کرنا آسان ہوتا ہے، ہر کام کے کرنے میں تو کچھ دشواری ہوتی بھی ہے لیکن چھوڑنے میں کیا دشواری ہے بلکہ اس میں آسانی ہونی چاہیے۔

غیبت سے نہیں بچتے حالانکہ اس میں کوئی مزہ بھی نہیں:

دیکھیے ایک بری عادت غیبت کی ہے کہ سوائے نقصان کے اس میں کچھ بھی نہیں، اور گناہوں میں تو کرنے والے کو کچھ لذت بھی ہوتی ہے اور اس میں تو کچھ لذت بھی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ہم لوگوں سے یہ عادت نہیں چھوٹتی، غرضیکہ شرع کے جتنے بھی حکم ہیں وہ سب کے سب لوگوں پر دشوار ہیں، بس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس مشقت اور اس الجھن کے مٹانے کے لیے طریقہ نہایت مختصر لفظوں میں بیان فرمایا ہے جس سے اچھے کام کرنا اور برے کام چھوڑنا آسان ہو جائیں۔

دل میں خدا کا خوف بٹھالو پھر سب کام آسانی سے ہوجائیں گے:

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بات ٹھیک کہو ان دونوں باتوں پر اگر پوری طرح عمل کرلیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے سب اعمال درست کردیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیں گے' حاصل یہ کہ آسانی کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں خدا تعالیٰ کا خوف بٹھالو کیونکہ اس سے دل ٹھیک ہوجائے گا اور زبان سے بے جابات نہ کہو اس سے امانت اور دیانت اور سچائی پیدا ہوگی اور دنیا و دین کی سب راحتیں حاصل ہوں گی' دشمنی عداوت اور فساد نہ پیدا ہوں گے پس جب دل اور زبان دونوں درست کرلو گے تو باقی کام خدا تعالیٰ خود ہی کردیں گے پھر تمہیں کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی' اب دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں چیزوں کو اعمال کے درست کرنے میں اور گناہوں کے موقوف ہوجانے میں دخل ہے یا نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا کا سارا جہاز اور تمام بکھیڑے سب کے سب دل ہی کے خیال پر چل رہے ہیں یہ پہاڑ کے برابر عمارتیں یہ ہرے بھرے باغ طرح طرح کے سامان سب کا انجن یہ دل کا خیال ہی ہے اسی واسطے تو حدیث میں آیا ہے ''کہ آدمی کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑہ ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔''

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ دل کے درست ہونے سے تمام عمل درست ہوجاتے ہیں تو دل کا درست کرنا نہایت ضروری ہوا' پس اب خیال کرنا چاہیے کہ دل کی درستی کس طرح ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دل کے متعلق بہت سے کام ہیں تو اگر حق تعالیٰ تمام کاموں کا ایک دم سے حکم دیتے یا فقط اتنا ہی فرمادیتے کہ اپنے دل کو درست کرلو اور اس کے درست کرنے کا طریقہ نہ بتلاتے تو اس صورت میں بھی نفس کو دشواری ہوتی کہ دل کو کس طرح درست کریں مگر اللہ تعالیٰ کی کس قدر رحمت ہے کہ دل کی درستگی کا حکم کرکے ساتھ ہی اس کے درست کرنے کی بھی ترکیب بتلادی اور نہایت آسان وہ یہ کہ صرف ہمارا خوف دل میں بٹھالو باقی سب ہم درست کردیں گے اور اس میں راز یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم کا ڈر اگر

دل میں بیٹھ جاتا ہے تو اس کے خلاف کرنے پر ہمت نہیں ہوتی' اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کا خوف کسی کے دل پر بیٹھ جائے تو اس سے گناہ نہ ہوں گے اور اعمال کی بھی درستی ہو جائے گی۔ اور پچھلے گناہوں سے توبہ اور آئندہ نہ کرنے کا ارادہ بھی کرے گا' پس معلوم ہوا کہ دل کے درست ہونے سے جسے تقویٰ کہتے ہیں' اعمال بھی درست ہو جائیں گے اور گناہوں سے بھی چھٹکارا ہو جائے گا۔

خوف سے روکنے والی کیا چیزیں ہیں؟

اب اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ خوف سے روکنے والی کیا چیزیں ہیں کیونکہ جب تک ان سے نہ بچا جائے گا اس وقت تک خوف دل میں پیدا نہیں ہو سکتا' سو وہ دو چیزیں ہیں ایک تو ایمان نہ ہونا سو اس کے بارہ میں تو بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ یہاں پر سب لوگ ایمان ہی والے ہیں۔

شیطان نے لوگوں کو کاہل بنا رکھا ہے:

دوسرے یہ کہ شیطان نے لوگوں کو عام طور پر کاہل اور سست بنا رکھا ہے سب کو یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ میاں جو کچھ کرنا ہے کر لو اخیر عمر میں توبہ کر لیں گے اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے سب گناہ بخش دے گا' تو سن لیجئے کہ حق تعالیٰ بے شک غفور رحیم ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو پہلے کر چکے ہیں اور اب شرمندہ ہیں اور ان کو اس کا فکر لگا ہوا ہے کہ آئندہ کے لئے تو یہ تدبیر ہو گئی کہ گناہ نہ کریں گے لیکن پچھلے گناہوں کا کیا ہوگا تو اس کے لیے فرماتے ہیں کہ (پچھلے گناہوں کو) اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے پس بخشنے کا وعدہ تو پچھلے گناہوں کے لیے ہے آئندہ گناہ کرنے کی اجازت تو کہیں بھی نہیں دی آج کل لوگوں کو یہ بھی خبط ہو گیا ہے کہ اس بھروسہ پر کہ خدا تعالیٰ بخش دیں گے آئندہ کے لیے بھی گناہ کرنا نہیں چھوڑتے' یہ سراسر غلطی ہے۔

توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے:

یاد رکھو کہ توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے اور گناہ کی مثال آگ کی سی ہے' مرہم تو اس لیے

ہے کہ اگر کبھی غلطی سے جل جائے تو مرہم لگا دی جائے' اس لیے نہیں کہ مرہم کے بھروسہ پر آگ میں گھسا کریں' جس شخص کے پاس نمک سلیمانی یا چورن ہے اس کو یہ کب مناسب ہے کہ جان کر بہت سا کھایا کرے چورن تو اس واسطے ہے کہ اگر کبھی غلطی سے بہت کھا جائے تو اوپر سے نمک سلیمانی یا چورن کھالیا جائے اس سے ہضم ہو جائے گا اور جو اس بھروسہ پر جان جان کر بہت سا کھانے لگے تو ایک دن جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

جو شخص توبہ کے بھروسہ پر جان کر گناہ کرے تعجب نہیں جو ایمان بھی کھو بیٹھے

اسی طرح جو شخص توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرتا ہے کچھ تعجب نہیں کہ ایک دن ایمان کھو بیٹھے غرض کہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ بڑی بے وقوفی ہے۔

عمل درست کرنے کا طریقہ خوف ہے:

اس تمام بیان سے معلوم ہو گیا کہ عمل کے درست کرنے کا طریقہ فقط اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر لو بس اسی سے تمام عمل درست ہو جائیں گے' اگرچہ زبان کی درستی بھی اس میں آ گئی تھی مگر پھر بھی زبان کے درست کرنے کا علیحدہ حکم کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سوائے زبان کے انسان کے جتنے بھی اعضاء ہیں سب کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں زیادہ چلنے سے پاؤں تھک جاتے ہیں زیادہ کام کرنے سے ہاتھ تھک جاتا ہے زیادہ دیکھنے سے آنکھ دکھ جاتی ہے مگر یہ زبان بولنے سے نہیں تھکتی اگر لاکھ برس تک بک بک کرے تو ہرگز نہ تھکے گی یہ بات دوسری ہے کہ زیادہ بولنے سے دل کے اندر بے رونقی سی پیدا ہو کر بولنے سے نفرت ہو جائے لیکن زبان کو کوئی تھکن نہ ہوگی۔

زبان کے گناہ سب اعضاء کے گناہوں سے زیادہ ہیں:

جب اس کی ایسی حالت ہے کہ بولنے سے تھکتی ہی نہیں تو اس کے گناہ بھی اعضاء کے گناہوں سے زیادہ ہوں گے اس وجہ سے زبان کے درست کرنے کا خاص طور پر حکم کیا اور اس کے درست کرنے کے لیے خبردار کیا' دوسری یہ وجہ بھی ہے کہ جیسے دل کے درست ہونے

سے تمام عمل اچھے ہو جاتے ہیں اسی طرح زبان کے درست ہونے سے ظاہر کے سب اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ درست ہو جاتے ہیں۔ جو شخص چپ ہو کر بیٹھ جائے اس کے ہاتھ سے نہ کسی پر ظلم ہو گا نہ کسی پر زیادتی کرے گا نہ کسی سے لڑائی ہو گی نہ تکرار ہو گا' اس لیے کہ زبان چلانے ہی سے ہاتھ پاؤں تک نوبت پہنچتی ہے۔

ہر صبح کو تمام اعضاء انسان کے زبان کو قسم دلاتے ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سب اعضا یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے زبان ہمارے بارہ میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں پس اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے خلاصہ یہ کہ ہمارے ذمہ دو کام ہوئے ایک خدا کا خوف دوسرے زبان کی درستی۔ بس اس سے سب عمل درست ہو جائیں گے اور گناہ سے بچ سکیں گے۔

خوف پیدا کرنے کا نہایت عجیب طریقہ:

اب میں آپ کو خوف کے دل پر بٹھانے کا طریقہ بھی بتلاتا ہوں اور وہ طریقہ ایک گر ہے اور میرے تمام وعظ کا خلاصہ ہے اور وہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے بیان فرمایا ہے یعنی آدمی کو سوچ لینا چاہیے کہ کل کے لیے کیا تیار کیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ آخرت کی فکر کیا کرو اور ایسا کرو کہ ایک وقت مقرر کر لو مثلاً سوتے وقت روزمرہ بلاناغہ بیٹھ کر سوچا کرو کہ قیامت کیا چیز ہے اور مر کر ہم کو کیا پیش آنے والا ہے' مرنے سے لے کر جنت میں پہنچنے تک کیا کیا حال ہوں گے اور سوچا کرو کہ ایک دن وہ آئے گا کہ میرا اس ناپائیدار دنیا سے کوچ ہو گا' سب سامان مال اسباب باغ نوکر چاکر اولاد بیٹا بیٹی' ماں باپ بھائی بہن دوست دشمن سب یہیں رہ جائیں گے' میں اکیلا بے یار و مددگار سب کو چھوڑ کر قبر کے گڑھے میں جا لیٹوں گا اور وہاں دو فرشتے آئیں گے اگر میرے عمل اچھے ہوں گے تو اچھی صورت میں ورنہ (خدا نہ کرے) ڈراؤنی صورت میں نہایت خوفناک اور ڈراؤنی آواز سے آ کر

سوال کریں گے اور کچھ پوچھیں گے، پس اے نفس اس وقت تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا تیرے عمل ہی وہاں کام آئیں گے اگر سب باتوں کے جواب ٹھیک دیئے گئے تو سبحان اللہ پھر کیا کہنا جنت کی طرف کھڑکی کھل جائے گی اور اگر (خدا نہ کرے خدا نہ کرے) ٹھیک جواب نہ دیئے گئے تو وہ قبر آگ سے بھر جائے گی اس کے بعد تو قیامت میں قبر سے اٹھایا جائے گا اور نامۂ اعمال ہاتھ میں دیئے جائیں گے جس میں تیرے سب اچھے برے عمل لکھے ہوں گے، تمام عمر بھر کا حساب دینا پڑے گا، پل صراط پر چلنا ہوگا۔ اے نفس تو کس دھوکہ میں ہے، ان سب باتوں پر تیرا ایمان ہے اور یقینی جانتا ہے کہ سب کچھ ہو کر رہے گا، پھر کیوں غفلت کرتا ہے اور بے خبر بنا جاتا ہے اور کس وجہ سے گناہوں پر دیدہ دلیری کرتا ہے کیا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اے نفس تو ہی اپنی بھلائی کی فکر کر اگر تو اپنی فکر نہ کرے گا تو بتا تجھ سے زیادہ تیرا کون خیر خواہ ہے، اسی طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزمرہ سوچا کرے کہ مرنے کے بعد ہم پر کیا کیا حال گذریں گے۔ میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں کہ خدا نے چاہا تو دو چار ہی روز میں دیکھ لو گے کہ خوف پیدا ہو گیا اور خوف پیدا ہوتے ہی آپ کو پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کی فکر ہوگی اور آئندہ کے لیے نیک کام کرنے آسان ہو جائیں گے۔

خدا اور رسول ﷺ سے محبت کرنے کا طریقہ:

اس سے آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ اور رسول کی تابعداری کی وہ بے شک بڑی مراد کو پہنچا، یعنی جو شخص خوشی سے تابعداری کرے گا اس کو یہ دولت ملے گی اور خوشی سے کہنا ماننا اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا، جب تک خدا اور رسول سے محبت نہ ہو اس وقت تک خوشی سے تابعداری نہیں ہو سکتی۔ خوشی سے جب ہی ہوگی جبکہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ان کی نعمتوں اور مہربانیوں کو یاد کرو اس کے لیے بھی ایک وقت مقرر کر لو اور روزمرہ سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر مہربانیاں ہیں دو چار ہی دن کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت میں ڈوبے ہوئے ہو سر سے پیر تک عنایت ہی عنایت نظر آئے گی اور جناب رسول ﷺ سے

محبت کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو ہمارے لیے تکلیفیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت اور مہربانی کی۔ اس کو سوچا کرو جب محبت ہو جائے گی تو تابعداری بھی خوشی سے ہوگی۔ پس ادھر خوف ہوگا' ادھر محبت ہوگی۔ دونوں مل کر آپکے دین اور دنیا دونوں کو درست کر دیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے کہ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشیں۔ فقط

تمت

(۸)عشرہ اخیر کے احکام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلَّمْ۔

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ من الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

ترجمہ ”رمضان شریف کا مہینہ ایسا ہے کہ اس میں قرآن شریف اتارا گیا ہے جو کہ آدمیوں کے لئے ہدایت ہے اور دلیل ہے ہدایت کی جو کہ حق اور باطل میں تمیز دینے والی ہے۔“

رمضان شریف کے دس دن کی بزرگی:

• یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے رمضان کی ایک خوبی بیان کی ہے پہلے جمعہ میں رمضان شریف کے ضروری حق بیان ہو چکے ہیں آج کے وعظ میں صرف اخیر کے دس ہی دن کے حالات بیان ہوں گے گو اس آیت کو ظاہر میں اخیر کے دس دن سے کچھ تعلق نہیں لیکن سوچنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس آیت میں جو خوبی بیان ہوئی ہے وہ اصل میں ان ہی دس دنوں کی ہے سو اس آیت سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ رمضان میں

قرآن شریف اترا ہے لیکن ظاہر ہے کہ رمضان پورے تیس دن کا نام ہے اور اس آیت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان تیس دن میں سے کون سے حصہ میں اترا ہے لیکن اگر ہم اس کے ساتھ دوسری آیت کو بھی ملالیں تو دونوں کے ملانے سے وہ حصہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ جس میں کہ اتارا گیا ہے' سو دوسری آیت میں فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو شب قدر میں اتارا ہے پس ان دونوں آیتوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ قرآن شریف رمضان کی شب قدر میں اترا ہے اور ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر اخیر کے دنوں میں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن شریف رمضان کے آخری دس دنوں میں اترا ہے' پس آیت سے اخیر کے دس دنوں کی بہت بڑی خوبی معلوم ہوگئی کہ اس میں قرآن شریف اتارا گیا ہے کیونکہ قرآن کا بہت بڑا مرتبہ ہے اس لئے جس زمانہ میں وہ اترا ہوگا وہ زمانہ بھی مبارک ہوگا اس کی قدر کوئی عاشقوں کے دل سے پوچھے کہ جس زمانہ میں ان کو محبوب کا کوئی خط مل جاتا ہے وہ زمانہ ان کے نزدیک کس قدر عزیز ہوتا ہے' قرآن شریف بھی کلامِ خداوندی ہے اور خدا تعالیٰ محبوب حقیقی ہے پس وہ زمانہ جس میں محبوب حقیقی کا کلام اترا ہے خدا کے عاشقوں کو کیوں عزیز اور مبارک نہ ہوگا' جس دن کے اندر کوئی بڑی چیز میسر ہو جائے وہ دن بھی عزیز ہوتا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس زمانہ میں بھی عزت اور برکت ہے اسی وجہ سے ہے کہ اس زمانہ میں کوئی عزت اور شرف والی چیز موجود ہے یہی وجہ ہے کہ جمعہ کا دن اور دنوں سے مرتبہ میں بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی عزت اور شرف والی چیز موجود ہے جو اور کسی دن میں نہیں یعنی جمعہ کی نماز' دیکھو اگر کسی عاشق کو کنویں کے اندر محبوب کی ملاقات نصیب ہو تو وہ اس کنویں کو کنواں نہ سمجھے گا بلکہ اس کے دل میں اس کنویں کی قدر اتنی ہی ہوگی کہ کسی پھولوں سے بھرے ہوئے چمن کی بھی نہ ہوگی۔

جمعہ کے دن کی بزرگی پر اعتراض اور اس کا جواب:

اکثر آدمی جمعہ کی فضیلت اور خوبی پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ کیا وجہ کہ جمعرات کا وہ مرتبہ نہیں جو جمعہ کا ہے وہی بارہ گھنٹے اس میں ہیں وہی بارہ گھنٹے اس میں' وہی ایک دن جمعرات ہے وہی ایک دن جمعہ ہے یہ کس قدر بیہودہ اعتراض ہے' کیونکہ ظاہر

میں اگر دونوں یکساں ہو بھی گئے تو یہ کیا ضرور ہے کہ مرتبہ میں بھی برابر ہوں کہ جو ایک کی حالت ہو وہی دوسرے کی حالت ہو، دیکھو اگر کسی شخص کی بہن اور بیوی بالکل ہم شکل ہوں اور کپڑے اور زیور بھی یکساں پہنے ہوئے ہوں تو کیا ان دونوں میں حلال وحرام کا فرق نہ ہوگا' کیا کوئی عقلمند ایسا بھی ہے جو ان دونوں کو یکساں سمجھے اور ان کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرے اور کیا اس شخص کے دل میں دونوں کی محبت میں بہت بڑا فرق نہ ہوگا' بہن اور ماں بھی محبوب ہیں اور بیوی بھی محبوب ہے لیکن دونوں کی محبت بالکل الگ الگ ہے۔

جو شخص ماں کے ساتھ صحبت کرتے ہوئے اپنے کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر:

کبھی کسی شخص کو نہیں دیکھا گیا کہ وہ بیوی کی طرح ماں کو بھی پیار کرے یا اس کو بھی بغل میں لینے کی آرزو کرے بلکہ اس قسم کے خیال سے ہی طبیعت کو اس قدر گھن آتی ہے کہ اگر کوئی اپنے کو خواب میں بھی ماں کے صحبت کرتے دیکھ لیتا ہے تو جاگ کر بے حد پریشان ہوتا ہے اور اپنے کو لعنت ملامت کرتا ہے' حالانکہ اس خواب کی تعبیر بری نہیں ہے' کیونکہ تعبیر اس کی یہ ہے کہ اس شخص میں بالکل برائی نہیں ہے اور یہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا۔

جاہل آدمی سے اپنا خواب مت بیان کرو:

چنانچہ ایک بزرگ سے کسی نے یہی خواب بیان کیا تو انہوں نے یہی تعبیر دی' اگر کسی جاہل سے ایسا خواب بیان کیا جائے تو معلوم نہیں کیا تعبیر دے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جاہل آدمی سے اپنا خواب مت بیان کرو بلکہ کسی عقلمند یا دوست سے بیان کرو کیونکہ عقلمند آدمی تم کو واقعی تعبیر سمجھ کر بتلائے گا' مگر غیر آدمی جو عقلمند بھی نہ ہو' خدا جانے کیا کچھ بتلائے' پس معلوم ہوا کہ گو اس خواب کی تعبیر ایسی اچھی ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی ایسا خواب دیکھ لیتا ہے تو بہت پریشان اور تنگدل ہوتا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ماں کے ساتھ جو محبت ہے وہ دوسری قسم کی ہے اور بیوی کے ساتھ جو محبت ہے وہ اور قسم کی ہے دونوں محبتیں ایک سی نہیں ہیں تو ظاہر ہو گیا کہ جمعہ اور جمعرات کے ظاہر میں یکساں ہونے سے کچھ یہ ضرور نہیں کہ مرتبہ میں بھی دونوں برابر ہوں۔

قرآن شریف کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ وہ اللہ پاک کا کلام ہے:

پس چونکہ رمضان میں قرآن شریف اتارا گیا ہے اور قرآن خود بہت شرف اور عزت رکھتا ہے اس وجہ سے اس کے اترنے کا زمانہ بھی عزت اور شرف والا ہو گیا' صاحبو! یہ کیا کہ دنیا کے محبوب کی بات چیت کا وقت تو پیارا اور عزیز ہو اور اصلی محبوب کے کلام اترنے کا وقت پیارا نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر خود کلام پاک کے کمالوں کو نہ بھی دیکھا جائے تو اس کی یہی عزت کیا کم ہے کہ وہ اللہ پاک کا کلام ہے' اب یہ بھی دیکھو کہ اس آفتاب نے تمہارے دلوں کو کیا کچھ روشن کر رکھا ہے۔

اللہ پاک جتنا قرآن پڑھنے سے راضی ہوتے ہیں اور کسی چیز کے پڑھنے سے راضی نہیں ہوتے:

چونکہ قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق ہے اس وجہ سے کلام مجید کے پڑھنے سے وہ بہت خوش ہوتے ہیں خواہ سمجھ کر پڑھا جائے یا بے سمجھے پڑھا جائے۔ مگر اور جتنے عمل ہیں ان میں یہ خوبی نہیں' اگر کوئی دعا یا اور کوئی وظیفہ پڑھے اور اس کے معنی نہ سمجھتا ہو تو وہ اتنا پسند نہیں مگر قرآن ایسا عجیب ہے کہ ہر طرح محبوب ہے خواہ اس کے معنی سمجھو یا نہ سمجھو' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کس چیز سے زیادہ راضی ہوتے ہیں فرمایا کہ قرآن شریف پڑھنے سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ معنی سمجھ کر پڑھنے سے یا بے سمجھے ہوئے بھی جواب میں فرمایا کہ **بفهم او بلا فهم** یعنی جس طرح سے بھی اور یہ کچھ خواب سے ہی نہیں معلوم ہوا بلکہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

نئے خیال والوں کا بے معنی سمجھے قرآن شریف پڑھنے پر اعتراض اور اس کا جواب

اس بیان سے آج کل کے روشن خیالوں کی بھی غلطی معلوم ہو گئی' اکثر لوگ اعتراض کیا

کرتے ہیں کہ جب کلام اللہ کو سمجھا نہیں جاتا تو اس کے پڑھنے سے کیا فائدہ سو ان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کلام مجید کا بے سمجھے پڑھنا بھی بڑا فائدہ رکھتا ہے' کیونکہ اس کا فائدہ صرف یہی نہیں ہے کہ اس کے معنی سمجھ لیں بلکہ ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے ہم سے خدائے تعالیٰ راضی ہوں جیسا کہ بیان ہوا اور یہ بات عقل اور عادت سے بھی معلوم ہوتی ہے دیکھو اگر کسی شخص نے کوئی کتاب بنائی ہو اور وہ دوسروں کے دیکھے کہ وہ میری کتاب پڑھ رہے ہیں تو وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوگا گو پڑھنے والے اس کتاب کو سمجھ نہ سکتے ہوں اور اس شخص کو ان لوگوں کے ساتھ محبت ہو جائے گی کہ ان لوگوں نے میری کتاب کی قدر کی' ہمارے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں ایک بار دہلی بازار میں جاتا تھا' ایک دکان پر بہت سے لوگوں کو اکٹھا دیکھا' دیکھتے کیا ہیں کہ اس کے درمیان ایک شخص بیٹھا ہوا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی ایک شعروں کی کتاب جس کا نام دردنامہ غمناک ہے بہت شوق سے پڑھ رہا ہے' حضرت حاجی صاحب بھی کھڑے ہو کر سننے لگے اور دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میرا کلام پڑھ رہا ہے اس شخص کو گو خبر نہ تھی کہ جن کی کتاب ہے وہ بھی سن رہے ہیں مگر وہ پاس ہی کھڑے ہوئے تھے اور خوش تھے' اسی طرح جب کلام اللہ کو ہم شوق سے پڑھیں گے اور خدا تعالیٰ سنیں گے تو ضرور خوش ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ اور کسی عبادت سے اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا کہ قرآن شریف پڑھنے سے خوش ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا سننا یقینی بات ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ سے کوئی چیز بھی آسمان اور زمین کی اوجھل نہیں ہو سکتی اور ذرہ برابر بھی کوئی چیز ان سے چھپی نہیں رہ سکتی' کیسی ہی بات کیوں نہ ہو مگر ان کو اس کی پوری خبر ہے پس خواہ سمجھ کر پڑھیں یا بے سمجھے ہوئے وہ ہر طرح خوش ہوتے ہیں۔

اصلاحِ نفس کے زمانہ میں خلق کی طرف بالکل توجہ نہ کرنی چاہیے

اور اس کی ایک عجیب حکایت

ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ اپنے ایک مرید سے مدت تک وظیفہ پڑھواتے رہے اور جب مرید کو کچھ فائدہ نہ ہوتا تو اور بدلوا دیتے تھے لیکن آخر جب مرید کو کچھ نفع نہیں ہوا تو

انہوں نے مرید سے دریافت کیا کہ تم وظیفہ کس نیت سے پڑھتے ہو اس نے جواب دیا حضرت یہی نیت ہے کہ اگر کسی قابل ہو جاؤں تو دوسروں کو نفع پہنچاؤں گا' ان بزرگ صاحب نے فرمایا کہ توبہ کرو یہ تو شرک ہے کہ ابھی سے بڑے بننے کا خیال ہے اور مخلوق پر نظر ہے کہ ہر دم دوسروں کو نفع پہنچانے کا خیال ہے' اپنا خیال صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رکھو پس جب انہوں نے توبہ کی فوراً فائدہ ہوا' غرض جب اپنی حالت سنوارنی ہو تو اس وقت مخلوق کی طرف خیال رکھنا نقصان پہنچاتا ہے۔

جو پیر کامل ہوتا ہے وہ مرید کو ناامید نہیں کرتا بلکہ اس کا علاج کرتا ہے:

اور اس قصہ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جس پیر میں کچھ کمال ہوتا ہے وہ مرید کو ناامید نہیں کرتا جیسے کہ بزرگ وظیفہ بدلواتے رہے اور نفع نہ ہونے سے مرید کو جواب نہیں دے دیا' بلکہ اسی کوشش میں رہے یہاں تک کہ مرض اور اس کا علاج نکال ہی لیا' وہ تجربہ کار طبیب کی طرح ادھیڑ بن میں ہمیشہ لگا رہتا ہے البتہ جو پیر کامل نہیں ہوتے وہ اس حالت سے گھبرا جاتے ہیں اور دوسرے کو بھی ناامید کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہیے:

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ آپ کے بیٹے کا نام شیخ محمود تھا' جب آپ بیٹے سے ملے تو بیٹے کی محبت نے دل میں جوش مارا فوراً غیب سے آواز آئی کہ

حب حق ہو دل میں یا حب پسر
جمع ان دونوں کو تو ہر گز نہ کر

یعنی یا تو ہماری ہی محبت دل میں رکھ لو یا بیٹے کی محبت رکھ لو یہ دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں پس فوراً آپ کو ہوش آیا اور اللہ پاک کی محبت کو قبول کر لیا پس بیٹے کا انتقال ہو گیا' مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بیٹے سے بالکل ہی محبت نہ کرے' نہیں جتنا شرعاً اس کا حق ہے اتنی محبت کرنا سنت ہے البتہ اتنی نہ ہونی چاہیے جو اللہ پاک کی محبت پر غالب ہو جائے پس پیر سے بھی ایسی محبت نہ ہونی چاہیے جو اللہ کو بالکل بھلا دے جیسا کہ آج کل عام لوگوں میں

رواج ہے' اسی طرح بیوی بچوں سے وہ محبت نہ ہونی چاہیے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی ہو جائے دیکھئے اللہ پاک فرماتے ہیں ''نہ روک دیں تم کو مال تمہارے اور اولاد تمہاری اللہ کی یاد سے' اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت پر قربان ہو جائیے کہ یہ حکم نہیں کیا کہ اولاد سے بالکل محبت نہ کرو کیونکہ جانتے ہیں کہ اولاد کی محبت ان کے دلوں میں بھری ہوئی ہے اس لیے بالکل نہ چھوڑ سکیں گے اس وجہ سے یوں فرماتے ہیں کہ اس قدر ان کے پیچھے مت پڑو کہ خدا ہی کو بھول جاؤ۔

لوگوں نے قرآن شریف سے دنیا کمانی شروع کر دی:

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن شریف کے پڑھنے میں کتنا ثواب ہے افسوس ہے کہ ایسے بڑے ثواب کو چھوڑ کر نفس کے بندوں نے قرآن شریف سے دنیا کمانا شروع کر دیا' روپیہ لے کر اور اجرت ٹھہرا کر قرآن سناتے ہیں جیسا کہ تراویح میں اکثر جگہ یہی رواج ہو گیا ہے' اسی طرح مردوں کو جو ثواب قرآن پڑھ کر پہنچاتے ہیں اور اس پر روپیہ لیتے ہیں یہ بالکل منع ہے۔

قرآن شریف کو جتنا مکرر پڑھو ہر بار نیا لطف آتا ہے:

اور اس کلام کی ایسی شان ہے کہ جس قدر اس کو زیادہ پڑھو اتنا ہی علم بڑھتا ہے اور پھر لطف یہ کہ جاہلوں کو بھی مزہ آتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ قرآن نہیں پرانا ہوتا بار بار پڑھنے سے' واقعی قرآن شریف کو چاہے کتنا ہی سنو جی نہیں بھرتا ہر بار نیا مزہ آتا ہے' اگر کہا جائے کہ یہ سارا مزہ خوش آوازی کی وجہ سے ہوتا ہو گا تو ہم کہیں گے کہ وہ لطف اور مزہ جو قرآن پڑھنے سے ہوتا ہے شعر پڑھنے سے کیوں نہیں ہوتا اور اگر کسی کو شعر میں بھی زیادہ مزہ آتا ہے تو وہ ابھی بات کرنے کے لائق ہی نہیں اس کو چاہیے کہ اوّل اپنی حالت درست کرے پھر دیکھے کہ کس میں مزہ زیادہ آتا ہے۔ صاحبو! قرآن تو قرآن ہے' کبھی مکہ میں جا کر وہاں کی تکبیر نماز میں سنو تو معلوم ہو وہ کیا چیز ہے' سچ سچ اس وقت وہ تکبیر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ذبح کے وقت کی تکبیر کہ دل میں چھری سی چل جاتی ہے لیکن اگر کسی کو مزہ نہ بھی آئے تو قرآن

شریف کا پڑھنا نہ چھوڑے۔

عوام کی یہ غلط فہمی کہ قرآن جب پڑھنا شروع کریں گے جبکہ مجھ کو اس میں مزہ آنے لگے اور اس کی نہایت عمدہ مثال

جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو اس وقت قرآن پڑھیں گے جب ہم کو مزہ آنے لگے یہ بالکل بیہودہ خیال ہے اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی نامرد شخص سے کہا جائے کہ طاقت کی چیزیں کھا پی کر جلدی سے جوان ہو جاؤ تا کہ تمہیں جوانی کے مزے نصیب ہوں اور وہ جواب میں یوں کہے صاحب پہلے جوانی کا مزہ دیکھ لوں کیسا ہوتا ہے پھر اس کی تدبیر کروں گا فرمایئے کہ اس بیوقوف کو نامردی کی حالت میں بدوں علاج کیسے کس طرح وہ مزہ دکھلایا جائے اس کا تو صرف یہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ اچھا بھائی علاج نہ کرو جب تم بدون علاج کے جوان ہو جاؤ گے تو خود تم کو اس کے مزے معلوم ہو جائیں گے۔ باقی اور کوئی ذریعہ نہیں جس سے جوانی کے مزے جوانی سے پہلے معلوم کر سکو' اسی طرح ان لوگوں کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قرآن شریف کا مزہ جب ہی نصیب ہو سکتا ہے جبکہ ہمت کر کے پڑھنے لگو گے اس وقت تم کو خود بخود اس میں مزہ آنے لگے گا۔ یہی غلطی اکثر ان لوگوں کو بھی ہوتی ہے جو اللہ کا نام لینا شروع کرتے ہیں۔ اور جب ان کو اس میں مزہ نہیں آتا تو چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ مزہ تو اس طرح ہی آ سکتا ہے کہ خوب عادت ڈالیں اور بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں پس جتنا بھی اللہ پاک کا نام زیادہ لیا جائے اتنی ہی لذت زیادہ ہوگی۔

ایک بزرگ کی خدا طلبی کی عجیب حکایت:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کو ایک روز یہ آواز آئی کہ کتنی بھی عبادت کرو کچھ قبول نہیں اس آواز کو ان کے ایک مرید نے بھی سنا دوسرا دن ہوا تو وہ بزرگ پھر عبادت کے لیے اٹھے پھر وہی آواز آئی جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو مرید نے کہا آپ بھی عجیب آدمی ہیں ادھر کوئی پوچھتا بھی نہیں اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ گرے جاتے ہیں' جب قبول ہی نہیں تو محنت سے کیا فائدہ؟ ان بزرگ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی چھوڑ تو دوں لیکن یہ تو بتلاؤ کہ چھوڑ کر کس در

پر جا پڑوں؟ اس جواب پر اللہ پاک کی رحمت جوش میں آئی اور آواز آئی کہ اگر چہ تمہاری عبادت کو کسی ڈھنگ کی نہیں لیکن خیر جب ہمارے سوا تمہارا کوئی نہیں ہے تو تم کو بھی ہم ہی لے لیں گے۔ صاحبو! جس کو حق کی طلب ہوتی ہے اس کی یہ شان ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ خدا کی طلب لوگوں کو اتنی بھی نہیں جتنی کیمیا کی طلب ہے۔ اس میں تو انسان برسوں گنوادے مال و دولت غارت کر دے۔ عیش و آرام کو خاک میں ملا دے اور خدائے تعالیٰ کی طلب میں کچھ بھی مشقت نہ اٹھائے۔

طلبگار وہ ہے کہ وصال سے کبھی ناامید نہ ہو اور اس کی عجیب حکایت:

اجی طلبگار کی تو یہ حالت ہونی چاہیے کہ اگر ہزار مرتبہ بھی اس کو کہا جائے کہ تو دوزخی ہے تو بھی ناامید نہ ہو اور اگر ہزار مرتبہ اس کو کہا جائے کہ تو جنتی ہے تو ہرگز کامل اور ست نہ بنے۔ ایک شخص کی نسبت لکھا ہے کہ اس کو روزانہ یہ آواز آتی تھی کہ تو کافر ہو کر مرے گا جب ایک مدت یہ آواز آئی تو پیر سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ یہ محبت کی گالی ہے محبوبوں کی عادت ہوتی ہے کہ عاشق کو چھیڑا کرتے ہیں اور یہ ایک قسم کا امتحان ہے۔ مگر یہ ساری باتیں اس وقت برداشت ہوتی ہیں جب کہ دل میں خدا کی محبت پوری پوری ہو۔ پس اللہ پاک کی محبت پوری کرنے کی کوشش کرو اور اس کی دو تدبیریں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرنا چاہیے اور دوسرے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا اٹھنا زیادہ رکھیں پس اس تدبیر سے سب دل کے مرض آہستہ آہستہ جاتے رہیں گے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنا چاہے تو اس کا ضروری دستور العمل یہ ہونا چاہیے

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص خدا سے ملنے کا راستہ تلاش کرے اور اس راستہ پر چلنا شروع کر دے تو اس کو مناسب ہے کہ ایسے شخص کو ڈھونڈے جو خدا تعالیٰ کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو بس اس کے دروازہ پر جا پڑے اور جیسا کچھ وہ کہے اس کے موافق کام کرے اور خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کے طلب گار مت بنو نہ تو کرامت ہی مقصود ہو اور نہ اگلی پچھلی اور چھپی

ہوئی باتیں معلوم کرنا جسے آج کل کشف کہتے ہیں اور نہ اس پر نظر ہو کہ ہم کو مزہ دار حال نصیب ہوں گے وغیرہ وغیرہ تمہیں غرض تو فقط اللہ ہی سے ہونی چاہیے اور خود بخود یہ چیزیں بھی میسر ہو جائیں تو خدا تعالیٰ کی عنایت سمجھو ورنہ کچھ خیال نہ کرو عبادت میں مزہ نہ آئے تو اسے چھوڑو مت کثرت سے اللہ پاک کا ذکر کرو اور بہت زیادہ ان کی یاد میں لگے رہو۔ اسی طرح قرآن میں اگر طبیعت اکتانے لگے تو خوب بہت بہت سا پڑھو زیادہ پڑھنے سے خوب دل لگنے لگے گا اگر حرف بھی صحیح نہ ہوں تو جہاں تک اپنے سے ہو سکے صحیح کر لو اور کسی صحیح پڑھنے والے سے سیکھ لو اور اگر پھر بھی پوری طرح صحیح نہ ہو سکیں تو رنجیدہ مت ہو اللہ تعالیٰ کو اسی طرح قبول ہے۔ البتہ جو لوگ صحیح کر سکتے ہیں اور پھر نہیں کرتے تو ان کی بے شک پکڑ ہو گی ورنہ وہاں تو زیادہ دلوں کی دیکھ بھال چھان بین ہو گی اگر موٹی زبان کا دیہاتی آدمی قرآن غلط پڑھتا ہے لیکن پڑھتا ہے دل سے تو یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور وہ شخص ان کو پسند نہیں کرتا جو کہ اس سے ہزار درجہ بہتر پڑھے لیکن دکھاوٹ کے لیے اور اپنا کمال جتانے کے لیے۔ اس پر مجھے ایک شخص کا قصہ یاد آیا کہ وہ مجھ سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں کسی فقیر کا چیلہ ہو جاؤں۔ میں اس پر خفا ہوا' چند روز کے بعد پھر آیا میں نے اس سے ہنسی میں کہا کہ کیوں کسی فقیر کے چیلے بھی ہوئے یا نہیں تو وہ نہایت ہی سادگی سے جواب دیتا ہے کہ بس اب تیرا ہی پلہ پکڑ لیا ہے اس کا یہ تیرا کہنا اوروں کے حضور اور جناب کہنے سے زیادہ مزہ دار تھا کیونکہ اس نے دل سے کہا تھا۔

جس طرح نرمی علاج ہے اسی طرح سختی بھی علاج ہے:

یہ بھی ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح نرمی علاج ہے اسی طرح بعض جگہ سختی بھی اس سے بڑھ کر علاج ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعضے بزرگ تیز مزاج مشہور ہو جاتے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ وہ تیز مزاج نہیں ہوتے۔ بات یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ اسے ایک بات نرمی سے سمجھاؤ تو اس پر زیادہ اثر نہیں ہوتا ہے اور نہ زیادہ دنوں تک یاد رہتی ہے اور اسی بات کو اگر سختی سے سمجھائیں تو اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اور یاد بھی بہت دنوں تک رہتی ہے۔ اسی شخص کو جو کسی فقیر کا چیلہ بنا چاہتا تھا' دیکھئے کہ ایک ڈانٹ کا اس پر ایسا اثر پڑا کہ آنکھیں کھل گئیں اور

اس کی طبیعت جو ڈانواں ڈول تھی وہ ایک ہی طرف جھک گئی۔ غرض غلط بولنا جو پیارا معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ پر قدرت نہیں ہوتی اس پر قصہ یاد آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک چرواہا زمین پر بیٹھا ہوا محبت کے جوش میں بھرا ہوا کہہ رہا تھا کہ اے اللہ تو کہاں ہے اگر تو مجھے ملے تو تیری نوکری چاکری کروں تیرے پھٹے ہوئے کپڑے سیوں اور تیرے کنگھی کروں، غرض اس قسم کی باتیں اللہ تعالیٰ کی نسبت کہہ رہا تھا کہ اتنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ادھر سے گزرے اس کی باتیں سن کر فرمایا کہ میاں کس کو کہہ رہے ہو اس نے کہا خدا سے کہہ رہا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹا کہ توبہ کر تو بہ خدائے تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہیں اور ڈانٹ کر چلے گئے چرواہے نے جو یہ سنا تو مارے خوف کے تھرا گیا اسی وقت حضرت موسیٰ پر وحی آئی کہ موسیٰ تم نے ہمارے بندہ کو ہم سے جدا کر دیا، حضرت موسیٰ نے جو یہ سنا تو گھبرا گئے اور جلدی سے چرواہے کے پاس آئے اور کہا کہ مجھ سے خطا ہوگئی خدا کے لیے معاف کر دو یہاں چرواہے کی عجب حالت تھی، حضرت موسیٰ نے جو خطا معاف کرنے کو کہا تو یہ جواب دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ایسا کوڑا لگا ہے کہ میں بڑی دور پہنچ گیا، اس قصہ سے معلوم ہو گیا کہ اگر دل محبت سے بھرا ہوا ہو اور کم سمجھی سے بے ادبی کی باتیں زبان پر آ جائیں تو اس پر پکڑ نہیں ہوتی مگر یہ ضرور ہے کہ یہ معافی انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اپنی زبان درست نہیں کر سکتے۔ ورنہ اگر کسی کو قدرت ہو اور پھر وہ ایسا کرے تو ضرور گنہگار ہوگا۔

(۲) بات بہت دور جا پڑی اصل مقصود یہ تھا کہ جب قرآن کے اندر ایسی بڑائی ہے اور بزرگی ہے تو جس مہینہ میں یہ اتارا گیا ہے وہ بھی عزت و شرف رکھتا ہوگا۔ خاص کر رمضان کے اخیر کے دس دن جس میں کہ شب قدر ہے وہ تو بے انتہا شرف اور بزرگی رکھتے ہیں اس لئے کہ قرآن پاک رمضان میں خاص انہی دس دن کے اندر اندر اترا ہے۔

رہے رمضان کے اول کے بیس دن سو ان کو انہیں دس دن کی بدولت شرف اور عزت نصیب ہوئی ہے اس اخیر کے دس دن میں ایک خوبی تو یہ ہوئی کہ قرآن ان میں اترا ہے دوسری خوبی یہ ہے کہ شب قدر بھی انہی دس دن میں ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے اور اکثر طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں ''شب قدر ہزار

مہینوں سے بہتر ہے۔ صاحبو! یہ ایسی برکت اور خوبی کی چیز ہے کہ جو اس سے محروم رہ جائے تو ایسا سمجھو کہ ساری بھلائیوں سے محروم اور بے نصیب ہو گیا۔

شب قدر کی برکت حاصل کرنے کی تاکید:

حدیث میں ہے کہ جو شخص شب قدر سے بے نصیب رہا تو وہ ساری بھلائیوں سے محروم رہا' لیکن بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر جاگیں تو تمام رات جاگیں اور اگر تمام رات نہ جاگے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا یہ نہایت بے ہودہ خیال ہے اگر اس رات کے اکثر حصہ میں بھی عبادت کرے تو اس کو شب قدر کی برکت نصیب ہو جائے گی اور میں کہتا ہوں کہ اگر تمام رات بھی جاگنا پڑے تو کون سی دقت ہے۔

صاحبو! رمضان سال بھر کے بعد آتا ہے' آپ کو معلوم ہوگا کہ پچھلے رمضان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ وہ اس وقت دنیا میں نہیں رہے ہم کو کیا خبر ہے کہ اگلے رمضان تک کس کس کی باری آئے گی اس لیے اگر ایسی بڑی دولت کمانے کے لیے ایک دو رات کوئی جاگ بھی لیا تو کیا دقت کی بات ہے۔ لیکن خیر اگر تمام رات کی ہمت نہ ہو تو اکثر حصہ کو تو چھوڑنا ہی نہیں چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ اکثر حصہ اخیر رات کا ہو کیونکہ اول تو اس وقت تک کھانا ہضم ہو چکا ہوتا ہے' طبیعت ہلکی ہوتی ہے' دعا میں خوب جی لگتا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اخیر رات میں ہر روز اپنے بندوں پر بہت بڑی رحمت کرتے ہیں اور مہربانی سے ان کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ دوسری یہ بات بھی ہے کہ اخیر رات میں شور اور غل بھی نہیں ہوتا ایک اطمینان کی حالت ہوتی ہے اور یہ کچھ شب قدر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر رات کے اخیر حصہ میں اللہ پاک کی رحمت اور مہربانی ہوتی ہے اور طبیعتوں پر اطمینان ہوتا ہے' کسی نے خوب کہا ہے

اے خواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانے
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانے

یعنی جو شخص ہر رات کی قدر نہ جانے گا تو وہ شب قدر کو بھی نہ پہچانے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ شب قدر انہیں راتوں میں سے کسی رات میں ہوگی تو جو شخص سب راتوں کی قدر کرے گا

وہ شب قدر کو بھی پالے گا اور جو اور راتوں کی بے قدری کرے غفلت کی نیند سوتا رہے گا وہ اپنی اس عادت کی وجہ سے شب قدر بھی ہاتھ سے کھو دے گا۔

جو شخص تمام سال راتوں کو عبادت کرے گا وہ ضرور شب قدر پالے گا اور اس کے متعلق ایک عجیب حکایت

اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص تمام سال راتوں کو جاگے گا تو وہ شب قدر بھی پالے گا کیونکہ جب سال بھر تک برابر راتوں کو عبادت کرو گے تو شب قدر میں بھی عبادت ضرور ہو جائے گی کیونکہ انہی راتوں میں ایک رات وہ بھی ہے' بوستان میں ایک خوب قصہ لکھا ہے کہ کسی شہزادہ کا ایک بڑا قیمتی لعل ایک رات کسی جگہ گر گیا تو اس نے حکم دیا کہ اس جگہ کی ساری کنکریاں اٹھا کر اکٹھی کر لیں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اگر کنکریاں چھانٹ کر جمع کی جاتیں تو شاید ان میں لعل نہ آتا اور جب ساری کنکریاں اٹھالیں ہیں تو لعل ضرور آ گیا ہے' لیکن خیر ایسے ہمت والے لوگ تو اس وقت کہاں ہیں کہ اس قیمتی موتی کی تلاش میں سال بھر تک راتوں کو جاگا کریں مگر رمضان کے اخیر کے دس دن تو ضرور جاگنا اور عبادت کرنا چاہیے کیونکہ وہ اکثر انہیں راتوں میں ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص نہایت ہی کمزور اور کم ہمت ہو تو خیر وہ ستائیسویں رات کو ضرور جاگ لے اور عبادت کرے اس لیے کہ ان دس راتوں میں سے بھی اس ہی رات میں شب قدر اکثر ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر وہ رات شب قدر نہ بھی ہوئی بلکہ اور کوئی معمولی رات ہوگئی تو تم نے تو شب قدر ہی کی نیت سے عبادت کی ہے پس تمہارا ثواب تو ان شاء اللہ کہیں نہیں گیا۔ خدا نے چاہا تو تمہیں شب قدر ہی کا ثواب ملے گا کیونکہ ان کے یہاں نیت دیکھی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر کام میں نیت کا اعتبار ہے۔ صاحبو! اب تو آپ کو بہت ہی آسانی ہوگئی اس پر بھی ہمت نہ کرو تو غضب کی بات ہے۔

اعتکاف کی فضیلت:

تیسری خوبی رمضان شریف کی اخیر دس دن کی یہ ہے کہ اس میں اعتکاف کرنا سنت ہے

اور اس کا طریقہ ہے کہ ۲۰ تاریخ کو مغرب کی نماز سے پہلے مسجد میں آ جائے اور اعتکاف کی نیت کر لے اور جب عید کا چاند دیکھ لیا جائے اس وقت باہر نکلے اور اگر پورے دس دن اعتکاف نہ کر سکے تو اس سے کم کا کر لے یہ خیال نہ کرے کہ اعتکاف کرتا تو پورے دس دن کا کرتا اس سے کم میں کیا فائدہ ہوگا کیونکہ اگر بڑھیا درجہ کا ثواب نہ ملے گا تو کم درجہ کا تو مل ہی جائے گا۔ صاحبو! اگر دس دن کر سکو تو' نو دن سہی' اس قدر بھی نہ ہو سکے تو سات دن سہی' غرض جس قدر بھی ہو سکے چھوڑو مت اور ایک بہت بڑی خوبی اعتکاف کی یہ ہے کہ اعتکاف کے زمانہ میں ہر وقت اعتکاف کرنے والوں کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے' کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرو تو انتظار میں بھی نماز ہی کا ثواب ملے گا اور ظاہر ہے کہ جس نے اعتکاف کیا ہے وہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے گا تو اس کو نماز کا بھی انتظار ضرور رہے گا۔ اگر یہ سوئے گا تو اس نیت سے کہ اٹھ کر فلاں نماز پڑھنی ہے' اگر کوئی کام بھی کرے گا تو اس نیت کے ساتھ کہ فلاں نماز تک یہ کام کروں گا۔ غرض اس کا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا ہر ہر کام میں ثواب کا ثواب ملے گا پس اس سے بڑھ کر اور کیا خوبی ہوگی۔

بوڑھے باپ کی خدمت کرنی نہایت ضروری ہے:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس سب صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذلیل ہو گیا وہ شخص اور اس لفظ کو کئی مرتبہ کہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا گئے اور دریافت کیا کہ حضرت کون شخص ذلیل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک وہ شخص ذلیل ہوا جس نے اپنی زندگی میں بوڑھے ماں باپ کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت نہ کمائی اس میں حضور ﷺ نے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے کی بہت تاکید کی کیونکہ اگر ماں باپ خود جوان ہیں تو اول تو وہ اس کے خود محتاج نہیں ہوں گے جیسے اس کے ہاتھ پیر چلتے ہیں ان کے بھی ہاتھ پیر چلتے ہوں گے۔ دوسری یہ وجہ بھی ہے کہ جوان ماں باپ کی خدمت سے دل بھی نہیں گھبراتا اس لیے ان کی اگر کچھ خدمت کر بھی دی تو کچھ مشکل نہیں نہ کچھ کمال ہے رہے بوڑھے ماں باپ تو وہ اس کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کی سب طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں اس وجہ سے خود کچھ بھی نہیں کر سکتے اور چونکہ اکثر کام ان کے مزاج کے موافق نہیں ہوتے

اس لیے مزاج میں تیزی آ جاتی ہے پس ایسے ماں باپ کی خدمت کرنا بہت ہی ضرور ہے کیونکہ وہ بیچارے بالکل ہی بے بس ہوتے ہیں اور ہر طرح سے ان کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کی تیز مزاجی سے تنگ ہونا بہت بڑا گناہ ہے۔

اکثر لوگ ماں باپ کی خدمت تنگ ہو جاتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے لڑکپن کے زمانہ کو بھول جاتے ہیں اور اس کی عجیب حکایت

مگر دیکھا جاتا ہے کہ اکثر آدمی ان کی خدمت سے تنگ ہو جاتے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے لڑکپن کے زمانہ کو بھول جاتے ہیں کہ اس وقت ماں باپ نے ان کے کیسے کیسے ناز اٹھائے ہیں اگر وہ انہیں یاد رہتے تو ان کی خدمت سے تنگ نہ ہوتے۔ ایک بنیے کا قصہ مشہور ہے کہ اس نے اپنے بڑھاپے میں ایک مرتبہ اپنے لڑکے سے دریافت کیا کہ بھائی یہ دیوار پر کیا چیز بیٹھی ہے صاحبزادہ صاحب اول تو دل میں بہت خفا ہوئے کہ اس بیکار بات کے دریافت کرنے کی آپ کو ضرورت ہی کیا ہے مگر خیر کچھ لحاظ کیا اور بتلا دیا کہ ابا جان کوا ہے۔ بنیئے نے پھر پوچھا کہ بھائی یہ دیوار پر کیا چیز بیٹھی ہے صاحبزادہ نے کہا کہ ابھی تو بتلا دیا تھا کہ کوا ہے۔ تیسری بار اس نے پھر پوچھا تو صاحبزادہ نے بگڑ کر جواب دیا کہ تمہارا تو دماغ چل گیا چپکے پڑے رہو اس پر بنیئے نے اپنا بہی کھاتہ منگوایا اور کھول کر دکھلایا کہ صاحبزادہ دیکھو تم نے ایک سو بار مجھ سے اپنے بچپن میں یہی دریافت کیا تھا اور میں نے ہر بار محبت سے جواب دیا تھا تو دو ہی بار میں گھبرا گئے' لیکن شاید کوئی شخص کہے کہ صاحب بوڑھوں کی تیز مزاجی تو خود طبیعت ہی کو بری معلوم ہوتی ہے کوئی اختیار کی بات نہیں اگر اس پر بھی پکڑ ہوگی تو سخت مشکل ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ پاک طبیعت کی گھبراہٹ پر پکڑ نہیں کرتے۔ اپنے کلام پاک میں والدین کے حقوق کے ذکر کے ساتھ فرماتے ہیں رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ کی ہر وقت کی تیز مزاجی سے جو گھبراہٹ تمہارے دلوں میں پیدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے کوئی بات روکھے پن کی تمہاری زبان سے نکل جائے تو اس پر تمہاری پکڑ نہیں لیکن خدا

تعالیٰ دل کی نیت کو جانتا ہے۔ اگر تمہارے دل میں ماں باپ کی تابعداری ہے اور نیک بختی تم پر غالب ہے اور اپنی بے ادبی کا عذر بھی کرتے رہو تو اللہ پاک اس طرح کی باتوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

(۵) ایک تو یہ شخص ذلیل ہوا' دوسرا وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے' تیسرے وہ شخص کہ رمضان شریف آئے بھی اور گزر بھی جائے اور اس نے اپنے گناہ نہ بخشوائے یعنی برے کاموں سے توبہ نہ کی اور ایسے کام نہ کیے جس سے گناہ معاف ہو جاتے۔

رمضان شریف کی فضیلت:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رمضان شریف ایسا برکت کا مہینہ ہے کہ اس کے اول حصہ میں خدا تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور درمیان کے حصہ میں بندوں کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اخیر کے حصہ میں بندوں کو دوزخ سے بالکل چھٹکارا ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ سر سے پیر تک رحمت ہی رحمت ہے۔ پس آدمی کو چاہیے کہ اس مہینہ میں اپنے گناہ بخشوانے کا سامان کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نیک کام کرے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گناہ معاف کرا لینا بندہ کے اختیار میں ہے۔ پس توبہ کر کے نیک کام کرنے شروع کر دے سب گناہ بخشے گئے۔ خود اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اپنے مالک سے گناہ بخشوانے میں جلدی کرو اور اس جنت کی طرف دوڑ دجس کو پرہیز گار لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے' تو جو شخص بھی اس قاعدہ پر عمل کرے گا وہ اپنے گناہ بخشوا لے گا اور جو شخص یہ عمل نہ کرے گا وہ محروم رہے گا۔ پس ظاہر ہو گیا کہ گناہ بخشوانا خود ہمارے اختیار میں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو پرہیز گار بن کر اپنے گناہوں کو بخشوا سکتے ہیں۔

جاہل واعظوں کی بڑی بھاری غلطی:

جو لوگ بغیر علم کے وعظ کہتے ہیں وہ اس جگہ بڑی بھاری غلطی کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے وعظوں میں کہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات بالکل بے پرواہ ذات ہے وہ چاہے تو ذرا سی

بات میں بخش دے اور چاہے تو ذرا سی بات پر جہنم میں بھیج دے اور یہ مضمون ایسے طور سے کہتے ہیں جس سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ (توبہ توبہ) خدا تعالیٰ کے ہاں کوئی قاعدہ ہی مقرر نہیں یوں ہی اناپ شناپ بے تکے طور پر جو چاہتے ہیں کر دیتے ہیں ایسی باتیں سن کر اکثر لوگ ناامید ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ خدا جانے کس بات پر اچانک پکڑ ہو جائے اور ساری کی کرائی محنت ہی اکارت ہو جائے۔ پھر اس ناامیدی کے بڑھنے سے وہ عبادت میں محنت کرنی چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح اکثر لوگ خوب جی بھر کر گناہ کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی قاعدہ ہی نہیں ذرا سی بات پر جنت دے دی ذرا سی بات پر دوزخ میں بھیج دیا تو پھر ہم اپنے مزے کیوں خراب کریں اور خواہ مخواہ مصیبت میں کیوں پڑیں شاید خدا کو انہیں کاموں میں سے کوئی بات پسند آ جائے جس سے وہ مہربان ہو کر ہم کو بخش دیں۔ لاحول ولاقوۃ خدائی کیا ہوئی اینا ؤنگر کی بادشاہی ہوئی جہاں سب کام بے ڈھنگے ہی ہوتے ہیں۔

اینا ؤنگر کی عجیب حکایت:

مشہور ہے کہ ایک گرو اور ان کا چیلہ سفر کرتے ہوئے ایک شہر میں پہنچے نام پوچھا تو معلوم ہوا اینا ؤنگر ہے (اس کے معنی ہیں بے انصافی کے) وہاں کے بازار میں جا کر چیز کا بھاؤ پوچھا تو معلوم ہوا کہ اناج سے لے کر گھی دودھ تک ہر چیز سولہ روپے سیر کی ملتی ہے یہ سن کر چیلہ تو بہت خوش ہوا کہ خوب دودھ گھی کھا کر موٹے ہوں گے مگر گرو نے کہا کہ بھائی اس جگہ ٹھہرنا ٹھیک نہیں یہ شہر تو بہت ہی بے تکا معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹوں بڑوں میں کچھ فرق ہی نہیں۔ مگر چیلہ نے ضد کی آخر رہ پڑے چند روز میں سیر کرتے کرتے راجہ کی کچہری تک جا پہنچے دیکھا کہ ایک مقدمہ راجہ صاحب کے سامنے پیش ہو رہا ہے بہت آدمی جمع ہیں پوچھنے سے معلوم ہوا ایک چور نے مہاجن پر دعویٰ کیا ہے دعویٰ یہ ہے کہ ہم دونوں چوری کرنے اس کے گھر گئے نقب لگایا میرا ساتھی اندر جانے لگا تو دیوار اوپر سے آ پڑی مر گیا بس میں اس کا اس مہاجن سے بدلہ چاہتا ہوں اس مہاجن سے دریافت کیا گیا کہ وہ دیوار ایسی کیوں بنائی تھی اس نے کہا مکان بنانے والے سے پوچھیے وہ بلایا گیا اس نے کہا گارا بنانے والے سے

پوچھیے اس کو بلایا اس نے کہا کہ سقہ نے پانی بہت ڈال دیا تھا جس سے گارا پتلا ہو گیا اس کو بلایا اس نے کہا کہ سرکاری ہاتھی جھپٹا ہوا آیا تھا خوف سے پانی زیادہ نکل پڑا' ہاتھی چلانے والے کو بلایا اس نے کہا کہ ایک عورت پازیب پہنے آتی تھی اس کی جھنکار سے ہاتھی دوڑ پڑا عورت کو بلایا اس نے کہا کہ سنار نے ایسا ہی باجا ڈال دیا تھا۔ اس کو بلایا گیا وہ کچھ جواب نہ دے سکا حکم ہوا کہ سنار کو پھانسی دے دو اسے پھانسی کے لیے لے چلے جب اسے پھانسی پر چڑھایا تو پھانسی کا پھندہ اس کے گلے سے بڑا نکلا لوگوں نے آ کر راجہ صاحب سے کہا کہ پھندہ اس کے گلے سے بڑا ہے راجہ صاحب نے کہا کہ اچھا تو پھر کسی موٹے آدمی کو ڈھونڈ کر پھانسی دے دو غرض موٹے آدمی کو ڈھونڈ نا شروع کیا وقت کی بات کہ سب لوگوں میں اس چیلہ سے زیادہ موٹا کوئی نہ نکلا آخر اس کو ہی پھانسی دینے کے لیے پکڑ لیا گیا۔ اب تو چیلہ صاحب بہت گھبرائے اور گرو سے کہا کہ خدا کے لیے بچاؤ اس نے جواب دیا کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہاں رہنا اچھا نہیں آخر نتیجہ دیکھا مگر گرو نے یہ تدبیر نکالی کہ پھانسی کے وقت خود آگے بڑھ کر کہا کہ صاحبو! اس کو پھانسی نہ دو مجھ کو دے دو' لوگوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس وقت میں نے اپنی پوتھی کو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس وقت جو شخص پھانسی دیا جائے گا وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ راجہ صاحب نے جو یہ سنا تو آگے بڑھ کر کہا کہ اچھا جب ایسی بات ہے تو ہم کو پھانسی دے دو تا کہ جنت میں ہم ہی چلے جائیں۔ پس راجہ صاحب کو پھانسی دے دی گئی......تو ان جاہل واعظوں کے بیان سے سمجھا جاتا ہے کہ توبہ توبہ خدا کے کام بھی اینا ؤ نگر کے راجہ کی طرح بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ صاحبو یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام قاعدہ سے ہوتا ہے ثواب کا بھی ایک قاعدہ ہے اور عذاب کا بھی' ثواب کا قاعدہ تو یہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ توبہ کر کے گناہ بخشوا لو نمازی پرہیز گار ہو کر جنت لے لو۔

اگر آئندہ گناہ ہو جانے کا اندیشہ بھی ہو تب بھی توبہ کرنی نہ چھوڑو اور اس کی نہایت عمدہ مثال

اگر یہ ڈر ہو کہ توبہ ٹوٹ جائے گی اور گناہوں سے نہ رک سکیں گے تو ہمت نہ ہارو کیونکہ اگر توبہ ٹوٹ گئی تو پھر کر لینا دیکھو اگر ایک کپڑا پھٹ جاتا ہے تو اس کو پھٹا ہوا نہیں چھوڑتے

بلکہ اسی وقت سی لیتے ہیں اور اس کا کچھ خیال بھی نہیں کیا جاتا کہ یہ سینے کے بعد پھر پھٹ جائے گا۔ پھر پھٹے تو پھر سی لینا' بس یہی حالت توبہ کی ہے کہ صرف توبہ ٹوٹ جانے کے ڈر سے توبہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ اگر ٹوٹ بھی جائے تو پھر توبہ کر لے ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا' بلکہ اگر دن میں سو بار بھی توبہ ٹوٹ جائے ناامید مت ہو بلکہ اس توبہ کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ہم کو گناہوں پر زیادہ ہمت ہو جاتی ہے کیونکہ جو شخص توبہ کرتا رہے گا اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی بڑائی کسی نہ کسی قدر ضرور ہوگی اور یہ بڑی وجہ ہے گناہوں سے رک جانے کی مگر جو شخص کبھی توبہ نہ کرے گا وہ تو بالکل ہی خدا کو بھول جائے گا۔ جب خدا تعالیٰ کی بڑائی اس کے دل میں نہ ہوگی تو جو کچھ بھی یہ کرے گا وہ تھوڑا ہے۔

قرآن سنانے پر اجرت نہ لینی چاہیے:

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس اخیر کے دس دنوں میں بہت سی مسجدوں میں قرآن شریف ختم ہوگا اس میں اکثر لوگ پڑھنے والوں کو کچھ دیا کرتے ہیں سو پڑھنے والوں کو چاہیے کہ ہرگز نہ لیا کریں۔ دوسرے اکثر مسجدوں میں ختم کے دن مٹھائی بانٹی جاتی ہے۔ اس میں جو گڑبڑ ہوتی ہے سبھی جانتے ہیں اور اس خرافات میں شرع کے قاعدہ سے جو کچھ خرابیاں ہونے لگی ہیں کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہیں اس وقت ان کے دہرانے کا وقت نہیں اور نہ زیادہ ضرورت ہے صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر جو کچھ خرابیاں ہیں ان پر نظر ڈالو اور خیال کرو کہ اس میں کیا کچھ خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ پس اس کو بھی چھوڑ دو دیکھو اس کی بدولت بیچارے غریبوں پر بہت بڑا بوجھ پڑ گیا ہے۔

قرآن کے ختم میں مٹھائی بانٹنے میں بہت خرابیاں ہیں:

میرے منع کرنے پر بعض غریب جولاہوں نے بہت خوشی ظاہر کی کہ ہم کو ہر سال چندہ دینے کی مصیبت پڑتی تھی آپ نے ہمیں اس مصیبت سے بچا دیا معلوم ہوا کہ لوگوں پر چندہ دینا بہت دشوار ہے۔ پھر بتلایئے کہ چندہ لینا کیونکر جائز ہوگا بعض رئیسوں نے مجھ سے کہا کہ آپ غریبوں کو منع کیجیے لیکن امیروں کو منع کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے اس لیے کہ اگر امیروں نے نہ چھوڑا تو شرم کی وجہ سے غریبوں سے بھی چھٹنا مشکل ہوگا اور اگر

امیروں نے چھوڑ دیا تو غریبوں کو چھوڑنا کچھ مشکل نہیں۔ بعض مسجدیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں مٹھائی چندہ سے نہیں بانٹی جاتی بلکہ خوشحال آدمی اپنے اپنے طور پر بانٹتے ہیں لیکن وہاں دوسری خرابیاں ہوتی ہیں جیسے دکھاوٹ اور شہرت نام وغیرہ کے لیے بانٹنا اور ہر طور پر بچوں اور بے نمازیوں کے جھمگھٹے سے مسجد کی بے ادبی ہونا اس قسم کی بہت سی خرابیاں ہیں عقلمند آدمی ان کو خود ہی سمجھ سکتا ہے ایک مرتبہ بریلی میں قرآن سنانے کا اتفاق ہوگیا۔ میرے بھائی نے مٹھائی بانٹنے کے لیے کہا میں نے منع کیا لیکن انہوں نے کہا کیا حرج ہے جب انہوں نے زیادہ کہا تو میں چپ رہا اور سوچا کہ بہتر ہے یہ خود ان خرابیوں کو دیکھ لیں پس انہوں نے خود اپنے انتظام سے مٹھائی بانٹی۔ لوگوں کے بے ڈھنگے پن کو دیکھ کر وہ اس قدر پریشان ہوئے کہ مٹھائی بانٹنے سے نمٹ چکے تو خود کہا کہ آپ کی رائے بہت ٹھیک تھی۔ واقعی یہ خرافات ہیں بیکار کام کبھی نہ کرنے چاہئیں، مگر افسوس یہ ہے کہ بعض لوگ خرابیاں سمجھ بھی جاتے ہیں لیکن پھر بھی اپنے اس بیہودہ کام سے یاد رکھنا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ ان پر پورے طور سے عمل ہو جائے اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ توفیق عمل کی بخشیں۔

ملتقت

❁❁❁

(۹) صوم اور عید کی تکمیل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِکَ وَسَلَّم: اَمَّابَعْدُ! فقد قال النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

شَھْرُ رَمَضَانَ ھُوَ شَھْرٌ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَ اَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ اٰخرہٗ عِتْقٌ مِّنَ النِّیْرَانِ۔

(ترجمہ:) فرمایا ہے نبی ﷺ نے رمضان شریف کے بارہ میں کہ وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اوّل حصہ تو رحمت ہے اور درمیان کا حصہ گناہوں کی معافی ہے اور اخیر کا حصہ دوزخ سے نجات ہے۔'' اس کے متعلق یہ مضمون ہیں:

(۱) رمضان شریف کی خوبیاں پہلے جمعہ میں پورے طور پر بیان ہو چکی ہیں آج صرف دو مضمون بیان کرنے ہیں ایک تو یہ کہ رمضان کے جو کچھ دن باقی رہ گئے ہیں ان کے بارہ میں کچھ بیان ہوگا۔ دوسرے کچھ عید کے بارہ میں بیان ہوگا اور چونکہ اس حدیث کو دونوں مضمونوں سے تعلق ہے اس لیے اس حدیث کو بیان کے لیے اختیار کیا گیا۔ یہ حدیث ایک بہت بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو حضور ﷺ شعبان کے مہینہ میں آخری جمعہ کے خطبہ میں پڑھا تھا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے شعبان کے آخری جمعہ میں ایک

خاص خطبہ پڑھا جو کہ اور جمعوں میں نہ پڑھتے تھے۔

آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا بدعت ہونا:

مسلمانوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس خطبہ پر توجہ نہ کی اور شعبان کے آخری جمعہ کے لیے اس کو ضروری نہ رکھا جس سے سنت کی پابندی ہوتی بلکہ اس کے بدلہ رمضان کے آخری جمعہ کے لیے ایک خاص خطبہ تراش لیا اور اس کا نام خطبۃ الوداع رکھا جس کا حدیث میں کہیں پتہ تک نہ تھا اور پھر اس کی اس قدر پابندی کر لی کہ اگر وہ خطبہ نہ پڑھا جائے تو سمجھتے ہیں کہ جمعہ ہی ٹھیک نہ ہوا' اب تو خیر اس کی پابندی کچھ پہلے سے کم بھی ہو گئی مگر پھر بھی بہت سے لوگ اس خیال کے موجود ہیں کہ وہ اس الوداعی خطبہ کو رمضان کے اخیر جمعہ کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

عیدگاہ میں بچوں کا لے جانا اور اس کی خرابی:

آج کل عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بچوں کو عیدگاہ میں لے جانے کا رواج ہو گیا ہے جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور لیے ہوئے ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ ہر سال اس کی وجہ سے تکلیف اٹھاتے ہیں مگر پھر بھی لوگوں کو ذرا ہوش نہیں آتا شاید کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جا کر خاص نماز کے وقت رونا بسورنا شروع نہ کرتے ہوں بلکہ ایک دو تو ان میں سے ہگ موت بھی دیتے ہیں' خود میرے سامنے کا قصہ ہے کہ میری طالب علمی کے زمانہ میں میرا ایک رشتہ دار جس کی عمر بہت کم تھی عیدگاہ میں والد صاحب کے ساتھ گیا اور اس نے نماز کے وقت پاخانہ پھرنے کے لیے کہا اس کی فرمائش کو سن کر بہت پریشانی ہوئی' اوّل تو خاص نماز کا وقت دوسرے میرٹھ کی عیدگاہ جس میں ہزاروں آدمیوں کا ٹھمکھٹا کہیں قریب ایسا جنگل بھی نہ تھا جس میں اس کو بٹھلا دیا جاتا آخر یہ رائے ہوئی کہ ایک کو چار آنے دیئے گئے اس نے اپنے تخت کے نیچے اس کو بٹھلا لیا' چاروں طرف سے کپڑا لٹکا ہوا تھا اوپر رنگ برنگ کی مٹھائی اور اندر یہ تحفہ بھرا ہوا تھا' یہاں سے ایک نصیحت کی بات خیال میں آئی کہ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ اس مٹھائی کی طرح ہمارا ظاہر تو خوب رونق دار سجا ہوا اور چکنا چپڑا

رہتا ہے لیکن ہمارے باطن کی یہ حالت ہے کہ جیسا مرغی کا گوہ کہ بیہودہ خیالوں سے بھرا ہوا ہے صورت تو ایسی ہے کہ دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر وحی ختم نہ ہو چکتی تو حضرت جبریل انہیں کے پاس آتے اور دل کی یہ حالت ہے کہ شیطان کے بھی شیطان ہیں۔

جماعت کی حکمتیں:

جماعت سے نماز پڑھنے میں ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ سب کی نمازیں اکٹھی ہو کر سرکار میں پیش ہوں گی اگر کوئی بھی قبول ہونے کے لائق ہوئی تو اس کی برکت سے سب کی نمازیں قبول ہو جائیں گی انہیں خوبیوں کی وجہ سے تو جماعت کی ہم کو بہت تاکید کی گئی ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اگر کسی کا تنہا نماز پڑھنے میں خیال نہ بٹے اور جماعت سے پڑھنے میں خیال بٹے اور طرح طرح کے وسوسے دل میں آئیں تب بھی اس شخص کو جماعت سے ہی پڑھنی چاہیے اگر وسوسے دل میں آئیں تو آیا کریں شرع نے وسوسوں کے روک تھام کرنے کی اتنی تاکید نہیں کی کہ اس کی وجہ سے جماعت چھوڑ دیں۔

احکام کی مصلحتیں سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں:

بعض لوگ بدعتوں میں مصلحتیں بیان کیا کرتے ہیں حالانکہ سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے یہ تو اس کا کام ہے جس کو ظاہری علم بھی ہو اور خداوندی مدد بھی اس کے ساتھ ہو اور اس کی پہچان یہ ہے کہ عالموں نے بھی اس کی رائے کو مان لیا ہو اور مولویوں کا گروہ اس کی طرف جھکا ہوا ہو۔

گاؤں میں جمعہ صحیح ہونا اور مخالفین پر نہایت عمدہ الزام:

دیکھ لیجیے کہ بعض لوگ جمعہ کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ جمعہ اگرچہ گاؤں میں صحیح نہیں ہوتا لیکن نہ پڑھنے سے پڑھنا ہر طرح اچھا ہے' دیکھا آپ نے کہ اپنی رائے کو دخل دے کر کس قدر بڑی غلطی کی ہے' میں نے جواب دیا کہ اگر یہی بات ہے تو اچھا بتلایئے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ بمبئی میں گو حج نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اگر کر لیا جائے تو نہ کرنے سے تو اچھا ہی ہے۔ اس کا کیا جواب دو گے یہی کہو گے کہ ابھی بمبئی حج کی جگہ نہیں ہے' پس اسی طرح سمجھ لو کہ گاؤں بھی

جمعہ کی جگہ نہیں' غرضیکہ دین سمجھنے کے لیے بڑی عقل کی ضرورت ہے بھولا بھالا ہونے سے کام نہیں چلتا اور یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی نبی ہوئے وہ عقل میں کامل تھے کوئی نبی بھی بھولا بھالا نہیں ہوا اکثر لوگ بزرگوں کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ بہت بھولے ہیں' یاد رکھو کہ اگرچہ بھولا ہونا بھی اچھا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے لیکن پھر بھی اس کی وجہ سے آدمی بہت سی خوبیوں سے محروم رہ جاتا ہے اس لئے کوئی نبی بھی بھولا نہیں ہوا' ہمارے بھی نبی ﷺ عقل میں کامل تھے۔

بھولا ہونا کوئی بڑا کمال نہیں:

اور حقیقت میں عقل ہے بھی ایسی ہی بڑی نعمت' میرے سامنے ایک شخص نے ایک صوفی سے دریافت کیا کہ سالک کا مرتبہ بڑا ہے یا مجذوب کا انہوں نے اس کا عجیب جواب دیا' مجھے وہ جواب بہت ہی پسند آیا کہنے لگے کہ اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ عقل ایسی چیز ہے کہ دیکھو شراب پینے سے وہ جاتی رہتی ہے۔

سالک مجذوب سے عقل ہی کی وجہ سے افضل ہے:

تو شریعت نے شراب پینے ہی کو حرام کر دیا اور ظاہر ہے کہ سالک کی عقل تو ٹھکانے رہتی ہے اور مجذوب عقل سے باہر ہوتا ہے اب تم خود سمجھ لو کہ سالک کا رتبہ بڑا ہے یا مجذوب کا' حضرت سیوطی رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے اس میں انہوں نے ایک حدیث لکھی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اے عمر اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی جب تم قبر میں تن تنہا رکھے جاؤ گے اور دو فرشتے عجیب صورت کے آ کر تم سے سوال کریں گے کہ خدا کو ایک جانتے تھے یا نہیں اور نبی ﷺ پر ایمان لائے تھے یا نہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور کس قدر پیارا جواب عرض کیا۔ اگر وہ بھی یہ جواب نہ دیتے تو کون دیتا' عرض کیا کہ حضور ﷺ یہ تو فرمایئے کہ اس وقت ہماری عقل بھی ٹھکانے رہے گی یا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں عقل باقی رہے گی بلکہ اور بڑھ جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر عقل باقی رہی تو کوئی خوف کی بات نہیں خدا نے چاہا تو سب معاملہ درست ہو جائے گا'

دیکھئے کہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم عقل کی کس قدر عزت کرتے تھے اور اس کو کتنی بڑی نعمت سمجھتے تھے ایک ہم لوگ ہیں کہ عقل جاتے رہنے کو بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں۔

قصہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا:

اس پر ایک قصہ یاد آگیا گو میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا ممکن ہے کہ غلط ہو لیکن اس کے غلط ہونے سے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیونکہ ہم اپنے مضمون کو حدیث سے ثابت کر چکے ہیں خیر قصہ یہ ہے کہ حضرت رابعہ رحمہا اللہ کو جس وقت دفن کیا تو موافق قاعدہ کے فرشتوں نے آکر سوال کیا تو رابعہ نہایت اطمینان سے جواب دیتی ہیں کہ بھلا جس خدا کو میں نے عمر بھر یاد رکھا اسے گز بھر زمین کے نیچے آکر کیسے بھول جاؤں گی تم اپنی تو خبر لو کہ تم کتنی بڑی دور سے راستہ چل کر آئے ہو کیا تم کو بھی خدا یاد ہے کہ نہیں' سبحان اللہ بزرگوں کو بھی کس قدر اطمینان ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عقل باقی رہتی ہے اس صوفی نے یہ کہا کہ بھائی سالک کا مرتبہ بڑا ہے کیونکہ اس کی عقل باقی رہتی ہے جس کی بدولت اس کو سینکڑوں مصیبتوں سے نجات ہوتی ہے۔

ایک قریہ پر عذاب نازل ہونے کی وجہ' ایک عابد کا گناہ کرنے والوں سے خفا نہ ہونے کی وجہ سے عذاب میں شامل کر دیا جانا

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں شہر کو الٹ دو' حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ اس شہر میں فلاں شخص بھی رہتا ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا ہے کیا اس کو بھی سب کے ساتھ الٹ دوں فرمایا ہاں! اس کو بھی الٹ دو کیونکہ وہ دوسروں کو گناہ کرتے دیکھتا تھا لیکن اس کو کبھی ان پر غصہ تک نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ کے محبّ کو ناجائز کاموں پر غصہ آنا لازمی ہے اور اس کی مثال:

دیکھیے یہ شخص ظاہر میں ایسا بزرگ تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی دھوکا ہو گیا۔ لیکن حقیقت میں ایک بہت بڑے گناہ میں پھنسا ہوا تھا کہ اس کو خدا تعالیٰ اور اس کے حکموں کے ساتھ ذرا بھی محبت کا جوش نہ تھا۔ ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور پھر

لوگوں کو ان کے حکم کے خلاف کرتے دیکھے اور غصہ نہ آئے آج کل اگر کسی دیندار کو لوگوں کی کسی بیہودہ باتوں پر غصہ آتا ہے تو اسے بدمزاج بتلاتے ہیں بلکہ اس کو رائے دیتے ہیں کہ صاحب نرمی سے جواب دینا چاہیے تھا مگر میں کہتا ہوں کہ اگر کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ ہم نے تمہاری ماں کو بازار میں اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا کہ کسبیوں کے سے کام کر رہی تھی تو کیا اس شخص کو غصہ نہ آئے گا اور کیا ان باتوں کو ٹھنڈے دل سے سن لے گا اور کہنے والے سے لڑنے مرنے کو تیار نہ ہو جائے گا اور کیا اس کو بھی یہی رائے دی جائے گی کہ نرمی سے جواب دے گی ہرگز نہیں مگر مولویوں پر اعتراض ہے کہ بہت جلد خفا ہو جاتے ہیں اور ان کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے لیکن صاحبو! ذرا غور کیجیے اور انصاف سے کام لیجیے کہ کوئی مولوی بھی سیدھی بات پر خفا نہیں ہوتا نہ کسی مولوی کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے اگر پوچھنے کی طرح ان سے پوچھیں اور بات کرنے کی طرح ان سے بات کریں تو ہرگز کبھی کوئی مولوی خفا نہ ہو ہاں جب ان کے سامنے خدا اور رسول ﷺ کے حکموں پر اعتراض کرتے ہیں تو ضرور وہ غصہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور یہ غصہ کچھ برا نہیں' یہ تو دین کی حمایت ہے صاحبو! کیا شریعت کے حکموں کی اتنی بھی بڑائی اور محبت دل میں نہ ہو جتنی کہ اپنی ماں کی ہے کہ ماں کے حق میں تو بے غیرتی کی بات سن کر قابو سے باہر ہو جائے اور اپنے آپے میں نہ رہے اور شریعت کی ہتک دیکھ کر اس کو غصہ بھی نہ آ جائے' کس قدر بے انصافی ہے جن لوگوں کو غصہ نہیں آتا ان کے دل میں شریعت کی محبت اور قدر رہی نہیں' اوّل اپنے دل میں شریعت کی محبت پیدا کرو' پھر بھی اگر یہ حالت رہے تو جانیں' صاحبو! صرف زبانی باتیں سن کر سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ ایسی محبت کیونکر ہو جاتی ہے جس سے اس قدر غیرت بڑھ جاتی ہے کہ شریعت کی بے ادبی دیکھ نہیں سکتے' بات یہ ہے کہ اپنے اوپر یہ حالت گزری نہیں' صاحبو! بزرگوں کو تو اتنی غیرت ہوتی ہے کہ جو چیز بھی خدا اور رسول ﷺ سے ان کا دل ہٹاتی ہے اس کو وہ گمراہ کرنے والی سمجھتے ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی غیرت کا قصہ:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک جانور اس میں آ گیا باغ بہت گنجان تھا باہر نکل جانے کے لیے اس کو کوئی راستہ نہ ملا پریشان ادھر ادھر

اڑتا پھرنے لگا اس کی یہ حالت دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک قسم کی خوشی پیدا ہوئی کہ میرا باغ کس قدر گنجان ہے اور درخت آپس میں کس قدر ملے ہوئے ہیں کہ کوئی جانور آسانی سے اڑ کر نکل بھی نہیں سکتا یہ خیال آنے کو تو آ گیا مگر اس کے ساتھ ہی چونک پڑے اور دل میں سوچنے لگے کہ ہائیں اے طلحہ رضی اللہ عنہ تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ نماز میں بھی تیرا اس کی طرف خیال گیا۔ آخر نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے باغ نے تو آج نماز ہی کی حالت میں مجھے اپنی طرف مشغول کر لیا اور میرے دل کو خدا کی طرف سے ہٹا دیا اس وجہ سے میں اس کو اپنے پاس ہی نہیں رکھنا چاہتا اور اپنی اس خطا کو معاف کرانے کے لیے اس باغ ہی کو خدا کی راہ میں دیئے دیتا ہوں آخر کار اس کو خدا کی راہ میں دے دیا' جب دل کو اطمینان ہوا' ان بزرگوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر شیطان کے وسوسہ سے کچھ بھی ان کے دل میں خلش ہوئی' دنیا کی بادشاہت ہاتھ سے نکل گئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بادشاہی جاتے رہنے سے بھی اتنی تکلیف نہیں ہوتی جو ان حضرات کو دنیا کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو جانے سے تکلیف ہو جاتی ہے' شاید لوگوں کو تعجب ہو کہ ذرا سا خیال آ جانے سے انہیں اتنا رنج کیوں ہوا تو سمجھ کہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ میں مشغول رہنا اتنا قیمتی ہے کہ دنیا کی اس کے سامنے کچھ بھی ہستی نہیں بلکہ ان کو جنت بھی صرف اسی وجہ سے پسند ہے کہ وہاں ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی رضامندی نصیب ہو گی ورنہ ان کو جنت کی بھی کچھ پرواہ نہ ہوتی بلکہ انہیں تو اپنے محبوب غرض ہے جنگل میں اگر اپنے محبوب کا ساتھ ہو جائے تو وہ ہزار بستیوں سے ان کے نزدیک بڑھ کر ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حکایت:

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور اگر ہم جنت میں گئے بھی تو ہم کو وہ درجہ تو نصیب نہیں ہو سکتا جو درجہ آپ کا ہو گا اور جب ہم آپ کے درجہ تک نہ پہنچ سکیں گے تو پھر آپ کو دیکھ بھی نہ سکیں گے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ دیکھ سکیں گے تو ہم جنت کو لے کر کیا کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر چپ ہو گئے' اسی وقت وحی آئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو خدا اور

رسول ﷺ کی تابعداری کرے گا وہ بھی نبیوں کے ساتھ ہوگا تب حضور ﷺ نے ان کی تسلی کی کہ میرے دیکھنے اور ملاقات کے لیے یہ ضروری نہیں کہ میرا ہی درجہ نصیب ہو تو دیکھ سکو ورنہ نہیں بلکہ دیکھنے اور ملاقات کرنے کے لیے تو صرف محبت اور تابعداری ہی کی ضرورت ہے اور جس کو یہ بات نصیب ہے اسے دیکھنے اور ملاقات کرنے سے کچھ روک ٹوک نہیں ہوگی' یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے بادشاہ کے دربار میں خدمت گار خدمت کے لیے امیروں سے پہلے پہنچتا ہے حالانکہ کہاں بادشاہ کا مرتبہ اور کہاں بیچارہ خدمت گار۔

غیرت کا مقتضاء محبوب کے غیر کو مٹا دیتا ہے:

سو ان حضرات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک اللہ پاک کی رضا مندی اور حضور ﷺ کی زیارت کے مقابلہ میں دونوں جہان کی بھی کچھ ہستی نہیں' غیرت اور محبت کی تو خاصیت ہی یہ ہے کہ جب یہ بڑھ جاتی ہے تو سب کچھ چھوٹ جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے غیرت ہی میں بادشاہت چھوڑ دی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک حالت میں دو طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا اس واسطے ایک طرف کی توجہ کو چھوڑنا پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنا انہیں ضروری ہوتی ہے اس کو تو چھوڑ نہیں سکتے پس دنیا ہی پر لات مار دیتے ہیں غرضیکہ جن کو اللہ پاک سے محبت ہوتی ہے ان کو اس بات سے غیرت آتی ہے کہ سوائے ان کے اور کسی میں مشغول ہوں اور اسی غیرت کی وجہ سے ان میں دین کا جوش پیدا ہوتا ہے جس کو لوگ کہتے ہیں کہ ان کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے حالانکہ یہ ایسی چیز ہے کہ دیکھو اس شخص کے اندر جس کو حضرت جبریل علیہ السلام نے نیک سمجھا تھا' اسی غصہ کی تو کمی تھی' پھر کیا نتیجہ ہوا کہ جہاں اور گنہگار الٹ دیئے گئے' وہاں اس کے لیے بھی حکم ہوگیا کہ ہاں اس کو بھی ان کے ساتھ ہی الٹ دو حالانکہ اس کی اور سب باتیں اچھی تھیں۔

عقل کے اعتبار سے انسان کی چار قسمیں ہیں:

جو لوگ عقل پوری رکھتے ہیں ہدایت کا کام انہیں کے سپرد ہوتا ہے اور جن بزرگوں کو ہدایت کے کام سے کچھ تعلق نہیں البتہ وہ بھولے بھالے بھی ہوتے ہیں کیونکہ انہیں صرف اپنا ہی درست کرنا منظور ہوتا ہے اور اس کے لیے جتنی اپنی عقل ہے اسی قدر درستی کا بھی ان کو حکم

ہوتا ہے' خلاصہ یہ ہوا کہ جن بزرگوں کو ہدایت کا کام سپرد ہوتا ہے جیسے کہ نبی ﷺ وہ تو بھولے بھالے نہیں ہوتے بلکہ بڑے عقلمند ہوتے ہیں اور یہی کامل بھی ہیں اور جن بزرگوں کو ہدایت کے کام سے کچھ تعلق نہیں ہوتا یہ لوگ البتہ بھولے بھالے ہوتے ہیں اس لیے بعضوں نے کہا ہے کہ انسان چار قسم کے ہیں ایک وہ جن کو دین کی عقل بھی ہے اور دنیا کی بھی جیسے انبیاء علیہم السلام اور وہ عالم جو ان کے نائب ہیں اور ہدایت کا کام ان کے سپرد ہے' دوسرے وہ جن کو دین کی عقل ہے اور دنیا کی نہیں جیسے بھولے بھالے بزرگ' تیسرے وہ جن کو دین کی عقل نہیں اور دنیا کی عقل ہے جیسے عقلمند کافر' چوتھے وہ جن کو دنیا کی عقل ہے نہ دین کی جیسے بے وقوف کافر' غرض نبی اور ان کے نائب علماء عقل میں پورے ہوتے ہیں گو تجربہ میں کم ہوں کیونکہ وہ دنیاوی کاموں میں تو کھپے نہیں رہتے جس سے تجربہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے عجب خلط ملط کر دیا ہے کہ عقل اور تجربہ کو ایک چیز سمجھتے ہیں ان دونوں میں فرق نہیں کرتے اور جب عالموں کو تجربہ کار نہیں دیکھتے تو ان کو کم عقل اور بیوقوف سمجھتے ہیں حالانکہ تجربہ دوسری چیز ہے اور عقل دوسری چیز ہے اسی طرح جن قوموں کو صنعت اور کاریگری اچھی آتی ہے ان کو لوگ کہتے ہیں کہ بڑے عقلمند ہیں حالانکہ ان کو ایک کام میں تجربہ ہو گیا ہے اس لیے انہیں کاریگر کہنا چاہیے نہ کہ عقلمند' کاریگر ہونا اور چیز ہے اور عقلمند ہونا اور چیز ہے اگر ہم مثلاً افلاطون کو ایک جولاہے کے گھر لے جائیں اور اس کی کارگہ میں بٹھا دیں اور کہیں کہ ایک مہین تزیب بنو تو وہ ہرگز نہ بن سکے گا اور جولاہہ عمدہ سے عمدہ بن دے گا کیا اس وجہ سے اس جولاہہ کو افلاطون سے زیادہ عقلمند کہنے لگیں گے ہرگز نہیں ہاں یہ کہیں گے کہ افلاطون اس کام کو اتنا نہیں جانتا جتنا کہ یہ جولاہا جانتا ہے' پس عالم خواہ تجربہ کار نہ ہوں مگر پورے عقلمند ہوتے ہیں اور یہی انبیاء کے نائب ہوتے ہیں مخلوق کو ہدایت کرنا ان کا منصب ہوتا ہے' پس دین کے حکموں میں کسی کو ان کے خلاف کرنے کا حق نہیں۔

(۹) پس سمجھ لینا چاہیے کہ الوداع کا خطبہ شرع سے بالکل ثابت نہیں اور اس کے پڑھنے میں بہت سی خرابیاں ہیں پس اس کو ضرور چھوڑ دینا چاہیے' رہی یہ بات کہ لوگ اس بہانہ سے آ جاتے ہیں اگر یہ نہ ہوگا تو لوگ نماز میں آنا چھوڑ دیں گے سو سمجھ لینا چاہیے کہ جو

لوگ خدا کے لیے نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہر حالت میں آئیں گے خطبہ وداع پڑھا جائے یا کوئی دوسرا خطبہ اور جو لوگ صرف رسم کی پابندی کی وجہ سے آتے ہیں اگر اس خطبہ کے چھوڑنے کی وجہ سے نہ بھی آئیں تو نہ آئیں ہم ان کو بلانے کے لیے کیوں ایک بدعت بڑھائیں۔

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اگر وعظ میں تم بیوہ عورتوں کے نکاح کا ذکر نہ کرو تو میں بھی سننے آؤں' میں نے کہا تو آج ضرور ہی بیان کروں گا تمہارا جی چاہے آؤ نہ جی چاہے نہ آؤ' دین کسی کے آنے کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انصاف کی حکایت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جبلہ بن ایہم غسان جو کہ ایک بادشاہ تھا مسلمان ہوا حج کے زمانہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا' دوسرا ایک غریب آدمی بھی ساتھ ساتھ طواف کر رہا تھا اتفاق کی بات کہ اس غریب آدمی کے پیر کے نیچے اس کی ازار کا کنارہ دب گیا جبلہ جب آگے بڑھا تو اس کی لنگی کھل گئی اور ننگا رہ گیا' چونکہ اپنے کو وہ بڑا آدمی سمجھتا تھا اور یہ دوسرا شخص نہایت غریب آدمی تھا اس وجہ اس کو بہت غصہ آیا اور اس نے ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ اس بیچارہ کا دانت ٹوٹ گیا وہ اسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ امیر المومنین جبلہ نے میرا دانت توڑ دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جبلہ کو ہمارے پاس بلا لاؤ' صاحبو! غور کیجیے یہ امتحان کی جگہ ہے کہ ایک بادشاہ کو ایک غریب آدمی کے معاملہ میں پکڑ کر بلا لیا جاتا ہے۔ خیر جبلہ کو لایا گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ دریافت کر کے اس غریب سے فرمایا کہ جبلہ سے اپنا بدلہ لے لو' جبلہ نے جب یہ سنا تو بہت غصہ سے کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ اے مسلمانوں کے سردار مجھ کو اور ایک معمولی بازاری غریب آدمی کو کس چیز نے برابر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام نے' کیونکہ اس میں تو غریب و امیر سب برابر ہیں۔ تم نے اس کا دانت توڑا تھا' تمہارا دانت بھی ضرور توڑا جائے گا' دیکھیے اس کا نام ہے دینی بھائی ہونا' ایک آج وقت ہے کہ امیروں اور رئیسوں کی دنیا ہی اس دنیا سے جدا اور نرالی ہے' وہ غریبوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے' لیکن اس گئے گزرے وقت میں بھی اگر اس کا کچھ اثر باقی ہے تو اللہ والوں میں ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مساکین سے محبت رکھنے کی حکایت:

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک بڑے عہدے دار شخص مہمان آئے جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا اور چونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے اس لیے دوسرے غریب مہمان ان کے لحاظ سے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ صاحبو آپ لوگ پیچھے کیوں ہٹ گئے کیا اس وجہ سے ہٹ گئے کہ ایک عہدہ دار جو میرے ساتھ بیٹھا ہے' خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں میرے دل میں جتنی تمہاری عزت ہے ان کی ہرگز نہیں' پھر آپ نے سب غریب طالب علموں کو بھی ساتھ بٹھا کر کھلایا شاید اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولانا نے اپنی شان جتلانے کو ایسا کہہ دیا ہوگا' خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہاں شان اور بڑائی کا نام بھی نہ تھا' جن لوگوں نے مولانا کو دیکھا ہے وہ تو خوب جانتے ہیں مگر جن لوگوں نے نہیں دیکھا ان کے لیے ایک قصہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ وہاں بڑائی نام کو بھی نہ تھی' ایک مرتبہ مولانا حدیث شریف پڑھا رہے تھے بادل ہوا تھا کہ یکا یک ہی بوندیں پڑنے لگیں جتنے بھی طالبعلم پڑھ رہے تھے سب کتابیں لے کر بھاگے تاکہ کتابیں خراب نہ ہو جائیں اور سہ دری میں جا کر ٹھہرے اور کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے صحن کی طرف جو منہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا سب کے جوتے سمیٹ کر اکٹھے کر رہے ہیں اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے کو کچھ بھی بڑا نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کو صرف دین کی محبت ہی تھی جس سے غریبوں کو امیروں سے کچھ کم نہیں سمجھا' یہی لوگ ہیں جن کی برکت سے دنیا چل رہی ہے' جس دن یہ حضرات نہ رہیں گے قیامت آ جائے گی' غرض یہ تو حضرت کا امتحان تھا جس میں وہ پورے اترے' آگے جبلہ کا امتحان ہے کہ دیکھیں کیا سمجھ کر ایمان لایا ہے دنیا کی عزت کے لیے ایمان لایا ہے کہ مسلمانوں کی عزت تو بڑھتی چلی جاتی ہے لاؤ ہم بھی مسلمان ہو جائیں تو ہم کو بھی عزت ملے گی' یا صرف خدا کو راضی کرنے اور ثواب جنت ہی کے لیے ایمان لایا ہے' ایسے ہی بعض لوگ بزرگوں سے بھی اسی غرض سے ملتے ہیں کہ لوگ ان کی عزت کرتے ہیں اور ان کو بڑا سمجھتے ہیں' اگر ہم ان کے ساتھ رہیں گے تو ہماری بھی عزت ہوگی اکثر لوگ ایسے

ہی بزرگوں سے چھانٹ چھانٹ کر مرید ہوتے ہیں کوئی جولاہے تیلی سے مرید نہیں ہوتا گو وہ کتنا ہی بزرگ ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے نہ تو سچی طلب ہی ہے اور نہ محبت جہاں دیکھا کہ دنیا کی غرضیں پوری ہوتی ہیں اس طرف چار قدم بڑھا دیئے اور اگر دیکھا کہ یہاں دنیاوی غرض پوری ہونے کی کوئی صورت نہیں تو پاس بھی نہ بھٹکے ایسے ہی لوگ تو امتحان کے وقت ادھورے اترتے ہیں پس جبلہ کا امتحان ہوا اور وہ اس میں پورا نہ اترا یعنی اس نے کہا کہ اچھا مجھے ایک دن کی مہلت دے دی جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کا تم نے قصور کیا ہے اگر یہ مہلت دے دے تو مل سکتی ہے ورنہ نہیں، اس شخص سے پوچھا گیا کہ تم مہلت دیتے ہو وہ بیچارہ اس قدر نیک دل تھا کہ اس نے فوراً مہلت دے دی جبلہ موقع پا کر رات کو اٹھ بھاگا اور رومیوں سے جا ملا اور پھر عیسائی ہو گیا، دیکھیے اس کو دین کی سچی طلب اور محبت نہ تھی کہ ذرا سی ذلت کے خوف سے دین کو چھوڑ دیا جس کا نتیجہ ہمیشہ کی ذلت ہے ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھیے کہ ذرا بھی پرواہ نہیں کی کہ یہ امیر ہے اور دوسرا غریب، ادھر اس کو دیکھیے کہ ذرا سی تکلیف بھی اپنے نفس پر گوارا نہ کر سکا۔

خدا کے طالب کے لئے صابر اور بردبار ہونا ضروری ہے:

ایسے بہت لوگ ہیں کہ شرع کی پابندی صرف دنیا ہی کے نفع کے لیے کرتے ہیں لیکن جو خدا تعالیٰ کے سچے بندے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ ان پر کچھ گزر جائے مگر وہ حق کو نہیں چھوڑ سکتے ہیں، دیکھیے جو لوگ کیمیا کی تلاش کرتے ہیں وہ ساری عمر اسی میں کھپا دیتے ہیں اور ہمیشہ ایک تاؤ کی کسر رہتی ہے لیکن آپ نے کسی کیمیا کے طلبگار کو نہ دیکھا ہو گا کہ وہ اس سے گھبرا گیا ہو اور کیمیا کی فکر چھوڑ دی ہو تو پھر کیا خدا کا طلبگار کیمیا کے طلبگار کے بھی برابر نہ ہو، خوف سمجھ لو کہ جو اکتا گیا وہ طلب گار ہی نہیں، طلب کی صورت کو طلب نہیں کہہ سکتے جیسے آدمی کی صورت کو آدمی نہیں کہہ سکتے۔

رمضان کا اول حصہ رحمت اور درمیانی حصہ بخشش اور آخری حصہ دوزخ سے نجات ہے:

پس جو لوگ الوداع کا خطبہ نہ ہونے نہ آئیں ان کے نہ آنے کی کچھ بھی پرواہ نہ کی

جائے اور ایسی وہمی مصلحتوں سے بدعتوں کی اجازت نہ دی جائے گی البتہ شعبان کے آخری جمعہ کا خطبہ بیشک سنت ہے چنانچہ حضور ﷺ نے ایسا خطبہ پڑھا جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے اس میں حضور ﷺ اس مہینہ کی برکتیں اور خوبیاں فرماتے ہیں کہ رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ گناہوں کی معافی ہے اور آخری حصہ آگ سے چھٹکارا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ جو فرمایا گیا کہ اس کا اول حصہ رحمت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت تو مہربانی کا نام ہے چونکہ رمضان کے اول حصہ میں اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے کی ہمت زیادہ کر دیتے ہیں اور ہمت ایسی چیز ہے کہ بغیر اس کے کچھ کام نہیں چنانچہ اس وجہ سے فرمایا کہ اس کا اوّل حصہ رحمت ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کیا مہربانی ہوگی کہ نیک کاموں کی ہمت تم کو پہلے سے بہت زیادہ نصیب ہوگئی اور یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ جو بعض آدمیوں کو تھوڑے سے نیک کاموں پر ناز ہو جاتا ہے یہ بہت کم عقلی کی بات ہے۔

بغیر توفیق کے کوئی نیک عمل نہیں ہوتا:

کیونکہ انسان کو اگر ان کی طرف سے کوئی ہمت نہ ملے تو کچھ کر ہی نہیں سکتا' پس یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے کہ ہم نیک کاموں کی ہمت دیتے ہیں اس کو اپنا کمال کوئی نہ سمجھے' جب تک دل میں کچھ ہمت نہیں ہوتی آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا اور یہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے' آخر کیا وجہ تھی کہ ابولہب جو کہ نہایت سمجھدار سمجھا جاتا تھا اور حضور ﷺ کا رشتہ میں چچا بھی ہوتا تھا' اس کو حضور ﷺ نے ایمان لانے کے لیے بہت کچھ سمجھایا لیکن اس کو کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہوا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھیے کہ حبشہ کے تو رہنے والے تھے اور نہ کچھ ایسے زیادہ عقلمند سمجھے جاتے تھے اور نہ کبھی اس سے پہلے حضور ﷺ کی صحبت ان کو نصیب ہوئی تھی' کیونکہ مدینہ میں آتے ہی ایک کافر کے پھندے میں پھنس گئے اور پھر خود آزاد بھی نہ تھے جس سے کچھ دین کی باتیں پوچھنے کا موقع ملتا اور پھر تکلیف کا یہ عالم تھا کہ پتھر تپتا ہوا سینہ پر رکھ دیا جاتا لیکن ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ کی یہ حالت تھی کہ زبان سے کلمہ نکلتا تھا احد احد یعنی اللہ ایک ہے' دیکھا آپ نے کہ ایک تو کلمہ پڑھنا بھی نصیب نہ ہوا حالانکہ دولت اور راحت اور سمجھ بوجھ سب کچھ تھی اور دوسرے کو تکلیفوں پر تکلیفیں تھیں اور پھر اللہ ہی کا نام زبان سے

نکلتا تھا آخر اس کی وجہ کیا تھی بس یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو تو ہمت نہیں دی تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دی تھی' حقیقت میں جب تک ادھر سے مدد نہ ہو کچھ بھی میسر نہیں ہو سکتا' پھر یہ کہنا کہ میں ایسا ہوں ویسا ہوں بڑی بے قوفی کی بات ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ چلے جا رہے تھے بادشاہ کے مکان کے نیچے سے ہو کر گزرے بادشاہ نے ان کو اپنے پاس ملنے کے لیے بلایا انہوں نے کہا کیونکر آؤں' دروازہ تو بڑی دور ہے اور پھر وہاں پر بادشاہ نے کمند لٹکا دی یہ اس کے سہارے سے اوپر پہنچ گئے جب یہ وہاں پہنچے تو باتیں شروع ہوئیں باتوں باتوں میں بادشاہ نے پوچھا کہ آپ خدا تعالیٰ تک کیونکر پہنچے' انہوں نے کہا جیسے آپ تک پہنچا کہ آپ نے کمند ڈال کر مجھ کو اپنے پاس کھینچ لیا اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی محبت کی کمند ڈال کر مجھے کھینچ لیا' واقعی سچ کہا جب وہی کھینچتے ہیں تب کوئی پہنچتا ہے۔

دعا میں یہ قید نہ لگانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ! اگر آپ چاہیں تو قبول کر لیجئے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان جایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یوں دعا نہ مانگو کہ اے خدا اگر آپ چاہیں تو ہم پر رحم کیجیے' یعنی دعا اس طرح مانگو کہ اے خدا ہم پر رحم کیجئے اور یوں کہنا کہ اگر آپ چاہیں تو رحم کیجیے ٹھیک نہیں' اس واسطے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی زبردستی کرنے والا تو ہے ہی نہیں پھر اس کہنے کی حاجت ہی کیا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو ایسا کیجیے کیونکہ اس کے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ شاید ویسے آپ پر میرے مانگنے سے دباؤ پڑتا اور اس دباؤ سے آپ میری حاجت پوری کر دیتے سو میں آپ پر دباؤ نہیں ڈالتا بلکہ اگر آپ کا دل چاہے تو میرے اوپر رحم کر دیجیے ورنہ نہیں کیونکہ مجھے آپ پر دباؤ ڈالنا منظور نہیں سو یہ تو بڑی بھاری بے ادبی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سمجھ رہا ہے کہ میرے کہنے سے ان پر دباؤ پڑے گا' بھلے آدمی ہاں دباؤ کا کیا کام' تم دس ہزار دفعہ مانگو اور دعا کرو اگر وہ چاہیں گے تو قبول فرما لیں گے ان پر زبردستی ہی کس کی ہے پھر ناحق تم قید لگاتے ہو کہ اگر آپ چاہیں تو رحم کیجیے' تم تو یہی کہو کہ اے اللہ رحم کیجیے' انہیں اختیار ہے کہ کریں یا نہ کریں میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا کے بھی عقلمند جمع ہو کر سوچتے تو یہ بات کبھی بھی نہ سمجھ سکتے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لی اور جب اللہ تعالیٰ مجبوری سے

بالکل پاک ہیں تو اگر تم کو روزہ رکھنے اور تراویح اور قرآن پڑھنے کی ہمت نہ دیتے تو تم کیا کر سکتے تھے اسی لیے فرمایا کہ رمضان کا اوّل حصہ رحمت ہے کیونکہ روزہ رکھنے اور تراویح اور قرآن پڑھنے کی ہمت دے دینا بہت بڑی مہربانی ہے تو جب رمضان کے اول حصہ میں نیکیوں کی ہمت ملی اور نیک کام کرنے شروع کیے تو گناہ بھی معاف ہو گئے تو درمیانی حصہ رمضان کا گناہوں کی معافی ہوئی' اسی کو حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ رمضان کا درمیانی حصہ بخشش ہے اور ظاہر ہے کہ گناہوں کے معاف ہونے سے آدمی دوزخ سے بھی بچ جاتا ہے اسی کو فرماتے ہیں رمضان کا اخیر حصہ دوزخ سے آزادی ہے غرض آج کا دن جو کہ رمضان کے اخیر دنوں میں ہے اس خوشی کا دن ہے' پس ہم کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہم کو دوزخ سے نجات بخشی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حضور ﷺ نے اول رحمت اور گناہوں کی معافی کو بیان فرمایا ہے پھر اس کے بعد دوزخ سے نجات پانے کو' تو پس ہر شخص اپنی حالت کو دیکھ لے اور سوچ لے کہ اس نے رحمت اور گناہوں کے بخشے جانے کے کام بھی کیے ہیں یا نہیں' کیونکہ دوزخ سے نجات تو جب ہو گی جب کہ اول ایسے کام کر لے جس سے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائے اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔

ہر عمل کی خوبی جب حاصل ہوتی ہے جب کہ اس کے طریقہ سے کیا جائے:

مگر ہاں کوئی تراویح اور روزہ کی نقل اتار کر اس کی ظاہری صورت سے یہ نہ سمجھ لے کہ ہم نے تو رحمت اور بخشش کے کام کر لیے کیونکہ ہر کام کی خوبی اسی وقت میسر آ سکتی ہے جب کہ ان کو ان کے طریقہ سے کیا جائے۔ حدیث شریف میں روزہ کی بابت آیا ہے کہ جو شخص جھوٹ فریب اور اس پر عملدرآمد کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے چھوڑ دینے کی بھی کچھ حاجت نہیں یعنی ایسا روزہ ان کے یہاں قبول نہیں ہوتا جس میں حرام چیزوں سے آدمی پرہیز نہ کرے اب ہر شخص خود دیکھ لے کہ اس نے آج تک دن کیونکر گزارے نمازیں پڑھیں یا نہیں اور پڑھیں تو ان کے ڈھنگ سر بھی پڑھا یا نہیں' دن میں ہماری کیا حالت رہی رات کو ہم نے کیا کام کیے' کسی بری جگہ تو نگاہ نہیں ڈالی کسی کی غیبت تو نہیں کی جھوٹ تو نہیں بولا' پس اگر کسی شخص نے ہمت کی اور وہ سب گناہوں سے بچا رہا اور جتنے نیک کام تھے سب کو

ڈھنگ سر کیا تو آج اس کے لیے بڑی خوشی کا دن ہے اور جس نے ہمت سے کام نہیں لیا اسے آج افسوس کرنا چاہیے لیکن ہاں جن لوگوں نے آج تک کچھ نہیں کیا ہے تو ان کو بھی ناامیدی سے ہاتھ پیر توڑ کر نہ بیٹھ رہنا چاہئے بلکہ ابھی تھوڑا بہت وقت باقی ہے اس میں ہی جو کچھ ہو سکے کر لینا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو اس کو بھی دوزخ سے نجات نصیب ہوگی۔ وہ ایسا دربار ہے کہ وہاں ہر وقت رحمت کا دروازہ کھلا رہتا ہے کسی کو آنے کی روک ٹوک نہیں۔ اسی طرح وہاں کسی کے آنے نہ آنے کی پرواہ بھی نہیں۔ جس کا جی چاہے جب چاہے چلا آئے اور جس حالت میں چاہے چلا آئے اور جب وہاں ہر حالت میں آنے کی اجازت ہے تو اس سے آپ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ بعض لوگ جب کسی ہندو یا عیسائی کو مسلمان کرتے ہیں تو اس کو اوّل نہلاتے ہیں۔ جب کہیں مسلمان کرتے ہیں سو یہ مناسب نہیں۔ صاحبو! مسلمان ہونے کے لیے نہ نہانے کی ضرورت ہے نہ وضوئ بلکہ اگر استنجا بھی نہ کیا ہو تو اس سے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرو۔ پہلے مسلمان کر لو اور اس کے بعد نہلاؤ دھلاؤ۔ اور ایک یہ بات بھی تو ہے کہ کسی کو کیا خبر ہے کہ چار منٹ کے بعد زندہ رہے گا یا ختم ہو چکے گا۔ پس مسلمان کرنے میں ذرا دیر نہ کرو۔ بعض لوگ تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ مسلمان کرنے کے بعد مسہل دینے کی رائے دیتے ہیں' میں کہتا ہوں کہ پاک ہونے کے لیے اگر یہ ضروری ہے کہ کفر کے زمانہ کی کوئی چیز بھی باقی نہ رہے تو پھر فصد بھی لینا چاہئے بلکہ گوشت پوست بھی نیا ہونا چاہیے۔ غرض کہ سب بیہودہ جھگڑے لگا رکھے ہیں۔ اس دربار میں جس کا بھی جی چاہے جب چاہے چلا آئے اور جس حالت میں چاہے چلا آئے۔ صاحبو! غور کیا آج کوئی بادشاہ ہے کہ وہاں ناپاکوں کو اپنے دربار میں آنے سے روکے۔ خلاصہ یہ کہ وہاں نہ تو کوئی آتے کو روکتا ہے اور نہ جاتے کو روکتا ہے۔ جس کا دل چاہے چلا آئے جس کا دل چاہے چلا جائے۔ کسی کو اس طرح سر نہیں چڑھایا گیا کہ ذرا بھی ناز کر سکے۔ پس جب یہ حالت ہے تو ہم لوگوں کو ناامید نہ ہونا چاہئے۔ شاید کبھی کوئی یہ سمجھ لے کہ اب تو سارا رمضان گذر چکا ہے۔ اتنے تھوڑے دن عبادت کرنے سے کیسے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ آج اٹھائیسواں روزہ ہے ابھی ایک دو دن باقی ہیں۔ شریعت کے وعدہ پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر آپ چاہیں گے اور کوشش

کریں گے تو آج ہی بخشش ہو جائے گی' اور دو دن ہی میں تمہارا کام ہو جائے گا۔ تم اگر گناہوں کی پوٹ لے کر بھی پہنچ جاؤ گے تب بھی ادھر کے ایک چھینٹے میں سب دھل جائیں گے۔ دیکھئے اگر ساری دنیا بھی برف سے لپٹ جائے تو سورج کے نکلتے ہی سب پانی ہو کر بہ جائے گی۔ اسی طرح اگر سارا عالم بھی گناہ سے بھر جائے تو ادھر کی ایک نگاہ بس ہے خیر مطلب یہ ہے کہ دو دن جو باقی رہ گئے ہیں ان میں تو اپنی کچھ فکر کر لینی چاہیے۔ پھر بعد رمضان کے تو دنیا میں کھپ جاؤ گے اور بالکل بے فکر ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر ان کی رحمت پر نظر کریں تو ایک دم بھی ادھر سے غفلت نہ کریں اور بے فکر نہ ہوں کیونکہ خدا جانے کس وقت مہربانی سے ہم پر توجہ کریں۔ پھر اگر اس وقت ہم ان سے بے فکر ہوئے اور دنیا میں ہمارا خیال ہو تو کیسی خرابی کی بات ہوگی' اس وقت افسوس کر کے کہو گے کہ بڑی خوش قسمتی سے تو موقع ملا تھا پھر وہ ہماری غلطی سے ہاتھ سے جاتا رہا۔ میاں وہاں تو جس کا کام بھی بنا ہے ایک ہی لحہ میں بن گیا ہے۔ ان کی ایک ہی لحہ کی مہربانی ہمارے لیے بہت ہے۔ مگر بہت دن اس لیے لگے رہتے ہیں کہ ہمیں خبر نہیں کہ کس لحہ میں مہربانی کی نگاہ پڑے گی۔

شاہ ابوالمعالی اور شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا قصہ:

شاہ بھیک صاحب اور شاہ ابوالمعالی صاحب کسی بات پر شاہ بھیک صاحب سے خفا ہو گئے اور انہیں علیحدہ کر دیا۔ یہ جنگلوں میں روتے پھرتے تھے۔ برسات آئی' حضرت کا مکان گر پڑا۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ ایک تو آدمی تھا وہ یہ سب کام کر لیتا آپ نے اسی کو نکال دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے ہی تو نکالا ہے تم بلالو میں تم کو تو منع نہیں کرتا۔ بی بی صاحبہ نے شاہ بھیک صاحب کو بلا بھیجا ان کی تو عید آ گئی سنتے ہی آ موجود ہوئے۔ بی بی صاحبہ نے مکان کی حالت دکھلائی' وہ فوراً جنگل پہنچے اور لکڑی مٹی جمع کر کے مرمت میں لگ گئے یہاں تک کہ سارا دن مکان ٹھیک ٹھاک کر کے چوکس کر دیا اور چھت پر مٹی کوٹنے لگے۔ اتنے میں حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر میں تشریف لائے اور کھانا کھانے بیٹھ گئے اور چھت پر سے مٹی کوٹنے کی آواز سن کر مہربانی کا جوش آیا اور اٹھ کر صحن میں آئے اور ان کو ٹکڑا روٹی کا دکھلایا کہ لو وہ وہیں سے کود پڑے۔ حضرت نے لقمہ ان کے منہ میں دیا اور سینہ سے

لگالیا۔ بس سارا کام ایک لمحہ میں بن گیا۔ اسی لیے تو کہتا ہوں کہ ایک لمحہ بھی غفلت مت کرو مگر خیر اتنی ہمت نہ ہو تو رمضان رمضان تو جاگ کر عبادت کر لو۔ یہ ایک دو دن رہ گیا ہے اس کو بیکار مت کھوؤ۔

رمضان میں غافل رہنے سے حضور ﷺ کا لوگوں کو ڈرانا:

ذرا خیال تو کیجئے کہ حضورت ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذلیل ہوا وہ شخص، ذلیل ہوا وہ شخص، ذلیل ہوا وہ شخص، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کون شخص ذلیل ہوا۔ فرمایا، ایک تو وہ شخص کہ جس نے میرا نام سنا اور مجھ پر درود نہ بھیجا۔ دوسرا وہ شخص کہ اس کے سامنے اس کے بوڑھے ماں باپ زندہ رہے اور اس نے ان کی خدمت کر کے جنت نہ کمائی۔ تیسرا وہ شخص کہ رمضان شریف آئے بھی اور گذر بھی گئے اور اسی طرح گنہگار رہا اور نیک کام کر کے اس نے اپنے گناہ نہ بخشوائے۔ صاحبو! غور تو کرو، حضور ﷺ اس شخص کو کوس رہے ہیں اور حضور ﷺ کا کوسنا خدا کا کوسنا ہے۔ اور جس شخص کو خدا تعالیٰ کوسیں اس کا ٹھکانا کہاں ہو سکتا ہے۔ اب فکر کر لو اگر گناہوں کی بخشش چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ اور معاف کرانے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تسبیح لے کر صرف توبہ توبہ پڑھنا شروع کر دیا۔ بلکہ یہ بھی کرو اور اس کے ساتھ ہی حقداروں کے حق بھی ادا کر دو۔ اگر کسی کے پاس دوسرے کی زمین دبی ہو یا موروثی ہو اس کو چھوڑ دو کسی کا قرض آتا ہو تو اس کو بھی نمٹا دو۔ لوگ اپنے جی میں کہتے ہوں گے کہ موروثی زمین چھوڑنے کے بے ڈھب کہی، پھر ہم کھائیں گے کہاں سے۔ لیکن صاحبو! غور کرو، اگر کسی شخص کے موروثی کھیتوں میں کوئی ریل نکل جائے اور اس کے سب کھیت ریل میں آ جائیں مگر قیمت سب کی سب زمیندار کو ملے تو یہ کیا کرے گا اور کہاں سے کھائے گا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کا حکم تو بے عذر مان لیں، اور جو خدا تعالیٰ کا حکم ہو اس میں سستی کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی کچھ قدر نہیں، ورنہ جو اسلام کے حکم ہیں ان کی بھی ضرور قدر کرتے۔ بات یہ ہے کہ بلا مشقت مل گئے ہیں اور اس کے نفع کو دیکھتے نہیں۔ اس وجہ سے ان کی کچھ قدر نہیں سمجھی، اس کے ملنے میں کچھ روپیہ تو خرچ کرنا ہی نہیں پڑا۔ پھر اس کی انہیں

قدر ہو تو کیسے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہیں قدر کی اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔ دنیا کے حاکم تو جب خوش ہوتے ہیں جب کہ بہت کوشش کی جائے اور بہت کچھ روپیہ پیسہ خرچ کیا جائے۔ اور خدا تعالیٰ کو دیکھئے کہ بہت آسانی سے رضامند ہو جاتے ہیں۔ اور ہم پھر بھی ان کو راضی کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ لیکن حقیقت میں یہ بڑا کمینہ پن ہے' کیونکہ انسان کو چاہئے کہ جس کا احسان اپنے اوپر بہت زیادہ ہو اس کے سامنے تو نہایت عاجزی سے رہے اور اس کا کہا مانے یہ نہیں کہ اور الٹی اس کے ساتھ شرارت کرے اور اس کے کہنے کے خلاف چلے۔

موروثی زمین کو رو کے رکھنا حرام ہے:

پس اپنی تھوڑی بہت تکلیف کی کچھ بھی پرواہ نہ کرو۔ اگر کسی کے پاس موروثی زمین ہے تو اس کو چاہئے کہ فوراً چھوڑ دے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جو شخص موروثی زمین چھوڑ دے گا وہ زیادہ آرام میں رہے گا۔ کیونکہ وہ اس سے بڑا ایماندار مشہور ہو جائے گا' لوگ کہیں گے کہ دیکھو میاں کس قدر ایماندار ہے کہ اپنی موروثی زمین چھوڑ دی۔ پھر تو ہر ایک زمیندار یہی کوشش کرے گا کہ ہماری زمین بھی یہی جوتے۔ اگر اب بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے اور نہ مانیں تو وہ جانیں' دو شخص ضلع سہارنپور کے میرے پاس آئے میں اتفاق سے موضع بھیسانی گیا ہوا تھا وہ میرے پاس وہیں پہنچے کہ ہم کو مرید کر لو' میں نے پوچھا کہ تمہارے پاس موروثی زمین تو نہیں' ان سے معلوم ہوا کہ ہے۔ میں نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ کہنے لگے پہلے مرید کر لو پھر چھوڑ دیں گے۔ میں نے کہا کہ پہلے چھوڑ آؤ جب مرید کروں گا۔ یہ سن کر کہا کہ اچھا ہم چھوڑ آتے ہیں۔ مگر آج تک لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک گاؤں کے لوگ مدت سے مجھے بلا رہے ہیں لیکن اب تک اس وجہ سے نہیں گیا کہ وہاں سب کے پاس موروثی زمینیں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ بتلاؤ کہ مجھے روٹی کہاں سے کھلاؤ گے۔ بس اس کا جواب نہ دے سکے۔

حدیث میں ہے کہ اگر ایک روپیہ حرام کا ہے اور نو روپے حلال کے تو بس اس ایک روپیہ حرام کے مل جانے سے ساری عبادت غارت ہو گئی۔ اور غضب یہ ہے کہ لوگ حرام کمائی بیوی بچوں کے لیے کماتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ صرف اپنے ہی لیے ایسا کریں مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے

کہ پھر روزہ نماز کر کے کیا کریں گے کیونکہ ہمارے پاس تو حلال کمائی نہیں ہے اور جب حلال کمائی نہیں تو روزہ نماز کچھ بھی قبول نہ ہوگا تو نماز روزہ اور دوسرے نیک کام چھوڑ دیے تو اور بہت سے گناہ ہو جائیں گے۔

دوسرا مضمون عید کے متعلق:

یہ مضمون رمضان کے بیان میں تھا اب عید کی نسبت کچھ بیان کرتا ہوں۔ اس کا بھی اسی حدیث سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ رمضان کے آخری حصہ کو حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ دوزخ سے نجات ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دوزخ سے نجات جب ہی ہوتی ہے جب کہ اس سے پہلے رحمت اور گناہوں کی بخشش اور دوزخ سے نجات بھی، اور قرآن شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور ان کی رحمت کے ساتھ خوش ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس موقع پر خوشی ہونی چاہیے اور حدیث میں بھی ہے کہ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک تو روزہ کھولنے کے وقت، دوسرے جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ کھولنے کا وقت خوشی کا وقت ہے اور روزہ کھولنا دو طرح پر ہے۔ ایک تو چھوٹا جو کہ روزمرہ کے افطار کے وقت ہوتا ہے۔ دوسرا بڑا یہ وہ جو رمضان ختم ہونے پر روزہ کھولتے ہیں۔ جس کے سب روزے پورے ہو جاتے ہیں پس اس پر جو خوشی ہوتی ہے اس ہی کا نام عید ہے۔

عید کی رات میں بالکل نہ کھانے کی اصلیت:

ہمارے جاہل بھائیوں نے ایک نیا مسئلہ نکالا کہ عید کی رات میں کچھ نہیں کھاتے۔ جب صبح ہو چکتی ہے تو کچھ کھا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کھول لو۔ اس رسم کو میں اپنے بچپن کے زمانے سے دیکھتا چلا آتا ہوں تحقیق جو کیا تو اس کی طرف صرف اتنی اصل نکلی کہ حضور ﷺ کی عادت تھی کہ عید کے روز صبح کو کچھ کھا لیا کرتے تھے، اس کے بعد نماز کو جاتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج روزہ نہیں ہے اس خوف سے کہ کبھی کوئی روزہ رکھ لے اور یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حد مقرر کر دی ہے کہ شروع مہینہ سے اس کے اخیر تک روزہ رکھو۔ اب اس حد سے بڑھنا درست نہیں۔ اسی وجہ سے رمضان سے ایک دن پہلے سے روزہ شروع کر

دینا مکروہ ہے اور عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

عید کے دن ہم کو خوشی منانے کا حکم ہے:

غرض یہ ہے کہ عید ایک ایسا زمانہ ہے جس میں ہم کو خوشی کرنے کا حکم ہے مگر چونکہ یہ خوشی دین کی ہے اس لیے اس کو اسی طریقہ سے کرنا چاہئے جو دین نے سکھلایا ہے۔ بات یہ ہے کہ خوشی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک دنیا کی خوشی ہے دوسرے دین کی خوشی۔ پس اگر ہم کوئی دین کی خوشی کسی خاص طریقہ سے کرنا چاہیں تو ہم کو اپنی رائے سے طریقہ نہیں بنانا چاہئے بلکہ دیکھنا چاہئے کہ شریعت نے بھی ہم کو اس طریقہ سے خوشی کرنے کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ ہاں اگر دنیا کی خوشی ہو تو البتہ اپنی رائے کر لینے میں کچھ حرج نہیں مگر جب تک کہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ ورنہ وہ بھی درست نہیں۔ آج کل بھائیوں نے ایک نئی فساد کی بات ہندوستان میں نکالی۔ وہ یہ کہ انہوں نے کوشش کی حضور ﷺ کی پیدائش کے دن بھی عید کرنی چاہیے۔ اور یہ خیال ان کو اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے دوسری قوموں کو دیکھا کہ وہ اپنے دین کے بزرگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ مگر سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت ﷺ کی پیدائش کے دن کی خوشی کوئی دنیا کی خوشی نہیں ہے جو اپنی رائے سے کر لو بلکہ یہ تو دین کی خوشی ہے۔ بس اس خوشی کے لیے وہی طریقہ مقرر کر سکتے ہیں جس کی دین سے بھی اجازت ہو اپنی رائے سے کوئی طریقہ نہیں نکال سکتے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم سالگرہ کے طور پر اس دن خوشی کرتے ہیں جیسے اور دنیا کی خوشیاں کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ ایسا کرنا تو حضور ﷺ کے ساتھ بڑی سخت بے ادبی ہے۔ صاحبو! کیا حضور ﷺ کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح سمجھ لیا ہے کہ اسی خوشی کے لیے اس کمینی دنیا کا سامان کرتے ہوئے جیسے دنیا کے بادشاہوں کے لیے کیا کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کا کتیا کے بچے پیدا ہونے پر دنیاداروں کی دعوت کرنا اور ایک بزرگ کی دعوت نہ کرنا

مجھے اس موقع پر ایک بزرگ کا قصہ یاد آیا کہ وہ جنگل میں رہتے تھے کہ ایک کتیا پال رکھی تھی اتفاق سے ایک مرتبہ کتیا نے بچے دیئے تو آپ نے تمام شہر کے عزت دار لوگوں اور

دنیاداروں کی دعوت کی لیکن ایک بزرگ شہر میں رہتے تھے ان کو نہیں بلایا۔ ان بزرگ نے بے تکلفی سے دوستانہ شکایت کی میاں دعوت میں ہمیں نہیں بلایا تو اس بزرگ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضرت میرے یہاں کتیا نے بچے دیئے تھے۔ اس کی خوشی دنیا کے کتوں کی دعوت تھی اور یہ بڑی بے ادبی تھی کہ دنیا کے کتوں کے ساتھ آپ کی بھی دعوت کرتا۔ جس روز میرے اولاد ہوگی اور مجھ کو خوشی ہوگی اس دن آپ کی دعوت کروں گا اور ان کتوں میں سے ایک کو بھی نہ بلاؤں گا۔ غرض ہم جو برتاؤ دنیاداروں کے ساتھ کرتے ہیں وہ برتاؤ بزرگوں کے ساتھ کرنا بے ادبی ہے تو پھر حضور ﷺ کے ساتھ اگر وہ برتاؤ کیا جائے گا تو یہ کیسے بے ادبی میں داخل نہ ہوگا۔ اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حضور ﷺ کی پیدائش کا دن دنیا کی خوشی کیسے ہوگیا؟

سنیے اگر یہ دنیا کی خوشی ہوتی اس کی خوشی زمین ہی زمین پر ہوتی۔ مگر نہیں حضور ﷺ کی پیدائش کی خوشی تو زمین کیا معنی آسمان پر بھی ہوئی۔ جس روز حضور ﷺ کی پیدائش ہوئی تو عرش وکرسی اور فرشتے سب کے سب خوش تھے۔ پس یہ دنیا کی خوشی تو نہ ہوئی' یہ تو دینی خوشی ہوئی تو اس کی ہمیں ہر طرح شرع سے معلوم کرنا ضرور ہوا۔ اب ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں جو اس دن کو عید بنانا چاہتے ہیں کہ کون سی آیت اور کون سی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن بھی عید کرنی چاہئے۔ اگر یہ شرع کی بات ہوتی تو صحابہ کو ضرور معلوم ہوتی کیونکہ وہ تو حضور ﷺ کی صحبت میں رہے ہوئے تھے۔ ان سے زیادہ اور کون مسئلے جان سکتا ہے۔ اور حضور ﷺ کی محبت ان کے برابر اور کس کے دل میں ہوگی۔ پھر کیا وجہ کہ یہ کسی کو نہیں سوجھا' کسی کو خیال نہیں ہوا کہ اس دن عید کرنی چاہیے۔ ہاں جن باتوں کی حضور ﷺ سے اجازت ہے ان کو ضرور کرنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن روزہ رکھا' اور فرمایا کہ یہ وہ دن ہے کہ میں اس میں پیدا ہوا ہوں۔ اس لیے ہم کو بھی اس دن روزہ رکھنا مناسب ہوا۔ اور جس طرح کہ پیدائش کے دن بھی اپنی طرف سے گھڑ کر خوشی کے طریقے نہ برتنے چاہئیں۔ اسی طرح وفات کے دن بھی اپنی طرف سے کوئی بات نہ نکالنی چاہئے۔ اگرچہ وہ دن بھی بزرگوں کی خوشی کا دن ہے۔ اس سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ جو لوگوں نے بزرگوں کے عرس کا طریقہ نکال لیا ہے یہ نہایت ہی نامناسب ہے' بلکہ یہ تو شرع

کی حد سے نکل جاتا ہے۔ اس کی اصلیت فقط اتنی ہے کہ عرس کے معنی ہیں خوشی کے اور بزرگوں کی وفات ان کے لیے بڑی خوشی کی چیز ہے کیونکہ وہ تو اس زندگی کی قید سے چھوٹ کر اپنے محبوب سے جا ملتے ہیں۔ پھر ان کو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوگی' اسی وجہ سے ان کی وفات کے دن کو عرس کہتے ہیں اور گو دنیا میں بھی ان کو محبوب کا وصال ہوتا ہے لیکن اس وصال کو کہاں پہنچ سکتا ہے جو مرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے یہاں تو حجاب کے ساتھ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بے حجاب کے ہوگا اس لیے وہ اس کی تمنائیں کرتے ہیں اور مرتے وقت بھی بہت اطمینان سے رہتے ہیں۔

ایک نقشبندی خاندان کے بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ جب میرا جنازہ لے چلو تو ایک شخص شعر پڑھتا ہوا ساتھ ساتھ چلے۔ کیوں صاحب بے اطمینانی میں کسی کو ایسی فرمائشوں کی سوجھ سکتی ہے ہرگز نہیں' بلکہ یہ باتیں تو خوشی ہی میں سوجھتی ہیں۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا قصہ مشہور ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا اور جنازہ لے چلے تو ایک مرید نے رنج کے غلبہ میں کچھ شعر پڑھے' بس حضرت سلطان جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ کفن کے اندر اونچا ہوگیا' یہ خوشی کی حالت نہیں تو اور کیا ہے۔ واقعی بزرگوں کو اس دن بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اور یہ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ انہیں حوروں اور جنت ہی کی ہوس ہوتی ہے۔ بلکہ وہ اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ اب محبوب کا دیدار نصیب ہوگا۔

حضرت عمر ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہیں جنت نظر آئی آپ نے اس طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ محبت میں اگر میرا مرتبہ آپ کے نزدیک اتنا ہی ہے جو مجھ کو نظر آیا تو میرے دن بیکار گئے۔ یعنی جان تو آپ کے لیے دے رہا ہوں جنت کو کیا کروں آخر جنت چھپ گئی اور خدا تعالیٰ کا نور نظر آیا۔ بس اسی وقت وفات ہو گئی۔ اکثر لوگ ان حالات کو سن کر تعجب کریں گے لیکن یہ تعجب اس وجہ سے ہے کہ خود اس سے محروم ہیں۔ اس وجہ سے ان کو چاہئے کہ ان باتوں کا انکار بھی نہ کریں۔ غرضیکہ بزرگوں کی وفات کا دن ان کے لیے خوشی کا دن تھا۔ اب لوگوں نے اس میں ایسی خرابیاں پیدا کرلیں

جس کی کچھ انتہا نہیں۔تمام بیاہ شادی کے سامان جمع کر دیے۔اکثر جگہ رسم ہے کہ بزرگوں کی قبر پر مہندی چڑھاتے ہیں' نوبت نقارہ رکھتے ہیں۔اسی طرح ستار باجے سب بیہودہ چیزیں جمع کر رکھی ہیں۔غریب مردہ پر تو بس چلتا نہیں قبر کی گت بنائی جاتی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔اور عید میں تین چیزیں ضروری ہوتی ہیں ایک لوگوں کا جمع ہونا دوسرے خاص دن مقرر ہونا تیسرے خوشی' تو مطلب یہ ہوا کہ میری قبر پر کسی خاص دن خوشی کے سامان کے ساتھ جمع نہ ہونا۔ہاں اگر اتفاق سے کبھی جمع ہو جائیں اور یہ نیت نہ ہو تو حرج نہیں۔دوسرے یہ بات بھی ہے کہ حضرت کی وفات گو حضرت ﷺ کے لیے خوشی کی بات ہے لیکن ہم کو تو اس سے ایک طرح کا رنج ہی ہے تو پھر اس دن خوشی کیسی' اور جب حضور اقدس ﷺ کی قبر پر اس طرح جمع ہونا درست نہیں تو دوسروں کی قبر پر یہ جمع ہونا اور طرح طرح کی خوشیاں منانا کیسے درست ہوگا۔اور عجیب برکت ہے کہ حضور ﷺ کی قبر پر آج تک کوئی خاص دن جمع ہونے کے لیے مقرر نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو حکم ہے کہ جب بڑا افطار کریں یعنی جب آخری روزہ کھولیں تو اس دن عید کریں اور اس میں یہ باتیں ہونی چاہئیں۔ملاقات کریں' خوش ہوں' بہت سی خیرات کریں سب اکٹھے ہو کر عید کا دوگانہ پڑھیں۔صاحبو! غور تو کیجئے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے خوش کرنے کا کیا اچھا طریقہ مقرر کیا کہ اس میں نماز کا حکم کیا۔دل کھول کر خیرات کرنے کی فرمائش کی۔اور نماز بھی روزمرہ جیسی نہیں بلکہ اس میں تکبیریں اور زیادہ کر دیں تاکہ عید کی نماز میں اور روزمرہ کی نماز میں ایک طرح کی پہچان ہو جائے۔اور شریعت کی خوبی دیکھئے کہ انسان کے اندر دو چیزیں ہیں ایک دن اور ایک طبیعت' اور جیسے کہ طبیعت میں جوش پیدا ہوتا ہے اسی طرح دین میں بھی جوش پیدا ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے دین کے جوش کا یہ انتظام کیا کہ اس دن اچھے سے اچھا کپڑا پہننے کی اجازت دی۔دیکھئے شریعت کا کیسا پاکیزہ انتظام ہے۔افسوس اس شریعت کو لوگوں نے بھیانک صورت میں ظاہر کیا اور لوگوں کو اس سے ڈرا دیا کہ وہ اس سے دور دور رہنے لگے ورنہ وہ تو عجیب دل کے لبھانے والی چیز ہے۔یہ حکم تھے عید کے جو

بیان ہوئے باقی اور حکم عید کے سو وہ بہت مرتبہ بیان ہو چکے ہیں جیسے چاند دیکھنے میں کوشش کرنا اور چاند کی خبروں کے ماننے میں احتیاط کرنا' ہر جھوٹی سچی خبر پر دھیان نہ کرنا۔ لیکن صدقہ فطر کا اس وقت اتنا بیان کرتا ہوں کہ جس کے پاس پچاس روپے کا مال اپنی ضروری حاجت سے زائد ہو اس پر صدقہ فطر واجب ہے اپنی طرف سے بھی دے اور اپنے چھوٹے بال بچوں کی طرف سے بھی' ہر ایک کی طرف سے پکی تول کے پونے دو سیر گیہوں محتاجوں اور فقیروں کو دے دے مگر ہاں جو کچھ دو وہ کسی کی تنخواہ کے حساب میں مت دیجیو۔ اور اگر کسی کی تنخواہ تمہارے ذمہ چاہئے تھی اور اس میں تم نے صدقہ فطر دے دیا تو تمہارے ذمہ سے ادا نہ ہوگا بلکہ صدقہ فطر تم کو دوبارہ دینا پڑے گا۔ ہاں عید کے دن کی ایک خوبی اور یاد آئی۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ عید گاہ میں جمع ہو چکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ جس مزدور نے اپنا کام اچھی طرح پورا کر دیا ہو اس کو کیا بدلہ دینا چاہئے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کے بدلہ میں اس مزدور کو پوری مزدوری دے دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اس پر فرماتے ہیں' اپنے جلال اور عزت کی قسم آج میں ان کو بخشے دیتا ہوں۔ حضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی بات چیت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ بس لوگ بخشے بخشائے ہوئے لوٹ کر آتے ہیں تو اس حدیث کے سننے کے بعد اب لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ عید گاہ میں کیسی صورت بنا کر جانا چاہئے۔ ایسی صورت سے جانا چاہئے کہ اس کی مہربانی کے لائق تو ہوں۔ افسوس ہے کہ اکثر لوگ صورت بھی گناہگاروں کی بنا کر جاتے ہیں۔ جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے ہیں یا کتراتے ہیں انہیں ضرور چاہئے کہ آج ہی سے توبہ کر لیں ہمیشہ کے لیے نہ ہو سکے تو عید بقر عید کے گذرنے تک تو اس سے بچے رہیں کہ ان وقتوں میں بڑی حاضری ہوتی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ڈاڑھی منڈوائی جائے تو کوئی نقصان بھی تو نہیں اور منڈوانے سے کوئی نفع بھی تو نہیں ہوتا۔ پھر اس بے لذت گناہ سے کیا فائدہ' فضول خدا کے سامنے ذلیل بھی ہوئے۔ دنیا میں کچھ مزہ تک بھی نہ آیا۔ اسی طرح بعض لوگ ریشمی لباس پہن کر عید گاہ میں جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ریشمی لباس نہ خود پہنو نہ

اپنے لڑکوں کو پہناؤ۔ صاحبو! کیا کسی بادشاہ کے دربار میں جاتے ہوئے کوئی شخص اپنے آپ کو باغیوں کے کپڑوں سے سجا کر جائے گا اور کیا باغیوں کی شکل بنا کر جائے گا ہرگز نہیں۔ پھر کیا خدا کی بڑائی دنیا کے بادشاہوں کے برابر نہیں اس کو سوچو اور خدا تعالیٰ کے عذاب کو نظروں کے سامنے رکھو اور ان سب خرافات کو چھوڑ دو۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ عمل کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

تمت

❀❀❀

(۱۰) نگاہ کی حفاظت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلَّمْ۔

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَعْلَمُ خائنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِO (پ۲۴ سورۃ مومن)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں۔ اور جس شئے کو سینے میں چھپاتے ہیں اس کو جانتے ہیں۔ (اس کے متعلق یہ مضمون ہیں۔)

(۱) یہ ایک آیت ہے جس کے لفظ تو بہت نہیں مگر اس کے معنی بہت کچھ ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ایک برائی بتلائی ہے اور ساتھ ہی اس پر ملامت بھی ہے اور اس آیت میں جس برائی کا بیان ہے۔ اس میں لوگ عام طور پر پھنس رہے ہیں۔ اس وجہ سے میں اس آیت کو بیان کروں گا کیونکہ مرضوں میں سے اسی مرض سے خبردار کرتے ہیں، جس میں لوگ پھنسے ہوئے ہوں مرض سے میری مراد گناہ ہے۔

مرض سے اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی کہ گناہ سے پہنچتی ہے:

لوگوں کو تعجب ہوگا کہ گناہ کو مرض کیوں کہا بات یہ ہے کہ مرض سے جیسے تکلیف پہنچتی ہے ایسے ہی گناہ سے بھی تکلیف پہنچتی ہے بلکہ گناہ سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ مرض کی تکلیف سے

بہت بڑی ہوتی ہے۔ کیونکہ مرض سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ مر جائے گا اور مرنے سے تو بعض وقت اور نفع ہوتا ہے کہ بہت سے جھگڑوں سے انسان چھوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ جس قدر بھی تکلیفیں ہوتی ہیں۔ وہ اسی روح اور جسم کے آپس کے تعلق کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دیکھئے کہ جو بدن سن ہو جاتا ہے اس کو اگر کاٹ بھی ڈالیں تو کچھ تکلیف نہیں اور جس شخص پر فالج گرا ہو تو اس کے جتنے بدن پر فالج کا اثر ہو اس میں آپ چاہے سوئیاں چبھوئیں کچھ بھی تکلیف نہ ہوگی۔ کیونکہ جو تعلق روح کو بدن سے پہلے تھا اب ویسا تعلق نہیں رہا۔ گو تھوڑا بہت تعلق ہو جس کی وجہ سے وہ حصہ بدن کا گلتا سڑتا نہیں جیسے مردہ کا بدن گل جاتا ہے پس جب روح کا تعلق بدن سے کم ہو جانے پر بھی بالکل تکلیف نہیں ہوتی تو جبکہ یہ روح کا تعلق بدن سے بالکل ہی نہ رہے گا تو پھر تکلیف کیونکر ہو سکتی ہے۔

بیماری نہ رہنے کے دو طریقے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب روح جدا ہو جاتی ہے' تو کوئی تکلیف نہیں رہتی' اس وقت ایک لطیفہ یاد آیا' ایک طبیب کی کسی نے تعریف کی کہ یہ بڑے اچھے حکیم ہیں' ان کے علاج سے بیماری ہی نہیں رہتی یعنی بیمار ہی نہیں رہتا' جو بیماری رہے' کیونکہ بیماری نہ رہنے کے دو طریقے ہیں' ایک تو یہ کہ بیمار کی بیماری جاتی ہے اور بیمار باقی رہے مرے نہیں' بلکہ تندرست ہو جائے اور ایک طریقہ بیماری نہ رہنے کا یہ ہے کہ بیمار ہی چل دے جیسے کسی افیونی کی ناک پر مکھی آ کر بیٹھ گئی اس نے اڑا دی' وہ پھر آ کر بیٹھی جب کئی بار اڑانے سے نہ گئی تو اس نے چھری لے کر ناک اڑا ڈالی اور کہا کہ وہ اڈا ہی نہیں رہا جس پر اب بیٹھے گی۔

جب آدمی مر جاتا ہے تو کوئی مرض نہیں رہتا:

خلاصہ یہ ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو نہ زکام رہتا ہے نہ کھانسی نہ بخار نہ فکر نہ رنج سب بلائیں اور تکلیفیں دور ہو جاتی ہیں بالکل آرام چین ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا قصہ:

آرام کے لفظ پر ایک قصہ یاد آیا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا ان

دونوں میاں بی بی کی حدیث شریف میں بہت تعریف آئی ہے۔ ایک مرتبہ ان کا ایک بچہ بیمار ہوگیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ آ کر بی بی سے اس کا حال پوچھتے' ایک روز وہ بچہ انتقال کر گیا' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت باہر تھے' بی بی نے یہ خیال کیا کہ اگر میں اب اس کی خبر کر دوں تو رات کا وقت ہے نہ کھانا کھائیں گے اور نہ نیند آئے گی۔ خواہ مخواہ بے چین ہوں گے' اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس وقت انہیں خبر ہی نہ کی جائے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جب باہر سے تشریف لائے تو موافق عادت کے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے' اب یہ وقت بڑے امتحان کا تھا' سچ بولیں تو جو مصلحت سوچی تھی اس کے خلاف ہوتا ہے اور اگر جھوٹ بولیں تو وہ بڑا بھاری گناہ حقیقت میں انہیں جواب دینے میں بڑی دقت ہوئی' لیکن دینداری ایسی چیز ہے کہ عقل اور سمجھ کو بھی زیادہ کر دیتی ہے' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب سمجھا دیا کہنے لگیں کہ اب تو اس کو آرام ہے اس لیے کہ موت سے بڑھ کر کوئی آرام نہیں ہے۔ ایک لطیفہ یاد آیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے باپ یعنی عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو جیسی کہ ایک گاؤں کے آدمی نے مجھے تسلی دی' ایسی کسی نے نہیں دی' سچ یہ ہے کہ دیندار خواہ گاؤں کا ہو یا شہر کا اس کی سمجھ درست ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے وہ جو بات کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے' اس گاؤں والے نے تسلی یہ دی کہ آپ صبر کیجئے' ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کریں گے کیونکہ ہم چھوٹے ہیں اور آپ ہمارے بڑے ہیں اور چھوٹوں کا صبر بڑوں کے صبر کے بعد ہوتا ہے (جب بڑے صبر کرتے ہیں تو چھوٹے بھی صبر کرتے ہیں) اور آپ کے والد کے انتقال کرنے سے نہ تو آپ کا نقصان ہوا بلکہ اور نفع ہی ہے اور وہ نفع یہ ہے کہ تم کو ثواب ملا اور وہ ثواب تمہارے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور تمہارا والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بھی کچھ نقصان نہیں ہوا اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مل گئے اور اللہ تعالیٰ عباس رضی اللہ عنہ کے لیے تم سے بہتر ہے یعنی تمہارے پاس رہنے سے اللہ کے پاس رہنا بہتر ہیں یہ اس گاؤں والے نے عجیب بات کہی۔

موت مومن کا تحفہ ہے:

حقیقت میں موت ایسی ہی آرام کی چیز ہے حدیث میں آیا ہے کہ موت مومن کا تحفہ

ہے اور انسان کی حالت یہ ہے کہ اس سے بھاگتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے اس جہان کو دیکھا نہیں' موت ایک ریل گاڑی کی طرح ہے جیسے گاڑی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی ہے اسی طرح اس جہان سے آخرت کے جہان میں پہنچا دیتی ہے۔ جب ریل گاڑی میں آدمی بیٹھا ہوتا ہے تو اس کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ میرے لیے وہاں کیا کیا تیار ہو رہا ہے۔ جب ریل سے اسٹیشن پر اتر کے دیکھا تو وہاں طرح طرح کے سامان ہیں ایک مخلوق استقبال کے لیے کھڑی ہے طرح طرح کی نعمتیں کھانے پینے کی موجود ہیں۔ تو اس وقت جانتا ہے کہ اللہ اکبر یہاں تو ہمارے لئے بڑا سامان ہے اور جہاں سے آیا تھا وہ سب اس کی نظر میں حقیر معلوم ہونے لگتا ہے۔ بلکہ اسکا خیال تک ہی نہیں آتا اسی طرح اس دنیا کا حال ہے کہ اس وقت یہاں کچھ خبر نہیں لیکن جب یہاں سے کوچ ہوگا تو خدا نے چاہا تو وہاں دیکھ لیں گے کہ کیسی کیسی نعمتیں ہمارے لیے موجود ہیں۔ ان کے سامنے دنیا کی نعمتوں کی کچھ بھی حقیقت نہیں اور بزرگوں نے تو ظاہری آنکھوں سے یا دل کی آنکھوں سے وہاں کی نعمتوں کو دیکھا ہے۔ اس لیے ان کی نظروں میں دنیا کی کچھ قدر نہیں' دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی چھوٹی ہے جیسے ماں کا پیٹ دنیا کے سامنے چھوٹا ہے کہ کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا' اور جس طرح بچہ اپنی خوشی سے دنیا میں نہیں آتا اسی طرح آدمی آخرت کے جہان میں جانا نہیں چاہتا اور جیسے بچہ ماں کے پیٹ کو سمجھتا ہے کہ تمام جہان یہی ہے اور آگے اس کی نظر ہی نہیں جاتی۔ مگر جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کے سامنے ماں کا پیٹ کچھ بھی نہیں اسی طرح ہم لوگ جب یہاں سے جائیں گے اور اس جہان کو دیکھیں گے تو اس دنیا کی حقیقت معلوم ہوگی۔ غرض کہ موت ہر طرح آرام چین کی چیز ہے اسی طرح حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب بچہ کو آرام ہے اس کے بعد حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھانا کھایا۔ اور پھر ان کو بی بی کے پاس جانے کی رغبت ہوئی اور بی بی کا حال یہ کہ ظاہر میں تو جو کچھ میاں کہتے تھے ان کی خوشی کے واسطے سب کچھ کر رہی تھیں مگر اندر جو کچھ دل کی حالت تھی وہ خدا ہی کو معلوم تھی۔ غرض میاں تو فارغ ہو کر سو رہے اور بی بی رضی اللہ عنہا کو کیا نیند آئی ہوگی۔ صبح کے وقت جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ کر تشریف لائے تو بی بی رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ بھلا ایک بات تو بتاؤ اگر کوئی

شخص کسی کے پاس کوئی امانت رکھ دے تو جب وہ اپنی امانت مانگے تو ہنسی خوشی دینا چاہیے یا ناک منہ چڑھانا چاہیے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں ہنسی خوشی دینا چاہیے کہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت لے لی اب تم صبر کرو میاں ناراض بھی ہوئے کہ رات تم نے خبر نہ کی انہوں نے جواب دیا کہ رات کہہ دینے سے کیا نفع ہوتا' فضول تم پریشان ہوتے مجھے اس پر یہ قصہ یاد آیا کہ انہوں نے موت کا نام آرام رکھا۔

روح کی بیماریاں بدن کی بیماریوں سے بہت سخت ہیں:

خلاصہ یہ کہ بدن کی بیماریوں سے نقصان زیادہ سے زیادہ موت ہے اور موت سے چونکہ تمام تکلیفیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے وہ کچھ بری نہیں مگر پھر بھی بدن کی بیماریوں کا اس قدر خیال ہوتا ہے جس کی کچھ حد نہیں مگر روح کی بیماری یعنی گناہ کرنا یہ تو اس طرح ہلاک کر دیتی ہے کہ نہ زندہ ہی رہتا ہے نہ مرتا ہی ہے' یعنی دوزخ میں پہنچا دیتی ہے۔ وہاں اگر موت ہی آ جاتی تو سب قصے ختم ہو جاتے مگر وہاں یہ بھی نہیں اس لیے اس بیماری کا تو بہت خیال رکھنا چاہیے مگر حالت یہ ہے کہ صرف زکام ہو جاتا ہے تو حکیم جی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور روح کی سینکڑوں بیماریاں بھی ہوتی ہیں تو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور یوں تو ہر گناہ سے بچنے کا خیال رکھنا چاہیے مگر جس گناہ کو ہلکا سمجھا جائے اس کا بہت ہی خیال رکھنا چاہیے کسی نے بقراط سے پوچھا کہ بیماریوں میں سے کون سی بیماری زیادہ سخت ہے۔ کہا جس بیماری کو ہلکا سمجھا جائے وہ بہت سخت ہے اس لئے کہ جب کسی گناہ کو ہلکا اور معمولی سمجھا تو پھر اس کا کچھ علاج نہیں۔

بدنگاہی اور بری نیت کو لوگ ہلکا گناہ سمجھتے ہیں:

سو اس آیت میں ایک ایسے ہی گناہ کا بیان ہے جس کو لوگوں نے ہلکا سا سمجھ رکھا ہے اور اسی وجہ سے میں نے اس آیت کا بیان اختیار کیا ہے اس آیت میں دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آنکھوں کے گناہ کا اور دل کے گناہ کا اور یوں تو آنکھوں کے بہت سے گناہ ہیں۔ لیکن ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے بدنگاہی اسی طرح دل کے بہت سے گناہ ہیں۔ لیکن یہاں

ایک خاص گناہ کا ذکر ہے یعنی نیت بری ہونا ان دونوں گناہوں کو لوگ گناہ تو سمجھتے ہیں' لیکن اس میں شک نہیں کہ جس قدر یہ نقصان پہنچاتے ہیں اس قدر اس کو سمجھتے نہیں' دیکھئے ادنیٰ اثر یہ ہونا چاہئے کہ گناہ کر کے کم سے کم دل تو میلا ہو جائے مگر اس گناہ کے بعد دل بھی میلا نہیں ہوتا' ان دونوں گناہوں کو لوگ بہت معمولی سمجھتے ہیں۔ کسی عورت کو دیکھ لیا' کسی لڑکے کو گھور لیا۔ اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا اور یہ وہ گناہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں' بدکاری سے تو بہت لوگ بچے ہوئے ہیں کیونکہ اس کے لیے بہت کچھ تدبیریں کرنی پڑتی ہیں اول تو جس سے ایسا فعل کرے وہ راضی ہو اور روپیہ بھی پاس ہو اور اس شخص کو حیا اور شرم بھی نہ ہو۔ جب کہیں ایسا کر سکتا ہے۔ ورنہ اس کی نوبت نہیں آ سکتی کیونکہ کوئی تو اس وجہ سے بچتا ہے کہ اگر کسی کو خبر ہو گئی تو کیا ہو گا کسی کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی بیماری نہ لگ جائے کسی کے پاس روپیہ نہیں ہوتا' کسی کو اپنی آبرو کا خیال ہوتا ہے اور اس قسم کی بہت سی وجہیں ہیں جس کی وجہ سے آبرودار آدمی بدکاری سے بچتے ہیں۔ خاص کر جو دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ اس میں بہت کم پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ بخلاف آنکھوں کے گناہ کے کہ اس میں کچھ سامان کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اس میں نہ تو روپیہ کی کچھ ضرورت اور نہ اس میں کچھ بدنامی ہے کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے۔ کسی کو گھور لیا مولوی صاحب کے مولوی ہونے میں فرق آیا اور نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی دھبہ لگتا ہے اور گناہوں کی خبر تو اوروں کو بھی ہو جاتی ہے مگر اس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی۔

گناہ کرتے ہیں اور نیک نام رہتے ہیں لڑکوں کو گھورتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو بچوں سے بڑی محبت ہے۔ جب آنکھوں کے گناہ کی دوسروں کو خبر نہیں ہوتی تو دل کے گناہ پر تو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔

بزرگوں کی پردہ پوشی:

اور جن بزرگوں کو خبر بھی ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص نے بدنگاہی کا گناہ کیا یا بری نیت کی تو وہ ایسے ظرف والے ہوتے ہیں کہ ان کا عیب کسی سے کہتے نہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ کر آیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا

نام لے کر تو نہ کہا لیکن یہ فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ تو آپ نے اس طرح فرمادیا کہ کسی کی رسوائی بھی نہ ہوئی اور جو کرنے والا تھا وہ سمجھ گیا کہ مجھے فرمایا ہے۔ جن بزرگوں کو چھپی ہوئی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں ان کو کشف ہوتا ہے۔

بدنگاہی سے آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں:

انہوں نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایسی بے رونقی پیدا ہو جاتی ہے جس کو تھوڑی سی بھی سمجھ ہوگی وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے' اگر دو شخص ایسے ہوں کہ عمر میں بھی برابر ہوں اور خوبصورتی میں بھی برابر ہوں اور فرق ان دونوں میں صرف اتنا ہو کہ ایک تو گنہگار ہو اور دوسرا دیندار ہو' جب چاہے دیکھ لو۔ دیندار کی آنکھ میں ایک قسم کی بے رونقی ہوگی۔ لیکن جن بزرگوں کو معلوم ہو جاتا ہے وہ کسی کا نام لے کر اس کو رسوا نہیں کرتے بلکہ عیب چھپاتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت پردہ پوشی کے متعلق:

اس پر مجھے شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی شاہ صاحب مسجد میں بیٹھ کر حدیث پڑھایا کرتے تھے ایک مرتبہ موافق عادت کے مسجد میں حدیث پڑھا رہے تھے ایک طالب علم وقت سے دیر کر کے سبق کے لیے آئے حضرت شاہ صاحب کو کشف کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ اس کو نہانے کی حاجت ہے اور ابھی تک نہایا نہیں۔ شاہ صاحب نے مسجد سے باہر ہی روک دیا اور فرمایا آج طبیعت سست ہے جمنا پر چل کر نہائیں گے سب لنگیاں لے کر چلو' سب لنگیاں لے کر چلے اور سب نہائے دھوئے اور وہاں سے آ کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ ناغہ مت کرو کچھ پڑھ لو اور وہ طالب علم شرمندگی سے پانی پانی ہو گیا' اللہ والوں کی یہ شان ہوتی ہے کیسے عمدہ طور سے اسے غسل کرنے کا حکم کیا اور جب بزرگوں کی شان معلوم ہو گئی کہ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے تو جو لوگ ان کی خدمت میں آتے جاتے ہیں انہیں بھی چاہئے کہ ایسے بزرگوں سے اپنے عیب کو چھپایا نہ کریں' اس لیے کہ عیب ظاہر نہ کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا تو اس خوف سے ہوتا ہے کہ یہ ہمارے عیب سن کر ہمیں حقیر سمجھیں گے۔ سو ان حضرات میں یہ

بات کہاں وہ تو اپنے نفس کے سوا اور کسی کو حقیر نہیں سمجھتے اور یا عیب ظاہر کرنے میں یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں کسی کو خبر نہ کر دیں۔ سوان حضرات میں یہ بات بھی نہیں ہوتی۔ ان سے صاف صاف اپنے عیب بیان کر دینے چاہئیں۔ مگر یہ علاج کرانے کی غرض سے ظاہر کرے نہ کہ بے ضرورت کیونکہ بلاضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے غرض یہ کہ جن کو اس قسم کے گناہوں کی خبر ہو جاتی ہے وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے اور جو لوگ رسوا کرنے والے ہیں ان کو خبر نہیں ہوتی اس لیے بدنگاہی کا گناہ اکثر چھپا ہی رہتا ہے۔ اس لیے اکثر لوگ بے دھڑک اس کو کرتے ہیں۔

بدنگاہی بہت آسان ہے:

پھر زنا اور دوسرے گناہوں میں جیسے چوری وغیرہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ طاقت اور قوت بھی ہو اور بدنگاہی میں اس کی بھی ضرورت نہیں۔ اس لیے بوڑھے بھی اس میں مبتلا ہیں۔ دیکھیے بوڑھا اگر عاشق ہو جائے اور قابو بھی چل جائے تو کر کچھ بھی نہیں سکتا ہے اس لئے کہ وہ قوت ہی نہیں ہے مگر آنکھوں کے دیکھنے میں تو اس کی بھی ضرورت نہیں خواہ قبر ہی میں پیر لٹکائے بیٹھا ہو۔ مجھے ایک بوڑھے آدمی ملے اور وہ بہت دیندار تھے۔ انہوں نے اپنی حالت بیان کی کہ میں لڑکوں کو بری نظر سے دیکھا کرتا ہوں۔ یہ بیماری میرے اندر ہے۔ ایک اور بوڑھے تھے وہ عورتوں کو گھورا کرتے تھے اور یہ مرض اول جوانی میں پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ سب گناہوں کی یہی حالت ہے کہ اول جوانی کے جوش میں کر بیٹھتے ہیں' پھر وہ مرض اور روگ لگ جاتا ہے اور قبر میں جانے تک اس میں پھنسے رہتے ہیں۔ جیسے حقہ کو اول کسی مرض کی وجہ سے پینا شروع کیا تھا مگر پھر یہ روگ لگ جاتا ہے کہ چھوٹتا ہی نہیں۔ لیکن جوان اور بوڑھے میں یہ فرق ہے کہ جوان آدمی تو علاج کرانے کے لیے اپنے عیب کسی سے بھی کہہ دیتا ہے اور بوڑھا آدمی کہتا ہوا شرماتا ہے اسی وجہ سے کسی سے کہتا نہیں' پس چونکہ بدنگاہی اور بری نیت کرنا کسی پر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ چھپا رہتا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے آدمی اس گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس کو بڑا گناہ سمجھتے بھی نہیں اس وجہ سے اور بھی نہیں بچتے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ جانتے ہیں آنکھوں کے گناہ کو اور جس کو سینے میں چھپائے ہوئے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے اس گناہ کی کسی کو خبر نہیں یہ تمہاری بے سمجھی ہے تمہارے اس گناہ کی تو ایسے کو خبر ہے جس کے خبردار ہونے سے تم پر غضب ٹوٹ پڑے گا۔ کیونکہ اس کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے اور انہیں تمہارے اوپر ہر طرح کی قدرت ہے تو پھر تم کو خوف کرنا چاہیے۔ دیکھو آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن کی آنکھ میں حیا شرم ہوتی ہے وہ تو اس سے گڑ جاتے ہیں کہ ہماری اس بیہودہ حرکت کی کسی کو خبر ہو جائے گی انہیں تو گناہ سے بچانے کے لیے اتنی ہی بات بہت ہے کہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ جو گناہ ہم کریں گے اس کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہو جائے گی جس کو حیا شرم ہوتی ہے اسے اس کا بڑا خیال ہوتا ہے کہ ہماری کسی بری بات کی دوسرے کو خبر نہ ہو جائے اور اگر اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ ہمارے اس کام کی دوسروں کو خبر ہو جائے گی تو وہ اس کام کے نزدیک بھی نہیں جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ڈرانے کو کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کو بدنگاہی اور بری نیت کی بھی خبر ہو جاتی ہے ذرا ان سے شرم رکھنا ان کے سامنے بے حیا مت ہو جانا تو شرم و حیا والے تو اس کہنے سے رک جائیں گے اور جو لوگ بے حیا بے شرم ہوتے ہیں وہ اس سے نہیں ڈرتے کہ کسی کو خبر ہو جائے گی بلکہ وہ تو جوتوں سے ڈرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ذرا سنبھلے رہو' تمہارے اس گناہ کی بھی اللہ کو خبر ہے۔ یعنی دیکھو پھر کیسے تمہارے اوپر جوتے پڑتے ہیں جو تم یاد ہی کرو پس اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے لوگوں کو ڈرایا حیاداروں کو تو اس سے کہ تمہارے گناہ کی ہم کو خبر ہے ذرا شرم رکھنا وہ تو اس شرم سے رکے رہیں گے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو انہیں خبر ہو جائے گی اور بے حیاء اس خیال سے رکے رہیں گے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو انہیں خبر ہو جائے گی' پھر جوتے پڑیں گے غرض اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ اس گناہ سے بچنے کا بہت خیال رکھنا چاہئے

بدنگاہی سے ہم لوگ کچھ پرہیز نہیں کرتے:

اب ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہئے کہ ہم اس سے بچنے کا کتنا خیال رکھتے ہیں میرے خیال میں شاید ہزاروں میں ایک اس سے بچا ہوا ہو ورنہ عام طور پر لوگ اس میں پھنسے ہوئے ہیں اور اس کو بہت ہلکا سا گناہ سمجھتے ہیں جو لوگ جوان ہیں انہیں تو معلوم بھی ہوتا ہے کہ ہم

میں بدنگاہی کا مرض ہے اور جن کی عمر جوانی سے ڈھل گئی ہے اور شہوت کم ہوگئی ہے انہیں یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہم میں یہ مرض ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں ہے اس لیے ہم اگر کسی کو دیکھ لیں نظر کر لیں تو کیا حرج ہے۔ سوان کو اپنے مرض کی بھی خبر نہیں ہوتی۔

خوبصورت انسان دیکھنے کی خواہش اور قسم کی ہوتی ہے اور پھول وغیرہ دیکھنے کی خواہش اور قسم کی

اور بعضوں کو اور دھوکا ہوتا ہے وہ یہ کہ شیطان بہکاتا ہے کہ اچھی صورت دیکھ لینے میں کیا حرج ہے یہ تو ایسا ہے کہ جیسے کسی پھول کو یا اچھے کپڑے اچھے مکان وغیرہ کو دیکھ لیا۔ یاد رکھو یہ بالکل دھوکہ ہے۔ بات یہ ہے کہ خوبصورت انسان کو دیکھنا اور طرح کی خواہش سے ہوتا ہے اور پھول اور خوبصورت مکان دیکھنے کی خواہش اور طرح کی ہوتی ہے دونوں کے دیکھنے کی خواہش ایک طرح کی ہرگز نہیں۔ دیکھو اچھے کپڑے کو دیکھ کر کبھی یہ دل نہیں چاہتا کہ اسے گلے سے لگا لوں سینے سے چمٹا لوں اور خوبصورت انسان کو دیکھ کر یہی دل چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ دونوں کے دیکھنے کی خواہش ایک نہیں ہے۔ بلکہ جدا جدا ہے۔ ایک دھوکا اور ہوتا ہے وہ یہ کہ بعضے کہتے ہیں کہ جیسے اپنے بیٹے کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ گلے لگا لوں اسی طرح دوسرے بچے کو دیکھ کر بھی ہمارا یہی جی چاہتا ہے۔ صاحبو! کھلی ہوئی بات ہے اپنے سیانے بچے اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے اپنے لڑکے کو گلے لگانا چمٹانا اور طرح کا ہے۔ اس میں شہوت بالکل نہیں ہوتی اور دوسرے کے لڑکے کو جو گلے لگانے اور چمٹانے کی خواہش ہوتی ہے اس میں شہوت بھی ہوتی ہے کیونکہ گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے کو بعض کا جی چاہتا ہے معشوق کی جدائی میں اور قسم کا رنج ہوتا ہے اور اپنے لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا اور ویسے تو ہر بدنگاہی بری ہے۔ لیکن لڑکوں پر بدنگاہی کرنا تو بالکل ہی زہر ہے اس سے کھلم کھلا شرع نے منع کیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی اس کی جو برائیاں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی بھاری بلا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بدنگاہی شیطان کا ایک تیر ہے یعنی اس بدنگاہی کی بدولت آدمی شیطان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ ایک

بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دیندار ہونا چاہے اس کے لیے عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ ملا جلا رہنا نہایت نقصان کی چیز ہے اور اس کے حق میں یہ ڈاکو ہے کہ اس کو اس کے مطلب تک ہرگز نہ پہنچنے دے گا۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنے دربار سے نکالنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی طرف خواہش اور ان کی محبت دے دیتے ہیں۔ غرض یہ بڑے نقصان کی چیز ہے اور بدنگاہی میں ایک اور بھی بڑی بھاری خرابی ہے جو اور کسی گناہ میں نہیں وہ یہ ہے کہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ جب ان کو خوب دل بھر کے کر چکے تو پھر ان سے دل ہٹ جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی بری چیز ہے کہ جتنی بدنگاہی کرتا ہے اتنی ہی اور زیادہ خواہش بڑھتی جاتی ہے دیکھو آدمی کھانا کھاتا ہے پیٹ بھر جاتا ہے پانی پیتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے مگر یہ بدنگاہی ایسی بری بلا ہے کہ اس سے دل ہی نہیں بھرتا۔ اس برائی میں تو سب گناہوں سے بڑھ کر برائی ہے بعضے لوگ اس کو سمجھتے ہیں کہ اس سے خدا تعالیٰ کی نزدیکی بڑھتی ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ ہم تو خوبصورتوں کو اس وجہ سے دیکھتے ہیں کہ ان میں خدا کی قدرت نظر آتی ہے مگر یہ نرا شیطانی دھوکہ ہے۔

ایک عابد کے خوبصورت لڑکے پر نظر پڑنے کا قصہ:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص بڑے پرہیزگار کہلاتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے ایک خوبصورت کو دیکھا' دیکھ کر آپ کو حال آ گیا اور لوٹنے لگے آخر بے ہوش ہو گئے۔ اتنے میں بقراط کا ادھر سے گزر ہوا' انہوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے لوگوں نے کہا کہ ایک خوبصورت پر ان بزرگ صاحب کی نظر پڑ گئی تھی' اس میں انہیں خدا کی قدرت نظر آئی کہ بس بے ہوش ہو گئے۔ بقراط نے کہا کہ ایک روز کے بچہ میں بھی تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ اس کو دیکھ کر ان کو کیوں نہیں حال آتا' جن کو خدا کی قدرت نظر آتی ہے تو خوبصورت لڑکوں میں اور اونٹ میں دونوں ہی میں برابر نظر آتی ہے اور اگر کوئی کہے کہ مجھ کو خوبصورت آدمی اور اونٹ دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں جیسے خوبصورت آدمی کے دیکھنے سے ہماری حالت ہوتی ہے۔ اسی طرح اونٹ کے دیکھنے سے تو اس شخص کی یہ بات بالکل جھوٹ ہے آدمی اپنی طبیعت کا خود اندازہ کر سکتا ہے دونوں میں فرق دیکھ لے اس خواہش کو عشق کہتے

ہیں عشق نہیں ہے یہ شہوت ہے یہ سارا فساد روٹیوں کا ہے ایسے لوگوں کو چار روز تک روٹی نہ ملے اس کے بعد پوچھا جائے کہ روٹی لاؤں یا لڑکا لاؤں۔ یہ کہے گا لڑکا اپنی ایسی تیسی میں جائے روٹی لاؤ۔

بزرگوں نے جو عشق مجازی کا امر فرمایا ہے اس کا مطلب:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو عشق کرنے کا حکم کیا ہے چاہے خدا تعالیٰ کا عشق ہو جائے چاہے اور کسی کا اور قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے پاس کوئی مرید ہونے کو گیا تھا' ان بزرگ نے فرمایا کہ اوّل عاشق ہو آ۔ جب کہیں مرید کروں گا اس سے بعضے بے وقوفوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کسی رنڈی یا لونڈے پر عاشق نہ ہو اس وقت تک خدا' تعالیٰ کا عشق بھی میسر نہیں ہوتا یہ بڑی غلطی اور بے سمجھی ہے اس کا مطلب میں عرض کرتا ہوں بات حقیقت میں یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اس کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جس جس کے ساتھ تعلق ہے سب کو مٹا دے کسی سے بھی کچھ تعلق نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہو جائے۔ اب رہی اس کی تدبیر کہ دوسروں سے اپنے تعلق کیسے مٹا دیں تو اس کے بہت سے طریقے ہیں' ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جس چیز سے تعلق ہو اس کو دل سے ایک ایک کر کے مٹا دے۔ چنانچہ پہلے لوگوں کا یہی طریقہ تھا۔ لیکن اس طریقہ میں بہت دشواری ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی شخص کو دس چیزوں سے تعلق ہے۔ مکان سے' باغ سے' اولاد وغیرہ سے اور دس ہی اس کے اندر عیب ہیں۔ حسد ہے' غرور ہے' عداوت ہے وغیرہ وغیرہ تو اس طریقہ سے اگر اس کا علاج کریں گے تو ہر ایک کا علیحدہ علاج کیا جائے گا اور اس کے لیے بڑی عمر چاہئے اور پھر بھی کچھ نہ کچھ عیب رہ ہی جائیں گے اس دشواری کو دیکھ کر پچھلے بزرگوں نے ایک نیا طریقہ نکالا کہ جیسے کہ مہربان طبیب کی شان ہوتی ہے کہ بیمار اگر کڑوی دوا سے ناک منہ چڑھائے تو وہ اس کو کسی اچھی تدبیر سے کھلا دیتا ہے یا وہ دوا بدل دیتا ہے۔ ایسے ہی پچھلے بزرگوں نے دیکھا کہ اگر ایک شخص کو ہزار چیز سے تعلق ہے تو اگر ایک ایک چیز سے تعلق چھڑایا جائے جیسے کسی مکان میں کوڑا بہت ہو تو اس کی صفائی کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک ایک تنکا لیا اور پھینک

دیا اسی طرح سب تنکے اور کوڑا مکان سے باہر پھینک دیا جائے مگر اس میں بڑا وقت صرف ہوگا' اور ایک طریقہ صفائی کا یہ ہے کہ جھاڑو لے کر تمام تنکوں کو ایک جگہ جمع کر کے پھینک دیا تو ایسے ہی یہاں بھی کوئی جھاڑو ہونی چاہئے جو سارے تعلقات کو ایک جگہ سمیٹ کر پھر سب کو اکٹھا دل سے دور کر دے پس ان کی سمجھ میں آیا کہ عشق ایک ایسی چیز ہے کہ اپنے سوا سب چیزوں کو پھونک کر خود ہی رہ جاتا ہے اور کسی چیز کا نشان تک بھی نہیں چھوڑتا۔ دیکھئے اگر کوئی کسی پر عاشق ہو جاتا ہے تو مال بیوی بچے باغ مکان یہاں تک کہ اپنی جان تک اس کے واسطے برباد کر دیتا ہے۔ ایک رئیس کو بیلوں کا شوق تھا ہزاروں روپیہ اس میں کھو دیا۔ ہمارے استاد حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کتابوں کا شوق تھا۔ خود نہ دیکھتے تھے مگر سینکڑوں کتابیں خرید کر رکھ چھوڑیں غرض عشق وہ چیز ہے کہ سوائے معشوق کے سب کو مٹا دیتا ہے۔ اس لئے ان بزرگوں نے یہ طریقہ نکالا کہ اوّل عشق پیدا کرنا چاہئے خواہ کسی چیز کا ہو۔ اس واسطے وہ اوّل دریافت کرتے تھے کہ کسی پر عاشق بھی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی ہی کا عشق ہو بھینس کا عشق بھی اس کے لیے فائدہ مند ہے اس لیے کہ مقصود تو یہ ہے کہ سارے تعلق سمٹ کر بس ایک ہی کے ساتھ ہو جائیں پھر تعلق اور محبت کو معشوق سے چھڑا کر خدا تعالیٰ کی طرف پھیر دیں۔

ایک بزرگ نے بھینس کا خیال جمانے کا حکم کیا تھا:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک شخص ان کے پاس مرید ہونے آیا انہوں نے پوچھا کہ کسی چیز سے تم کو محبت بھی ہے اسنے کہا بھینس سے محبت ہے فرمایا کہ جاؤ چالیس روز تک بھینس کا خیال جمائے رکھو۔ لیکن خدا کے لئے اور لوگ اس کا وظیفہ نہ کر لیں' اس لیے کہ ہر شخص کی حالت جدا ہے کسی کے لیے ایک چیز فائدہ مند ہے اور کسی کے لیے نہیں' کبھی وہ قصہ ہو جائے کہ ایک طبیب تھے اور ان کے بے وقوف شاگرد ایک مرتبہ استاد اور ان کے بے وقوف شاگرد ایک بیمار کو دیکھنے گئے' بیمار کی حالت پہلے روز سے زیادہ خراب تھی' طبیب صاحب نے فرمایا کہ تم نے نارنگی کھائی ہے اس وجہ سے تم کو یہ تکلیف بڑھ گئی ہے اس نے کہا بے شک حضور نارنگی کھائی ہے۔ جب بیمار کو دیکھ کر گھر کو لوٹے تو راستہ میں شاگرد نے پوچھا

کہ حضرت آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے۔ طبیب صاحب نے فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ اس کے مزاج کی حالت دیکھ کر مجھ کو معلوم ہوا کہ اس نے کوئی ٹھنڈی چیز کھائی ہے اور اس کی چارپائی کے نیچے میں نے نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے دیکھے تو میں سمجھ گیا کہ اس نے نارنگی ہی کھائی ہے۔ شاگرد بے وقوف تو تھے ہی جب وہ پڑھ پڑھا کر نمٹے تو کسی امیر کے دیکھنے کے لیے بلائے گئے ان کی چارپائی کے نیچے نمدہ پڑا ہوا تھا فرماتے ہیں کہ بس معلوم ہو گیا کہ آپ نے نمدہ کھایا ہے جس سے یہ مرض آپ کو ہو گیا ہے جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب کو ہنسی آ گئی' اور سب سمجھ گئے کہ طبیب صاحب بالکل بے وقوف ہیں تو خدا کے واسطے تم ایسی دیکھا دیکھی نہ کیجیو کہ آج سے نماز روزہ اور خدا کی یاد کو چھوڑ کر بھینس کا خیال باندھ کر بیٹھ جاؤ خلاصہ یہ کہ ان بزرگ نے فرمایا کہ جاؤ بھینس کے خیال باندھنے کا ایک چلہ کرو اور چالیس دن کے بعد ہمیں خبر دینا' بس وہ پانچوں وقت نماز تو پڑھ لیتے اور کونہ میں جا کر بھینس کا خیال جما کر بیٹھ جاتے جب چالیس روز پورے ہو گئے تو پیر صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ بیٹا باہر آؤ' جواب دیتے ہیں کہ حضور باہر کیسے آؤں' بھینس کے سینگ اڑتے ہیں۔ پیر صاحب نے شاباش دی کہ مقصود پورا ہو گیا سب روگ جاتے رہے' اب فقط بھینس رہ گئی اس کا نکل جانا آسان ہے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس کے لیے عورت یا لڑکے پر عاشق ہونا ضروری نہیں بلکہ ان پر عاشق ہو جانے میں بڑا اندیشہ ہے کہ کہیں اس لونڈے یا عورت ہی میں نہ رہ جائے اور جو مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ملنا اور ان سے محبت ہونا اس سے ہمیشہ کو محروم ہو جائے اس لیے خود اپنے اختیار سے کسی عورت یا لڑکے پر عاشق ہونا جائز نہیں' ہاں اگر بلا اختیار کسی کو لڑکے یا عورت سے عشق ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے مل سکتا ہے مگر اس شرط سے کہ نہ تو معشوق کے پاس رہے نہ اس کو دیکھے نہ اس سے بات کرے نہ آواز سنے اور جہاں تک ہو سکے دل میں اس کا خیال نہ لائے' غرض جہاں تک ہو سکے اس سے بچے' اگرچہ اس طرح کرنا نفس کو بہت دشوار ہو گا لیکن ہمت تو نہ توڑے اور دل کو مضبوط کر کے اس پر عمل کرے' تھوڑے روز ایسا کرنے سے اس کے دل میں ایک قسم کی جلن پیدا ہو گی جس سے عزت مال اولاد سب کی محبت دل سے جاتی رہے گی۔

اب چونکہ اس کے دل میں محبت تو بھری ہوئی ہے ہی۔ پیر اس محبت کو معشوق سے ہٹا کر خدا تعالیٰ کی طرف لگا دے گا' اگر ایسا کرے گا تو اس عشق سے بھی خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور اگر معشوق سے جدا نہ رہا بلکہ اس سے ملا جلا رہا' آپس میں بات چیت اٹھنا بیٹھنا سب کچھ رکھا تو پھر ہمیشہ اسی بلا میں پھنسا رہے گا اور کسی دن بھی اس کو اس سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ دیکھئے ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ خود ہی فرماتے ہیں کہ دیکھو معشوق کی صورت میں مت رہ جائیو۔ یہ راستہ کا پل ہے جلدی سے اس سے پار ہو جانا چاہیے۔ غرضیکہ بزرگوں نے جو عاشق ہونے کو کہا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خوب نظر بازی کریں مزہ اڑائیں اور سمجھیں کہ ہم صوفی ہیں ہمیں سب کچھ حلال ہے اور اس سے خدا تعالیٰ کی نزدیکی میسر ہوگی اس سے خدا تعالیٰ کی نزدیکی تو کیا ہوگی یہ تو ان سے بہت دور کر دے گی بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گناہ سے اللہ تعالیٰ بہت ہی ناخوش ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے غیر پر نظر ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے:

دیکھئے حدیث شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے اندر بہت غیرت ہے اور اللہ تعالیٰ کو مجھ سے بھی زیادہ غیرت ہے اور غیرت ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سب برے کاموں کو حرام کر دیا ہے اور آنکھ سے دیکھنا' ہاتھ سے چھونا اور پاؤں سے چلنا یہ سب کے سب برے ہی کام ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی نسبت کہا ہے کہ یہ زنا ہیں' یعنی بدکاری کرنا' چنانچہ فرماتے ہیں کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے اور کان زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا ہے (یعنی کسی عورت یا کسی لڑکے سے شہوت کے ساتھ باتیں کرنا) اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (کسی لڑکے کو یا غیر عورت کو) چھونا ہے۔ دیکھئے اگر یہ سب برے کام نہ ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں زنا کیوں کہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب برے کام ہیں۔ اور برے کاموں پر اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب کام ایسے برے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے بہت ہی ناخوش ہوتے ہیں اور بڑا افسوس تو یہ ہے کہ بعضے پیر بھی اس میں پھنسے ہوئے ہیں کہ عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ پیر تو باپ کی جگہ ہے بلکہ باپ سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر

اس سے کیا پردہ کریں' اور بہت بے شرمی سے بلا روک ٹوک سامنے آتی ہیں اور جو مرد ایسے پیروں کے سامنے اپنی [illegible] کو آنے دیتے ہیں وہ بالکل بے حیا بے شرم ہوتے ہیں' بعض جگہ تو ایسا سنا گیا ہے کہ عورتیں تنہا مکان میں جاتی ہیں' جہاں مرید ہوتے ہیں۔ خدا کی پناہ بھلا حضور ﷺ سے زیادہ کون بزرگ ہوگا۔ دیکھو حضور ﷺ سے عورتیں پردہ کرتی تھیں۔ امت کی ساری عورتیں آپ ﷺ کی دینی بیٹیاں ہیں اور حضور ﷺ خود بالکل بے گناہ ہیں آپ ﷺ کی نسبت کسی قسم کے گناہ کا شبہ تک بھی نہیں ہوسکتا' لیکن پھر بھی عورتوں کو حکم تھا کہ آپ ﷺ سے پردہ کریں اور حضور ﷺ کی بیبیاں تمام امت کے مردوں عورتوں کی مائیں تھیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں اس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے اور کسی شخص کو بھی حضور ﷺ کی بیبیوں کی نسبت تو بہ توبہ کسی برائی کا خیال بھی نہیں آ سکتا تھا لیکن ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے گھروں میں جمی رہو' باہر نہ نکلو' اور ان کو یہ بھی حکم دیا کہ نرم بات مت کرو کیونکہ جس کے دل میں روگ ہے وہ طمع کرے گا اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ مردوں کو تو نرم برتاؤ کرنا اچھا ہے اور عورتوں کو خشک برتاؤ کرنا اچھا ہے' یعنی عورتیں غیر مردوں سے نرم اور میٹھی میٹھی باتیں نہ کریں اور نہ ایسی سختی ہی سے کریں بلکہ نہ نرمی ہی ہو اور نہ سختی ہو بس اس طرح کہیں کہ دوسرا سن تو لے مگر کسی قسم کی طمع اس کے دل میں نہ آئے' نہایت خشکی سے بے لگاؤ بات کریں' ہاں اپنے خاوند سے اور دوسری عورتوں سے بہت نرمی سے برتاؤ کریں تو دیکھ لیجئے کہ حضور ﷺ کی بیبیوں کو یہ حکم کیے گئے تھے۔ آج کون شخص ہے جو آپ کو ان سے بڑھ کر کہہ سکے۔ بلکہ آج کل تو فتنہ فساد کا زمانہ ہے اس لئے اس زمانہ میں تو پردہ کا بہت خیال رکھنا چاہئے' کبھی بھول کر بھی غیر کے سامنے نہ آنا چاہئے۔

ان بزرگ کی حکایت جو پردہ میں بے احتیاطی کرتے تھے:

ایک بزرگ تھے وہ پردہ کرانے میں زیادہ احتیاط نہ کرتے تھے بلکہ عورتوں کو اپنے سامنے آنے دیتے تھے ان کو منع نہ کرتے تھے یہ سمجھتے تھے کہ میں اب تو بوڑھا ہو گیا ہوں' اب میرے سامنے آنے میں کیا خرابی ہے ایک اور بزرگ تھے انہوں نے ان کو نصیحت کی کہ میاں غیر عورتوں کو اپنے سامنے مت آنے دیا کرو انہوں نے ان کی نصیحت کا کچھ خیال نہ کیا اور

عورتوں کو سامنے آنے سے منع نہ کیا۔ آخر ایک مرتبہ خود انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا۔ حضور ﷺ سے اسی مسئلہ کو دریافت کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں' اب عورتوں کے میرے سامنے آنے میں کسی بری بات کا تو خوف ہے نہیں تو کیا اب بھی پردہ کرانا ضروری ہے' یا اس حالت میں ان کو سامنے آنے دینا بھی جائز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مرد اتنا بزرگ ہو جائے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ کو پہنچ جائے اور عورت اتنی بزرگ ہو جائے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے مرتبہ کو پہنچ جائے مگر پھر بھی اگر یہ دونوں ایک جگہ تنہا مکان میں جمع ہوں گے تو شیطان بھی ان کے پاس آ موجود ہوگا (اور ان سے کچھ نہ کچھ کراہی دے گا) یعنی پھر تمہیں کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو اپنے سامنے آنے دو۔ اور آدمی کتنا ہی بوڑھا ہو جائے لیکن اس کے اندر تھوڑی بہت شہوت تو ضرور رہ ہوتی ہے وہ فرشتہ تو ہو نہیں جاتا' ہاں یہ اور بات ہے کہ کچھ کر نہ سکے' لیکن بدنگاہی کے لئے تو کچھ قوت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بوڑھا ہی سہی' مگر بدنگاہی سے تو نہ بچ سکے گا۔ مرد کی تو پیدائش ہی میں عورتوں کی خواہش رکھی ہوئی ہے' پھر پیدائشی جوش کو آدمی کیسے روک سکتا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی حکایت:

گنج مراد آباد میں ایک بزرگ تھے جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اندازاً ایک سو دس برس کی ان کی عمر ہو گی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا جاڑے کا موسم تھا صبح کو اٹھ کر خادم کو آواز دی' ارے فلانے مجھ کو کچھ شبہ سا ہو گیا ہے جی چاہتا ہے کہ نہالوں طبیعت صاف ہو جائے گی۔ خادم نے پانی رکھ دیا' اسی جاڑے میں غسل کیا' بتلایئے اگر بڑھاپے میں کچھ بھی خواہش نہ رہا کرتی تو پھر یہ شبہ کیوں ہوتا کہ کہیں نہانے کی حاجت نہ ہو گئی ہو۔ ایک مرتبہ کانپور میں ہمارے گھر بہت عورتیں آئیں' ان میں آپس میں یہ ذکر ہونے لگا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے اب پردہ کرنا چاہئے یا نہیں اب تو وہ بوڑھے ہو گئے ہیں' کوئی کہتی تھی کرنا چاہئے اور کوئی کہتی تھی کہ اب اس عمر میں ان میں رکھا ہی کیا ہے جو ان سے پردہ کیا جائے۔ میں نے جو ان کی باتیں سنیں تو حضرت مولانا کا یہی قصہ میں نے سب کے سامنے بیان کر دیا کہ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ انہیں ایک مرتبہ یہ شبہ ہوا تھا کہ کہیں نہانے کی حاجت تو نہیں ہو

گئی اور وہ شبہ کی وجہ سے نہائے بھی تھے' اب تم خود ہی سمجھ لو کہ اس عمر میں بھی ان سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں اس کو سن کر سب چپ ہور ہیں' حضرت جب سو برس کی عمر میں یہ قصہ ہو سکتا ہے تو پچاس برس کی عمر میں اب کیا مشکل ہے اور اول تو بہت سے پیر جوان بھی ہوتے ہیں پھر پیر سے پردہ نہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور آج کل تو ہر شخص پیر بن سکتا ہے' پیر بننا مشکل ہی کیا ہے' بس لمبے لمبے بال ہوں موٹے موٹے دانوں کی تسبیح ہو رنگا ہوا کرتا ہو بس پیر ہو گئے' پھر وہ خواہ عورتوں کو گھوریں یا لونڈوں کو تکیں اور چاہے حلال کام کریں یا حرام ان کی پیری ایسی مضبوط ہوتی ہے کہ کسی طرح نہیں جاتی اور لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جتنا کوئی شرع کے زیادہ خلاف ہوتا ہے اتنا ہی اس کے زیادہ معتقد ہوتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک بہت مقبول ہے اور جو کوئی زیادہ شرع پر چلتا ہے تو اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ پیر کیسے ہو سکتا ہے یہ تو نرا ملاں ہے یہ تو مردوں کی حالت تھی اب عورتوں کی حالت سنیے۔

بدنگاہی کا مرض بعض عورتوں میں بھی ہوتا ہے:

بعضی عورتیں تو ایسی بے حیا ہوتی ہیں کہ وہ خود بھی مردوں کو دیکھتی ہیں' اور اپنے آپ کو بھی مردوں کو دکھا دیتی ہیں' پردہ وغیرہ اٹھا دیتی ہیں کہ دوسرا مرد ان کو دیکھ لیتا ہے اور اس میں بالکل احتیاط نہیں کرتیں' حدیث میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ دیکھنے والے کو اور جس کو دیکھا جائے دونوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں۔ عورتوں کو جو نصیحت کی جاتی ہے کہ دیکھو ذرا پردہ کا خیال رکھو کسی مرد کی نظر تم پر نہ پڑے تو کہتی ہیں وہ ایک دفعہ دیکھ کر پھر کیا دیکھے گا ساری عمر ترسے گا۔ جو بڑی پردہ کی بیٹھنے والی کہلاتی ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ خاوند کے سامنے تو بھنگن ہی بنی رہیں گی اور اگر کہیں جائیں گی تو پھر بہت ہی سج کر بیگم بن کر جائیں گی۔ بڑی بے حیائی' بے شرمی کی بات ہے کہ خاوند کے سامنے تو اپنے کو نہ سجائے جس کے سامنے سج بن کر رہنا ضروری ہے اور دوسروں کے دیکھنے کے لیے اپنے کو سجائے۔ بعض عورتیں دولہا دلہن اور بارات کو دیکھتی ہیں اور ان کے مرد بھی کچھ نہیں کہتے بڑی بے شرمی کی بات ہے اور بعض مرد ایک بڑی بے احتیاط کرتے ہیں کہ گھر میں پکار کر نہیں جاتے ڈولی سے اترنے سے پہلے نہیں معلوم کراتیں کہ گھر کے اندر کوئی مرد تو نہیں ویسے ہی گھر کے اندر چلی جاتی ہیں۔ میں

ایک دفعہ بیمار تھا بہت عورتیں حالت دریافت کرنے کو ڈولی سے آئیں اور بلا خبر کرائے ڈولی سے اتر کر گھر میں چلی آئیں میں نے ان کو خوب برا بھلا کہا اور جب عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اس وقت تو بالکل ہی بے شرم ہو جاتی ہیں' بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے گھر کے مرد دروازہ کے اندر سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں' ان میں سے کسی نے منہ پھیر لیا کسی نے آنچل سے منہ ڈھک لیا کوئی کسی کے پیچھے ہو گئی اور اس پر تعجب یہ ہے کہ ہر ایک یہی جانتی ہے کہ مجھ کو نہیں دیکھا۔ حالانکہ اس نے سب کو دیکھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آنکھوں کا گناہ سخت ہے اور اس میں بہت آدمی پھنس رہے ہیں' اس کا بہت انتظام کرنا چاہئے اپنا بھی انتظام کرو اور گھر والوں کا بھی۔

بدنگاہی سے بچنے کا آسان طریقہ:

اور اس گناہ سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ راستہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ کر کے چلو ادھر ادھر نہ دیکھو خدا نے چاہا تو بہت بچے رہو گے۔ دیکھئے جب شیطان اللہ تعالیٰ کے دربار سے نکالا گیا تھا تو اس نے یہی کہا تھا کہ میں آدمیوں کے بہکانے کے لئے سیدھے راستہ پر جا بیٹھوں گا جس پر آپ نے انہیں چلنے کا حکم دیا ہے پھر ان کو سامنے سے بھی آ کر بہکاؤں گا اور پیچھے سے بھی آ کر بہکاؤں گا اور داہنی طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی۔ غرضیکہ اس نے چار سمتوں سے بہکانے کو کہا پس دو سمتیں باقی رہ گئیں اوپر کی سمت اور نیچے کی سمت۔ بزرگوں نے اس کی عمدہ وجہ بیان کی کہ شیطان نے اوپر اور نیچے کی سمتوں کو کیوں ذکر نہیں کیا۔ فقط چار ہی سمتوں سے بہکانے کو کہا بات یہ ہے کہ اکثر گناہ ان چار ہی سمتوں سے ہوتے ہیں۔ بس گناہ سے بچنے کی دو صورتیں رہیں یا تو اوپر دیکھ کر چلو یا نیچے دیکھ کر مگر اوپر دیکھ کر چلنے میں تو یہ ڈر ہے کہ کہیں گر نہ پڑیں یا کچھ آنکھ میں پڑ جائے پس اب یہی طریقہ رکھا گیا کہ نیچے دیکھ کر چلیں۔

ان بزرگ کا قصہ جو مردوں کو بھی نہ دیکھتے تھے:

ایک بزرگ تھے وہ بات کرنے کے وقت مردوں کو بھی نہ دیکھتے تھے۔ ان سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی فرمایا کہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو میں پہچانتا ہوں' دوسرے وہ جن کو

میں نہیں پہچانتا' جن کو میں پہچانتا ہوں ان کو بلا دیکھے بھی آواز سے پہچان لیتا ہوں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے اور جن کو نہیں پہچانتا ان کے دیکھنے سے کیا فائدہ ہے۔ سبحان اللہ حدیث پر چلنا اسے کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اچھی طرح دیندار اس طرح ہوسکتا ہے کہ بے کار کاموں کو چھوڑ دے۔ دیکھئے ان بزرگ نے بے فائدہ نظر تک نہیں کی۔

بعض بزرگوں نے نگاہ کے گناہ سے بچنے کے لئے جنگل میں رہنا اختیار کیا ہے:

بعض بزرگوں نے اس نظر کے گناہ سے بچنے کے لئے جنگل میں رہنا اختیار کر لیا تھا۔ ایک بزرگ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور ان کی آنکھ پھوٹی ہوئی تھی۔ وہ طواف کرتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ میں آپ کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے فرمایا کہ میں نے ایک لڑکے کو بری نگاہ سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپ لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لیے ڈرتا ہوں کہ کہیں دوبارہ ایسا نہ ہو جائے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ چلے جا رہے تھے ایک عیسائی کا خوبصورت لڑکا سامنے سے آ رہا تھا۔ ایک مرید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی کیا دوزخ میں ڈالیں گے؟ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاید یہ تیری نظروں میں اچھا معلوم ہوا ہے اور اچھا معلوم ہونے کی وجہ سے تو نے اسے دیکھا بھی ہے دیکھ تو سہی آج ہی کل میں اس کا کیسا مزا تجھ کو ملتا ہے آخر اس کی یہ سزا ملی کہ وہ شخص قرآن بھول گیا کچھ بھی یاد نہ رہا خدا کی پناہ۔

بعضے بزرگوں کے حسن پسند کرنے کے معنی:

بعضے بزرگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں بعض لوگوں کو اس سے دھوکہ ہو گیا ہے وہ سمجھ گئے ہیں کہ خوبصورتوں سے ملنا جلنا دیکھنا بھالنا جائز ہے چنانچہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ میاں حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بھی تو بزرگ تھے مگر پھر بھی خوبصورتی پر جان دیتے تھے۔ پھر ہم اگر ایسا کریں تو کون سی برائی ہے۔ واہ صاحب واہ آپ کی بھی کیسی بھدی سمجھ ہے میاں بزرگوں کو اپنی طرح سمجھتے ہو وہ کہیں خوبصورتی سے ایسا شوق تھوڑا ہی رکھتے تھے جو تم سمجھتے ہو۔ انہیں تو ہر خوبصورت چیز اچھی لگتی تھی وہ آدمی ہو یا اور کوئی چیز اور جو

چیز بھی بدصورت اور بے ڈھنگی ہوتی تھی اس کو دیکھ کر انہیں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ انہیں جب کہیں جانا ہوتا تھا تو پالکی میں بیٹھ کر جاتے تھے اور پالکی کے پٹ بند کر دیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ پٹ کیوں بند کرا دیتے ہیں۔ فرمایا کہ راستہ میں بازار وغیرہ ملتے ہیں اس میں بعض دوکانیں بے قاعدہ بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔ تھانہ بھون میں ایک قاضی تھے وہ اپنے ساتھ ایک شخص کو لے کر حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے قاضی صاحب کے ساتھی کو ناک صاف کرنے کی ضرورت ہوئی تو وہ ناک صاف کرنے کے لئے اٹھا حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پیچھے سے اس کے پائجامہ پر پڑ گئی تو سب سلوٹیں پائجامہ کے پیچھے تھیں۔ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر میں درد ہو گیا اور فرمایا کہ قاضی صاحب اس شخص کے ساتھ آپ کا کیسے گزر ہوتا ہوگا۔ حضرت کی اور حکایت سنیئے کہ اکبر شاہ ثانی جو آپ کے زمانہ میں بادشاہ تھا ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ کو پیاس لگی کوئی خدمتگار اس وقت موجود نہ تھا' اس وجہ سے بادشاہ صاحب نے خود اٹھ کر پانی پیا' اور پانی پی کر صراحی پر کٹورا ٹیڑھا رکھ دیا۔ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر میں درد ہو گیا اور طبیعت پریشان ہو گئی۔ لیکن آپ نے ضبط کیا۔ چلتے وقت بادشاہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے یہاں کوئی آدمی خدمت کے لیے نہیں ہے اگر ارشاد ہو تو کوئی آدمی بھیج دوں۔ اب تو حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نہ رہا گیا۔ فرمایا کہ پہلے خود تو آدمی بن لو کٹورہ ٹیڑھا رکھ دیا میری طبیعت اب تک پریشان ہے اور سنیئے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں انگور بھیجے وہ انگور بہت عمدہ اور پاکیزہ تھے۔ اس شخص کو انتظار تھا کہ آپ انگوروں کی تعریف کریں گے مگر حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بالکل چپ تھے۔ آخر اس نے پوچھا کہ حضرت انگور کیسے تھے فرمایا کہ مردوں کی بو آتی تھی دریافت جو کیا تو معلوم ہوا کہ قبرستان میں انگور بوئے تھے وہ انگور وہاں سے آئے تھے۔ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو خوبصورتی اچھی معلوم ہوتی تھی وہ ان کی پیدائشی بات تھی ان کی طبیعت ہی اس ڈھنگ کی تھی کہ ہر اچھی چیز پسند فرماتے تھے ان کے نفس میں برائی کے خیال کا ذرا بھی ملاؤ نہ تھا۔ کیونکہ آپ بچپن میں بھی بدصورت کی گود میں نہ جاتے تھے۔ بھلا

اگر برے خیال سے خوبصورتی پسند کرتے تو بچپن کے زمانہ میں تو اس کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر پھر بھی حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس حالت کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لوگوں نے آ کر حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ راگ سنتے ہیں' فرمایا کہ بھائی ان کو کانوں کا مرض ہے (یعنی راگ سننا) اور مجھ کو آنکھوں کا مرض ہے یعنی خوبصورتی کی طرف رغبت ہونا۔ تو دیکھئے خود آپ ہی نے اس کو مرض کہا' سو مرض تو عیب اور بری بات کو کہتے ہیں۔ تو پھر اور لوگوں کو خوبصورتوں سے ملنا جلنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ ایک بزرگ کی خوبصورت لڑکے خدمت کیا کرتے تھے اور یہ بزرگ کبھی کبھی انہیں پیار بھی کر لیا کرتے تھے۔ ایک روز ان کے ایک مرید نے بھی ایک لڑکے کو پیار کر لیا۔ پیر سمجھ گئے کہ اس نے میری دیکھا دیکھی ایسا کیا ہے' ایک روز بازار میں گئے لوہار کی دکان پر دیکھا کہ لوہا سرخ انگارہ سا ہو رہا ہے۔ پیر صاحب نے فوراً جا کر اس کو پیار کر لیا اور اس مرید سے فرمایا کہ آیئے تشریف لایئے اس کو بھی پیار کیجئے پھر تو گھبرائے۔ اس وقت انہوں اس کو ڈانٹا کہ خبردار کبھی ہماری دیکھا دیکھی کوئی کام مت کرنا اور کبھی ہم سے برابری کا خیال نہ لانا کیا اپنے کو ہمارے برابر سمجھتا ہے۔ ایک اور بزرگ تھے ان کو کسی نے دیکھا کہ ایک خوبصورت لڑکے سے پاؤں دبوا رہے ہیں' اس شخص کو وسوسہ ہوا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں لڑکے سے پاؤں دبواتے ہیں۔ فرمایا کہ آگ کی انگیٹھی لاؤ' دہکتی آگ میں پاؤں رکھ دیئے اور یہ فرمایا ہم کو کچھ حس نہیں' ہمارے نزدیک آگ اور یہ لڑکا برابر ہے۔

پیر بنانے کے لائق وہ بزرگ ہیں جن کا ظاہر اور باطن دونوں شرع کیموافق ہوں:

لیکن یہ یاد رکھو کہ ایسے بزرگوں سے مرید ہونا جائز نہیں جو کہ ظاہر میں شرع کے خلاف ہوں پیر بنانے کے لائق وہی بزرگ ہو تے ہیں جو ہر طرح شرع کے موافق ہوں اور جو بزرگ ظاہر میں شرع کے خلاف ہیں وہ پوری طرح شرع کے پابند نہیں کیونکہ یہ بھی تو حکم شرع ہی کا ہے کہ تہمت اور بدگمانی ں جگہ سے بچو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت شریفہ تھی ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں تشریف لائیں لوٹنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پہنچانے کے

لیے ان کے ساتھ دروازہ تک آئے کہ وہ مسجد ہی کی طرف تھا تشریف لائے سامنے دیکھا کہ دو شخص آ رہے ہیں فرمایا کہ اپنی جگہ ٹھہر جاؤ یہاں پردہ ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ عورت صفیہ رضی اللہ عنہا تھی کوئی غیر عورت نہ تھی یہ بات ان دونوں پر بہت بھاری ہوئی اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا گمان ہوسکتا ہے۔ فرمایا شیطان آدمیوں کے جسموں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کبھی وہ تمہارے ایمان کو تباہ نہ کر دے۔ پس جو لوگ دوسروں کو دین کا راستہ بتاتے ہیں وہ تو ایسی جگہوں سے بھی بچتے ہیں جس سے دوسروں کو گدمانی ہو یہ لوگ ہوتے ہیں پیر بنانے کے لائق اور جو لوگ ایسے ہیں کہ ان کا ظاہر شرع کے موافق نہیں تو ان میں سے بعض تو مکار ہیں ان کی چھپی ہوئی حالت بھی شرع کے موافق نہیں' یہ لوگ تو مردود ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کی چھپی ہوئی حالت تو بالکل شرع کے موافق ہوتی ہے لیکن ظاہر ان کا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ان پر اعتراض نہ کرے اور نہ ان کی پیروی کرے نہ ان کے کہنے پر چلے غرضیکہ پیر ایسے کو بنائے جس کی ظاہری حالت بھی شرع کے موافق ہو اور چھپی ہوئی حالت بھی شرع کے موافق ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس بدنگاہی کے جائز ہونے کا کچھ سہارا نہیں بلکہ بدنگاہی ہر طرح سے حرام ہے اور بڑا بھاری گناہ ہے۔

جیسے بدنگاہی حرام ہے اسی طرح دل سے سوچنا بھی حرام ہے:

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وما تخفی الصدور** یعنی جس چیز کو لوگ سینے میں چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں۔ یہ پہلے سے بھی سخت ہے۔ یعنی گناہ فقط نگاہ ہی سے نہیں بلکہ دل سے بھی ہوتا ہے بہت سے لوگ دل سے سوچا کرتے ہیں اور عورتوں کا اور لڑکوں کا جن کے داڑھی نہیں نکلی ہوتی دل میں خیال جماتے ہیں اور خیال سے مزے لیتے ہیں' اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم پرہیزگار ہیں خوب سمجھ لو کہ یہ سب کچھ شیطان کے دھوکے ہیں بلکہ بعض مرتبہ دل کے اندر سوچنے سے اور دل کے اندر باتیں کرنے سے اور زیادہ خرابی ہوتی ہے کیونکہ نگاہ کرنے سے تو بعض مرتبہ بدصورت نکلتا ہے اور دل کے اندر باتیں کرنے سے تو طبیعت کو اور زیادہ لگاؤ ہو جاتا ہے اور دل سے کسی طرح وہ بات نہیں نکلتی بلکہ یہ بھی دھوکہ ہوتا ہے کہ دل میں خیال کرنے اور نگاہ نہ کرنے سے اپنے کو سمجھتا ہے کہ میں نے بہت بڑا کام کیا

کہ دیکھنے کو دل چاہتا تھا اور پھر نہیں دیکھا اور اس کا کچھ خیال نہیں کرتا کہ میں دل میں مزے لے رہا ہوں جب دل میں مزے لیے تو بھلا پھر کون سا بڑا کام کیا۔ غرضیکہ اس کی بہت کوشش کرنی چاہیے کہ دل میں کسی کا خیال نہ جمائے اور چونکہ دل کے اندر کانوں کے واسطے سے بھی باتیں اس قسم کی پہنچتی ہیں۔ اس لیے جیسے آنکھوں کو دیکھنے سے بچانا چاہئے ایسے ہی کانوں کو بھی سننے سے بچانا چاہئے۔ ایسے قصے نہ سنے نہ ایسی جگہ جائے جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو اور بعض مرتبہ خود دل ہی سے گناہ ہوتا ہے واسطہ نہیں ہوتا جیسے کہ پہلے دیکھی ہوئی صورتیں یاد آتی ہیں اور ان سے مزہ ملتا ہے۔ غرض سب سے بچو اور ایک وجہ اور بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کا گناہ یعنی اس قسم کے خیال دل میں رکھنا بدنگاہی سے زیادہ سخت ہیں۔ وہ یہ ہے کہ دل سے سوچنے اور آنکھوں سے دیکھنے میں ایک فرق بھی ہے یعنی آنکھوں کے گناہ میں تو دوسروں کو اس کا دیکھنا معلوم ہو جاتا ہے گو نیت کی دوسروں کو خبر نہ ہو اور دل کے اندر سوچنے کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا اس کی خبر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتی' بس اس سے وہی بچے گا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا بہت خوف اور ڈر ہو۔ اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ اس مرض کے دور کرنے میں تین درجے ہیں۔ دل کے اندر تقاضا ہو اور پھر دل کو روکے رکھے۔ دوسرے یہ کہ دل کے تقاضے کو کمزور کر دے تیسرے یہ کہ جس چیز کی وجہ سے یہ تقاضا پیدا ہوا ہے اسی کو دل سے نکال دے۔

اول درجہ قلب کو روکنا اور اس کا آسان طریقہ:

اور ان تینوں میں سے دل کو روکنا یعنی دل میں اس کا خیال نہ جمنے دینا تو اختیاری ہے آپ سے آپ اس طرف خیال جائے تو تم اس کو روکو اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جب دل کو کسی خوبصورت کی طرف رغبت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس وقت کسی بدشکل آدمی کی صورت کی طرف دیکھو اگر وہاں کوئی موجود نہ ہو تو کسی ایسے بدصورت کا اس طرح خیال باندھو کہ ایک شخص ہے کالا رنگ ہے چیچک کے داغ ہیں آنکھوں سے اندھا ہے سر سے گنجا ہے رال بہہ رہی ہے۔ دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں۔ ناک سے نکٹا ہے، ہونٹ بڑے بڑے ہیں اور نیٹ بہہ رہی ہے اور مکھیاں اس پر بیٹھی ہیں۔ گو ایسا شخص دیکھا ہو مگر خیال سے تراش و خدا نے

چاہاتو جوخرابی خوبصورت کے دیکھنے سے دل میں ہوگئی ہے وہ سب جاتی رہے گی پھراس خوبصورت کا خیال آئے تو پھر بھی یہی خیال باندھ لواور اگراس خیال باندھنے سے پورا فائدہ نہ ہواور بار باراسی خوبصورت کا خیال آ کرستائے تو یہ خیال باندھو کہ یہ محبوب ایک روز مرے گا اور قبر میں جائے گا وہاں اس کا نازک بدن گل سڑ جائے گا کیڑے اس کو کھالیں گے' لیکن یہ خیال باندھنا فقط اسی وقت فائدہ دے گا۔ جس وقت کہ یہ خیال دل میں جماؤ گے کہ یہ مراقبہ اس خوبصورت کا خیال دل سے ہٹائے گا' لیکن اس کا فائدہ بہت دیر تک باقی رہے گا جس کی وجہ سے آئندہ کبھی اس قسم کا تقاضا نہ پیدا ہوگا۔

دوسرا درجہ کہ آئندہ کے لئے بھی تقاضا پیدا نہ ہواور اس کا علاج:

آئندہ کے لئے تقاضا نہ پیدا ہونے کا تو علاج یہی ہے کہ خدا کی یاد بہت کرو۔ دوسرے خدا تعالیٰ کے عذاب کا بھی خیال جماؤ۔ تیسرے یہ کہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کو مجھ پر پوری قدرت ہے جب اسی طرح کچھ مدت تک کرتے رہو گے تو یہ چور ایک دن دل میں سے نکل جائے گا جلدی نہ جائے گا۔ اس لئے جلدی نہ کرے۔ کیونکہ ایسا پرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا۔ یہاں مجھ کو شاہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آ گئی۔ محمود رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ایک ہمراہی سپاہی نے ایک مندر میں جا کر دیکھا کہ ایک بوڑھا برہمن پوجا پاٹ کر رہا ہے سپاہی نے تلوار دکھائی کہ کلمہ پڑھ اور مسلمان ہو ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ برہمن نے کہا حضور ٹھہریئے ذرا سپاہی نے پھر نکلنے تقاضا کیا۔ برہمن نے عرض کیا حضور نوے برس کا رام تو دل میں سے نکلتے ہی نکلتے نکلے گا۔ ذرا سی دیر میں کیسے نکل جائے۔ ہمت مت ہارو کوشش کرتے رہو۔ تھوڑا تھوڑا یہ تقاضا گھٹتا رہے گا اور تمہارے قابو میں آ جائے گا۔ کہ بری جگہ ہوا ہی نہ کرے گا جو تمہارا مطلب ہے۔

تیسرا درجہ کہ مادہ ہی نہ رہے جس سے تقاضا ہواور اس کا علاج:

تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ مادہ ہی نہ رہے جس سے تقاضا پیدا ہوتا ہے اور ایسی حالت ہو جائے کہ بالکل رغبت ہی کبھی پیدا نہ ہو۔ یہ وہ مرتبہ ہے کہ کم عقل دین دار بھی اس کو مقصود سمجھ جاتے ہیں اور اس کے حاصل نہ ہونے سے پریشان ہوتے ہیں یعنی جب اپنے اندر کسی وقت

ایسے رغبت پاتے ہیں تو سمجھتے ہیں ہماری سب محنت اکارت ہوگئی جو کچھ کوشش اللہ کی یاد میں کی تھی وہ سب بیکار ہوگئی یہاں تک کہ پریشانی میں ایسی باتیں ان کے منہ سے نکل جاتی ہیں کہ بے ادبی اور گستاخی ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ ہم اتنے روز سے حق کی طلب میں رہے مگر ہم پر رحم نہیں آتا کہ ویسے ہی محروم ہیں یاد رکھو کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے یہ درجہ ہرگز مقصود نہیں کہ کبھی کوئی خواہش نہ ہوا کرے اور اگر خواہش بالکل نہ رہے گی تو گناہ سے بچنے میں کوئی کمال نہیں اندھا اگر اپنی تعریف کرے کہ میں دیکھتا نہیں تو یہ کون سی تعریف کی بات ہے۔ دیکھے گا کیا دیکھنے کی چیز ہی اس کے پاس نہیں نامرد اگر دعویٰ کرے کہ میں عورت پاس نہیں جاتا تو یہ کیا کمال ہے۔ بڑا کمال تو یہ ہے کہ گناہ کرسکو اور پھر اپنے دل کو روکو جس کا میں نے دونوں طرح کا علاج بتا دیا ایک تو وہ جو صرف وقت ہی پر کام دے اور اس کا اثر باقی نہ رہے۔ دوسرا جس سے ہمیشہ کے لئے تقاضا قابو میں ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجھے اس گناہ پر خبردار کرنا منظور ہے کیونکہ یہ گناہ آدمیوں میں بہت پھیل رہا ہے جو نیک کہلاتے ہیں وہ بھی اس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ خدا کے واسطے اس کا انتظام کرنا چاہئے بڑے افسوس کی بات ہے کہ منہ سے تو حق تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور اس کے غیر پر نظر کرتے ہو اس وقت مجھ کو ایک حکایت یاد آ گئی کہ ایک عورت جا رہی تھی کوئی خواہش کا بندہ بھی اس کے ساتھ ساتھ ہو لیا اس عورت نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور میرے پیچھے کیوں آتے ہو؟ کہا میں تجھ پر عاشق ہو گیا اس لیے آتا ہوں عورت نے جواب دیا کہ پیچھے میری بہن آ رہی ہے وہ مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے یہ اس کے دیکھنے کو پیچھے چلا' اس عورت نے اس کے ایک دھول لگائی اور کہا کہ اس پر ہی عشق کا دعویٰ کرتا تھا۔

صاحبو! اگر حق تعالیٰ سامنے کھڑا کر کے اتنا دریافت فرمالیں کہ تو نے ہمیں چھوڑ کر غیر پر نظر کی تو بتلایئے کیا جواب دیجئے گا۔ یہ ہلکی بات نہیں اس کا بڑا انتظام کرنا چاہئے ایک اور تدبیر ہے جس سے پہلی تدبیروں کو اور طاقت پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ جب دل میں ایسا خیال پیدا ہو تو ایسا کرو کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جب گناہ ہو پڑے یا اس میں تقاضا پیدا ہو تو فوراً ایسا ہی کرو۔ ایک دن تو بہت سی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی۔

دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آئے گا۔اسی طرح آہستہ آہستہ نکل جائے گا۔اس لیے کہ نفس پرنماز بڑی بھاری ہے۔جب دیکھے گا کہ ذرا مزہ لیئے پر یہ مصیبت ہوتی ہے۔ یہ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے پھر ایسے وسوسے نہ آئیں گے۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو سب مصیبتوں سے بچائے رکھے۔آمین

تمت

❁❁❁

خود عدل، اور دوسروں کی بے عدلی پر صبر

ایک اجازت یافتہ کا خط حضرت کی خدمت میں آیا تھا' لکھا تھا حضرت میری دو بیویاں ہیں آپس میں لڑتی ہیں بہت تکلیف ہوتی ہے حضرت میں کیا کروں؟

جواب تحریر فرمایا:

''خود عدل اور ان کی بے عدلی پر صبر''

(از مکتوبات اشرفیہ)

(۱۱) اعضاء کا پاک رکھنا

منتخب از تطہیر الاعضاء وعظ نہم دعوات عبدیت حصہ دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلَّمْ۔

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا O

ترجمہ: پیروی مت کیجئے اس چیز کی جو آپ کو پوری طرح معلوم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔

اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں۔

(۱) اس آیت سے پہلی اور پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ضروری نصیحت بیان کی ہیں جو بہت نفع دینے والی ہیں اور ان سب آیتوں کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان بیان فرمایا ہے کہ ذلك مما اوحى اليك ربك من الحكمة (ترجمہ) اے محمد ﷺ یہ سب نصیحتیں ان حکمت کی باتوں میں سے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہاری طرف وحی بھیج کر بتلائی ہیں۔ ان نصیحتوں کے بیان کر دینے کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا احسان ہے اس سے معلوم

ہوا کہ یہ نصیحتیں بہت خیال رکھنے کے قابل ہیں ان میں سے یہ آیت بھی ہے۔

آیت میں کان آنکھ دل اور تمام اضعاء کی حفاظت کا حکم ہے:

اس آیت میں چار چیزوں کی حفاظت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ان میں سے تین چیزوں کا تو صاف طور پر بیان کیا ہے دل' آنکھ' کان اور ایک چوتھی چیز کا بھی اس میں بیان کیا ہے ذرا سوچنے سے معلوم ہوتا ہے وہ چوتھی چیز یہ ہے کہ باقی اعضاء کی بھی حفاظت کی جائے۔ جیسے ہاتھ پاؤں زبان کہ ان کی حفاظت کی بھی تاکید اس آیت سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت میں فرماتے ہیں اور مت پیروی کیجئے اس بات کی جو آپ کو پوری طرح معلوم نہیں۔ بس جو بات پوری طرح معلوم نہیں اس سے اگر بچا جائے تو سارے اعضاء گناہ سے بچے رہیں گے دیکھ لیجئے اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اچھی طرح تحقیق تو کرے نہیں فقط شبہ ہی پر کسی کو چور کہہ دے تو یہ زبان کا گناہ ہو جائے گا اور اگر اس آیت پر عمل کرتا اور جب تک کہ پوری طرح معلوم نہ ہو جاتا اس وقت تک کسی کو چور نہ کہتا تو اس گناہ سے بچا رہتا۔ ایک عجیب حکایت یاد آئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ تو چوری کرتا ہے۔ اس شخص نے کہا خدا کی قسم میں تو چوری نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا میری آنکھ نے غلط دیکھا ہے تو سچا ہے۔

کمال رکھنے والوں کی پہچان:

جس بزرگ کی حالت انبیاء کے ساتھ زیادہ ملتی جلتی ہوگی وہی زیادہ کمال رکھتا ہوگا۔ سو دیکھ لیجئے کہ انبیاء نے نہ کبھی نعرے مارے نہ کبھی کپڑے پھاڑے نہ خلقت سے بھاگے۔ خاص کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کا انتظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تھا۔ سلطنت کا انتظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا کہ دنیا کے بادشاہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا۔ گھر بار کا انتظام آپ نے ایسا کیا کہ آج تک بھی ویسا کوئی نہ کر سکا' اسی طرح ملنے جلنے کھانے پینے کے قاعدے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سکھائے۔ یہاں تک کہ پیشاب پائخانہ کا سلیقہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے امت کو سکھلایا۔ کمال والوں کی ایسی حالت ہوتی ہے اور جس طرح آج

کل عام لوگ ایسے کمال والوں کو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بزرگ اور خدا تک پہنچے ہوئے ہوں اسی طرح اس وقت بھی عام لوگوں نے انبیاء کو کامل نہیں سمجھا' چنانچہ کہا کرتے تھے کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ان کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا کہ ان کے ساتھ رہ کر لوگوں کو خدا کے حکم سناتا یا ان کے پاس کوئی خزانہ ہوتا یہ تو ہم سے بھی زیادہ غریب مفلس ہیں ہم دو وقت کھانا کھاتے ہیں ان کو ایک وقت بھی کئی کئی دن میں ملتا ہے۔ اچھے اللہ کے پیارے ہیں کوئی اپنے پیارے کو بھوکا بھی مارا کرتا ہے یا ان کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ اس سے کھاتا غرض کوئی خوبی ہوتی جو ہم میں نہیں یہ کیسے نبی ہیں جو ہم سے کسی بات میں بڑھے ہوئے نہیں اس طرح جو بزرگ اس شان کے ہوتے ہیں ان پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں اور جو خلقت سے بھاگتا ہے کھاتا پیتا نہیں ننگا رہتا ہے کسی سے بات نہیں کرتا وہ بزرگ ہے اور اگر اس سے کوئی بات خلاف عادت کے ہو گئی کسی پر کوئی اثر ڈال دیا اس کو نبی سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

کسی پر اثر ڈالنا کوئی چیز نہیں:

حالانکہ کسی پر اثر ڈال دینا کوئی بزرگی کی بات نہیں یہ تو محنت سے ہندو جوگیوں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے بلکہ جو بزرگ کامل ہیں وہ اس کو اچھا نہیں جانتے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی اثر نہیں ڈالتا وجہ اس کی یہ ہے کہ ولی کو جس قدر خدا تعالیٰ کا علم بڑھتا ہے اسی قدر اس کی خودی مٹتی جاتی ہے اور فنا بڑھتی جاتی ہے اور اپنے سے نظر اٹھتی جاتی ہے۔ دیکھئے تحصیلدار اپنے اجلاس میں بیٹھ کر بڑے بڑے حکم دیتا رہتا ہے لیکن گورنر جنرل کے سامنے جب آتا ہے تو اس کی وہ حالت ہوتی ہے جو ادنیٰ اردلی کی ہے۔ اسی طرح ولی کی بھی حالت ہے کہ جتنی نظر اس کی اللہ تعالیٰ پر زیادہ ہو گی تو وہ خود مٹتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی نظروں میں خدا تعالیٰ ہی سما جائیں گے اور وہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھے گا۔ پس اسے اس سے شرم آئے گی کہ میں خود کسی پر اثر ڈالوں کیونکہ اثر ڈالنے کا طریقہ یہی ہے کہ جس پر اثر ڈالنا ہو اس کی طرف پوری توجہ کی جائے اور ولی کو شرم آتی ہے کہ خدا کے غیر کی طرف پوری توجہ دے البتہ اثر ڈالنے کا جو سنت کے موافق طریقہ ہے اس میں پوری توجہ کی ضرورت نہیں

ہوتی اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں چنانچہ ولی کے اندر دو اثر ہوتے ہیں برکت اور کرامت یہ ہوتی ہے کہ ان کے وجود سے ایک ایسی بارش ہوتی ہے جس سے بیماری دور ہوتی ہے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں مگر انہیں خبر تک نہیں ہوتی جیسے سورج جب نکلتا ہے تو سارے جہان کو روشن کر دیتا ہے لیکن سورج کو خبر تک نہیں ہوتی کہ میری ذات سے کس کس کو نفع پہنچ رہا ہے۔ دوسرا اثر کرامت ہے۔ کرامت اس کو کہتے کہ کوئی کام خلاف عادت ان کے ذریعہ سے ظاہر ہو جائے مگر کرامت میں ارادہ نہیں کیا جاتا کہ اس کا علم ہو جائے اور اثر ڈالنے میں ارادہ بھی ہوتا ہے اور پوری توجہ بھی کی جاتی ہے اس وجہ سے ولی اس سے بچتے ہیں۔ ہاں اگر اثر ڈالنے کے لیے خدا ہی کا حکم ہو جائے تو بات ہی اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور حضور ﷺ نے ضرورت کے وقت دعائیں تو بہت کی ہیں مگر یہ نہیں آیا کہ آنکھیں بند کر کے اس طرف توجہ کی ہو اور اپنا اثر ڈالا ہو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اسلام کو قوت دے عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے یا عمر بن ہشام سے یعنی ان میں سے ایک کو مسلمان کر دے یہ نہیں کیا کہ ان کی جانب توجہ فرمائی ہو اور ان پر اثر ڈالا ہو حق تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں دعا قبول فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے غرض یہ تو حدیثوں میں بہت جگہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے دعائیں فرمائیں۔ ہاں اگر کبھی خدا ہی کا حکم ہوا ہے تو اثر بھی ڈالا ہے۔ مگر ایسا بہت کم ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا تو ان کے دل میں جو شبہ تھا وہ جاتا رہا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتے تھے آپ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا سوار ہونے لگے۔ سینہ پر ہاتھ مارنا یہ قرینہ اس کا ہے کہ حضور ﷺ نے ان پر اثر ڈالا تھا اور کسی کی سمجھ میں ہاتھ مارنے کی کوئی وجہ آ جائے تو کہنا پڑے گا کہ ان دونوں موقعوں پر بھی آپ نے اثر نہیں ڈالا۔ اور اس صورت میں یہ کہنا صحیح ہو جائے گا کہ انبیاء نے کسی پر اثر نہیں ڈالا۔ پس دو صورتیں ہوئیں ایک تو یہ کہ حضور ﷺ نے کبھی اثر نہیں ڈالا۔ دوسری صورت یہ کہ اثر ڈالا تو ہے مگر بہت کم ان دو صورتوں میں سے جونسی صورت بھی واقع میں ہوئی ہو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اثر ڈالنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ سنت تو اسے کہتے ہیں کہ جس پر حضور ﷺ نے

ہمیشگی کی ہو اور جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقیہ کر لیا ہے اس کو سنت نہیں کہتے بلکہ اس کام کے کر لینے کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ دوسروں کو اس کا جائز ہونا معلوم ہو جائے' جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا پہنی تھی اس میں سونے کی گھنڈیاں تھیں تو یہاں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سنت ہے کیونکہ یہ تو آپ نے دوسروں کو بتلانے کے لیے کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنے ہوئے دیکھیں تو سمجھ لیں کہ اس کا پہننا بھی جائز ہے۔ پس سنت طریقہ تو دعا کرنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کوئی خاص شان وشوکت نہیں بنائی تھی:

خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کوئی خاص شان وشوکت نہ تھی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اتنی بھی پہچان نہ رکھی تھی جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس گروہ میں سردار کون ہے چنانچہ اگر کوئی آتا تو پوچھتا من محمد فیکم تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں کیونکہ وہاں نہ گاؤ تکیہ تھا نہ مسند تھی یہاں تک کہ جب چلتے تھے تو اس کے لیے بھی کوئی خاص وضع مقرر نہیں فرمائی تھی کہ آگے ہی چلتے ہوں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوّل اوّل مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قبا ایک جگہ کا نام ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے تھے مدینہ طیبہ کے بہت ہی کم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے۔ بے دیکھے عاشق تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خبریں آ رہی تھیں ہفتے گزر گئے تھے کہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعظیم کے ساتھ لانے کے لیے جاتے تھے۔ لیکن ناکام آتے تھے۔ جس روز تشریف لائے تو ایک یہودی نے جو پہاڑ پر چڑھا تھا دور سے دیکھا اور پکار کر کہا کہ اے اہل مدینہ تمہارا نصیبہ آ گیا۔ چنانچہ سب آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں ٹھہرے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی میں سفید بال زیادہ تھے اس لیے جو لوگ آتے تھے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغمبر سمجھتے تھے جو آتا ان سے مصافحہ کرتا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ادب دیکھئے کہ انہوں نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرو۔ بلکہ برابر سب سے مصافحہ کر لیتے تھے۔ اگر کوئی کہے یہ تو بے ادبی ہے۔

ادب کسے کہتے ہیں:

کہ ادب سے مقصود آرام پہنچانا ہے تو جس بات سے آرام پہنچے وہی ادب ہے لوگوں

نے جو معنی ادب کے کھڑے کہ جوتیاں اٹھالیں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ جب تک اجازت نہ ہوگی بیٹھیں گے نہیں۔ چاہے دوسرے کو تکلیف ہی ہو یہ ادب نہیں ہے آج کل اگر کوئی بزرگوں کے سامنے ایسا کرے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس کو بے ادب سمجھیں گے اب میں بیان کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کام کیونکر ادب ہے بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھکے ماندے تشریف لائے تھے اگر تمام مجمع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ کرتے اور علیحدہ علیحدہ سب کا حال پوچھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور تکلیف ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مبارک ذات ہے جس کی راحت آرام کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سانپ سے کٹوالیا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام پہنچانے کے خیال سے ہلے تک نہیں' پس ایسے محبوب کی اس قدر تکلیف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے جان نثار عاشق کو کیسے گوارا ہوتی ہے کہ سب لوگوں سے مصافحہ کرنے کی مشقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈال دیتے۔ چنانچہ لوگ آ رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ مصافحہ کرتے جاتے تھے۔ اب تو یہ مصیبت ہے کہ اگر ایسا کرنے لگیں تو اس کو بے ادبی اور گستاخی سمجھا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہری حکمت اس مصافحہ کی ہوئی' اور ایک اس کے اندر راز یہ بھی ہے وہ یہ کہ محبت کی خاصیت ہے کہ عاشق محبوب میں مٹ جائے فنا ہو جائے اور جب عاشق محبوب میں فنا ہو گیا اب دونوں ایک ہی ہو گئے کہ ان کو غیر غیر نہیں سمجھا جائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ دکھلا دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے عاشق ہیں کہ لوگ ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں جدا جدا نہیں رہے بلکہ ایک ہی ہو گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لوگ مصافحہ کرتے رہے جب آفتاب اونچا ہوا اور دھوپ کے اندر تیزی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آئی' اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کپڑے کا سایہ کر کے کھڑے ہو گئے اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ آقا ہیں اور یہ خادم ہیں۔ لیکن اس معلوم ہونے پر ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر دوبارہ اٹھ کر مصافحہ نہیں کیا' اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتے۔ ہر شخص کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں معافی چاہتا ہوں' مجھ سے بڑی غلطی ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر یہ تکلف نہ تھا۔ حالت یہ تھی کہ وقت پر تو جان دینے کو تیار تھے اور دوسرے وقت یہ بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ ان میں آقا کون ہے اور خادم کون

ہے اور یہاں ایک اور بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ:

حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی کوئی روایت نہیں ملی:

مشہور ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا اور وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی کہ حضور ﷺ کے سر مبارک پر ہر وقت ابر کا سایہ رہتا تھا۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ ابر کا سایہ ہمیشہ نہ رہتا تھا۔ لیکن ہم حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونے کا انکار بھی نہیں کرتے شاید ایسا ہی ہو مگر ہم نے اس بارہ میں کوئی حدیث نہیں دیکھی مواہب لدنیہ بڑی کتاب ہے اس میں بھی اس کے بارہ میں کوئی حدیث نہیں لکھی۔ بہرحال مقصود اس قصہ سے یہ تھا کہ حضور ﷺ کے اندر کوئی خاص شان و شوکت نہ تھی جو بزرگ ہوتے ہیں ان کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔

(۴) غرضیکہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ سن لیا کہ آپ ﷺ نے کس قدر احتیاط فرمائی کہ چور کے قسم کھا لینے سے اپنی آنکھوں کی غلطی سمجھی اور اس آیت پر کیسا عمل کیا ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ذرا سے شبہ میں چور کہہ دیتے ہیں۔

سورہ یٰسٓ کے عمل سے چور کا نام نکالنا کیسا ہے:

صرف شبہ پر کسی کو چور کہہ دینا نہایت برا ہے۔ اس پر ایک مضمون یاد آ گیا کہ بعض لوگ چور کے معلوم کرنے کے واسطے ایک عمل لوٹا گھمانے کا کیا کرتے ہیں۔ اس پر سورہ یٰسین شریف پڑھتے ہیں جس کے نام پر لوٹا گھوم جائے اس کو یقیناً چور سمجھتے ہیں اور انہیں یہ شبہ تک نہیں ہوتا کہ اس عمل میں غلط نام نکل آیا ہوگا کہتے ہیں یہ قرآن کا عمل ہے اس میں کیسے غلطی ہو سکتی ہیں یاد رکھو کہ عمل سے نام نکل آنے پر کسی کو چور سمجھنا حرام ہے۔ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر خود دیکھ لے یا دو معتبر آدمی گواہی دیں اس وقت تو کسی کو چور سمجھا جا سکتا ہے۔ ورنہ اپنے دیکھے ہوئے اور بغیر دو معتبر آدمیوں کی گواہی کے کسی کو چور سمجھنا حرام ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کا عمل غلط نہیں ہو سکتا تو یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص ایک بڑا سا قرآن لے کر کسی کے سر میں مارے اور وہ زخمی ہو جائے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ عمل جائز ہے کیونکہ یہ بھی قرآن کے ذریعہ سے کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں اس بیان سے زبان کی حفاظت

بھی داخل ہوگئی۔

اور ہاتھ کی حفاظت اس طور سے داخل ہوئی کہ جب تک پوری طرح کسی کا جرم معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو تکلیف دینا حرام ہے اور اگر اس آیت پر عمل کرو گے یعنی بلا اچھی طرح معلوم ہوئے کسی کو نہ ستاؤ گے تو اس گناہ سے بچے رہو گے اور اسی طرح پاؤں کی حفاظت بھی داخل ہوگئی کہ جب تک پوری طور پر جائز ہونے اور ناجائز ہونے کو معلوم نہ کرلو اس وقت برے مجمع میں جانا حرام ہے اسی طرح باقی اعضاء کی حفاظت بھی اس میں داخل ہو گئی اور کان' آنکھ' دل ان تینوں کی حفاظت تو صاف طور پر اس آیت میں بیان کر دی گئی۔ ان کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ کان کو ناجائز باتیں اور ناجائز آوازیں سننے سے بچائے اور آنکھوں کو غیر عورتوں کی طرف نظر کرنے سے بچائے اور دل کو برے گمان وغیرہ سے بچائے۔ فقط

تمت

❁❁❁

(۱۲) کجی کی درستگی

منتخب از تقویم الزیغ وعظ دہم دعوات عبدیت حصہ دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعۡد۔ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ O

ترجمہ:- اور یہ میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے۔ اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے دور کر دیں گے۔

اس آیت کے متعلقہ یہ مضمون ہیں:

(۱) یہ آیت کا ٹکڑا ہے اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ عقیدے بیان کیے ہیں اور کچھ کام عمل کرنے کے لیے بتلائے ہیں۔ ان کے بعد یہ آیت ارشاد فرمائی ہے۔ اس آیت کے ترجمہ سے واضح ہو گیا ہوگا کہ اس وقت کس مضمون کا بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ کوئی نیا مضمون نہیں۔

نصیحت کا سننا اور چیز ہے سمجھنا اور چیز ہے:

بہت مرتبہ سنا ہوگا اس پر شاید کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ جب مضمون بار بار کا سنا ہوا ہے تو اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سننا دوسری چیز ہے اور سمجھنا دوسری چیز ہے ہم نے سنا تو ہے مگر سمجھا نہیں۔ خدا تعالیٰ نے کہیں کہیں اس کی شکایت بھی کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں: ولیتذکر اولوا الالباب (ترجمہ:) تاکہ سمجھدار لوگ سمجھیں۔

غور وفکر کی عادت لوگوں نے چھوڑ دی ہے اور اس کی ضرورت ہے:

مسلمان علم کے حاصل کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور واقعی وہ ہیں بھی ضروری لیکن اس کی

جو اصل اور جڑ ہے اس کے ضروری ہونے کا خیال بھی نہیں کرتے۔ شائد بعض کو اس کا خیال ہو گا۔ ورنہ عام طور پر اس طرف سے بالکل بے پرواہی برتی جاتی ہے اور وہ بات کچھ بہت لمبی چوڑی نہیں بہت چھوٹی سی بات ہے لیکن چھوٹی ظاہر ہی میں ہے ورنہ حقیقت میں وہ بات بہت بڑی ہے اور جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے اسی کی بدولت حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سوچا اور فکر کیا کریں مگر مسلمان اس سے کچھ ایسے بے خبر ہیں کہ جیسے انہوں نے اس کا سبق ہی نہیں پڑھا اور دوسروں کی کیا شکایت کروں خود میری اپنی حالت یہ ہے کہ زبان پر تو لمبے چوڑے مضمون ہیں لیکن اپنی حالت میں سوچ فکر نہیں کرتے۔ اور جب میں اپنے آپ کو مریض کو سمجھتا ہوں اور اپنی شکایت کرتا ہوں تو اگر سننے والوں کی بھی شکایت کروں تو کچھ بے موقع نہیں ہے۔ ہاں اگر میں اپنے کو پاک صاف بتلاتا تو البتہ سننے والوں کا شکایت سے دل برا ہونا کچھ تعجب نہ تھا۔ مگر میں تو خود اپنی ہی شکایت کرتا ہوں غرض ہم مسلمانوں میں اس کی بہت کمی ہے کہ ہم نے سوچ سمجھ سے کام لینا بالکل چھوڑ دیا ہے ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے رات دن میں سے کوئی وقت بھی سوچنے اور غور کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ کوئی بھی نہیں۔ اکثر لوگ تو ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے وقتوں کو کسی کام کے لیے بھی مقرر نہیں کیا کہ یہ وقت فلاں کام کے لیے ہے۔ بلکہ ان کے سب کام بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ صبح کا کام شام پر اور شام کا کام صبح پر ڈال رکھتے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ انہوں نے ایک ایک خط کو صبح شام کرتے کرتے ہفتہ بھر تک ڈالے رکھا ہے۔ جیسے بعض حافظ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے جب سے قرآن پڑھا ہے ایک مرتبہ ختم کرنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ ایسے لوگ تو اس کے لیے کیا ہی وقت مقرر کرتے مگر جن لوگوں نے اپنے وقتوں کو ہر کام کے لیے مقرر کر رکھا ہے وہ بھی اپنے وقتوں کو دیکھ لیں کہ کیا کوئی وقت سوچنے اور فکر کرنے کے لیے مقرر کیا ہے زیادہ تو کیا پانچ منٹ بھی اس کے لیے مقرر نہ کیے ہوں گے۔ کہیں اس کا نام ونشان بھی نہ ہوگا۔ اکثر مسلمانوں کو اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں: **كتاب انزلناه اليك مبارك ليدبروا اياته وليتذكر اولوا الالباب** کہ ہم نے اتاری ہے۔ تمہاری طرف مبارک کتاب تاکہ اس کی آیتوں میں غور اور فکر کریں اہل عقل دوسری جگہ شکایت کرتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن میں غور

ہی نہیں کرتے یا دلوں پر تالے لگ گئے (کہ جس سے غور کرنے کی قدرت ہی نہیں رہی اور اگر غور کرنے کی عادت ڈال لیتے تو کچھ بھی دقت نہ ہوتی کیونکہ اس کا تو اثر ہی یہ ہے کہ اس سے رحمت کے دروازے کھلتے چلے جاتے۔ پھر کاہے کی دشواری رہتی۔ بلکہ غور وفکر کرنے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ اور غور کیے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کیا ہم ان کو زبردستی اپنی رحمت چمٹا دیں گے اگرچہ وہ اس سے نفرت کرتے ہوں۔ سو اس کی ہم کو کیا ضرورت ہے اور جب تم غور تک بھی نہیں کرتے تو یہ نفرت ہی تو ہوئی۔ تو پھر ان کو کیا ضرورت ہے کہ اپنی رحمت تمہارے سر پر چپکاتے پھریں۔ ان کے یہاں کیا اس کے رکھنے کو جگہ نہیں۔ اگر ہزار بار ان کی رحمت کی خواہش کرو اور اس کے لیے کوشش کرو تو بھی تم پر رحمت اور مہربانی کریں گے اور تمہاری کوشش سے زیادہ رحمت کریں گے اور کام بھی ان کی رحمت ہی سے چلتا ہے اس کو یوں سمجھو کہ کسی بچہ کو آپ لینا چاہیں اور لینے کو ہاتھ بڑھائیں خود دوڑ کر اٹھا لیتے ہیں تو آپ کے بڑھ کر اٹھا لینے سے وہ بچہ آپ تک پہنچا۔ ورنہ اس بچہ میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ خود آپ تک پہنچ جائے اسی طرح خدائے تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ اگر یہ بھی کچھ ہاتھ پیر ہلائے اور کوشش کرے تو خود اللہ تعالیٰ اس کو پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں اور اس کھینچ لینے کی بدولت یہ ان تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر جب ہی کھینچتے ہیں جب کہ آپ بھی کوشش کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ نے اس کو بالکل چھوڑ رکھا ہے وہ ہر وقت رحمت کرنے کو تیار ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم کچھ کوشش ہی نہیں کرتے اور کوشش ہماری یہ ہے کہ ہم غور اور فکر کر لیا کریں۔ اس سے خدائے تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوتا ہے۔

صاحبو! میں پھر کہتا ہوں کہ سوچ فکر اگرچہ ظاہر میں بہت چھوٹی سی بات ہے لیکن فائدے کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے ہم بہت خرابیوں میں پڑ گئے ہیں۔ اسی طرح یہ مضمون جو آج بیان کرنا مقصود ہے اس کو بھی آپ نے بہت دفعہ سنا ہوگا مگر کبھی اس میں غور کرنے اور سمجھنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس لیے آج سمجھانے کے لئے اس کو اختیار کیا گیا۔ میں آیت کا مضمون پھر دہرائے دیتا ہوں تاکہ وہ تازہ ہو جائے اور وعظ سے یہی مقصود بھی ہوتا ہے کہ جو باتیں پہلے کانوں میں پڑی تھیں مگر ان سے غفلت ہوگئی تھی اور

اچھی طرح یاد نہیں رہی تھیں وعظ سننے سے وہ پھر تازہ ہو جائیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر وعظ میں کوئی نئی بات ہی بیان کی جائے۔

وعظ سننے کا اصل مقصود:

اوراس سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ وعظ سننے سے اصل مقصود کیا ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ مضمون تازہ ہو جائے اور اپنے جن عیبوں پر کبھی نظر بھی نہیں جاتی ان کو سنیں اور ان پر پوری توجہ کریں بس اس غرض کو خیال رکھ کر وعظ سننا چاہئے اور آج کل تو وعظ سننے والوں کی طرح طرح کی غرضیں ہوتی ہیں بعض لوگ تو اس لئے وعظ سننے آتے ہیں کہ دیکھیں یہ مولوی صاحب کیسا وعظ کہتے ہیں اور بعض لوگ اس لئے سنتے ہیں کہ وعظ کہتے والے کے عقیدے کیسے ہیں' کس خیال کا آدمی ہے۔ بعض لوگ اس لیے آتے ہیں کہ اس کے بیان میں عیب نکالیں گے۔ بعض کی نیت اچھی بھی ہوتی ہے لیکن صرف یہی کہ وعظ کی مجلس میں شریک ہونے سے ثواب ہوگا۔ لاؤ اس میں شریک ہو جائیں۔ اتنا وقت ثواب ہی کے کام میں گزرے گا۔ یہ نیت اچھی ہے مگر فقط اتنی نیت سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ نیت بھی ہونی چاہئے کہ ہمیں اپنے عیب معلوم ہو جائیں تا کہ ان کو چھوڑ دیں کیونکہ وعظ سننے سے مقصود صرف ثواب کمانا نہیں ہے کیونکہ ثواب تو نفلوں میں بھی ہوتا ہے۔ قرآن شریف پڑھنے میں بھی ہوتا ہے۔ پھر وعظ میں کونسی بات زیادہ ہوئی۔ یاد رکھو کہ وعظ کی اصلی غرض یہی ہے کہ اپنے چھپے ہوئے عیبوں کی خبر ہو جائے تا کہ ان سے بچ سکیں۔ غرض کہ خدا تعالیٰ اس جگہ پر فرماتے ہیں کہ میرے اس سیدھے رستے پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ ہولو۔ کیونکہ وہ تم کو خدا کے رستہ سے جدا کر دیں گے۔ ترجمہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ رستے بہت سے ہیں جن میں سے ایک تو خدا کا بتلایا ہوا رستہ ہے اور دوسرے خود بندوں کے تراشے ہوئے ہیں۔ پس ان سب رستوں میں سے ایک رستہ پر چلنا چاہئے اور باقی اور رستوں کے نزدیک بھی نہ جانا چاہئے۔

خدا کے رستہ کی کیا پہچان ہے:

اب ضروری ہوا کہ خدا کے رستہ کی کوئی پہچان اور کوئی نشانی ہو جس سے ہم کو یہ بات معلوم ہو سکے کہ فلاں رستہ خدا کا بتلایا ہوا ہے۔ اس پر تو چلنا چاہئے اور دوسرے رستوں سے

بچنا چاہئے۔ سو اگر غور کیا جائے تو اسی آیت کے مضمون سے اس کی پہچان اور اس کی نشانی کا پتہ چل جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ اس پہچان کا خیال نہ رکھنے سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہوئیں جن کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی کہ بعض لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہم نے خدا کے بتلائے ہوئے رستہ کو چھوڑ دیا ہے یا اسی پر چل رہے ہیں۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (اے نبی علیہ السلام) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ آؤ میں تم کو خدا کے احکام بتلاؤں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خدا کے رستہ کی یہ پہچان ہے کہ جس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں اور پڑھ کر سنائیں۔ وہ خدا کا بتلایا ہوا راستہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جو بات وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہو وہ خدا کا رستہ ہے۔

جو بات وحی کے ذریعہ معلوم نہ ہوئی ہو وہ خدا کا رستہ نہیں:

جو بات وحی کے ذریعہ سے معلوم نہ ہوئی ہو وہ خدا کا رستہ نہیں۔ پس خدا کے رستہ کی پہچان وحی ہے۔ اب خدا کا رستہ دوسرے رستوں سے جدا ہو گیا۔ اس مضمون کو بھی مسلمانوں نے بہت دفعہ سنا ہو گا۔ لیکن مسلمانوں کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کو نہ تو سمجھا اور نہ اس میں غور کیا۔ کیونکہ بعض لوگوں کے دل میں تو وحی کی بالکل ہی وقعت اور بڑائی نہیں اور بعض کے دل میں وحی کی بڑائی تو ہے مگر سمجھتے نہیں کہ وحی کی حقیقت کیا ہے۔

مسلمانوں نے وحی کی پہچان سے کام نہیں لیا:

اس وقت مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہیں مگر سب میں یہ مرض موجود ہے کہ وحی کی پہچان سے کام نہیں لیتے۔ بعضے تو یہ غلطی کرتے ہیں کہ خدا کے احکام کے معنی بدل دیتے ہیں۔ اور ان میں اور وجہ نکالتے ہیں کہ اس حکم کی یہ وجہ ہے۔ اور اب یہ وجہ موجود نہیں اس لیے حکم بھی موجود نہیں۔

ایک دیہاتی کی عجیب حکایت:

مجھے اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ دوسرے ملک کے ایک دیہاتی نے ریل کا سفر کیا' اور ایک من بورا اپنے ساتھ لیا۔ جب اسٹیشن پر پہنچا تو ریلوے ملازموں نے ٹکٹ کے ساتھ

اسباب کی بلٹی بھی مانگی اس نے بلٹی کی جگہ بھی اپنے اسی ٹکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ریلوے ملازم نے اس کو سمجھانے کے لئے کہا کہ تمہارا اسباب پندرہ سیر سے زیادہ ہے اور پندرہ سیر سے زیادہ اسباب بغیر محصول دیئے نہیں لے جاسکتے کیونکہ ریلوے قانون یہی ہے اس لیے ایک بلٹی اس اسباب کی بھی ہونی چاہیے یہ سن کر وہ دیہاتی کہتا ہے کہ پندرہ سیر سے یہ خالص وزن مرادنہیں ہے بلکہ اتنا وزن مراد ہے جس کو ایک آدمی اٹھا سکے اور چونکہ ہندوستانی لوگ پندرہ سیر ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے یہ خاص وزن لکھ دیا ہے اور ہم ایک من اٹھا سکتے ہیں اس لیے ہمارے ایک من کے لئے وہی قانون ہوگا جو تمہارے پندرہ سیر کے لیے ہے۔ خیر یہ حکایت تو لطیفہ ہے۔ لیکن ہم کو اس سے سبق لینا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ ٹکٹ کلکٹر اس دیہاتی کے جواب کو مان لے گا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پولیس کے حوالہ کردے گا تو جیسا اس دیہاتی نے قانون کا غلط مطلب نکالا اور اس کو بدلنا چاہا اسی طرح قرآن کا غلط مطلب نکالتے ہیں۔ اور زور دے کر کہا جاتا ہے کہ قرآن کا یہی مطلب ہے حالانکہ وہ مطلب نہ تو حضور ﷺ نے سمجھایا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمجھا یا نہ خدائے تعالیٰ نے بتایا۔ پھر وہ مطلب کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ صاحبو! وہ مطلب ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اس دیہاتی نے قانون کا مطلب بیان کیا تھا۔ حالانکہ ظاہر میں اس کا مطلب بیان کیا ہوا دل کو لگتا بھی ہے۔ اگر کسی شخص کو قانون کا پورا علم نہ ہو تو وہ اس کو سن کر یقین کرلے گا کہ اس قانون کے یہی معنی ہیں۔ آپ کو جو یہ مطلب غلط معلوم ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون مدت سے سنا ہوا ہے۔ ورنہ جس نے کبھی اس قانون کو نہ سنا ہو اور وہ ان دونوں کی گفتگو کو سنے تو دیہاتی ہی کو حق پر سمجھے گا۔ کیونکہ ٹکٹ کلکٹر تو کہتا ہے کہ قانون یہی ہے کہ پندرہ سیر سے زیادہ کا محصول لیا جائے اور دیہاتی کہتا ہے کہ قانون کی وجہ بھی تو ذرا سمجھو کہ خالص پندرہ سیر وزن کیوں قانون میں رکھا گیا ہے۔ ٹکٹ کلکٹر جواب دیتا ہے کہ ہم قانون جاننے والے ہیں قانون بنانے والے نہیں جو قانون میں لکھا ہے ہم تو اس پر عمل کریں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس پر دیہاتی کہتا ہے کہ تم اگرچہ نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ پندرہ سیر سے زیادہ ہندوستانی اٹھا نہیں سکتے اور جو لوگ اس سے زیادہ اٹھا سکتے ہیں وہ پندرہ سیر سے زیادہ بھی بلا محصول لے جا

سکتے ہیں تو اس دیہاتی کی تقریر کی چمک دمک دیکھ کر ناواقف آدمی خیال یہی کرے گا کہ یہ دیہاتی قانون کو خوب سمجھتا ہے اور ٹکٹ کلکٹر کا عاجزانہ جواب دیکھ کر سمجھے گا کہ ویسے ہی زبردستی کر رہا ہے اور اس لیے وہ ٹکٹ کلکٹر کے جوابوں کو صحیح سمجھتا ہے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے بچپن سے کبھی شریعت کے احکام نہیں سنے اور ہوش سنبھال کر انہوں نے ایک عالم اور ایک جاہل کی گفتگو سنی کہ عالم کہتا ہے کہ شریعت کا قانون یہ ہے اور جاہل اس کی وجہ دریافت کر رہا ہے جس کے جواب میں عالم یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دیتا ہے کہ ہم قانون جاننے والے ہیں قانون بنانے والے نہیں۔ بنانے والے خدائے تعالیٰ ہیں وجہ انہیں کو معلوم ہے ہم وجہ بتلانے کے ذمہ دار نہیں ہیں اور جاہل عقل کے دعوے بگھارتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس کی وجہ جانتا ہوں اور اپنی طرف سے کوئی وجہ تراش کر خدائی قانون کے معنی بدل دیتا ہے۔ جس طرح اس دیہاتی نے ریلوے قانون کے معنی بدل دیئے تھے۔ تو صاحبو! اس کی کیا وجہ ہے کہ اس گنوار کے قصہ میں تو اس کو ناحق پر اور ٹکٹ کلکٹر کو حق پر کہا گیا اور جاہل کی گفتگو میں عالم کو کہا جاتا ہے کہ یہ زبردستی کر رہا ہے۔ اگر ان دونوں میں کوئی فرق ہے تو بتلایئے کچھ بھی فرق نہیں ہاں یہ فرق تو ضرور ہے کہ خدا کے حکموں کی تو کچھ بڑائی دل میں نہیں اور دنیا کے بادشاہوں کے احکام کی دل میں بڑائی ہے۔

جس کی بڑائی دل میں ہوتی ہے اس کے حکموں میں وجہ تلاش نہیں کیا کرتے:

کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کی بڑائی دل میں ہوتی ہے اس کے حکم میں وجہ نہیں تلاش کی جاتی۔ چپ چاپ اس کو مان لیتے ہیں اور جس کی بڑائی دل میں نہیں رہتی اس کی ہر بات میں وجہ پوچھی جاتی ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض مرتبہ کوئی ایسا حکم سرکار کی طرف سے آتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا اور طبیعت اس سے رکتی ہے لیکن اس کو بے کھٹکے مان لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب سرکار نے یہ حکم دیا ہے تو اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی' اس طرح کے بہت سے احکام ہیں۔ جن کی وجہ عوام کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن ان کو مانتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں مثلاً اگر ایک روپیہ کا عدالتی ٹکٹ لگا کر ڈاک میں بھیج دیا جائے تو لفافہ بے رنگ ہو جائے۔ اور ڈاکخانہ کا دو پیسہ کا ٹکٹ لگائیں تو بے رنگ نہ ہو۔ ہزاروں آدمی ہوں گے جو اس قانون کی وجہ

نہیں جانتے۔ لیکن ان لوگوں میں سے اگر کوئی شخص عدالتی ٹکٹ لگا کر بھیجے اور لفافہ بے رنگ ہو جائے تو سرکار سے یہ نہیں پوچھتا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک روپیہ کے ٹکٹ میں لفافہ بے رنگ ہو گیا اور دو پیسہ کے ٹکٹ میں بے رنگ کیوں نہیں ہوتا۔ غرضیکہ اس حکم کے خلاف کرنے کا کبھی خیال تک بھی نہیں اور نہ اس کی وجہ پوچھی جاتی ہے۔ لیکن اگر ایک دوست کوئی حکم کرے یا کسی کام میں رائے دے تو اس میں سینکڑوں عیب نکال دیتے ہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ سرکار کی تو بڑائی دل میں ہے اور دوست چونکہ آپ کے برابر کا ہے اس لیے اس کی بڑائی دل میں نہیں۔

خداوندی حکموں میں وجہ تلاش کرنا دلیل اس کی ہے کہ دل میں اس کی کچھ قدر نہیں

صاحبو! ذرا غور تو کرو کہ خدائے تعالیٰ کے حکموں میں وجہ ڈھونڈ کر آپ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی بڑائی آپ کے دلوں میں نہیں رہی اور اگر اس کے سوا کوئی دوسری وجہ ہے تو مجھے بتائیے کہ سرکار کے حکموں کی وجہ کیوں نہیں پوچھی جاتی اور خدائے تعالیٰ کے حکموں کی وجہ کیوں پوچھی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کی بڑائی دل میں نہیں ہوتی مگر تب بھی بلا پوچھے اس کی بات مان لیتے ہیں کیونکہ اس کے حکم کو فائدہ مند سمجھتے ہیں۔ اپنے فائدہ کے لئے چپ چاپ مان لیتے ہیں۔

طبیب اور مریض کی مثال:

مثلاً ایک شخص کسی طبیب کے پاس گیا اور جا کر نبض دکھلائی اور اپنا سب حال کہہ کر نسخہ لکھوایا تو اس موقع پر آپ نے کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس نے طبیب سے دریافت کیا ہو کہ آپ نے نسخہ میں فلاں فلاں دوا کس لیے لکھی ہے یا اس کے ساتھ الجھنے لگا ہو کہ یہ دوا اتنی کیوں لکھی اور یہ اتنی کیوں لکھی خدا کی قسم کسی کو اس کا خیال تک نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو زبان سے کبھی نہیں کہتے کیونکہ جانتے ہیں کہ ہمارے ہی فائدہ کے لیے اس نے لکھا ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے وجہ دریافت کرنے سے خفا ہو کر ہم کو نکال دے اور پھر کبھی نہ گھسنے دے۔ تو صاحبو! اگر خدا کے حکموں کی قدر بھی دلوں میں نہ ہو تب بھی اسی لیے ان کو مان لو کہ وہ تمہارے ہی فائدے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے پرواہی سے خدائے تعالیٰ خفا ہو جائیں اور تم پر

وئی مصیبت آ پڑے تو اگر خداوندی حکموں کی قدر سرکار کے حکموں کے برابر نہیں ہے تو کم از کم ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا ہوتا جو حکیم کے ساتھ کرتے ہو اور جب یہ بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ خداوندی حکم کی اتنی بھی قدر نہیں۔ البتہ حکیم کی رائے میں ایسے لوگ تو ضرور چھیڑ چھاڑ کیا کرتے ہیں جن کو نسخہ پینا منظور نہ ہو بلکہ صرف مشغلہ اور دل لگی کے طور پر گئے ہوں۔ میں لوگوں کے حالات دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر وہی لوگ وجہ ڈھونڈا کرتے ہیں جن کو کچھ کرنا نہیں ہوتا اور جن کا ارادہ عمل کرنے کا ہوتا ہے وہ اگر پوچھتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ نماز میں فرض کس قدر ہیں۔ واجب کتنے ہیں کیونکہ یہ فکر لگی ہوتی ہے کہ نہ جاننے سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے نماز ہی جاتی رہے اور وہ یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ اس کی وجہ کیا ہے اس سے ان کو کچھ غرض نہیں ہوتی۔

حکم خداوندی کی وجہ دریافت کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے:

پس حکم کی وجہ تلاش کرنے کے دو سبب ہوئے ایک تو حکم کی قدر نہ ہونا۔ دوسرے اس پر عمل کرنے کی نیت نہ ہونا۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت ہے جو وحی کی تعظیم اور قدر نہیں کرتی اور ایک ایسی جماعت ہے جو وحی پر نہیں چلتی' ان دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وحی کی پہچان سے کام لیں اور اس کے ذریعہ سے خدا کے رستہ کو پہچان کر اس پر چلیں اور آج کل چونکہ وحی کی پہچان سے کام نہیں لیتے۔ اس لیے جدا جدا بہت سے فرقے ہو گئے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ میری مراد ان فرقوں سے مسلمانوں کے فرقے ہیں کافروں کے فرقے مراد نہیں ہیں۔ تو بعض تو وہ ہوئے جنہوں نے وحی الٰہی (یعنی خدا کے حکموں) کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو اس دیہاتی نے کیا تھا کہ وحی کو وحی تو مانا مگر اس کے معنی بدل دیئے۔

بعض لوگ حدیث وفقہ کو وحی نہیں سمجھتے:

اور بعض لوگ وحی کو مانتے بھی ہیں اور اس کی حقیقت کو بھی کچھ سمجھتے ہیں۔ لیکن اتنی غلطی کرتے ہیں کہ فقط قرآن ہی کو وحی سمجھتے ہیں اور فقہ حدیث کو دوسری چیز سمجھتے ہیں وحی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ حدیث فقہ بھی وحی میں داخل ہے۔ پس ان لوگوں نے بعض کو تو مانا اور بعض وحی کو نہیں مانا۔

حدیث وفقہ کو نہ ماننا نفس کا مکر ہے:

یہ نفس کا مکر ہے جس کی وجہ سے حدیث اور فقہ کے وحی ہونے کا انکار کرتے ہیں اور نفس کا مکر تو ایسی بری بلا ہے کہ اس سے بچنے کی بہت سی کوشش کی جائے تب بھی بالکل دفع نہیں ہوتا تو جس شخص نے اس سے بچنے کی کوشش ہی نہ کی ہو وہ کیسے بچ سکتا ہے اور وہ مکر نفس کا یہ ہے کہ نفس نے دیکھا کہ حدیث وفقہ میں بہت سے حکم ہیں۔ ان سب پر عمل کرنا دشوار ہے اس لیے اس نے یہ ترکیب نکالی کہ ان سب کو چھوڑ و صرف قرآن کو لے لو اور اپنی مرضی کے موافق اس سے مطلب نکال لو جس سے کچھ کرنا ہی نہ پڑے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں لوگوں نے ہر چیز کے ست نکالے اور اس کو اتنی ترقی ہوئی کہ دین کا بھی ست نکل آیا۔ صاحبو! جس کو شریعت کی طلب ہوگی وہ کبھی ایسی ترکیبیں نہیں نکال سکتا۔ دیکھئے جس کو بہت زیادہ بھوک ہو وہ تو اور زیادہ کو چاہا کرتا ہے نہ یہ کہ جو موجود ہو اس کو بھی اڑانے کی فکر کرے کہ یہ بھی نہ رہے۔ حقیقت میں جب طلب ہوتی ہے تو اگر چہ بہت کچھ موجود ہو۔ مگر یہی دل چاہتا ہے کہ کچھ اور ہوتا اور جب طلب نہیں ہوتی تو سب میں کمی کی جاتی ہے۔

قرآن شریف میں ڈاکٹری کی باتیں ڈھونڈتے ہیں:

پھر بعض لوگوں نے فقہ وحدیث کو چھوڑ کر قرآن پر اکتفا کیا۔ تو اس سے الٹا کام کیا۔ قرآن جس کام کی کتاب ہے اس سے وہ کام نہ لیا۔ چنانچہ ایک صاحب مجھ سے ملے کہنے لگے کہ ڈاکٹری تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ منی میں کچھ کیڑے ہوتے ہیں۔ مجھے مدت سے خیال تھا کہ قرآن کی آیت سے بھی یہ بات نکل آئے تو اچھا ہے چنانچہ ایک روز میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ اس میں یہ آیت نکلی: **خلق الانسان من علق** (ترجمہ) پیدا کیا ہے انسان کو علق سے اور علق جونک کو کہتے ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ قرآن شریف سے بھی منی میں کیڑے ہونے ثابت ہوگئے۔ بھلا خیال تو فرمائیے کہ اس آیت کے کہیں یہ معنی ہیں بس اندھا دھند جو چاہا ہانک دیا۔ پھر کہاں کیڑے کہاں ڈاکٹری کی تحقیق کہاں قرآن شریف؟ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص طب کی کتابوں میں کپڑا بننے کی ترکیب تلاش کرنے لگے یا طب کی کتابوں میں حدیث ڈھونڈھنے لگے۔ چنانچہ ایک صاحب نے ایسا کیا بھی کہ میرے

پاس طب کی ایک کتاب لائے اور کہنے لگے کہ آپ بسم اللہ کی رسم کو منع کہتے ہیں۔ حالانکہ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان دونوں میں سے ایک کا چار سال چار مہینے چار دن کی عمر میں مکتب کرایا اور لوگوں کو جمع کیا۔ یہ بے وقوفی تو دیکھئے کہاں طب کی کتاب کہاں حدیث۔ حدیث دیکھنی چاہئے حدیث کی کتابوں میں۔

قرآن شریف روحانی طب ہے:

صاحبو! جس علم کی کتاب ہو اسی علم کی باتیں اس میں تلاش کرنی چاہئیں۔ طب کی کتابوں میں بیماریوں کے علاج دیکھو۔ حدیث کی کتابوں میں حدیث دیکھو۔ اب دیکھ لیا جائے کہ قرآن شریف کس علم کی کتاب ہے۔ قرآن طب کی کتاب نہیں ہے کہ بخار کھانسی کے نسخے اس میں ملیں۔ قرآن شریف تو روحانی طب کی کتاب ہے کہ اس میں روح کی بیماریوں کا علاج ہے پس جیسے طب کی کتابوں میں کھیتی باڑی کی ترکیبیں نہیں لکھیں بلکہ اس میں تو بدن کی بیماریوں کے علاج لکھے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی روح کی بیماریوں کے علاج لکھے ہیں اور دوسرے اسی طرح علم کی باتیں اس میں نہیں ہیں۔

پس ان کو اس میں تلاش کرنا بیکار ہے اور اگر دوسری چیز کا اس میں ذکر آیا بھی ہے تو وہ بھی روح کی بیماری دفع کرنے کے لیے ہے اور ہم اس پر فخر کرتے ہیں کہ قرآن میں دوسری قسم کی چیزوں کا ذکر نہیں کیونکہ کسی طب کی کتاب میں جوتے بنانے کی ترکیب نہ ہونا اس کتاب کی خوبی ہے۔ مسلمانو! خدا کی قسم یہ قرآن کریم کی بڑی بھاری خوبی ہے کہ اس میں یہ خرافات نہیں ہیں اور نہ قرآن کو اس کی کچھ ضرورت ہے کہ زبردستی اس میں ان خرافات کو ٹھونسا جائے۔ اگر قرآن میں یہ سب خرافات ہوتے تو قرآن روحانی طب کی کتاب نہ ہوتی پس یہ کوشش کرنا کہ منی کے اندر کیڑے ہونا قرآن سے ثابت ہو جائیں یہ تو قرآن کے اندر نقصان نکالنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر علق کے معنی جونک کے ہیں۔ جو کہ ان ڈاکٹر صاحب نے فرمائے تو کیا وجہ کہ اس کو نہ حضور ﷺ نے سمجھا نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ ان کے بعد کے بزرگوں نے سمجھا۔ اگر کہا جائے کہ صحیح معنی آج معلوم ہوئے پہلے کسی کو معلوم نہیں ہوئے تھے تو اس میں اوّل تو یہ خرابی ہے کہ اگر کوئی کافر تم سے کہے کہ تمہارا قرآن

اترا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور پڑھا تھا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیکن سمجھا ہم نے تو تم کیا جواب دو گے اور اگر قرآن میں ایسی ہی گنجائش سمجھتے ہو کہ اس میں ہر چیز کو داخل کیا جا سکتا ہے تو پھر اپنے کو اور اپنے رشتہ داروں کو بھی اس میں داخل کر دو۔ جیسے مشہور ہے کہ کسی گاؤں میں تین چودھری تھے ایک کا نام ابراہیم تھا۔ دوسرے کا موسیٰ' تیسرے کا عیسیٰ' امام نے نماز میں سبح اسم ربك سورت پڑھی جس کے اخیر میں صحف ابراہیم وموسیٰ۔ تو عیسیٰ چودھری خفا ہو گیا کہ ان دونوں کا نام تو پڑھا۔ میرا نام نہیں پڑھا۔ امام نے پھر وہی سورت پڑھی اور ابراھیم و موسیٰ کے بعد عیسیٰ بھی پڑھا دیا۔ خدا بچائے ایسی جہالت سے (۴) ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ داڑھی رکھنے کا واجب ہونا قرآن شریف سے ثابت نہیں تو دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ میں قرآن سے ثابت کرتا ہوں دیکھئے قرآن میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میری داڑھی مت پکڑیئے تو اگر حضرت ہارون علیہ السلام کے داڑھی نہ تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیسے اس کو پکڑ لیا اس جواب کو سن کر وہ اعتراض کرنے والے چپ ہو گئے حالانکہ اس جواب سے صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی یہ تو نہیں معلوم ہوا کہ داڑھی کا رکھنا واجب بھی ہے۔

داڑھی رکھانے کی سچی دلیل:

داڑھی رکھانے کے متعلق تحقیقی جواب میں عرض کرتا ہوں لیکن اوّل یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ جواب بالکل پھیکا اور سیدھا سادھا ہو گا۔ کیونکہ تحقیقی بات ہمیشہ بے مزہ ہوتی ہے۔ دیکھئے غالب اور مومن خاں کے شعروں میں کیا کچھ لطف آتا ہے کہ لوٹنے لگتے ہیں اور حکیم محمود خاں کے نسخہ کو سن کر کسی کو بھی حال نہیں آتا۔ لیکن شعر کار آمد نہیں' اور حکیم محمود خاں کا نسخہ کار آمد ہے جس سے بیماری دفع ہوتی اور تندرستی حاصل ہوتی ہے غرض وہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہمارے ذمہ یہ ضروری نہیں ہے کہ داڑھی رکھنے کے واجب ہونے کو قرآن سے ثابت کریں بلکہ حدیث فقہ سے ثابت کر دینا کافی ہے۔ کیونکہ یہ بھی تو وحی میں داخل ہیں۔

شرع کا حکم کس کو کہتے ہیں؟

پس جب کسی حکم کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں حکم شریعت سے ثابت ہے تو اس کے معنی

یہ ہوتے ہیں کہ یہ قرآن یا حدیث یا فقہ ان تین میں سے کسی ایک سے ثابت ہے ہاں اگر کسی ایک سے بھی ثابت نہ ہو تو بے شک وہ حکم شرع کا نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے عدالت میں جا کر کسی دوسرے شخص پر دعویٰ کیا عدالت نے اس سے گواہ طلب کیے اور اس نے قانون کے موافق گواہ پیش کر دیئے جن پر کسی قسم کی جرح نہیں ہو سکتی تو کیا اس کے بعد مدعا علیہ کو یہ حق ہے کہ وہ یوں کہہ سکے کہ میں ان گواہوں کی گواہی نہیں مانتا۔ ہاں اگر جج صاحب خود گواہی دیں تو میں مان لوں گا۔ اور اگر وہ ایسا کہے تو بتلایئے عدالت اس کو کیا جواب دے گی۔ یہی کہ یا ان گواہوں میں جرح کرو یا دعویٰ کو مانو اسی طرح کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں فلاں حکم کو قرآن ہی سے مانوں گا۔ حدیث فقہ سے نہیں مانوں گا۔ خوب سمجھ لو کہ قرآن ہی سے ہر بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرنا سخت مشکل میں پڑنا ہے اور اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ حدیث فقہ بھی تو قرآن ہی کے حکم میں ہے۔

بعضوں نے وحی میں زیادتی کی اور بدعت میں پھنس گئے!

ایک جماعت نے تو وحی کی پیروی کو ایسا چھوڑا کہ وہ کفر تک پہنچ گئے دوسرے فرقے نے اس میں زیادتی کے ساتھ ایسی پیروی کی کہ حد سے آگے بڑھ گئے۔ اور بدعتوں میں پھنس گئے یعنی وہ اپنی رسموں کو بھی عبادت سمجھنے لگے۔ اور وہ رسمیں اگرچہ جائز بھی ہوں۔ لیکن ان کو عبادت سمجھنا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ عبادت وہ ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہو اور ان رسموں میں نہ ثواب کا وعدہ کسی حدیث میں ہے نہ کسی آیت میں۔ غرضیکہ اس وقت یہ دو مرض ہندوستان میں کثرت سے ہیں کہ بعض تو حدیث فقہ کو وحی نہیں سمجھتے اور یہ بددینی ہے اور بعض لوگ زیادتی کرتے ہیں کہ قرآن اور حدیث اور فقہ کے سوا بھی اور چیزوں کو وحی میں داخل کر لیتے ہیں جو کہ بدعت ہے حضور ﷺ کی امت میں دو فرقے ہیں جن کی عزت لوگوں کے دلوں میں ہے ایک تو امیروں کا فرقہ دوسرا فقیروں کا فرقہ۔ ان دونوں فرقوں کی حالت نہایت درجہ خراب ہے اور ان دونوں فرقوں کی بدولت بہت زیادہ بددینی اور بدعت دنیا میں پھیلی۔ امیروں میں بددینی زیادہ پائی جاتی ہے اور فقیروں میں بدعت زیادہ پائی جاتی ہے اگرچہ تیسرا فرقہ عالموں کا بھی ہے لیکن ان سے گمراہی نہیں پھیلتی کیونکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ عالموں کا دوسرا ول پر

اثر کم ہے۔ پس ان کی وجہ سے ایسی خرابی نہیں پڑسکتی۔

عالموں کا اثر جو لوگوں پر ہے وہ ان کے علم کی وجہ سے نہیں:

اور جن عالموں کا دوسروں پر کچھ اثر ہوتا بھی ہے تو وہ ان کی بزرگی اور درویشی کے خیال سے ہے صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا کچھ اثر نہیں بلکہ جو لوگ صرف عالم سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر عوام دنیاداروں کو ذلیل ہی نہ سمجھیں تو غنیمت ہے اور اگر کسی عالم کے بزرگ نہ سمجھے جانے پر بھی اس کی عزت ہو اور دوسروں پر اس کا اثر ہو تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا کے اعتبار سے بھی عزت دار ہوتا ہے۔ غرض صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا دوسروں پر کچھ اثر ہو تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا کے اعتبار سے بھی عزت دار ہوتا ہے۔ غرض صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا دوسروں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یا تو فقیری کی وجہ سے اثر ہوتا ہے یا امیری کی وجہ سے۔ ورنہ اگر عالم ہونے کی وجہ سے صرف کسی عالم کا اثر ہوتا تو طالب علموں کا بھی بہت اثر ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ بھی تو عالم ہیں اور میں دوسروں کو کیا کہوں خود اپنے اندر بھی یہی حالت دیکھتا ہوں کہ طالب علموں کی زیادہ عزت نظر میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالموں کی علم کی وجہ سے کچھ عزت نہیں کی جاتی۔

ایک طالب علم کی حکایت:

ایک رئیس صاحب کے ہاں ایک طالب علم کا کھانا مقرر تھا۔ چونکہ اکثر اس کو وہاں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے اس کو خیال ہوا کہ اتنا وقت بیکار جاتا ہے۔ اس میں اگر کچھ دین ہی کی خدمت ہو جائے تو اچھا ہے۔ رئیس صاحب سے کہنے لگا کہ میں یہاں دیر تک بیٹھا رہتا ہوں اگر آپ کا لڑکا کچھ پڑھ ہی لیا کرے تو اچھا ہے۔ رئیس صاحب کہنے لگے مولوی صاحب آپ نے عربی پڑھی تو یہ نتیجہ ہوا کہ میرے دروازہ پر کھانا لینے کے لیے آتے ہیں۔ میرا لڑکا پڑھے گا تو کسی دوسرے کے دروازہ پر جائے گا۔ اس حکایت سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ عالموں کے ساتھ لوگوں کا کیا برتاؤ ہے اور عالموں کا کتنا اثر ہے۔ اور جب عالموں کا کچھ اثر نہیں تو ان کو عزت اور اثر والے لوگوں میں کیسے داخل کر سکتا ہوں اور اپنی اس حالت کو سن کر عالموں کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اب وہ کیا کریں اگر اب بھی اُن کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو سخت

افسوس ہے۔

عالموں کو بالکل بے طمع رہنا چاہئے:

خیر میں بتلاتا ہوں کہ ان کو بالکل بے طمع رہنا چاہئے۔ امیر لوگ دنیا لے کر تم سے بے پرواہ ہو گئے۔ تم دین لے کر ان کی دنیا سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ میں خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اگر عالم دنیاداروں سے بے پرواہ ہو جائیں تو خدائے تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں گے بلکہ یہی دنیادار جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اس وقت ان کو عزت دار سمجھنے لگیں گے اور یہ دنیا دار خود ان کے محتاج ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کو جس طرح تھوڑی بہت مال کی ضرورت ہے دین کی اس سے زیادہ ضرورت ہے چاہے وہ عالم یا جاہل رئیس ہو یا غریب ورنہ وہ مسلمان ہی نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عالموں کے پاس ضرورت کے موافق دنیا موجود ہے۔ اور دنیاداروں کے پاس دین کچھ بھی نہیں تو ان کو ہر کام میں عالموں کی احتیاج ہوگی زندگی میں بھی اور موت میں بھی۔ نماز میں بھی روزے میں بھی۔ اگر کوئی کہے کہ مجھے دین کی ضرورت ہی نہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ غرض ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیادار خود عالموں کے پاس آئیں گے۔ پس عالموں کو بالکل بے پرواہ رہنا چاہئے اور خدائے تعالیٰ کے دین میں مشغول ہونا چاہئے۔ ہم لوگوں میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے۔ اگر خدائے تعالیٰ سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ رہے۔ البتہ میں عالموں کو بدخلقی کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ بعضے بے پرواہی کو بدخلقی سمجھتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیروں کی بہت خاطر داری کرتے تھے اور وجہ اس کی فرماتے تھے کہ **نعم الامیر علی باب الفقیر** (ترجمہ) جو امیر فقیر کے دروازے پر جائے وہ بہت اچھا ہے۔ پس جب کوئی امیر آپ کے دروازے پر آیا تو اس میں اچھے ہونے کی بھی صفت پیدا ہو گئی۔ پس اسی صفت کی تعظیم کرنی چاہئے۔ اس لئے بدخلقی کی اجازت نہیں ہاں بے پرواہ رہنا ضروری ہے۔

عالموں کی وقعت اور ان کا کچھ اثر نہیں بلکہ لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں:

غرض یہ کہ عالموں کی عزت اور ان کا اثر کچھ نہیں کیونکہ جس کو دیکھئے وہ عالموں پر

اعتراض کرنے کو آمادہ ہے۔ایک صاحب ایک مرتبہ عالموں پر بہت خفا ہو رہے تھے اور ان کو برا بھلا کہہ رہے تھے کچھ دیر تک تو بوجہ اس کے کہ وہ مہمان تھے میں نے صبر کیا آخر جب وہ حد سے بہت ہی آگے نکل گئے تو میں نے پوچھا کہ عالموں نے کیا قصور کیا ہے۔کون سی ایسی خطا ان سے ہوئی۔ کہنے لگے کہ عالم انگریزی پڑھنے کو منع کرتے ہیں اور قوم کی ترقی ان کی وجہ سے رکی ہوئی ہے۔حالانکہ انگریزی کی بہت ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ اوّل تو یہ بہتان ہے۔ عالم ہرگز انگریزی پڑھنے کو منع نہیں کرتے۔ دوسرے اگر منع بھی کرتے ہیں تو بتلایئے کہ عالموں کے منع کرنے کا دوسروں پر کچھ اثر بھی ہے یا نہیں۔اگر کہیے اثر ہے تو میں کہوں گا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ عالموں کے اثر نے قوم کے بچوں کو عربی پڑھنے پر کیوں نہ لگا دیا۔ جب علماء اتنا بھی نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ عالموں کا کچھ اثر قوم پر نہیں اور جب ان کا اثر نہیں تو عالموں سے کچھ نقصان قوم کو نہیں پہنچا۔قوم کے ترقی نہ پانے کی اصل وجہ اور ہے وہ یہ کہ قوم عام طور پرست' کام چور' آرام طلب ہے۔ان سے محنت تو ہو نہیں سکتی۔اپنے چھٹکارے کے لئے مولویوں کے فتویٰ کو آڑ بنا لیا۔

صاحبو! آخر اس کی کیا وجہ کہ عالموں کے تمام فتووں میں سے یہی ایک فتویٰ آپ کو پسند ہوا۔کبھی دوسرے فتووں پر کیوں عمل نہ کیا گیا۔نہ موروثی کو چھوڑا نہ بہنوں کو حصہ دیا۔نہ نماز کی پابندی کی نہ زکوٰۃ و حج کا اہتمام کیا۔وجہ یہی ہے کہ یہ فتویٰ اپنی مرضی اور نفس کے موافق تھا۔ اور دوسرے فتوے نفس کے خلاف تھے۔جیسا ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ قرآن کا کون سا حکم تم کو زیادہ پسند ہے کہنے لگا: **کلوا واشربوا** (ترجمہ) کھاؤ اور پیو۔مجھ کو یہ حکم زیادہ پسند ہے اور دعا کا پوچھا کہ دعا کون سی پسند ہے تو یہ بتلائی **ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء** (ترجمہ) اے رب ہمارے اتار ہم پر خوان آسمان سے کیا کوئی شخص اس کو قرآن پر عمل کرنے والا سمجھے گا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کو تو خواہش اور نفس کا بندہ کہیں گے۔بس اسی طرح آج کل لوگ عالموں کے کہنے پر چلتے ہیں کہ جس بات کو اپنی مرضی کے موافق دیکھتے ہیں اس میں عالموں کو آڑ بنا لیتے ہیں۔

اثر جس قدر ہے وہ امیروں اور فقیروں کا ہے اور ان دونوں فرقوں کی حالت خراب ہے

اس تمام تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اثر جو کچھ ہے وہ امیروں کا ہے یا فقیروں کا اور جو کچھ خرابیاں پھیلیں دو فرقوں کی وجہ سے پھیلیں۔ پہلا فرقہ بددینی میں پھنسا ہوا ہے دوسرا فرقہ بدعتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ بس اس امت کے مریضوں کا کیا حال ہوگا جس کے طبیب خود مریض ہیں اور عالموں کے ان فرقوں میں داخل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اگر خود بگڑیں بھی تو اپنے کو گنہگار سمجھتے ہیں اور اپنے برے کاموں کی طرح کسی کو بلاتے نہیں اور لوگوں کو اپنے طرز پر بلانے کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ دوسروں کو نیک ہی رستہ بتلائیں گے اور امیروں اور فقیروں کی تو یہ کوشش ہوتی ہے کہ جس رستہ پر ہم ہیں۔ دوسرے بھی اسی پر ہولیں۔ اگرچہ ہم اور وہ دونوں جہنم کے غار میں جا گریں۔ چنانچہ چند روز ہوئے کہ ایک روشن خیال نے یہ مضمون چھپوایا تھا کہ اسلام کی ترقی کو سب سے زیادہ روکنے والی نماز ہے۔ اگر سب عالم مل کر نماز کو اسلام سے باہر کر دیں تو اسلام کو بہت ترقی ہو۔ عالم کوئی ایسا نہیں کر سکتا کہ اپنے گناہ کی طرف دوسروں کو بلائے۔ اس لیے ان سے کوئی ضرر نہیں ہوتا۔

بعض عالموں کی غلطی:

ہاں اتنا نقصان ضرور ہوا کہ بعض عالموں نے اپنا طرز ایسا کر دیا کہ دنیا والوں کو ان کی بدولت خود علم سے نفرت ہوگئی یعنی بعض عالموں نے امیروں سے ملنا جلنا اتنا بڑھایا کہ اس ملنے جلنے کی وجہ سے ان امیروں کی ہاں میں ہاں ملانے لگے کہ ان کو دیکھ کر دنیا والوں نے یہ سمجھا کہ سب عالم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ٹونک کا قصہ ہے کہ ایک رئیس صاحب نے داڑھی منڈا رکھی تھی۔ ایک عالم نے ان پر اعتراض کیا۔ اس سے اس رئیس پر بہت اثر پڑا۔ اتفاق سے مجمع میں ایک دوسرے صاحب بھی بیٹھے تھے اور یہ بھی مولوی کہلاتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ داڑھی ہرگز نہ رکھنی چاہیے۔ کیونکہ اس میں جوئیں پڑ جاتی ہیں اور وہ زنا کرتی ہیں۔ فرمائیے اس رئیس کی نظر میں کیا وقعت اور عزت ان مولوی صاحب کی رہی ہوگی اور زیادہ

سبب ان بری عادتوں کا یہ ہے کہ اکثر گھٹیا خاندان کے لوگ عربی پڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے مولوی ہو کر بھی بری عادتیں ان میں باقی رہتی ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ انگریزی پڑھنے والے بلند حوصلہ باہمت ہوتے ہیں اور عربی پڑھنے والے کم ہمت اور کم حوصلہ ہوتے ہیں!

ایک شخص نے ڈھاکہ میں مجھ سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انگریزی پڑھنے والے طالب علم تو بہت ہمت والے بلند حوصلہ اور بہادر اور محنتی ہوتے ہیں اور عربی پڑھنے والے طالب علم نہایت کم ہمت تنگ خیال کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ مقصود ان کا یہ تھا کہ یہ فرق عربی اور انگریزی کے اثر سے ہے۔ یعنی عربی پڑھنے کی وجہ سے ان میں یہ برائیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اور انگریزی پڑھنے والوں میں یہ خوبیاں انگریزی پڑھنے سے آ گئی ہیں۔ میں نے کہا جناب بلند حوصلہ ہونا، محنتی ہونا یہ جتنی بھی خوبیاں ہیں بڑے بڑے خاندانوں میں ہوتی ہیں جو بڑے خاندان کا ہوگا اس میں یہ خوبیاں نہ ہوں گی۔ اگر چہ وہ انگریزی انتہا تک پڑھ لے۔ بلکہ اکثر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھٹیا خاندان کے آدمی اگر عربی پڑھ لیں تو تھوڑی بہت ان کی عادتیں درست ہو جاتی ہیں اور اگر وہ انگریزی پڑھیں تو بالکل ہی ستیاناس ہو جائے۔ عربی اور انگریزی کے اثر کا اس وقت پورا مقابلہ ہوسکتا ہے کہ ایک خاندان کے دو بچے لیے جائیں۔ جن کی طبیعت ایک سی ہو۔ پھر ایک کو انگریزی شروع کرائی جائے اور دوسرے کو عربی اور دس برس کے بعد دونوں کا اندازہ کیا جائے پھر دیکھئے کس کے اندر زیادہ خوبیاں نکلتی ہیں۔ اور جب کہ خوش قسمتی سے عربی پڑھنے کے لیے تو ہیں جولاہے، تیلی اور انگریزی کے لیے شریف لوگ تو عربی کہاں تک اپنا اثر کرے۔ اور کس حد تک ان کی کم ہمتی کو مٹائے اور اگر شریفوں میں سے کوئی بچہ عربی کے لیے دیا بھی جاتا ہے تو ایسا جو بالکل کودن[1] ہو تو جب عربی پڑھنے کے لیے کودن ہی کودن چھانٹے جائیں گے پھر ان سے بلند حوصلہ ہونے کی کیا امید ہوگی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیے تو میں آپ کو دکھلاؤں کہ عالم ایسے ہوتے ہیں۔ غرض ایسے عالموں سے ایک نقصان یہ پہنچ سکتا ہے اور میں تو یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر گھٹیا خاندان کا

[1] ناقص

آدمی بھی علم میں کامل ہو جائے اور پورا علم حاصل کرلے تو وہ بھی اس خست سے ضرور دور ہوگا اور جن لوگوں میں خست پائی جاتی ہے۔ جب غور سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ عالم ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ عالم تو وہ ہے۔

کمال کا اثر ہے بے پرواہ ہو جانا:

جس کو علم میں کمال ہو اور کمال کا اثر ہے بے پرواہ ہونا۔ جس میں کمال ہوگا وہ ضرور بے پرواہ ہوگا۔ دیکھئے بڑھئی، راج، لوہار جب اپنے کام میں کاریگر ہو جاتے ہیں اور کمال حاصل ہو جاتا ہے تو کیسے بے پرواہ ہو جاتے ہیں تو علم کیا ان ذلیل کاموں کے برابر بھی نہیں اثر رکھتا۔ ضرور رکھتا ہے اور یقینی بات ہے کہ جس میں بے پروائی نہیں ہے۔ اس کمال ہی میں کمی ہے۔ علامہ تفتازائی ایک بڑے جید عالم تھے ان کا قصہ لکھا ہے کہ جب امیر تیمور لنگ بادشاہ کے دربار میں آئے تو امیر تیمور چونکہ لنگڑا تھا اس وجہ سے پیر پھیلائے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے بھی پیر پھیلا دیئے امیر تیمور کو برا محسوس ہوا اور کہا کہ مجھے تو عذر ہے کہ میرے پیر میں لنگ (یعنی لنگڑا پن) ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی عذر ہے کہ مجھ کو شرم آتی ہے۔ یعنی اس سے کہ بادشاہ تو پیر پھیلائے بیٹھے ہیں اور میں پیر سکیڑ کر بیٹھوں۔

جن کو لوگ عالم سمجھتے ہیں وہ عالم نہیں ہیں بلکہ واعظ ہیں:

صاحبو! جن لوگوں کو آپ عالم کہتے ہیں وہ یہ واعظ ہیں جو وعظ کہتے پھرتے ہیں جنہوں نے تھوڑی سی اردو فارسی کی کتابیں پڑھ لی ہیں۔ ان کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو عالموں کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں اور ان کی جہالت کی یہ حالت ہے کہ:

ایک جاہل واعظ کی حکایت:

ایک واعظ صاحب نے سورۃ کوثر کا وعظ کیا اور ترجمہ پہلی آیت کا یہ کیا کہ اے محمد ﷺ ہم نے تجھ کو کوثر کی مثل دیا۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ مثل کس لفظ کے معنی ہوئے اسی طرح ایک واعظ گنگوہ میں آیا اور وعظ کہا جب جنت دوزخ کا ذکر کرتا تو جہنم کی جگہ جہندم کہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظالم نے کہیں لکھا ہوا بھی نہیں پڑھا تھا صرف کسی کی زبان سے سن لیا ہوگا۔

ایک اور جاہل کی حکایت:

اس سے بھی زیادہ مزیدار یہ قصہ ہے کہ سہارنپور میں ایک وعظ کہنے والے آئے جمعہ کی نماز کے بعد کہا ساہبو (صاحبو) یہاں اواج (وعظ) بھی ہوا کرے ہے۔ معلوم ہوا کہ نہیں ہوتا۔ آپ نے پکار دیا بھائیو! اواج ہوگی۔ لوگ ٹھہر گئے۔ منبر پر پہنچ کر یٰس شریف کی غلط سلط آیتیں پڑھیں اور غلط سلط ترجمہ کر کے دعا مانگ کر کھڑا ہوگیا۔ وہاں ایک مولوی صاحب بھی بیٹھے تھے مگر تھے بیچارے اندھے' انہوں نے اس واعظ کو بلا کر پوچھا تمہاری تحصیل کہاں تک ہے' یعنی تم نے کہاں تک کتابیں پڑھی ہیں۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں ہماری تسیل (تحصیل) ہے ہاپوڑ۔ پھر انہوں نے صاف کر کے پوچھا کہ تم نے پڑھا کیا کیا ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں ہم نے سب کچھ پڑھا ہے۔ نور نامہ' ساپن نامہ' دائی حلیمہ کا قصہ' معجزہ آل نبی اور تو کیا جانے اندھے۔ یہ نمونہ ہے واعظ صاحب کی لیاقت کا۔ لیکن پھر بھی ان لوگوں سے اتنا نقصان نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیکھنے والے اور سننے والے ان کی اس جہالت کی وجہ سے پہلے ہی معتقد نہیں ہوتے۔

جاہل خوش تقریر سے زیادہ نقصان ہوتا ہے بہ نسبت غلط بولنے والے کے:

البتہ ان لوگوں سے گہرا نقصان پہنچا ہے۔ جن کی زرق برق تقریریں ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے عالم وعظ کہہ رہے ہیں۔ مگر علم دیکھئے تو عربی کی چھوٹی سی کتاب بھی شائد نہ پڑھی ہو۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔ خود ڈوبے اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے۔ جو حقیقت میں عالم ہیں ان سے تو کوئی گمراہی نہیں پھیلی اور جو نام کے عالم ہیں ان کو عالم کہنا ہی غلط ہے۔ ایک شبہ شاید کسی کو یہ پیدا ہو کہ عالموں میں چونکہ آپس میں اختلاف ہے کہ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوگئے۔ میں کہتا ہوں اگر اختلاف کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوگئے تو اس میں بھی قصور انہیں کا ہے۔ کیونکہ اختلاف جیسے عالموں کے اندر پایا جاتا ہے اسی طرح حکیموں میں بھی اختلاف ہوتا ہے' ڈاکٹروں میں بھی ہوتا ہے۔ غرض اختلاف سے کوئی گروہ خالی نہیں۔ پس عالموں کے اختلاف سے عوام کو نقصان پہنچا

تو کیا وجہ کہ حکیموں اور ڈاکٹروں کے اختلاف سے نقصان نہیں پہنچا۔

وہاں کون سی تدبیر انہوں نے کی جس کی بدولت حکیم عبدالمجید اور حکیم عبدالعزیز کے اختلاف کے نقصان سے بچے رہے۔

اختلاف سے بچنے کی تدبیر:

تدبیر یہ کی کہ کسی پہچان سے معلوم کیا کہ کون سا زیادہ کامل ہے بس جو کامل ہو اسی کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ صاحبو کیا دو دن کی زندگی اور چند روز کے آرام کے لیے تو اس کی ضرورت ہے اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس جگہ کے لیے اس تدبیر کی ضرورت نہیں' اگر نہیں معلوم ہوتی تو آپ کس بات کے آپ مسلمان ہیں اگر اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے تو اس کے لیے کیوں اس تدبیر پر عمل نہیں کرتے اور اختلاف کے نقصان سے کیوں نہیں بچتے۔ جس پہچان سے آپ نے بہت سے حکیموں میں سے کامل حکیم کو چن لیا تھا۔ اسی پہچان سے یہاں بھی کام لو۔ مثلاً وہاں یہ پہچان رکھی تھی کہ اس نے کسی بڑی جگہ پڑھا ہو۔ سند حاصل ہو۔ اس کے ہاتھ سے اکثر بیمار تندرست ہوتے ہیں۔ اس میں حرص اور لالچ نہ ہو۔ بیماروں پر مہربان ہو۔ بیماری پہچان لینے میں پوری مہارت ہو۔

کامل عالموں کی پہچان:

اسی پہچان سے عالموں کو چھانٹنا چاہئے کہ اس کے ہاتھ سے اکثر لوگوں کو ہدایت ہوتی ہو۔ جو دین طلب کرے اس پر مہربان ہو۔ خود دنیا سے نفرت رکھتا ہو۔ گناہوں سے بچتا ہو کسی بزرگ کی صحبت میں رہا ہو۔ اس پر خدا کا خوف غالب ہو پس جس عالم میں یہ خوبیاں ہوں اس کے کہنے پر عمل کرو۔ کیونکہ یہ تم کو جو کچھ بتلائے گا۔ اس میں خدا کا خوف کرے گا اور گڑبڑ کا کچھ نہ بتلائے گا۔ لیکن دوسروں کو بھی برا نہ کہو۔ بہر حال یہ شبہ جاتا رہا کہ عالموں کے اختلاف سے لوگ گمراہ ہوئے۔

آج کل امیروں اور فقیروں کا گروہ زیادہ گمراہ کرنے والا ہے:

اب صرف دو گروہ ایسے رہ گئے ہیں جن کی وجہ سے زیادہ تر گمراہی پھیلی۔ ایک امیروں کا

فرقہ دوسرا فقیروں کا کہ ان میں سے اکثر خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بہت ہی کم اس سے بچے ہوئے ہوں گے۔

بعض ان میں سے بزرگ بھی ہیں:

بعض ان میں سے ایسے بزرگ بھی ہیں کہ ان کو ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کہنا چاہئے اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہنا چاہیے۔ لیکن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی تو یہ حالت تھی کہ ایک شخص آپ کا امتحان کرنے آیا اور دس برس تک آپ کے پاس رہا، مگر معتقد نہ ہوا' ایک روز کہنے لگا کہ میں نے آپ کی بزرگی کی شہرت سنی تھی لیکن میں دس برس سے آپ کے پاس ہوں۔ اس مدت میں میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی آپ نے فرمایا کہ تو نے اس مدت میں جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کرتے بھی دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ گناہ تو کوئی نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کیا کم کرامت ہے کہ دس برس تک اس سے خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ ہوا۔ ایسا ہی ان کا ایک دوسرا قصہ ہے کہ ان کے زمانہ میں کچھ لوگ اپنے کو صوفی مشہور کرتے تھے کہ ہم تو پہنچے ہوئے ہیں۔ نماز روزوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔ یہ بات جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس بات میں تو سچے ہیں کہ ہم پہنچے ہوئے ہیں مگر دوزخ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچے ہوئے نہیں ہیں اور پھر فرمایا کہ اگر میں ہزار برس زندہ رہوں تو نفل بھی بغیر مجبوری کے نہ چھوڑوں جو فقیر ایسا ہو وہ البتہ جنید وقت ہے تو فقیروں میں بعضے ایسے بھی ہیں کہ وہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مثل ہیں اور امیروں میں بعض حضرات ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہیں لیکن کثرت سے ایسے ہی ہیں جن میں بددینی اور بدعت کا زور ہے۔

اہل حق کو وہابی کہنا صرف بہتان ہے:

اور ایک جماعت بدعتیوں میں سے ایسی ہے جو ہم لوگوں کو وہابی کہتی ہے۔ لیکن ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ ہم کو کس مناسبت سے وہابی کہا گیا کیونکہ وہابی وہ لوگ جو کہ ابن عبدالوہاب کی اولاد میں ہیں۔ اس کے مذہب پر چلتے ہیں۔ ابن عبدالوہاب کے حالات کتابوں میں لکھے ہیں ہر شخص ان کو دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے کہ وہ نہ مذہب کے اعتبار سے

ہمارے بزرگوں میں ہے نہ نسب کے اعتبار سے البتہ آج کل جو لوگ چاروں اماموں میں سے کسی کو نہیں مانتے ان کو ایک اعتبار سے وہابی کہنا درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے اکثر خیالات ابن عبدالوہاب سے ملتے جلتے ہیں' البتہ ہم لوگوں کو حنفی کہنا چاہئے۔ کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ چار امام ہیں۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ۔ ان اماموں کے مذہب سے باہر ہونا جائز نہیں' بلکہ اپنے ملک میں ان چاروں اماموں میں سے جن کے مذہب کا رواج ہو اسی کا تابع رہنا واجب ہے۔ تو چونکہ ہندوستان میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کا رواج ہے اس لیے ہم انہیں کے مذہب پر چلتے ہیں۔ تو پھر ہم وہابی کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر اس پر بھی ہمیں وہابی کہا جائے تو ہم لوگ اس سے برا نہیں مانتے۔ لیکن اتنا ضرور کہے دیتے کہ قیامت میں اس تہمت لگانے کی تم کو سزا ملے گی۔ آج کل کے فقیروں نے جو بدعتیں کر رکھی ہیں' میں ایک ایک کر کے تمہیں بتلاتا مگر وقت میں گنجائش نہیں اور عالموں نے پوری طرح کتابوں میں لکھ دیں۔ انہیں پڑھوا کر سن لینا۔

بدعت کی پہچان:

البتہ ایک پہچان بدعت کی بتلائے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو بات قرآن۔ حدیث' فقہ میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہ ہو۔ اس کو ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے وہ بدعت ہے۔ اس کی پہچان کے بعد دیکھ لیجئے کہ ہمارے بھائیوں کے جو کام ہیں جیسے عرس کرنا فاتحہ دلانا۔ اور مردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے دن مقرر کرنا۔ یہ قرآن حدیث فقہ کسی سے ثابت نہیں۔ لیکن پھر بھی ان کو دین کی بات سمجھ کر کرتے ہیں۔ اگرچہ سمجھدار آدمیوں کا عقیدہ ان مسئلوں میں خراب نہیں۔ لیکن ان کے کرنے سے عوام کا عقیدہ تو خراب ہو جاتا ہے۔

جس کام کا شرع نے حکم نہیں کیا اور اس کے کرنے سے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اس کو چھوڑ دینا چاہئے

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر سمجھدار لوگ کوئی ایسا کام کرنے لگیں جس کے کرنے کا شرع نے حکم نہیں کیا اور اس سے عوام کے عقیدہ میں خرابی پھیلے۔ تو سمجھدار لوگوں کو بھی اس کام کو چھوڑ دینا چاہئے۔ ہاں جو کام ایسا ہے کہ شرع نے اس کا حکم کیا ہے' لیکن

لوگوں نے اس میں خرابیاں ڈال رکھی ہیں تو وہاں یہ حکم ہے کہ جو خرابیاں اس میں مل گئی ہیں ان کے مٹانے کی کوشش کریں گے اور اس کام کو نہ چھوڑیں گے۔ مثلاً جنازہ کے ساتھ جانے کا شرع نے حکم کیا ہے تو اگر اس میں لوگ بری باتیں بھی بڑھا لیں تب بھی جنازہ کے ساتھ جانا نہ چھوڑیں گے۔

ثواب پہنچانے کے لئے وقت مقرر کرنا بدعت ہے:

پس ثواب پہنچانے میں دو باتیں ہیں ایک تو وقت کا مقرر کر لینا دوسرے ثواب پہنچانا۔ ان میں سے پہلی بات یعنی وقت مقرر کرنا شرع سے کچھ بھی ضروری نہیں اگر چہ جائز ہے۔ لیکن اس سے عوام میں خرابی پھیلتی ہے۔ اس لئے وقت مقرر کرنا چھوڑ دیں گے۔ البتہ اگر ساری امت کا عقیدہ یہ ہو جائے کہ وہ وقت مقرر کرنے کو ضروری نہ سمجھے تو سب کو وقت مقرر کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ لیکن حالت موجودہ میں (جب کہ اکثروں کا یہ خیال ہے کہ خاص تاریخوں میں ثواب پہنچانے سے زیادہ مقبولیت ہوتی ہے) کیسے اجازت دی جائے۔ کیونکہ ایسا خیال رکھنا تو شریعت کے خلاف ہے۔

اعتراض کرنے والوں کی حکائتیں اور ان کے جواب:

چنانچہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ گیارہویں اٹھارہ تاریخ تک تو ہو سکتی ہے۔ پھر نہیں ہو سکتی۔ خیال تو کیجئے اس سے بڑھ کر عقیدے اور کیا خراب ہوں گے۔ ایک وعظ میں میں نے ان رسموں کا بیان کیا تو بعد وعظ کے ایک صاحب کہنے لگے کہ مولویوں کو ایسے مضمون بیان نہ کرنا چاہئیں کہ مسلمانوں میں اس سے اختلاف پیدا ہوتا ہے اور جدا جدا فرقے بنے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارا بیان کرنا تو آپ کے عمل کرنے پر موقوف ہے۔ جیسے لوگوں کے عمل ہوں گے اور جیسی ان کی حالت ہوگی ویسا ہی ہم بیان کریں گے۔ اگر لوگ ان رسموں کو چھوڑ دیں تو ہم بھی اس قسم کے بیان کو چھوڑ دیں گے تو جدا جدا فرقے ہو جانے کا الزام ان کاموں کے کرنے والوں پر نہ کہ ہم پر نہ یہ ایسے کام کرتے نہ ہم اس قسم کا بیان کرتے۔ غرض ان کاموں کا شرع نے حکم نہیں کیا اور ان سے خرابیاں بہت کچھ پھیل رہی ہیں۔ اس لیے ان سب

کو چھوڑ دینا چاہئے ایک تو دن مقرر کرنا چھوڑ دو۔ دوسرا جو طریقہ ثواب پہنچانے کا گھڑ رکھا ہے۔ وہ بھی چھوڑ دینے کے قابل ہے مجھ سے ایک دیہاتی کہنے لگا کہ اگر ثواب پہنچانے کے وقت کھانے پر چند سورتیں پڑھ لی جائیں تو ہرج ہی کیا ہے میں نے جواب دیا کہ جب روپیہ یا کپڑا خیرات کرتے ہو تو اس پر سورتیں کیوں نہیں پڑھتے۔ جس مصلحت سے کھانے پر سورتیں پڑھی جاتی ہیں اسی مصلحت سے بھی روپیہ یا کپڑے پر کیوں نہیں پڑھی جاتیں۔ اس کا کچھ جواب نہیں۔

ثواب پہنچانے میں نیت کی اصلاح بھی ضروری ہے:

اور ایک نیت میں بھی درستی کرنا ضروری ہے کیونکہ ثواب پہنچانے میں اکثر نیت یہ ہوتی ہے کہ ہم ان کو ثواب پہنچائیں گے تو ان سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے۔ صاحبو! اگر عقیدہ خراب ہونے کا خیال بھی نہ کرو تب بھی تو یہ نیت کرنا نامناسب بات ہے۔ کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے کہ آپ کسی شخص کے پاس ہدیہ کے طور پر مٹھائی بھیجیں اور اس کے بعد اس شخص سے کہیں کہ آپ میرے مقدمہ میں گواہی دے دیں۔ اندازہ کیجئے کہ یہ شخص کس قدر ناراض ہوگا اور اس سے اس کو کیسی تکلیف ہوگی۔ پس جب دنیاداروں کو تکلیف ہوتی ہے تو اللہ والوں کو تو اس سے زیادہ تکلیف ہوگی۔ پس جس وقت ان کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ یہ ہدیہ اس غرض سے دیا ہے تو انہیں کس قدر ناگوار ہوتا ہوگا۔

اس کے سوا کس قدر شرم کی بات ہے۔ ان سے دنیا کی امید رکھنی بالکل ایسی بات ہے جیسے کسی سنار سے کھرپا بنوانے کی امید رکھنا یا کسی حکیم سے یہ فرمائش کرنا کہ تم چل کر ہمارے گھر کی گھاس کھود دو...... صاحبو! ہم کو حضرت سید غوث الاعظم بڑے پیر صاحب سے جو محبت ہے تو اس لئے کہ انہوں نے ہم کو ہدایت کا رستہ دکھلایا۔ اس کے بدلہ میں ہم ان کو کچھ ثواب بخش دیں کہ ان کی روح خوش ہو اور اس کے خوش ہونے سے خدا تعالیٰ خوش ہوں اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہم لوگ ثواب پہنچانے سے منع نہیں کرتے (بلکہ جو اس کے اندر خرابیاں کر رکھی ہیں ان کو منع کرتے ہیں) اور اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ جس دن عام طور پر اصلاح ہو جائے گی۔ اس دن ہم یہ بھی نہ کہیں گے۔ مگر جب تک اصلاح نہ ہو۔ اس وقت تک

ہم ضرور ناجائز ناجائز کہتے رہیں گے۔

دین پھیلانے میں بدنامی کا کچھ خیال نہ چاہئے:

رہی بدنامی۔ سوخدا کا شکر ہے کہ دین کے پھیلانے میں ہم کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

بعض کے عقیدے اور عمل اچھے ہیں لیکن ان کے اندر غرور ہے!

ایک فرقہ مسلمانوں کا ایسا بھی ہے کہ عقیدے اور عمل سب درست ہیں مگر اس فرقہ کو اپنی اچھائی کا بڑا غرور ہے اور دوسرے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ مگر صاحبو! غرور کس پر کیجئے جن کو تم گنہگار سمجھتے ہو ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ اگر چہ خراب عقیدوں کی گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کو کچھ بھی گناہ نہیں۔ کیونکہ وہ بے چارے انجان تھے کسی نے غلط بات بتا کے انہیں گمراہ کر دیا۔ تو ان کا گناہ بھی گمراہ کرنے والے کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص علم تو کچھ رکھتا نہیں ویسے ہی دوسروں کو مسئلے بتاتا ہے تو ان سب کا گناہ اسی کے ذمہ ہے تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو کچھ بھی خبر نہیں کہ جو بات ہمیں بتائی ہے وہ ٹھیک ہے یا غلط...... جیسا کسی نے بتا دیا ویسا کر لیا پھر تو انہیں کچھ گناہ نہیں۔ کس طرح ان لوگوں کو حقیر سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا یہ بات ہے کہ کسی شخص کا کیا منہ ہے۔ جو اپنے اچھے ہونے کا دعویٰ کرے کیونکہ خاتمہ کا حال کسے معلوم ہے کہ کس کا خاتمہ کیسے ہو۔ پھر دوسرے مسلمانوں کو کوئی نیک آدمی کیونکر ذلیل سمجھ سکتا ہے اور ان پر کیسے طعن کر سکتا ہے۔ حدیث کا مضمون ہے کہ سب انسان آپس میں اعضاء کی طرح ہیں۔ یعنی تمام مسلمان مثل ایک تن کے ہیں۔

مسلمانوں سے ہمدردی چاہئے نہ کہ غرور!

اور جب یہ حالت ہے تو مسلمانوں کے دوزخ میں جانے سے آپ کا دل دکھنا چاہئے اور رنج ہونا چاہئے اور ان کے بچانے کی تدبیر میں لگنا چاہئے...... جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی کی حکایت:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور زنا کرنے کی اجازت چاہی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سن کر اس کو ڈانٹنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور نہایت اطمینان سے فرمایا کہ

کیا تو اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیا جانا پسند کرتا ہے اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ بہن کے ساتھ کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بس جس سے تم زنا کرو گے وہ بھی کسی کی ماں کسی کی بہن ہوگی۔ دیکھیے حضور ﷺ کی نرم مزاجی کی یہ حالت تھی اور اس طرح نصیحت کرنے کی عادت تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ بلکہ حضور ﷺ تو دشمنوں اور کافروں تک کی بھی خاطر داری فرماتے تھے۔ کفار آپ ﷺ کو ستاتے اور پہاڑوں پر جس فرشتہ کی حکومت ہے وہ فرشتہ آ کر عرض کرتا کہ اگر اجازت ہو میں ان سب کو پہاڑوں سے ہلاک کر دوں۔ آپ ﷺ فرماتے تم میرے اور میری قوم کے معاملہ میں دخل مت دو۔ تو جب حضور ﷺ کو کافروں تک کی خاطر داری منظور تھی تو ہم میں آج کون سی بڑائی پیدا ہوگئی ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو ذلیل سمجھیں اور ان سے غرور کے ساتھ پیش آئیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ والوں نے کبھی دشمنوں کا دل نہیں دکھایا ہے تمہیں یہ مرتبہ کیسے میسر ہوسکتا ہے کیونکہ تمہاری تو دوستوں ہی سے لڑائی رہتی ہے اور جب تم دوستوں سے لڑتے اور ان کو حقیر سمجھتے ہو تو کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہو۔ دوسرے یہ بات بھی ہے کہ یہ کام وہی شخص کرتا ہے جو خدا سے غافل ہو۔ حضرت بہلول کی حکایت ہے کہ وہ ایک صوفی پر گزرے جو لوگوں سے لڑ بھڑ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص دعویٰ صوفی ہونے کا کرتا ہے۔ لیکن اگر اپنے دوست کو پہچان لیتا (یعنی اللہ تعالیٰ کو) تو دشمن سے لڑنے بھڑنے میں مشغول نہ ہوتا۔ یعنی دوست ہی سے فرصت نہ ملتی۔ پھر دوسروں سے کیسے لڑتا۔

دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے:

صاحبو! کیا بھروسہ ہے کہ شام تک ہماری حالت کیا ہوگی اور چار دن کے بعد ہم کیا ہوں گے اگر قبر میں ایمان ساتھ گیا تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ تو جب کہ ہماری اس وقت کی حالت میں سینکڑوں خرابیاں ہیں اور اس حالت پر بھی کچھ اطمینان نہیں اندیشہ لگا ہوا ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب نہ ہو جائے تو بڑی جہالت کی بات ہے کہ ہم دوسروں پر ہنسیں اور ان کو ذلت کی نظر سے دیکھیں۔ بڑا پاگل ہے وہ شخص کہ اس پر بیسیوں فوجداری مقدمے ثابت ہیں۔ اور وہ دوسرے دیوانی کے مقدمہ والوں کو ذلیل سمجھتا ہے اور ان کو برا بھلا کہتا پھرتا ہے تو

اس وجہ سے میں اس فرقہ کو خاص طور پر کہتا ہوں کہ اگرچہ تمہارے عقیدے درست ہیں اور ظاہر میں عمل بھی خراب نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن تم اپنے دل کی حالت میں غور کرو اور دل کی حالت کو اچھا نہ سمجھو۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا ظاہر تو درست ہوتا ہے۔ لیکن دل بھیڑیئے کی طرح ہوتا ہے۔ پس اس کے سنوارنے کی فکر کرو۔ مگر خرابی تو یہ ہے کہ دل کی حالت سنوارنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مدار صرف عقیدوں پر ہے اگر عقیدے درست کر لیے تو پھر نجات ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ یہ مانا کہ عقیدے درست ہونے سے کبھی نہ کبھی نجات ہو جائے گی اور کچھ عذاب نہ ہوگا اور بعضے لوگوں کا یہ غلط خیال ہے کہ صرف حضور ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرنا نجات کے لیے کافی ہے اگر حضور ﷺ سے محبت ہو تو نہ سوال جواب ہوگا نہ حساب کتاب ہوگا۔ پس ان سب لوگوں کو چاہئے کہ باطن کی بھی فکر کریں جس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے کو بالکل مٹا دے اور تواضع پوری طرح اختیار کرے۔

تواضع اتفاق کی جڑ ہے:

اور یہی تواضع جڑ ہے اتفاق کی بھی۔ آج کل لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں مگر اتفاق کی جو جڑ ہے اس کو بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ کیونکہ اتفاق ہمیشہ اس سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کم سمجھے اس سے کبھی اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آ ہی نہیں سکتی۔ افسوس آج اس پاکیزہ خصلت کو بالکل چھوڑ دیا گیا۔ بلکہ اس کے خلاف غرور اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا سبق دیا جاتا ہے اور لباس میں ہمیشہ ایسی وضع پسند کرتے ہیں جس سے تمام مجمع بھر میں ہمیں کو بڑا سمجھا جائے اور غضب یہ ہے کہ اپنی اولاد کو بھی شروع سے اس وضع کی عادت ڈلواتے ہیں۔ غرض ہر بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو فرعون کے برابر سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایئے کہ اتفاق کیسے ہو؟

صاحبو! اگر اتفاق کا واقع میں شوق ہے تو صوفیوں کے طرز پر چلنے کی کوشش کرو۔ ان حضرات کے قدموں پر جا گرو۔ پھر دیکھو کیسا اتفاق ہوتا ہے۔ ایک رئیس سے میری گفتگو ہوئی کہ اگر لڑکے سے کسی نوکر پر کوئی زیادتی ہو جائے تو اس کو سزا دینی چاہئے یا نہیں۔ ان رئیس صاحب کی یہ رائے تھی کہ لڑکے کو سزا نہ دینی چاہئے کیونکہ سزا دینے سے بچے کی ہمت کم ہو جاتی

ہے اور بلند حوصلہ نہیں رہتا خدا کی پناہ۔ صاحبو! قرآن کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس کا نام آج کل ترقی رکھ چھوڑا ہے۔ قرآن اس کی جڑ کاٹ رہا ہے۔

اتفاق کے پیدا کرنے کا طریقہ:

غرض یہ ہے کہ اتفاق پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے عمل درست کرو۔ اور جو لوگ اپنے عمل درست کر چکے ہیں۔ ان کے پاس آنا جانا رکھو۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو کہ بزرگوں کی خدمت میں جاتے ہیں۔ لیکن نیت ان کی صرف وقت پورا کرنا اور دل بہلانا ہوتی ہے۔ چنانچہ بزرگوں کے پاس جا کر دنیا بھر کے قصے جھگڑے اخبار شروع کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اصلاح ہی کی نیت سے جاتے ہیں۔ لیکن مزاج میں جلدی ہونے کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ دو ہی دن میں ہماری اصلاح ہو جائے۔ ان لوگوں کی بالکل وہ مثال ہے کہ جولاہا جب دو دن نماز پڑھ لیتا ہے تو انتظار کرتا ہے کہ میرے پاس اب وحی آتی ہوگی ایسے لوگوں کے جواب میں ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کیا کم فائدہ ہے کہ تم کو خدا کا نام لینے کی توفیق ہوگئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اگر واقعی کچھ بھی حاصل نہ ہو تب بھی طلب نہ چھوڑنی چاہئے۔

خدا کے طالب کی کیا شان ہونی چاہئے:

خدا کے طالب کی تو یہ شان ہے کہ اگر سو دفعہ اس کو یہ آواز آئے کہ تو دوزخی ہے تب بھی ناامید نہ ہو۔ ایک بزرگ کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ تم کو عبادت کرتے ہوئے اتنے دن ہو گئے۔ ادھر سے نہ پیام ہے نہ سلام ہے پھر اس سے کیا نفع۔ وہ بزرگ وظیفہ چھوڑ کر سو رہے۔ خواب میں حضرت خضر علیہ السلام آئے اور وجہ پوچھی۔ اس نے کہا ادھر سے نہ سلام ہے نہ پیام ہے۔ پھر کیسے دل بڑھے۔ جواب میں فرمایا کہ تم جو ان کا نام لیتے ہو۔ یہی ان کا جواب ہے اور یہی ان کا پیام ہے۔ اگر وہ توفیق نہ دیتے تو کیسے اللہ اللہ کر سکتے تھے۔ ایک بزرگ کی حکایت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ وہ ذکر کرنے بیٹھے تو یہ آواز آئی کہ تم کچھ بھی کرو یہاں کچھ قبول نہیں۔ مگر وہ بزرگ پھر کام میں لگ گئے۔ ان کے ایک مرید نے کہا کہ جب کچھ نفع ہی نہیں تو محنت سے کیا فائدہ بزرگ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کوئی دوسرا ایسا ہوتا کہ خدا کو

چھوڑ کر اس کے یہاں پناہ لے لیتا تو یہ ہو بھی سکتا تھا کہ ان کو چھوڑ بیٹھا۔ اب تو ان کا ہی دروازہ ہے۔ قبول ہو یا نہ ہو۔ دل کو اس سے ہٹا سکتے ہیں جس کے بغیر گزر ہو سکے اور جس کے بغیر گزر نہیں ہو سکتی اس سے کس طرح دل ہٹا سکتے ہیں۔ اس جواب پر رحمت خداوندی کو جوش ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم نے تمہیں قبول کر لیا' اگر چہ تمہارے اندر کچھ ہنر نہیں کیونکہ ہمارے سوا تمہاری اور کوئی پناہ نہیں۔ غرض خدا کے طالب کو ہر حال میں طلب میں مشغول رہنا چاہئے البتہ اس موقع پر اس کی ضرورت ہے کہ کامل کی کوئی پہچان بتلائی جائے۔ کیونکہ آج کل بہت سے شیطان بھی انسان کے لباس میں ہیں۔

کامل کی پہچان:

تو پہچان اس کی یہ ہے کہ وہ شریعت کا علم رکھتا ہو۔ کسی کامل پیر کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح کی ہو اور اس سے دوسروں کے اصلاح کرنے کی اجازت بھی حاصل کی ہو۔ خود شریعت پر عمل کرتا ہو شریعت کے خلاف کرنے پر ہٹ نہ کرتا ہو۔ سنت کا پورا پابند ہو۔ جو اپنے سے تعلق رکھتے ہوں ان پر مہربان ہو۔ دیکھ بھال روک ٹوک میں کمی نہ کرتا ہو۔ جس میں یہ سب باتیں جمع ہوں وہ کامل ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس تھوڑی دیر بیٹھنا بھی ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سب فرقوں کا بیان ضرورت کے موافق ہو گیا۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ نجات کا رستہ صرف ایک ہے اور اس پر چلنے کا طریقہ یہ ہے جس کا ذکر ہوا۔ اگر اس کا خیال رکھا جائے تو بہت کام کی چیز ہے۔ اگر چہ مزہ دار نہیں۔ اب دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

تمت

(۱۳) اہتمام دین کی ضرورت

منتخب از ضرورۃ الاعتناء بالدین وعظ اوّل دعوات عبدیت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○

ترجمہ:- اے رب ہمارے اور بھیجئے ان میں ایک رسول جو انہیں میں سے ہو۔ پڑھے ان پر آیتیں آپ کی اور سکھائے ان کو کتاب آپ کی اور حکمت اور پاک کرے۔ ان کو آپ قدرت والے ہیں حکمت والے ہیں۔

اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں۔

(۱) یہ ایک آیت ہے۔ اس آیت کا مضمون قرآن میں کئی جگہ آیا ہے اس مقام میں یہ مضمون حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف سے نقل کیا گیا ہے کعبہ بناتے وقت جو دعائیں ان دونوں نے کی ہیں ان میں کی گئی ایک دعا یہ بھی ہے جس کا نفع ان کی اولاد کو پہنچا۔ ان دونوں صاحبوں نے اوّل اپنے لیے دعا کی اس کے بعد اپنی اولاد کے لئے دعا کی۔ جو دعائیں اولاد کے لئے کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

اصل نفع دین کا نفع ہے:

حاصل اس دعا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے اپنی اولاد کو ایک دینی نفع پہنچایا ہے۔ اس دعا کے طرز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل مقصود دین کا نفع ہے اور دنیا کا نفع اس کے تابع ہے ہم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سبق لینا چاہئے کہ انہوں نے جہاں اپنی اولاد کے لئے دنیا کے نفع کی یہ دعا کی کہ اے اللہ مکہ میں جو ایمان والے ہیں۔ ان کو

میوے اور پھل کھلانا۔ اس دعا کے ساتھ ہی دین کے نفع کی بھی دعا کی جس کا اس آیت میں ذکر ہے تو دنیا کے نفع اور آرام کے دعا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر دنیا کا آرام نہ ہو تو دنیا میں بہت کم طبیعتیں ایسی ہیں جو خداتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ پس اپنے رزق کی زیادتی کی بھی دعا کرنا چاہئے اور اپنی صحت کے لیے بھی دُعا کرنا چاہئے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بہت دبلے ہو رہے ہیں تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دعا تو نہیں کر لی یعنی مصیبت کے لیے تو کوئی دعا نہیں کی وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہاں دعا تو کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا دعا کی تھی۔ کہنے لگے یہ دعا کی تھی کہ مجھے جو کچھ عذاب ہو دنیا ہی میں ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ان کو خبردار کیا کہ تکلیف کے لیے ہرگز دعا نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ تکلیف سے بچنے کے لیے دعا کرنا چاہئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان ضعیف ہے اس کو تکلیف کی برداشت کہاں۔ خدا کے فضل کی دعا کرنا چاہئے۔ کیونکہ انسان کی رگ رگ میں احتیاج بھری ہوئی ہے بغیر خدا کے فضل کے اس کا گزارہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا میرے لیے دس روپیہ کا انتظام کر دیجئے کیونکہ مجھے سخت ضرورت ہے اس کے بعد ادھر ادھر کا ذکر کرنے لگا۔ فقیری کا دم بھرنے والے کہنے لگے کہ ہمیں جنت کی کیا پرواہ ہے اور دوزخ کا کیا ڈر ہے میں نے کہا میاں بیٹھو تم سے دس روپیہ سے تو صبر ہو نہیں سکا۔ جنت سے کیا صبر کر سکو گے۔ اگر ایسے ہی بے پرواہ تھے تو دس روپے سے بھی صبر کر لیا ہوتا۔ تو واقعی انسان ایسا محتاج ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی اس کو ضرورت ہے اور آخرت کا زیادہ محتاج ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جیسے دنیا کے لیے دعا کی ایسے ہی آخرت کے لیے بھی دعا کی تاکہ ہم لوگ اس سے سبق لیں اور ایسا ہی کیا کریں۔

نبیوں علیہم السلام کی اولاد میں مقبول وہی ہے جو ان کے طریقہ پر چلے:

بہرحال انبیاء کی اولاد بھی وہی مقبول ہے جو ان کے قدم بقدم ہو اور ان کے طریقہ پر چلتی ہو۔ اور جو اولاد ان کے طریقہ پر نہ ہو وہ تو ایسی ہے جیسے غلط لکھا ہوا قرآن کہ اس کا نہ ایسا ادب ضروری ہے اور نہ اس کی بے ادبی کرنا جائز ہے۔ ادب تو اس لیے نہیں کہ وہ صحیح قرآن

نہیں۔ اور بے ادبی اس لیے نہیں کی جائے گی کہ کچھ تو قرآن کی آیتیں بھی اس میں ملی ہوئی ہیں۔ تو انبیاء علیہم السلام کی زیادہ نظر اس پر ہے کہ دین کا نفع ہو۔ اور چاہتے ہیں کہ اولاد ہو تو ایسی ہو جو ہمارے طریقہ پر چلے اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے یہ دعا کی اور اس سے ہم کو یہ سبق سکھلایا کہ اپنی اولاد کے لیے دنیا سے زیادہ دین کا انتظام کرنا چاہیے۔

ہم کو اولاد کے لئے دینی نفع کا خیال چاہیے:

اب ہم کو سبق لینا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہم کہاں تک اپنی اولاد کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے ہیں اور کس قدر ان کے دین کا انتظام کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ اپنی اولاد کے حق ادا نہیں کرتے۔

اس زمانہ میں اولاد کے لئے دنیا کی فکر ہے دین کا خیال نہیں:

لیکن یہ ضرور ہے کہ زیادہ تر توجہ دنیا پر ہے اس کی زیادہ کوشش ہوتی ہے کہ اولاد چار پیسے کمانے کے قابل ہو جائے اور جب قابل بنا دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے ضروری حق سب پورے کر چکے آگے اپنی درستگی یہ خود کر لیں گے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے دین کی وقعت اور قدر بالکل نکل گئی ہے۔ اس لیے بالکل دنیا پر جھک پڑے ہیں اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی ضرورتوں کی خبر نہ تھی۔ اس لیے ان کو دنیا کی طرف توجہ نہیں ہوئی تو یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ دنیا کی جتنی ضرورت ہے اس کی ان کو پوری خبر نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اولاد کے آرام کے لیے بھی دعا کی کہ ان کو رزق پہنچایا جائے۔ مگر نبیوں نے اپنی اولاد کے لیے اس کی رعایت زیادہ کی ہے کہ دین کا نفع ان کو پہنچے اور دنیا کے نفع کے لیے جو انہوں نے کی ہے وہ صرف اسی اولاد کے لیے ہے جو ایماندار ہو ساری اولاد کے لیے نہیں کی۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ ان کی نظر میں دین کس قدر عزیز ہے کہ نافرمان کے لیے دنیا کی دعا بھی گوارا نہیں کی اگرچہ خدا تعالیٰ نے رزق ایمان والوں کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا ہے کہ کچھ دنوں کے لیے دنیا میں کافروں کو بھی عیش دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے تو اپنی رحمت کو عام فرمایا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوجہ کافروں کے نافرمان ہونے کے ان کے لیے دعا نہیں

فرمائی۔ اس سے نبیوں کی طبیعت کا اندازہ معلوم ہوتا ہے اور یہی نیک بندوں کا طرز انداز ہونا چاہئے کہ نافرمان لوگوں پر کچھ رحم نہ کریں نہ ان کے لیے راحت کی دعا کریں۔ ہاں ہدایت کی دعا کریں۔ بس جو لوگ خدا کے حکم پر چلتے ہیں ان کے لیے ہر طرح کی دعا کریں۔ اور جو نافرمان ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حکم پر نہیں چلتے ان کو خدا کے سپرد کریں۔ خیر یہ بات تو درمیان میں آ گئی تھی۔ مقصود یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا فرمائی ہے۔ اس کا مضمون غور کے قابل ہے اور اس وقت اس کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

ہم لوگوں میں دین کا اہتمام نہیں اور یہ بہت سخت مرض ہے:

کیونکہ ہم میں اس وقت ایک بڑا مرض ہے یعنی دین کا خیال کم ہونا اور یہ وہ مرض ہے کہ اس کی بدولت آج ہم مسلمان کہلانے کے قابل نہیں رہے۔ اور اس کی بدولت اکثر حصہ دین کا ہم سے نکل گیا۔ دیکھو مالدار وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس ضروری خرچوں سے زیادہ روپیہ ہو اور جس کے پاس دو چار پیسے ہوں وہ مالدار نہیں کہلاتا ورنہ چاہئے کہ ساری دنیا مالدار کہلانے لگے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ آدمیوں کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ ایک غریب ایک امیر۔ تو جیسے مالدار وہ شخص ہے جس کے پاس بہت سا روپیہ ہو۔

ایمان بغیر عمل کے قابل اعتبار نہیں:

اسی طرح ایماندار بھی وہی ہے جو عقیدے بھی سب شریعت کے موافق رکھتا ہو اور عمل میں بھی شریعت کا پورا پابند ہو۔ اور یہ ایمان کچھ ایمان نہیں ہے کہ صرف کلمہ پڑھ کر اپنے کو ایماندار سمجھنے لگے اور شرع کے حکموں پر چلنے سے کچھ غرض نہیں رکھتے اور اس کے متعلق دلیل کے طور پر کہتے ہیں: من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (ترجمہ) جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا۔ وہ جنت میں جائے گا۔ یہ حدیث تو بے شک سچی ہے۔ لیکن اس کا مطلب اور ہے۔ جو مطلب یہ لوگ اس سے نکالتے ہیں وہ نہیں ہے پھر غضب یہ کہ اس میں ایک تو غلطی یہ تھی کہ عمل کرنے کو بالکل بے کار سمجھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بعض لوگ خود ایمان کے کلمہ میں کمی کرتے ہیں۔ یعنی اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ خدا کی پناہ...... میں نے خود یہ تقریریں چھپی ہوئی دیکھی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ضرورت

نہیں ہے اور اسی حدیث سے اپنے مطلب کو نکالتے ہیں: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (ترجمہ) جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا وہ جنت میں جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کہنے ہی سے لوگ جنت میں جائیں گے۔ تو اب محمد رسول اللہ ﷺ کہنے کی کیا حاجت رہی۔ مجھ سے ایک سفر میں اس حدیث کے متعلق ایک صاحب نے جو اسی خیال کے تھے دریافت کیا کہ اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کو نہ مانے وہ بھی جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا آپ یہ بتلائیے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ہر دن سورۃ یٰسین پڑھتا ہوں تو سورۃ یٰسین پڑھنے کے کیا معنی ہیں۔ کیا یہ معنی ہیں کہ صرف یہ کلمہ پڑھتا ہوں۔ یٰسین یٰسین یا یہ معنی ہیں کہ ساری سورت پڑھتا ہوں۔ کہنے لگے کہ یٰسین کے معنی تو ساری سورت پڑھنے کے ہیں۔ میں نے کہا اسی طرح لا الہ الا اللہ پڑھنے کے معنی سارا کلمہ پڑھنے کے ہیں، ان لوگوں کے لا الہ الا اللہ کے پڑھنے کے یہ معنی سمجھنے پر مجھے ایک قصہ یاد آیا۔

ایک کم سمجھ طالب علم کی حکایت:

ریاست رامپور سے ایک طالب علم نے میرے پاس خط بھیجا کہ مجھ کو فلاں شبہ ہے۔ اس کے لیے کوئی دعا بتلا دیجئے میں نے لکھا کہ لاحول پڑھا کرو چندروز کے بعد وہ مجھ سے ملے اور پھر شکایت کی میں نے پوچھا اس سے پہلے میں نے کیا بتلایا تھا۔ کہنے لگے لاحول پڑھنے کو بتلایا تھا۔ سو میں پڑھتا ہوں۔ اتفاقیہ بات میں نے یہ دریافت کیا کہ کس طرح پڑھا کرتے ہو۔ کہنے لگا کہ یوں پڑھا کرتا ہوں۔ لاحول لاحول لاحول۔ تو جیسے طالب علم نے لاحول پڑھنے کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ صرف لاحول کو پڑھ لیا جائے۔ حالانکہ لاحول تو ایک پورے کلمہ کا نام ہے (یعنی لاحول ولاقوۃ الا باللہ) اسی طرح ان لوگوں نے بھی لا الہ الا اللہ پڑھنے کے معنی یہ سمجھے کہ صرف لا الہ الا اللہ ہی پڑھا جائے۔ حالانکہ لا الہ الا اللہ سے مراد وہی ہے جس کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہو جس کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جن میں پورا کلمہ مذکور ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے کہ **الایمان شهادة ان لا اله الا اللّٰه محمدا رسول الله** (ترجمہ) ایمان یہ ہے کہ گواہی دینا اس بات کی کہ سوائے اللہ کے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دینا اس بات کی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ پس اس حدیث سے

صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ کو رسول اللہ ﷺ ماننا ضروری ہے اور اس کے بغیر آدمی ایماندار نہیں ہوتا۔ تو صاحبو! اس دنیا میں کھپ جانے کے سبب سے اس قسم کی غلطیاں لوگ کر رہے ہیں۔ بس اس کا علاج یہ ہے کہ دین کی طرف توجہ کریں اور دین کا علم حاصل کریں۔

رسول ﷺ پر ایمان لانے کو عقل اور نقل دونوں ضروری بتلاتی ہیں:

اسی خیال کے ایک اور صاحب مجھے ملے کہنے لگے کہ رسول ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں صرف اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا نجات کے لیے کافی ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں عقل بھی یہی کہتی ہے اور قرآن اور حدیثیں بھی یہی بتلاتی ہیں کہ رسول ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے دوسرا رسول ﷺ کا انکار کرنے سے خدا تعالیٰ کی خدائی کا بھی انکار ہو جاتا ہے اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کے ماننے کے یہ معنی نہیں کہ ان کو صرف موجود مان لیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کی ذات کو بھی کامل مانیں اور ان کی خوبیوں کو بھی بے مثل مانیں کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص خدا کی ذات کو تو مانتا ہے لیکن ان کی خوبیوں کو نہیں مانتا تو وہ کافر ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ کو بادشاہ تو مانے مگر یہ نہ مانے کہ اس کو بادشاہوں کے سے اختیار بھی ہیں تو کیا ایسے شخص کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ اس نے بادشاہ کو نہ مانا۔ کبھی نہیں۔ تو خدا تعالیٰ کے ایک ماننے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ساری خوبیوں کے ساتھ مانے کہ ان میں ہر خوبی پوری طرح پائی جاتی ہے وہ شخص کہنے لگے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو ایسا سمجھنا تو ضروری ہے۔ میں نے کہا کہ عمدہ خوبیوں میں سے ایک خوبی سچائی بھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے سچائی کی خوبی ماننا بھی ضروری ہوگی۔ کہنے لگے کہ ہاں بے شک ضروری ہوگی۔ میں نے کہا قرآن شریف میں موجود ہے۔ **محمدٌ رسول اللّٰہ** (ترجمہ) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ پس اس کا ماننا ضروری ہوا اور جو اس کو نہ مانے گا وہ خدا کا ماننے والا بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کی سچائی کو نہ مانا۔ جس کا ماننا ضروری تھا اور میں نے کہا کہ آپ کو دس برس کی مہلت جواب کے لیے دیتا ہوں یہ تو عقیدوں میں کمی تھی جس کی مثالیں آپ نے سن لیں۔

آج کل لوگوں نے عملوں میں بھی کمی کر لی ہے:

اسی طرح عملوں میں بھی کمی کر لی ہے کہ بعض تو ان کے فرض ہونے ہی کا انکار کرتے ہیں

اور بعض انکار تو نہیں کرتے لیکن ان پر عمل بھی نہیں کرتے تو ان دونوں قسم کے لوگوں کی غلطی قرآن کی آیتوں سے ثابت ہوتی ہے۔ رہی حدیث: من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (ترجمہ) جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا۔ وہ جنت میں جائے گا۔ سو اس کے معنی کے لیے ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح کرے اور بعد نکاح کے بیوی کھانے پینے کے لیے خرچ مانگے اور شوہر کہے کہ میں نے ان چیزوں کا دینا قبول نہیں کیا تھا میں نے تو صرف تمہیں قبول کیا تھا تو اس کا وہ کیا جواب دے گی۔ ظاہر ہے کہ یہی جواب دے گی کہ اگرچہ تم نے ہر ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ قبول نہیں کیا۔ لیکن میرا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے۔ اب میں ان اعتراض کرنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے سامنے یہ بات چیت ہو تو آپ کیا کہیں گے۔ یہی کہیں گے کہ یہ ایک قبول ہی ہر چیز کے قبول کرنے کی جگہ ہے تو جب لا الہ الا اللہ کہہ لیا تو سارے عقیدے اور عملوں کا ذمہ لے لیا یاد رکھو ایمان میں کمی کرنا سخت غلطی ہے، ایمان جب ہی کہلائے گا جب اس کی پوری شان پائی جائے۔ اب سوچئے کہ ہم لوگ مسلمان کہلاتے ہیں مگر غور کرنے کے قابل یہ ہے کہ ہم میں اسلام کی کتنی باتیں پائی جاتی ہیں، پس مسلمان تو وہی ہوگا، جس میں اسلام کی باتیں بہت کثرت سے پائی جائیں، جیسے میں نے مثال دی ہے کہ مالدار اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس ہر قسم کا سامان ضرورت سے زیادہ ہو۔ تو ہم کو اپنی حالت دیکھنی چاہئے کہ ہم کو دین سے کس درجہ بے پرواہی ہوگئی ہو کہ نہ عقیدے درست کرنے کی پرواہ نہ عمل کرنے کی فکر، نہ اپنے برتاؤ اچھے کرنے کا خیال نہ بری حالتوں پر رنج، آج کل کی یہ حالت دیکھ کر اس وقت یہ آیت پڑھی گئی ہے اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو اس لئے نقل کیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ بات مدت سے طے ہو چکی ہے۔ سو دیکھ لیجئے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کن کن باتوں کو ضروری ٹھہرایا ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں کن کن باتوں کو ایمان کے لیے ضروری کہا گیا ہے فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہماری اولاد میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجئے جن کی صفت یہ ہو کہ ان لوگوں کو آپ کے احکام سنائیں اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہو کہ ان کو خدا کی کتاب اور دین کی

باتیں سکھائیں اور ان کو بری عادتوں سے پاک صاف کریں۔ بے شک اللہ آپ قدرت والے ہیں اور حکمت والے ہیں۔ کہ ہر کام حکمت کے موافق کرتے ہیں یعنی آپ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے اور ایسا رسول بھیجنے میں بھی مصلحت ہے۔ تو آپ اس کو ضرور قبول فرمائیں گے۔ اس آیت کے ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ رسول ﷺ کی تین صفتیں اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہیں اور ان رسول ﷺ سے مراد ہمارے حضور ﷺ ہیں۔ کیونکہ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام دونوں نے کی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ یہ رسول ان دونوں کی اولاد میں ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اگرچہ اور بھی بہت نبی ہوئے ہیں لیکن وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے سلسلہ میں ہوئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سلسلہ میں صرف ہمارے حضور ﷺ ہی ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سلسلہ سے ہوئی ہے اس میں سوائے ہمارے حضور ﷺ کے اور کوئی رسول نہیں ہوا اس لئے اس دعا میں آپ ہی مراد ہوئے اور رسول کے بھیجنے کی دعا اس وجہ سے کی کہ رسول کے واسطہ سے دین اچھی طرح سیکھ سکتے ہیں۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس طرح دعا کرتے کہ اے اللہ ان کو پاک کیجئے اور ان کو کتاب دیجئے اور ان کو قبول کیجئے مگر اس طرح دعا نہیں کی۔ بلکہ یوں کہا کہ اے اللہ ہماری اولاد میں ایک رسول بھیجئے جن کی یہ صفت ہو کہ ان لوگوں کو آپ کے احکام سنائیں اور یہ شان ہو کہ ان کو آپ کی کتاب سکھائیں...... اور ان کو پاک کریں۔

رسول ﷺ کے ذریعہ سے تعلیم اچھی ہو سکتی ہے

رسول ﷺ کے بغیر ایسی تعلیم نہیں ہو سکتی

تو رسول کے ذریعہ سے احکام کے سکھانے کی اور پاک کرنے کی دعا کی اسی وجہ سے کہ بغیر رسول ﷺ کے اچھی طرح دین کی باتیں نہیں سیکھ سکتے۔ لیکن آج کل اکثر عوام اور بعض سمجھدار لوگوں کی بھی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ نبیوں کی سکھائی ہوئی بات کی اتنی قدر نہیں کرتے جتنی کسی بزرگ کی سکھائی ہوئی بات کی قدر ہوتی ہے۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے پاس ایک شخص آیا اور اپنی تنگدستی اور قرضہ کو بیان کیا کہ کوئی دعا بتلا دیجئے کہ قرض ادا ہو جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو: اللهم اکفنی بحلالك عن حرامك و اغننی بفضلك عمن سواك۔ اور یہ دعا سکھا کر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ دعا حدیث میں آئی ہے۔ حدیث کا نام سن کر اس شخص کی یہ کیفیت ہوئی جیسے سرد پڑ گیا اور کہنے لگا کہ حدیث میں تو بہت سی دعائیں ہیں آپ اپنے پاس سے کوئی چیز بتلایئے جو سینہ بسینہ چلی آتی ہو۔ یہ بے ادبی کا کلمہ سن کر مولانا کو بہت غصہ آیا اور آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی سکھائی ہوئی بات کو چھوڑ کر دوسروں کی سکھائی ہوئی کو پسند کرتا ہے۔

جاہل آدمی نماز کی اتنی قدر نہیں کرتے جتنی کہ پیر کے بتائے ہوئے وظیفہ کی قدر کرتے ہیں

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو نمازی اور عبادت کرنے والے جاہل ہوتے ہیں وہ جس شوق سے وظیفہ یا نفلیں پیر کی بتلائی ہوئی پڑھتے ہیں قرآن شریف اور پانچ وقت کی نماز کو اس شوق سے نہیں پڑھتے ایک شخص نے مجھ سے بڑے فخر سے کہا کہ اگر چہ کسی وقت کی نماز قضا ہو جاتی ہے لیکن پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ کبھی قضا نہیں ہوتا' اس کے معنی تو یہ ہیں کہ حضور ﷺ سے اس قدر تعلق نہیں ہے۔ جس قدر پیر سے ہے (کس قدر بے ہودہ بات ہے) اگر چہ یہ ضرور ہے کہ پیر سے تعلق نہ ہو تو حضور ﷺ سے بھی کم تعلق ہوگا۔ لیکن یہ تو نہیں ہوسکتا کہ پیر کا تعلق حضور ﷺ کے تعلق سے بھی بڑھ جائے۔

رسول ﷺ کے واسطہ سے تعلیم کرنے کی حکمت:

غرضیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسول بھیج کر دین سکھلانے کی دعا کی تھی۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت اس قسم کی ہے کہ دوسرے انسان کو کوئی کام کرتا ہوا دیکھ کر خود بھی وہی کرنے لگتا ہے یعنی ان کو ایک نمونہ کی حاجت ہوتی ہے۔

نمونہ دیکھ کر کام کرنا آسان ہوتا ہے:

نمونہ دیکھ کر کام کرنا آسان ہوتا ہے اور اسی وجہ سے انسان کو کتابیں دیکھ کر عمل کرنے

سے اس قدر نفع نہیں ہوتا جس قدر بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت ہے۔

بچوں کی تعلیم میں کن کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

اکثر لوگ اپنی اولاد کے لیے تمام آسائشوں کی فکر کرتے ہیں۔ مگر اس کی ذرا پرواہ نہیں کرتے کہ ان کو صحبت نیک حاصل ہو۔ بلکہ اکثر ایسے لوگوں سے پڑھواتے ہیں کہ جن کی عادتیں خود ہی خراب ہو جاتی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگرچہ بداخلاق ہیں لیکن ہماری اولاد کا ابھی بچپن ہے ان سے پڑھوانے میں کیا حرج ہے۔ حالانکہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر بچے کی حالت میں پہلے ہی خرابی آ گئی تو اخیر تک وہ خرابی رہتی ہے۔ ایسے لوگوں سے پڑھوانے میں بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچوں کی عادتیں بالکل خراب ہو جاتی ہیں۔ اس پر لوگوں کو ذرا توجہ نہیں۔ ہمارے یہاں ایک مکتب کے ملاں ہیں ان کی نسبت سنا گیا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو دوسرے ملاں کے یہاں بھیجتے ہیں کہ جا کر اس کے مکتب کی چٹائیاں توڑ ڈالیں۔ بتلایئے جب بچپن ہی میں یہ حالت ہوگی تو بڑے ہو کر ان کی کیا درستی ہوگی مگر اس پر بالکل خیال نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر تو کہتے ہیں کہ بچہ وہی ہے جو شوخ ہو حالانکہ شوخی دوسری چیز ہے اور شرارت دوسری چیز ہے غرض ایک انسان دوسرے انسان کو دیکھ کر سبق لیتا ہے۔ جو حالت دوسرے کی دیکھتا ہے وہی خود اختیار کرتا ہے۔

صحبت کا اثر اور اس کی حکایت:

مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنے گھر کے لوگوں کا علاج کرانے کے لیے ایک حکیم صاحب کے پاس لے گیا۔ ان کو میں نے دیکھا کہ بے حد بردبار تھے حالانکہ بے حد نازک مزاج تھے تو میں چونکہ روزانہ ان کے پاس جاتا اس لیے میرا بھی غصہ کم ہو گیا میں نے غور کر کے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ صرف ان کے پاس بیٹھنے کا یہ اثر ہے تو بہت اچھا طریقہ حالت درست کرنے کا صحبت ہے اب لوگ سمجھتے ہیں کہ بچے اپنی عمر کو پہنچ کر خود ہی سنبھل جائیں گے۔ یہ غلط ہے بلکہ جب بچہ بولنے پر قدرت بھی نہیں رکھتا اسی وقت سے اس کے دماغ میں دوسروں کی تمام باتیں جمنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا اثر پڑتا ہے۔ اسی لئے عقلمندوں نے لکھا ہے کہ بچوں کے

سامنے کوئی بے تمیزی کی بات نہ کرنا چاہئے۔

بچہ کی اصلاح کس عمر تک ہو سکتی ہے:

اور ایک عقلمند عورت نے یہ کہا کہ پانچ چھ برس کے بعد بچہ اصلاح اور درستگی کے لائق نہیں رہتا بلکہ اس عمر تک اس کے اندر ہر حالت پختہ ہو جاتی ہے وہ یہ بھی کہتی تھی کہ اگر پہلے بچہ کو درست کر دے تو اس کے بعد کے سب بچے اسی سانچے میں ڈھل جائیں گے۔ غرض معلوم ہو گیا ہو گا کہ صحبت کا کیا اثر ہے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے یوں دعا کرائی کہ ان میں ایک پیغمبر بھیجئے اور حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا تا کہ آپ ہمارے لیے نمونہ ہوں۔ سو بعض نے تو خود کو دیکھا اور بعض نے آپ کے حالات سن کر آپ کی حالت معلوم کی اور اسی طرح سے ہم نے بھی آپ کے حالات معلوم کیے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آپ ہمارے لیے نمونہ ہیں تو ہم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم اس نمونہ کے موافق بن کر کیوں نہیں آئے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم کسی درزی سے اچکن سلوائیں اور نمونہ کے لیے اپنی اچکن اس کو دیں تو اچکن دینے کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اس نئی اچکن کی کاٹ تراش سلائی وغیرہ سب پہلی اچکن کے موافق ہو اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ تراش وغیرہ میں فرق ہو جائے تو درزی پر غصہ کیا جاتا ہے تو جو برتاؤ آپ نے اس درزی سے کیا اسی کے لیے آپ خدا تعالیٰ کے سامنے تیار ہو جائیے اور سوچ لیجئے کہ جب آپ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر پورے نہ اتریں گے تو کس سخت عتاب اور غصہ کے لائق ہوں گے اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (ترجمہ) البتہ ہے تمہارے لیے رسول اللہ کے اندر عمدہ نمونہ کہ بالکل اس نمونہ جیسے بن جاؤ۔ نماز ایسی ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی اور روزہ بھی وہی ہو۔ نکاح شادی کا طرز بھی وہی ہو اسی طرح ہر چیز میں وہی طرز ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز تھا۔

لباس میں بھی سنت کے موافق رہنا چاہئے:

پس معلوم ہو گیا کہ ہم کو لباس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کپڑوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے ان میں سے کوئی کپڑا ہمارے بدن

پر نہ ہو اور جس طریقہ سے منع کیا ہے اس طریقہ پر نہ ہو۔ پس جب ہمارے پاس یہ نمونہ موجود ہے تو اگر ہم اس کے موافق نہ ہوئے تو خدا تعالیٰ ہم سے اس کا سوال کریں گے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا قصہ:

اسی طرح خدا تعالیٰ نے شادی کا ایک نمونہ ہم کو دکھلا دیا یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی کہ اس میں نہ مہمان آئے تھے نہ لال خط گیا تھا۔ نہ ڈوم گیا تھا نہ نائی نہ کسی کے واسطہ سے پیغام پہنچا بلکہ پیغام خود دولہا صاحب لے کر گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ' ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت نے ان کو سمجھا کر بھیجا تھا اوّل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیام دیا تھا۔ لیکن ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر فرما دیا۔ اللہ اکبر صاحبو! غور کرنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کیسی کیسی گہری باتوں سے خبردار کیا۔

شادی میں ہم عمری کا لحاظ ضروری رکھنا چاہئے:

یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انکار فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا دیا کہ اپنی اولاد کے لیے شوہر کی ہم عمری کا لحاظ بھی ضرور کرو۔ ایک نوجوان عورت کی شادی ایک بوڑھے مرد سے ہو گئی تھی وہ کہتی تھی کہ جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو مجھ کو بہت شرم آتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرا دادا آ گیا اور اکثر عورتیں عمروں میں فرق ہو جانے کی وجہ سے آوارہ ہو جاتی ہیں کیونکہ شوہر سے ان کا دل نہیں ملتا۔ بتلایئے رتبہ اور بزرگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون ہوگا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عمر میں فرق ہونے کی وجہ سے انکار فرما دیا۔ جب دونوں صاحبوں کو اس شرف سے ناامیدی ہوئی تو ان دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں سے تو اس خاص وجہ سے انکار فرما دیا ہے تم کم عمر ہو بہتر ہے کہ تم پیغام بھیج دو۔ جو لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام رکھتے ہیں کہ ان دونوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت تھی وہ اس قصہ میں غور کریں کہ اس سے عداوت معلوم ہوتی ہے یا محبت۔ غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور جا کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے جس غرض سے تم آئے ہو اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف

سے حکم ہوا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کر دوں منظوری کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چلے آئے۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چار صحابہ کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھا دیا۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نکاح کی مجلس میں موجود نہ تھے اس لیے یہ بھی فرما دیا تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ منظور کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خبر ہوئی تو آپ نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر روانہ کر دیا نہ ڈولہ تھا نہ برات تھی۔ اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر خود تشریف لائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پانی مانگا انہوں نے اٹھ کر پانی دیا۔ آج ہم نے اس سادگی کو بالکل ہی چھوڑ دیا۔ نکاح کے بعد ایک مدت تک دلہن منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہتی ہے اور وہ اس قدر پابند بنائی جاتی ہے کہ نماز وغیرہ کچھ نہیں پڑھ سکتی یہ کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ عورتیں منہ دیکھ کر منہ دکھائی دیتی ہیں۔ تو آج کل تو پابندی کی یہ حالت ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اگلے ہی دن کام کیا۔ غرض اوّل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پانی منگوایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پانی لاؤ' وہ بھی لائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پانی لائی تھیں اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود بھی تھے۔ اب عورتیں اس کو بالکل ناجائز سمجھتی ہیں' اسی طرح کی اور بھی جہالتیں ہیں۔

عورتیں سمجھتی ہیں کو شوہر کا نام لینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے:

چنانچہ عورتوں کا یہ بھی خیال ہے کہ شوہر کا نام لینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور سمجھتی ہیں کہ شوہر کا نام لینا بالکل ناجائز ہے مگر عورتوں کو اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا کہ نام لینا تو بے ادبی اور ناجائز ہے اور شوہر کے سامنے زبان چلانا اور اس سے لڑنا بے ادبی اور ناجائز ہے اور شوہر کے سامنے زبان چلانا اور اس سے لڑنا بے ادبی اور ناجائز نہیں۔ جب نام لینا بے ادبی اور گناہ ہوگا تو یہ باتیں تو ضرور ہی گناہ ہوں گی۔ پھر شوہر کے سامنے کیوں زبان چلاتی ہیں اور اس سے کیوں لڑتی ہیں۔ بعض عورتیں تو نام لینے سے اتنا پرہیز کرتی ہیں کہ اگر قرآن میں بھی وہ لفظ آ جائے تب بھی اس کو نہیں پڑھتیں۔ شائد قرآن میں ان کے شوہر ہی کا نام لکھا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بعض عورتیں اس کے شہر کا نام بھی نہیں لیتیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ ساری

باتیں تو ناجائز ہوگئیں اور شوہر کی گستاخی کرنا اور عورتوں کو آپس میں گالیاں دینا کیسے جائز ہو گیا کہ اس سے بالکل نہیں بچتیں غرض حضور ﷺ نے شادی کر کے بھی دکھلا دی۔

غمی میں حضور ﷺ کی کیا حالت تھی:

اور حضور ﷺ نے غمی کر کے بھی دکھلا دی کہ آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ نے کوئی بات بے صبری کی نہیں کی نہ اور کسی کو اس کی اجازت دی صرف آنسو نکلے اور یہ فرمایا کہ ہم تمہاری جدائی کے سبب اے ابراہیم غمگین ہیں۔ البتہ لوگ آ کر تسلی دیتے تھے پس ہم کو بھی یہی چاہئے کہ آپس میں تسلی دیں اور مردہ کو ثواب بخشیں یہ دونوں باتیں سنت ہیں۔

غمی کی بیہودہ رسموں کا ذکر:

اور باقی سب بے ہودہ باتیں ہیں۔ جیسے بہت دور دراز سے مہمانوں کا آنا اور دسویں چالیسویں میں شریک ہونا پھر عدت کے ختم ہونے کے بعد اس عورت کو عدت سے نکالنے کے لیے جمع ہونا۔ جیسے وہ کسی کوٹھڑی میں بند تھی کہ یہ سب مل کر اس کا تالہ توڑ کر نکالیں گی جہالت تو دیکھو۔

ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کے چالیسویں کی عجیب حکایت:

ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کا انتقال ہو گیا ان کے صاحبزادے نے چالیسویں کی رسم کو توڑنا چاہا۔ تو رسم توڑنے کا عمدہ طریقہ تو یہ تھا کہ کچھ بھی نہ کرتے لیکن انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کیا کہ موافق رسم کے تمام برادری کی دعوت کر ڈالی اور بہت سے عمدہ عمدہ کھانے بہت گھی ڈلوا کر پکوائے بڑے لوگوں پر ایک یہ بھی آفت ہے کہ جب تک وہ گھی کی نہر نہ بہا دیں اس وقت تک ان کا کرنا کچھ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ غریب اس آفت سے بچے ہوئے ہیں۔ میں جب ڈھاکہ گیا تو وہاں معلوم ہوا کہ یہاں سیر بھر گوشت میں سیر گھی کھاتے ہیں۔ میں نے کہا صاحب گھی کوئی زیادہ کھانے کی چیز نہیں ہے ورنہ جنت میں گھی کی بھی ایک نہر ہوتی۔ جیسے دودھ شہد کی نہریں جنت میں ہیں۔ غرض کہ اس رئیس زادے نے خوب گھی ڈلوا کر کھانا تیار کروایا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ہاتھ دھلوا کر کھانا چنوا دیا۔ اور سب

کو بٹھا کر کھانے کی اجازت دینے سے پہلے کہنے لگا کہ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانا بڑے بھاری رنج کا باعث ہوتا ہے تو صاحبو! کیا یہی انصاف ہے ایک تو میرا باپ مرے اوپر سے تم لوگ مجھے لوٹنے کے لیے جمع ہو گئے تم کو کچھ شرم بھی آتی ہے اس کے بعد کہا کہ کھانا شروع کیجئے۔ لیکن سب لوگ اسی وقت اٹھ گئے اور یہ رائے ہوئی کہ ان رسموں میں علیحدہ بیٹھ کر غور کرنا چاہئے۔ چنانچہ بہت سے آدمی جمع ہوئے اور سب نے مل کر ان رسموں کو موقوف کر دیا اور وہ کھانا سب کا سب فقیروں میں بانٹ دیا۔

قصبہ کیرانہ کے ایک گوجر کی حکایت:

ہمارے پاس ہی ایک قصبہ کیرانہ ہے وہاں کے ایک حکیم صاحب فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک گوجر آیا اس کا باپ بیمار ہو رہا تھا۔ کہنے لگا کہ حکیم صاحب جس طرح ہو سکے اس مرتبہ تو اس کو اچھا ہی کر دیجئے۔ کیونکہ قحط بہت ہو رہا ہے۔ اگر بڈھا مر گیا تو مرنے کا تو ایسا غم نہیں مگر چاول بہت مہنگے ہیں۔ برادری کو کس طرح کھلاؤں گا۔

حضور ﷺ ہمارے لئے نمونہ ہیں ان کی پیروی ہر کام میں ہونی چاہئے:

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ہمارے لیے نمونہ ہیں' اس لیے ہر حالت میں ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہم اس نمونہ کے موافق ہیں یا نہیں پہلے بزرگوں نے تو یہاں تک حضور ﷺ کے نمونہ کے موافق ہونے کی کوشش کی کہ:

حضور ﷺ کا ایک درزی کے یہاں تشریف لے جانا:

ایک درزی کے یہاں حضور ﷺ کی دعوت تھی۔ آپ ﷺ اس کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے وہ درزی کھانا سامنے رکھ کر کپڑا سینے بیٹھ گیا۔ آج کل تو اس کو بدتمیزی سمجھتے ہیں کہ مہمان کو چھوڑ کر اپنے کام میں لگ جائے اور اعتراض کرتے ہیں مہمان کے سر پر جم کر کھڑا کیوں نہ ہوا۔

آج کل تمیز کن باتوں کو سمجھتے ہیں:

یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جن باتوں کا نام آج کل تمیز رکھا ہے یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کو کوئی کام نہ ہو۔ اگر ان لوگوں کا دماغ ذرا بھی صحیح ہو تو معلوم ہو جائے کہ آج کل کی یہ تعظیم جیسے صاحب خانہ کا مہمان کے سر پر کھڑا رہنا کس قدر بے ہودہ ہے۔ مجھے تو یہ اس قدر گراں گزرتا ہے جس کی حد نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سر پر کوئی پہاڑ رکھ دیا ہو۔ اسی طرح اکثر لوگ اپنے نوکروں کو حکم کرتے ہیں کہ تم کھڑے رہو میں کہتا ہوں کہ اس طرح کھڑے رہنے سے ان امیروں کا دل نہیں گھبراتا اور دل نہ بھی گھبرائے مگر ان بے چاروں کے بیٹھ جانے سے ان کی عزت کون سی گھٹتی ہے۔ بلکہ نوکروں کے سامنے کھڑے رہنے سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

غرور بڑا حجاب ہے:

اور غرور خدا تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ایک بڑا پردہ ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کو یہ بات بالکل ناپسند ہے کہ انسان بت کی طرح بیٹھا رہے اور نوکر اس کے سامنے کھڑے رہیں۔ خلاصہ یہ کہ مہمان کے سر پر جمے کھڑے رہنا کوئی تمیز کی بات نہیں۔ اب چونکہ کھانے میں بھی بہت سے تکلف ہونے لگے اس لئے اگر کوئی ایسا کرے جیسا اس درزی نے کیا لوگ اس کو بے تمیز بتلا دیں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدو کے ٹکڑے تلاش کر کر کے کھا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت کدو کی طرف دیکھ کر اس روز سے مجھے بھی کدو سے محبت ہو گئی ہے آپ نے دیکھا محبت ایسی چیز ہے کہ محبوب جو چیز پسند کرے اس چیز سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ ہم کو یہ بات اس وجہ سے عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم کو محبت نہیں۔

محبت ہو تو محبوب کی ہر ادا پیاری اور ایک مثال سے اس کی توضیح:

ورنہ محبت وہ چیز ہے کہ محبوب کی ہر ہر ادا محبوب ہو جاتی ہے۔ اس زمانہ میں اس کی مثال عزت ہے کہ جس کی آج کل عزت اور بڑائی مانی جاتی ہے اسی کے طرز پر لوگ چلنے لگتے ہیں۔ معتبر طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں ایک بادشاہ لنگڑا کر چلتا تھا تو جو لوگ فیشن کے شوقین تھے انہوں نے بھی لنگڑا کر چلنا شروع کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک بادشاہ کی داڑھی کا دُم

تھی تو لوگ مدت تک اسی قسم کی داڑھی رکھتے تھے۔ بلکہ شائد یہ دعا کرتے ہوں کہ ہماری داڑھی اسی قسم کی پیدا ہوا کرے اور ہم لنگڑے ہو جائیں تو دیکھئے عزت اور عظمت کی وجہ سے اس زمانہ میں لوگوں نے دوسری قوموں کا سا لباس پہننا شروع کر دیا' اس کی ایسی پابندی کی کہ مولوی منع کرتے کرتے تھک گئے لیکن لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا' حالانکہ اس میں کوئی ضرورت بھی نہیں نہ چھوڑنے میں کوئی معذوری ہے۔ بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ظاہر میں کسی قدر ان میں معذوری بیان کی جا سکتی ہے۔ جیسے رشوت کا دینا یا تنگدستی میں لینا کہ واقع میں تو اس میں بھی کوئی معذوری نہیں' لیکن ظاہر میں کچھ وہمی ضرورت نکل سکتی ہے' لیکن وضع میں تو کوئی مجبوری وہمی بھی نہیں۔ مگر پھر بھی وضع کا چھوڑنا دشوار ہو رہا ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ جن قوموں کی یہ وضع ہے ان کی عظمت اور عزت دلوں میں ہے۔ عظمت نے ان کی وضع کو بھی محبوب کر دیا تو جب دنیا والوں کی عظمت نے یہ رنگ دکھلایا تو حضور ﷺ کی عظمت کیوں یہ رنگ نہ دکھلاتی۔

صاحبو! اس کا کوئی ٹھیک جواب دیجئے جس سے اطمینان ہو۔ ورنہ اپنی حالت درست کیجئے۔ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ حضور ﷺ کی محبت و عظمت سے تو ذرا بھی آپ کا رنگ نہ بدلے اور ایک بے دین کی ایسی عظمت ہو کہ اس کے طرز پر ہونے کے لیے حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس پر عذاب بھی نہ ہو بلکہ صرف خدا تعالیٰ اپنے سامنے کھڑا کر کے یہ پوچھ لیں کہ حضور ﷺ کی عظمت تمہارے دلوں میں زیادہ تھی یا دنیا کے بادشاہوں کی تو کیا جواب دو گے؟ اور اگر کہیں کہ ہم نے یہ وضع ان کی عظمت کی وجہ سے نہیں اختیار کی تو میں کہوں گا یہ بالکل غلط ہے صرف عظمت ہی کی وجہ سے آپ نے یہ وضع بنائی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ لباس میں بھی حضور ﷺ کے طرز پر چلنا چاہیے۔ باقی سب کاموں میں بھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بہتر فرقے ہوں گے سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک...... اور وہ فرقہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحاب کے طرز پر ہوگا۔ حضور ﷺ کے طرز پر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالکل ویسا ہی لباس ہو جو حضور ﷺ کا تھا۔ بلکہ جس لباس کی حضور ﷺ سے اجازت ہو وہ بھی حضور ﷺ ہی کا طرز ہے اور جو اس

طرز پر ہو وہ حضور ﷺ ہی کے طرز پر ہے۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے درزی کی دعوت قبول کی اور اس کے گھر پر تشریف لے گئے۔ ہماری خدا جانے کیا شان بڑھ گئی ہے کہ ہم غریبوں کے ہاں جاتے ہوئے عار محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ ان کو بلاتے ہوئے بھی عار محسوس ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں وہ اپنی برادری کے غریب لوگوں کو اپنے پاس بلانے اور ان کے پاس بیٹھنے سے بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کو دیکھئے کہ آپ ایک غریب آدمی کے ہاں تشریف لے گئے۔

حضور ﷺ نے غریبی خود پسند کر کے لی تھی:

اور اگر کوئی کہے کہ حضور ﷺ خود بھی غریب تھے (خدا کی پناہ) تو سمجھ لو کہ حضور ﷺ نے اپنی خوشی سے غریب رہنا اختیار کیا تھا۔ آپ مجبوری کی وجہ سے غریب نہ تھے۔ اور فقیر وہ ہے جس کی فقیری مجبوری سے ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہت چھوڑ دی تھی تو کیا انہیں فقیر کہا جائے گا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فقیری خود پسند کر کے لی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے فرمایا تھا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو خدا تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے احد پہاڑ کو سونا کر دیں کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلا کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے جبرئیل میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔

حضور ﷺ کے فقیری اختیار کرنے کی حکمت:

اور اگر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کے غریبی اختیار کرنے میں بڑی حکمت تھی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ میری امت مجھ سے محبت کرے گی اگر میں دنیا لوں گا تو تمام امت دنیا حاصل کرنے کو سنت سمجھے گی اور سنت سمجھنے کی وجہ سے اس کو حاصل کرے گی اور دنیا کے فتنے اور فسادوں سے بچنے کی ان میں قوت نہیں ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ امت ہلاک ہو جائے گی' اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک کامل آدمی جو سانپ پکڑنے کا منتر جانتا ہوا سے اطمینان ہوتا ہے کہ اگر میں سانپ پکڑوں گا تو مجھے کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن اس خیال

ہے کہ مجھے پکڑتے ہوئے دیکھ کر بچہ بھی سانپ کے منہ میں انگلی نہ دے دے خود بھی سانپ نہیں پکڑتا پس حضور ﷺ نے ہمارے لیے تکلیف برداشت کی کہ امت دنیا کے فتنوں میں نہ پڑے تو حضور ﷺ کی غریبی تو اختیاری تھی۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کے فقر وفاقہ کی حکایت:

اس پر مجھے حضرت شاہ ابوالمعالی کی حکایت یاد آئی۔ آپ کے ہاں اکثر فاقہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے پیران کے گھر آ کر مہمان ہوئے۔ اس روز بھی اتفاق سے فاقہ تھا اور حضرت شاہ ابوالمعالی مکان پر نہ تھے۔ گھر کے لوگوں نے پڑوس سے قرض منگوانا چاہا لیکن وہاں سے قرض نہ ملا کئی جگہ آدمی کو بھیجا۔ لیکن سب جگہ سے انکار ہوا۔ جب ان کے پیر نے کئی بار آدمی کو آتے جاتے دیکھا تو دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آج فاقہ ہے آپ نے کچھ دام اپنے پاس سے دیئے اور فرمایا کہ جا کر بازار سے اناج لے آؤ اور لاؤ تو مجھے دکھلانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' آپ نے ایک تعویذ لکھ کر اس اناج میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اس میں سے لے کر پکایا کرو۔ چنانچہ مدت تک پکتا رہا اور ختم نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ صاحبزادی نے یہ سارا قصہ بیان کیا۔ اب اس وقت حضرت پر سخت تنگی کا غلبہ تھا کہ اگر تعویذ سے کام لیں تو طبیعت کے خلاف اور نہ کام لیں بلکہ اناج سے علیحدہ کر لیں تو پیر کے تعویذ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ مگر حضرت شاہ ابوالمعالی تو کامل تھے۔ ایسی بات سوچی کہ بے ادبی بھی نہ ہوئی اور طبیعت کے خلاف بھی نہ کرنا پڑا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تعویذ میرے پیر کا تبرک ہے اس کو تو میں اپنے سر پر باندھوں گا۔ یہ کہہ کر اس کو تو اپنے سر پر باندھ لیا اور اناج کے لیے حکم دیا کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے۔ یہ آپ کے کامل ہونے کی وجہ تھی کہ دونوں باتیں جمع کر لیں تعظیم کی تعظیم رہی اور کام بھی ہو گیا اور کامل کی یہی شان ہوتی ہے۔

حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے دعا فرمانے کی عجیب حکایت:

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی حکایت ہے کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور یہ مضمون بیان فرما رہے تھے کہ جس طرح راحت و آرام نعمت ہے اسی طرح بلا بھی نعمت ہے۔

اسی وقت ایک شخص آیا۔ اس کا ہاتھ زخم کی وجہ سے خراب ہو رہا تھا اور سخت تکلیف میں تھا اور کہا میرے لئے دعا فرمائیے۔ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت اس کے لیے کیا دعا کریں گے اگر صحت کی دعا کریں تب تو اپنی بات سے پھرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ابھی فرما چکے ہیں بلا بھی نعمت ہے اور نعمت کے جاتے رہنے کی دعا کیسے کر سکتے ہیں اور اگر اس شخص کے لیے کچھ دعا نہ کریں گے تو اس کو رنج ہوگا اور اس کی کچھ رعایت نہ ہوگی اور کامل پیر کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کی رعایت کرے تو حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے لیے سب لوگ دعا کریں کہ اے اللہ اگرچہ ہم کو معلوم ہے کہ یہ تکلیف بھی نعمت ہے لیکن ہم لوگ اپنے ضعف کی وجہ سے اس نعمت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس نعمت کے بدلے صحت کی نعمت بخش دیجئے۔ بس حضرت نے دونوں باتوں کو جمع فرما دیا۔ مصیبت کو نعمت بھی کہا اور اس کے جاتے رہنے کی بھی دعا کر دی۔ جیسے شاہ ابوالمعالی صاحب نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا تھا کہ تعویذ بھی نکال لیا اور بے ادبی بھی نہ ہونے دی تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کی یہ حالت تھی خود فاقہ کرنے کی کوشش کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کون فقیر کہہ سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں فقیری کے ساتھ سلطنت بھی تھی:

اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ حضرت نے سو اونٹ بھی اپنی طرف سے ذبح فرمائے تھے اور ایک مرتبہ مسجد میں سونے چاندی کا ڈھیر لگ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب تقسیم فرما دیا اور خود کچھ نہ لیا تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غریب تھے اور غریب ہونے کی وجہ سے غریبوں کے یہاں تشریف لے جاتے تھے بلکہ آپ بادشاہ تھے کیونکہ لڑائی اور صلح سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے ہوتی تھی اور بادشاہ ہونے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم درزی کے گھر تشریف لے گئے۔ اب ہم کو غریبوں کے گھر جاتے ہوئے بلکہ ان کے سلام کا جواب دینے سے بھی ننگ آتا ہے۔

ایک حجام اور رئیس کی حکایت:

کسی قصبہ میں ایک حجام نے ایک رئیس صاحب کو السلام علیکم کہہ دیا تھا تو رئیس صاحب

نے اٹھ کر ایک چپت رسید کیا اور کہا تو بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ ہم کو السلام وعلیکم کہے۔ ''حضرت سلامت'' کہا کر۔ جب نماز کا وقت ہوا تو اس نے نماز پڑھی ختم نماز پر السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ کی بجائے یوں پکار کر کہا۔ ''حضرت سلامت ورحمۃ اللہ'' لوگوں نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے کہنے لگا کہ آج میں نے فلاں صاحب کو السلام علیکم کہا تھا تو ایک چپت لگا مجھے ڈر ہوا کہ نماز میں فرشتوں کو بھی سلام کیا جاتا ہے اور ان میں حضرت عزرائیل بھی ہیں اگر کبھی وہ خفا ہو گئے تو میرا دم ہی نکال دیں گے۔ تو جب ہمارے رئیسوں کو غریبوں کا سلام لینے سے بھی عار آتی ہے تو کھانا پینا تو بڑی بات ہے۔

لکھنؤ کے ایک عالم کی سقہ کے گھر جانے کی حکایت:

لکھنؤ کا قصہ ہے کہ وہاں کے ایک عالم ایک سقہ کے گھر تشریف لے جاتے تھے کہ راستہ میں ایک رئیس ملے پوچھا مولانا کہاں جا رہے ہو۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس سقہ نے دعوت کی ہے۔ رئیس نے کہا لاحول ولاقوۃ آپ نے تو لٹیا ہی ڈبو دی' سقہ کے گھر دعوت کھانے جاتے ہو۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں صاحب ٹھیک ہے اور سقہ ہے کہا اگر تو ان کو لے چلے تو میں بھی چلتا ہوں ورنہ میں بھی نہیں جاتا۔ وہ ان رئیس کے سر ہوا اور ہاتھ پاؤں جوڑ کر انہیں بھی لے چلا۔ مولوی صاحب نے اس تدبیر سے یہ بات دکھلا دی کہ غریب کتنی خوشامد کر کے دعوت کرتے ہیں اور ان کو کس قدر محبت ہوتی ہے۔ امیروں کو اس کی خبر نہیں ورنہ اگر ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ غریبوں کو اللہ والوں سے اور عالموں سے کتنی محبت ہوتی ہے۔ تو ان کو دعوت قبول کرنے میں مجبور و معذور سمجھیں' جیسے وہ رئیس اعتراض کر رہے تھے لیکن تھوڑی سی خوشامد کرنے سے دعوت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ محبت وہ چیز ہے کہ کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ تو اگر کسی بڑے شخص کو غریب کے گھر پہنچا دے تو کیا تعجب ہے اس کے عجیب و غریب اثر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ امیروں کو ان کی خبر نہیں کیونکہ لوگوں کو ان سے محبت ہی نہیں ہے ان کی اگر تعظیم بھی کرتے ہیں تو ایسی جیسے بھیڑیئے کی تعظیم کرتے ہیں یا اگر کھڑے ہوتے ہیں تو ایسے جیسے سانپ کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ اپنے غرور کے نشہ میں یوں سمجھتے

ہیں کہ ہماری تعظیم کی گئی ہے حالانکہ یہ تعظیم نہیں ہے۔ بلکہ خوف ہے تو چونکہ ان سے کسی کو محبت ہی نہیں ہوتی اس لیے ان کو محبت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کو ان کے ساتھ بھی محبت ہو تو یہ بھی اس کے ساتھ وہی برتاؤ کریں۔ جو برتاؤ عالم عوام سے کرتے ہیں۔ غرض وہ عالم اور رئیس صاحب جب سقہ کے گھر پہنچے تو دیکھا دو تین سو سقے کھڑے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی سب کے سب تعظیم کے لیے بڑھے رئیس صاحب نے یہ عظمت اور محبت کبھی عمر بھر بھی نہ دیکھی تھی۔ آخر کھانا آیا تو مولوی صاحب نے سقوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے نہایت خوشامد سے کھلانا شروع کیا' آخر اس رئیس نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ مولانا واقعی میں نے آج دیکھا اور آج مجھ کو معلوم ہوا کہ عزت رئیسوں میں جانے سے نہیں ہے بلکہ غریبوں کے گھر جانے میں ہے تو جناب رسول اللہ ﷺ غریبوں کی دعوت قبول کر لیتے تھے اور حضور ﷺ نمونہ ہیں ہم سب کو اس کے موافق ہونا چاہئے اور یہی حکمت تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں کہ انہوں نے اپنی اولاد میں رسول بھیجنے کے لئے دعا کی کہ رسول ﷺ ایک نمونہ ہوں گے۔ اور نمونہ کو دیکھ کر اپنی اصلاح کرنا آسان ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ضرورت کو دیکھ کر یہ دعا کی کہ اے رب ہمارے ان میں رسول بھیجئے بس رسول بھیجنے کی حکمت تو بیان ہو گئی۔ اب صرف یہ مضمون رہ گیا کہ حضور ﷺ کی کیا حالت تھی اور وہ بہت اہتمام سے بیان کرنے کے لائق ہے۔ اس لئے اس کو کسی دوسرے وقت بیان کر دیا جائے گا۔ اور اس میں یہ بھی بتلا دیا جائے گا کہ آج کل ہم میں دین کا اہتمام نہیں رہا۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہماری اصلاح فرمائیں اور ہمیں عمل کرنے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

تمت

❁❁❁

(۱۴) علم دین کی ضرورت

منتخب از (ضرورۃ العلم بالدین) وعظ دوم دعوات عبدیت حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْھِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ○

ترجمہ:- اے رب ہمارے اور بھیجئے ان میں ایک رسول جو انہیں میں سے ہو پڑھے ان پر آیتیں آپ کی اور سکھائے ان کو کتب اور حکمت اور پاک کرے ان کو آپ قدرت والے اور حکمت والے ہیں۔ (اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں۔)

(۱) یہ وہی آیت ہے جس کی تلاوت جمعہ کے روز کی گئی تھی اور اس کے متعلق کچھ بیان بھی کیا گیا تھا اور اس کا خلاصہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس دعا مانگنے کی حکایت سے ہم کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ تمہارے اندر جو عادت ہے کہ دین کی زیادہ فکر نہیں رکھتے اس کی اصلاح کی ضرورت ہے' صرف قصہ کے طور پر یہ حکایت بیان نہیں کی گئی بلکہ تم کو اس حکایت سے نصیحت کرنا منظور ہے' کیونکہ قرآن شریف میں جو حکایتیں ہیں وہ نصیحت کے لیے بیان کی گئی ہیں اس لیے قرآن شریف کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔

قرآن شریف کس فن کی کتاب ہے:

جو اس میں قصہ کے طور پر حکایتیں بیان کی جائیں بلکہ وہ ایک روحانی طب کی کتاب ہے جس میں باطنی بیماریوں کا علاج بتایا گیا ہے' جب یہ سمجھ میں آ گیا' تو سمجھو کہ قرآن شریف تاریخ کی کتاب نہیں بلکہ ھدی لِلناس ہے یعنی آدمیوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور قرآن

هدى للمتقين ہے یعنی پرہیز گاروں کو ہدایت کرنے والا ہے' لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن صرف پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے اور جو پرہیز گار نہیں ہیں ان کے لیے ہدایت نہیں' اس آیت سے اکثر لوگوں کو یہ دھوکا ہو جاتا ہے' چنانچہ اسی سفر میں مجھ سے ایک صاحب نے اس شبہ کو دریافت کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن صرف پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے' میں نے کہا کہ یہ تو کوئی شبہ کی بات نہیں بلکہ یہ ایک محاورہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اب جو لوگ متقی' پرہیز گار نظر آتے ہیں یہ اسی کی بدولت متقی پرہیز گار بنے ہیں' اس جواب سے وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب مطلب بالکل صاف ہو گیا' تو اس میں کوئی ہیر پھیر کرنے کی ضرورت نہیں صرف یہ دیکھ لینا چاہیے کہ محاورہ میں یہ لفظ کس مطلب کے لیے بولا جاتا ہے۔

قرآن شریف کو کسی پورے عالم سے سمجھ کر پڑھ لینا چاہیے:

اب لوگ محاورہ پر نظر نہیں کرتے اس وجہ سے معنی سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں' اسی واسطے ضروری ہے کہ منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھنے سے پہلے قرآن شریف کو کسی پورے مولوی سے سمجھ کر پڑھ لے باقی خود سادہ ترجمہ دیکھنے سے قرآن سمجھ میں نہیں آتا' مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک وکیل میرے ہاں مہمان ہوئے ان کے پاس قانون کی کتاب تھی میں نے اس کو دیکھا اور جو مطلب سمجھ میں آیا ان کے سامنے بیان کیا' وہ کہنے لگے کہ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس کا مطلب یوں ہے اب اس سے اندازہ کر لیجئے کہ قانون آدمیوں ہی کی بنائی ہوئی کتاب ہے مگر اس کی اردو عبارت بھی ہم خود دیکھ کر ٹھیک نہیں سمجھ سکتے' بلکہ اس میں بھی اس کی حاجت پڑتی ہے کہ کسی جاننے والے سے سمجھیں' تو قرآن شریف تو خدا کا کلام ہے اس کو سادہ اردو ترجمہ دیکھ کر کیسے سمجھ سکتے ہیں پس وہ لوگ جو سادے ترجمہ کو دیکھ کر قرآن کا مطلب سمجھنا چاہتے ہیں کتنی بڑی غلطی میں ہیں اور پھر غضب پر غضب یہ ہے کہ ترجمہ بھی وہ دیکھا جاتا ہے جو ترجمہ کے اعتبار سے صحیح بھی نہیں ہوتا' ترجمہ میں یہ ضروری بات ہے کہ قرآن کا مطلب باقی رہے اور آج کل کے ترجموں میں اس کی تو کوشش کرتے ہیں کہ محاورہ کے موافق ہو جائے' اس کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا کہ قرآن کا مطلب نہ کہیں بدل جائے' حالانکہ قرآن کا ترجمہ

محاورہ کے موافق ہونا ضروری نہیں لیکن قرآن کے مطلب کا باقی رہنا ضروری ہے پس آپ لوگوں کو اتنا ضرور کرنا چاہئے کہ جب تک عالموں سے دریافت نہ کرلیں اس وقت تک کسی ترجمہ کو بھی نہ دیکھیں اور دریافت کرنے کے بعد بھی اپنے دیکھنے پر بس نہ کرو بلکہ کسی سے پڑھ لو یہ صورت ہے قرآن کے صحیح سمجھنے کی' غرض یہ ہے کہ اس وقت یہ غلطی عام ہو رہی ہے کہ قرآن کو پڑھتے ہیں لیکن سمجھ کر نہیں پڑھتے' اسی لیے شبہے ہوتے ہیں ورنہ کوئی بھی شبہ نہ ہو' جیسے آیت **هدى للمتقين** (ترجمہ: ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے) ہی میں یہ سمجھ لیا کہ قرآن صرف پرہیزگاروں کی ہدایت کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں' حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ یہ سب لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے۔

(۲) قرآن کی تعلیم امن عام ہے:

قرآن نے دو باتوں کا لحاظ رکھا ہے ایک یہ کہ عام طور پر امن وامان رہے کوئی جھگڑا فساد نہ ہو' یعنی اس دنیا میں اس طریقہ پر گزر کریں کہ کسی دوسرے سے ایذاء اور تکلیف نہ ہو' میں کہتا ہوں کہ جو امن قرآن نے سکھلایا ہے کسی اور قانون نے دوبارہ نہیں سکھلایا' لیکن افسوس ہے کہ اس وقت لوگ مسلمانوں کی نسبت لڑائی جھگڑے پسند کرنے کا عیب لگاتے ہیں' حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں سے زیادہ کوئی قوم صلح کو پسند کرنے والی نہیں' مثال کے طور پر شرع کا ایک حکم بیان کرتا ہوں جمعہ کے متعلق فرماتے ہیں **فاذا قضيت الصلوة فانتشروا فى الارض** (ترجمہ) جب نماز ہو چکے تو پھیل جاؤ زمین میں یعنی ایک جگہ جمع نہ رہو۔ دیکھئے جو لوگ صرف خداتعالیٰ کی عبادت کے لیے اور ان کے سامنے سر جھکانے کے لیے جمع ہوئے تھے ان کو بھی یہ حکم ہو رہا ہے کہ جب اپنا کام کر چکو تو اب ایک جگہ جمع رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فضول مجمع رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔ آگے فرماتے ہیں **وابتغوا من فضل الله** (ترجمہ) یعنی تلاش کرو فضل خدا کا (یعنی رزق) اس سے مقصود یہ ہے کہ جدا جدا ہو کر بھی مارے مارے نہ پھرو کیونکہ اس میں پھر فتنہ فساد کا ڈر ہے بلکہ حلال رزق کی تلاش میں لگو' پھر فرماتے ہیں **واذكروا الله كثيرا** یعنی خداتعالیٰ کو بہت یاد کرو کیونکہ اصل مقصود یہی ہے کہ خداتعالیٰ سے نزدیکی حاصل ہو' تو حق تعالیٰ کے اس کلام سے

معلوم ہوا کہ مجمع بلاضرورت نہ ہونا چاہئے اور اگر کسی ضرورت سے ہو تو ضرورت کے ختم ہو جانے پر سب کو جدا جدا ہو جانا چاہئے' غور کیجئے کہ نمازیوں کا مجمع جس میں لڑائی جھگڑے کا کچھ اندیشہ نہیں اس کو بھی حکم فرمادیا کہ کام ختم کر کے جدا جدا ہو جاؤ' کیونکہ خدا تعالیٰ جانتے ہیں کہ انسان ضعیف ہے عجب نہیں کہ فضول بیٹھے رہنے میں تو تو میں میں ہو جائے اگر چہ جوتی پیزار نہ ہو' غرض ایک تو قرآن میں امن وامان کی رعایت ہے۔

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی رضا مندی پر چلنے کی تعلیم:

دوسرا خدا تعالیٰ کی رضا مندی پر چلنے کی' ان دو باتوں کے سوا اگر کوئی تیسرا مسئلہ آ گیا ہے وہ اس کے تابع ہو کر آیا ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن میں ان دونوں کے سوا اور کوئی مسئلہ نہیں ڈھونڈنا چاہئے۔

قرآن شریف میں جو حکایتیں ذکر کی گئی ہیں ان سے نصیحت مقصود ہے:

اسی طرح اگر حکایتیں قرآن میں ہیں تو وہ بھی ان ہی کی خادم بنا کر ذکر کی گئی ہیں کہ فلاں قوم نے یہ برا کام کیا تھا تو ان کو یہ سزا ملی اور فلاں قوم نے یہ اچھا کام کیا تھا ان کو یہ انعام ملا' ہم اگر ایسا کریں گے تو ہمارا بھی یہی حال ہوگا اگر برا کام کریں گے سزا ملے گی' اچھا کام کریں گے انعام ملے گا' اس سے معلوم ہوا کہ حکایتوں سے نصیحت مقصود ہے' چنانچہ اس مقام پر بھی یہی ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل کی ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ دین کی فکر رکھنا نہایت ضروری ہے' جس کا اس آیت میں پوری طرح بیان کیا گیا ہے' ترجمہ آیت کا یہ ہے ''کہ اے ہمارے رب ہماری اولاد میں سے ایک رسول پیدا کر کہ وہ ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے اس حکایت کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سننے والو! سمجھ جاؤ کہ ضروری چیزیں یہ ہیں جن کا خیال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور ان کو ضروری سمجھ کر ہم سے دعا کی' اب سمجھنا چاہئے کہ وہ ضروری چیزیں کیا ہیں سو وہ تین چیزیں ہیں' ایک تو یَتْلُوا یعنی خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سنانا' دوسرا یُعَلِّمُ یعنی خدا کی کتاب سکھانا' تیسرے یُزَکِّیْ یعنی بری باتوں سے پاک کرنا اور حقیقت میں یہ تینوں لفظ ایک ہی چیز کا بیان

کر رہے ہیں، جس کو دین کہتے ہیں، کیونکہ یہ سب دین ہی کی شاخ سے ہیں، کیونکہ دین کے دو حصے ہیں ایک علم دوسرا عمل اور دونوں کی ضرورت ہے۔ جیسے طب کا فن ایک ہے کہ طبیب بننے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول علم کی ضرورت پھر عمل کی یعنی مطب کرنے کی اور قرآن بھی حقیقت میں طب روحانی ہے کہ ہمیں روحانی مرضوں کے علاج بتلائے گئے ہیں اور روحانی مرض اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے اس لیے قرآن میں بھی صرف یہی دو چیزیں ہیں ایک علم اور دوسرا عمل، پس یُعَلِّمُ میں اشارہ ہے علم کی طرف اور یزکی میں عمل کی طرف اشارہ ہے، معلوم یہ ہوا کہ اے سننے والو! دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو کوشش کر کے حاصل کرنا چاہئے، ایک علم اور دوسرا عمل، انہیں کا خیال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کر کے یہ دعا کی، پھر علم میں دو مرتبے ہیں، ایک تو لفظ دوسرا معنی، پس آیت میں تین چیزوں کا بیان ہوا، لفظ، معنی اور عمل اور ہم کو ان تینوں کا حاصل کرنا ضروری ہوا۔

علم وعمل کی کمی:

اب دیکھئے کہ ہم نے ان تینوں چیزوں کے ساتھ کیا معاملہ کر رکھا ہے سو عمل تو قریب قریب بالکل ہی نہیں اور علم بھی جیسا ہونا چاہئے ویسا تو نہیں ہے لیکن تھوڑا بہت مشغلہ ہے گوہ دنیا ہی کے لیے ہو اور جن لوگوں میں سچی طلب ہے وہ کچھ تھوڑا بہت عمل بھی کرتے ہیں۔

آج کل قرآن شریف کو لوگوں نے بیکار سمجھا ہے:

مگر ایک چیز ایسی ہے کہ اس کو سب نے چھوڑ رکھا ہے اور وہ قرآن کے لفظوں کی خدمت ہے، چنانچہ آج کل جو لوگ اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ قرآن کو بغیر سمجھے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس کو فضول کہتے ہیں، اسی لیے اپنے بچوں کو قرآن نہیں پڑھاتے اور کہتے ہیں کہ بچہ کے اتنے دن کیوں خراب کیے جائیں، میں کہتا ہوں کہ اگر قرآن شریف کا پڑھنا بیکار ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن میں اس کا حکم نہ کرتے اور تلاوت کرنے والوں کی تعریف نہ فرماتے کیا سب حکم اور ترغیب بیکار چیز کے لیے ہے، ہرگز نہیں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ تلاوت کیجئے اس وحی کی جو آپ کے پاس بھیجی گئی ہے، یعنی کتاب کی، دوسری جگہ تلاوت کرنے والوں کی تعریف فرماتے ہیں یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ

اللَّيْلِ یعنی پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی رات کی گھڑیوں میں' کیا قرآن کی یہ آیتیں عمل کرنے کے لیے نہیں' صرف دیکھنے کے لیے ہیں اور کیا یہ حالت پیدا کر کے ہم لوگ صاحب قرآن کہلا سکتے ہیں' صاحبو! اگر کسی شخص کے پاس بہت سامال ہو اور وہ اس کو کسی ایسی جگہ رکھ دے کہ اس سے نفع نہ اٹھا سکے تو کیا اس شخص کو مالدار کہیں گے' ہرگز نہیں' ایسے ہی قرآن کے ساتھ آپ کا معاملہ ہے۔ پس ایسی حالت میں جیسا وہ شخص صاحب مال ہے ایسے ہی آپ صاحب قرآن ہیں افسوس آپ نے ایک بڑی بھاری دولت کو چھوڑ دیا ہے اور پھر آپ کو ذرا برابر غم نہیں ہے حالانکہ اگر دینی اعتبار سے دیکھا جائے تب تو قرآن ہی میں تلاوت کرنے کا حکم موجود ہے اور اگر کسی کو قرآن کافی نہ ہو تو عقل بھی تو یہی کہتی ہے' میں پوچھتا ہوں کہ علم دین کا باقی رکھنا ضروری ہے یا نہیں' یقیناً اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ضروری ہے اور جب ضروری ہے تو قرآن کو حفاظت سے رکھنا بھی ضروری ہے' کیونکہ دین کا علم قرآن ہی سے نکلا ہے اور بغیر قرآن کے لفظوں کے علم دین کیسے باقی رہ سکتا ہے اور قرآن کے ترجمہ سے کام نہیں چل سکتا' اس لیے اصل لفظوں کا باقی رکھنا نہایت ضروری ہے۔

قرآن شریف کی تلاوت اور اس کی حفاظت کی ضرورت:

اگر کہو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے صرف قرآن شریف حفاظت سے رکھ لیا جائے' تو سمجھ لو کہ اگر پڑھنا چھوٹ جائے تو قرآن کا لکھنا چھپنا اور فروخت ہونا سب چھوٹ جائے گا اور قرآن کہیں بھی نہ مل سکے گا' یہ بات اس وقت آپ کو ہلکی معلوم ہوتی ہے اور اس کی سچائی کا یقین نہیں آتا' لیکن اگر آپ سے اس کا پڑھنا چھوٹ جائے تو سو برس کے بعد آپ خود دیکھ لیں گے کہ قرآن کہیں بھی نہ مل سکے گا اور اگر کہیں مل بھی گیا تو صحیح کیسے ہو سکتا ہے' کیونکہ صحیح لکھا جانا سب اسی تلاوت اور حفاظت کی بدولت ہے' اس وقت علم دین کی جو گت ہو رہی ہے' ظاہر ہے تو اگر تلاوت بھی بالکل ترک کر دی جائے اور لوگوں کے ذہن سے قرآن اتر جائے اور پھر کسی لفظ یا آیت میں غلطی کا شبہ ہو تو بتلایئے کس طرح مٹایا جائے اور کس طریقہ سے اطمینان ہو سکے گا۔

علم کے ہوتے ہوئے بھی صحت قرآن کے لئے حفظ کی ضرورت ہے:

بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر علم دین باقی بھی رہے تب بھی پڑھنا چھوڑ دینے کی صورت میں قرآن مجید کی صحت نہیں ہو سکتی' مجھے اپنے بچپن کا ایک قصہ یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نماز میں قرآن سنا رہا تھا اور والد ماجد صاحب مرحوم سن رہے تھے میں اس زمانہ میں عربی کی چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ میں نے یہ آیت پڑھی **فیومئذ لا یعذب عذابہ احد** تو **یعذب** کی ذال کو زبر پڑھا اور یہ خیال ہوا کہ زیر پڑھنے سے معنی درست نہیں ہوتے۔ والد صاحب مرحوم نے ٹوکا میں نے پھر وہی پڑھا انہوں نے دوبارہ ٹوکا میں نے پھر وہی پڑھا' انہوں نے تیسری بار پھر ٹوکا تو میں نے ان کے ٹوکنے سے ذال پر زیر پڑھا' لیکن دل میں یہ خیال رہا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح نہیں بتلایا' جب سلام پھیرا تو انہوں نے پوچھا کہ تم اتنا اصرار کیوں کرتے تھے' میں نے کہا زیر پڑھنے سے معنی نہیں بنتے تھے' اس لیے غلط ہے' قرآن دیکھا گیا تو زیر نکلا میں نے وہم کی وجہ سے اور قرآن دیکھا سب میں وہی زیر نکلا' آخر اپنی غلطی ظاہر ہوئی' یہ مثال کے طور پر اپنا ایک واقعہ بیان کر دیا ہے' اسی طرح اور بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں لیکن حفظ کی بدولت وہ سب صحیح ہو جاتی ہیں پس اگر حافظ باقی نہ رہیں تو عالموں کے موجود ہونے پر بھی غلطی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے' یہ سب حافظوں ہی کی بدولت ہے کہ قرآن مجید صحیح موجود ہیں' اب فرمایئے کہ حفظ کی کتنی ضرورت ثابت ہوئی۔

قرآن شریف صحیح پڑھنا حفظ پر موقوف ہے اور تائید کے لئے ایک قصہ:

بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر حفظ کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے اور پڑھنا پڑھانا ختم ہو جائے اور صحیح قرآن موجود ہوں تب بھی صحیح نہیں پڑھا جا سکتا چنانچہ ایک واقعہ اس کی تائید میں بیان کرتا ہوں' میرے بھائی ریل گاڑی میں سوار تھے اور ایک تفسیر کی کتاب ان کے ہاتھ میں تھی ایک صاحب بہادر بھی اسی ڈبہ میں سوار تھے' بھائی سے کہنے لگے میں اس کتاب کو دیکھ سکتا ہوں' انہوں نے کہا دیکھئے' آپ نے رومال سے تفسیر کو اٹھا کر دیکھا تو اوّل ہی الٓـرٰ نکلا' صاحب بہادر نے بہت دیر تک اس کو سوچا جب سمجھ میں نہ آیا تو بھائی سے پوچھتے ہیں یہ کیا ہے آلو بھائی نے تفسیر ہاتھ سے لے لی اور کہا کہ یہ آپ کے دیکھنے کی نہیں ہے' اب میں کہتا ہوں

کہ آپ کی اس رائے کے قبول کرنے سے کہ قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں' یہی روزِ بد دیکھنا پڑے گا کہ آپ بھی اس انگریز کی طرح الٓمّٓ کو آلو پڑھنے لگیں گے' میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک کسی پڑھے ہوئے سے قرآن نہ پڑھا جائے اس وقت تک ممکن ہی نہیں کہ الٓمّٓ یا اس کے مثل دوسرے الفاظ کو صحیح پڑھ دیا جائے۔ آخر یہ کیسے معلوم ہوگا کہ پڑھنے میں الف، لام را علیحدہ علیحدہ پڑھے جائیں گے اور اگر کوئی کہے کہ اس کے صحیح پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے جو اس حد تک پہنچ چکے ہوں' اس وقت ہماری گفتگو نہیں ہے۔

ضرورت حفظ قرآن کی ایک اور نئی دلیل:

ایک اور دلیل حفظ قرآن کے ضروری ہونے کی بیان کرتا ہوں اور یہ دلیل اس مذاق کے اعتبار سے بہت عجیب دلیل ہے' اس کے لیے اول دو تین باتیں سن لیجئے' پہلی بات یہ ہے کہ جتنی کتابیں دنیا میں ہیں جو آسمان سے اتری ہیں یا زمین ہی پر بنائی گئی ہیں ان سب میں کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ یاد کرنے پر بھی یاد رہ سکے اور اگر کسی نے یاد بھی کرلیا تو بہت بڑے حافظہ کی ضرورت ہے اور قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جاتا ہے اور بہت کم عمر میں لڑکے اس کو حفظ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ قصبہ پانی پت میں اگر دس برس کا بچہ حفظ نہ کرے تو کہتے ہیں کہ بوڑھا ہو کر حفظ کرے گا اور اکثر لڑکیاں بھی وہاں کی حافظ ہوتی ہیں اور قرات جاننے والی لڑکیاں بھی بہت زیادہ ہیں' اور قرآن شریف کے حفظ کے ایسے عجیب وغریب قصے ہیں کہ لوگ سن کر تعجب کرتے ہیں۔

حفظ قرآن کے متعلق عجیب حکایت

چنانچہ میرے ایک دوست بردوان کے رہنے والے ہیں انہوں نے تین مہینے سے بھی کم وقت میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا' ایک اور میرے دوست نے اپنے پیر یعنی میرے استاد کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا' اس سے ان کے سینہ میں ایک نور داخل ہوا' انہوں نے ایک صاحب سے یہ خواب بیان کیا' انہوں نے خواب کی تعبیر یہ کی کہ تم کو قرآن شریف حفظ ہو جائے گا' چنانچہ انہوں نے یاد کرنا شروع کیا سو چھ مہینے میں اچھا خاصا

حفظ ہوگیا' ایک اور قصہ یاد ایک واعظ مظفر نگر میں وعظ کر رہے تھے' ایک آیت میں قصداً اُڑ کے اور جو لوگ اس مجلس میں موجود تھے ان سے کہا کہ جتنے حافظ یہاں موجود ہیں کھڑے ہو جائیں تاکہ میں ان سے یہ آیت پوچھ سکوں یہ بات سن کر ایک بہت بڑی جماعت کھڑی ہوگئی' انہوں نے کہا کہ صاحبو! مجھ کو یہ آیت یاد ہے' میں نے صرف یہ دکھلانا چاہا تھا' کہ مسلمانوں کے اس چھوٹے سے مجمع میں اتنے حافظ موجود ہیں' حالانکہ اس وقت حافظوں کو قصداً جمع نہیں کیا گیا' بلکہ اتفاقیہ جمع ہو گئے ہیں' کیا دوسری کوئی قوم قصداً جمع کر کے بھی اتنے حافظ اپنی مذہبی کتاب کے دکھلا سکتی ہے' غرض قرآن مجید بہت سہولت سے یاد ہوتا ہے ایک بات تو یہ ہوئی' دوسری بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں سب عقلمند اس بات کو مانے ہوئے ہیں کہ نیچر ہر زمانہ میں اس چیز کو پیدا کرتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے میں اس کو شرع کی اصطلاح کے موافق کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں اس چیز کو پیدا کرتے ہیں جس کی ضرورت ہوتی ہے' ان دونوں باتوں کے بیان ہو جانے کے بعد میں کہتا ہوں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مادہ طبیعت میں رکھ دیا ہے کہ قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جاتا ہے' معلوم ہوا کہ حقیقت میں اس کے حفظ کی ضرورت ہے' تو صاحبو! اپنے نیچر کی مخالفت نہ کرو' اگر تم شرعی ضرورت کو نہ مانو تو اس ضرورت کو تو مانو گے' کیونکہ یہ تو تمہارے مذاق کے موافق ہے جیسے میں نے سنا ہے کہ نولکشور کے ہاں ایک پتھر پر قرآن لکھا ہوا تھا اور وہ نالی پر رکھا ہوا تھا' مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سہارنپوری نے اسے دیکھا تو اس سے کہا منشی صاحب یہ ہمارے اور آپ دونوں کے نزدیک تعظیم کے لائق ہے' ہمارے نزدیک تو قرآن ہونے کی وجہ سے اور آپ کے نزدیک پتھر ہونے کی وجہ سے کہ بت اسی سے بنائے جاتے ہیں' اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جو لوگ رسول ﷺ کی پیروی کرنے والے ہیں ان پر تو رسول ﷺ کے حکم سے قرآن کی حفاظت ضروری ہے اور جو لوگ نیچر کی تابعداری کرنے والے ہیں ان پر نیچر کے کہنے سے اس کی حفاظت ضروری ہے' پس ثابت ہوا کہ حافظ بننا ضروری ہے۔

حفظ کی ضرورت مرتبہ علم ہی تک نہیں بلکہ عمل بھی اس پر ضروری ہے:

ہاں آپ ڈریئے نہیں میں یہ نہیں کہوں گا کہ ہر شخص حافظ ہو البتہ ہر شخص پر حفظ کو

ضروری سمجھنا ضروری ہے' مگر ضروری سمجھنے کی یہ علامت نہیں کہ صرف منہ سے کہنے لگو کہ ہم ضرور سمجھتے ہیں بلکہ اس کا ضروری ہونا دل میں رچ جانا چاہیے اور اس کا پتہ ظاہری حالت سے خود بخود چل جاتا ہے' دیکھئے اگر کسی نے شراب نہ پی ہو تو اس پر کبھی بے ہوشی طاری نہیں ہوگی اگرچہ زبان سے کتنا ہی کہے کہ میں نے شراب پی ہے اور جب پی جائے گی تو فوراً ہی اس کا اثر بھی ظاہر ہوگا اگرچہ اس کو کتنا ہی روکا جائے تو صرف یہ کہہ دینا کہ ہم ضروری سمجھتے ہیں کافی نہیں ہے' بلکہ دل سے ضروری سمجھنا چاہئے جس کا تم پر اثر بھی ظاہر ہو اور عمل بھی ہو اور اگر کہیے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ سارے کام ہم ہی کریں' ضروری بھی ہم ہی سمجھیں اور اس پر عمل بھی ہم ہی کریں' دنیا میں اور لوگ بھی تو ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضروری سمجھنے کے لیے عمل کرنا لازم ہے' جب ضروری سمجھو گے تو عمل بھی اس کے ساتھ ضرور ہوگا' اس اعتراض پر مجھے ایک حکایت یاد آئی' حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک طالب علم تھے نہایت ہی کم سمجھ' ایک مرتبہ سبق میں انہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا جس کے اندر کسی بات کا دعویٰ بھی تھا مولانا نے فرمایا کہ اس کی دلیل بیان کرو تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ کیا ضروری ہے کہ سارے کام ہم ہی کریں دعویٰ بھی ہم ہی کریں دلیل بھی ہم ہی بیان کریں' دعویٰ ہم نے کر دیا ہے دلیل آپ بیان کر دیں، اب غور کیجئے کہ اس حکایت پر تو سب کو ہنسی آتی ہے لیکن اپنے اس خیال پر کہ ہم حفظ قرآن کو ضروری سمجھتے ہیں تو ہم کو عمل کی کیا ضرورت ہے، ہنسی نہیں آتی، حالانکہ دونوں واقعی ایک ہی مرتبہ میں ہیں، صاحبو! غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر سب کے سب یہی خیال کر لیں کہ ہم کو صرف ضروری سمجھنا کافی ہے اور اس پر عمل ایک بھی نہ کرے تو آخر قرآن شریف کو حفظ کون کرے گا کیا یہود اور نصاریٰ حفظ کریں گے، ہاں اس وقت جو رنگ پلٹ رہا ہے اور جیسے زمانہ کی حالت بدلتی جا رہی ہے اس پر نظر کر کے یہ بھی کچھ تعجب نہیں کہ ایسا ہو جائے' کیونکہ اس وقت مسلمانوں نے اکثر قرآن شریف کو پڑھنا چھوڑ دیا ہے' اور دوسری قوموں نے اعتراض کرنے کی غرض سے پڑھنا شروع کیا ہے' اگرچہ ابھی تک اس انقلاب کی ابتدائی حالت ہے کہ سنبھالنے سے سنبھل سکتی ہے لیکن اگر اس پر توجہ نہ کی گئی تو پچاس برس کے بعد یہ حالت ہوگی کہ مسلمان تو اسلام سے دور ہو جائیں گے اور کافر اسلام کے

قریب ہو جائیں گے۔

اسلام سے دور ہونے کا پہلا زینہ دنیا کو اختیار کرنا ہے:

اور اسلام سے دور ہونے کا پہلا زینہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دین کو چھوڑ کر صرف دنیا کمانے پر ڈھل گئے اور دین کے حاصل کرنے کو مضر سمجھنے لگے کہ اس سے دنیا میں خلل پڑے گا' حالانکہ اصل میں بات یہ ہے کہ حلال دنیا یعنی حلال مال سایہ کی طرح دین کے ساتھ ساتھ ہے' اگر کوئی سایہ کو پکڑنا چاہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ اصل چیز کو حاصل کرلے' تو دنیا بھی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ دین کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کیا ہو' افسوس ہے کہ آج کل لوگ صرف مال اور عزت و مرتبہ کی طلب کو مقصود سمجھتے ہیں' دین کو کچھ بھی نہیں سمجھتے' حالانکہ جو چیز جس وجہ سے مال سے مقصود ہوتی ہے وہ دین ہی کے حاصل کرنے سے پوری طرح نصیب ہوتی ہے۔

مال اور عزت سے اصل مقصود کیا ہے؟

کیونکہ مال سے راحت و آرام مقصود ہوتا ہے اور عزت سے مقصود تکلیفوں سے بچا رہنا ہے' یعنی ہم کو بڑائی کی اتنی ضرورت ہے کہ ظالموں کے ظلم سے بچے رہیں' دیکھئے تھے' چمار بیگار میں پکڑے جاتے ہیں لیکن جو عزت والے ہیں وہ نہیں پکڑے جاتے تو یہ دونوں چیزیں آرام حاصل کرنے اور تکلیف سے بچے رہنے کے لیے ہیں۔

اللہ والوں کو بالکل پریشانی نہیں ہوتی:

اب دیکھ لیجئے کہ جو لوگ خدا کے کام میں لگے ہیں ان میں کوئی بھی پریشانی میں مبتلا نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اللہ والے اس قدر آرام میں ہیں کہ دنیا والوں کو ہرگز اتنا آرام نصیب نہیں اور امتحان اس کا یہ ہے کہ اول بڑے سے بڑے دنیادار کے پاس ایک مہینہ رہیے اس کے بعد اللہ والوں میں سے کسی کے پاس ایک مہینہ بھر رہ کر دیکھئے پھر دونوں کی حالت ملا کر اندازہ کیجئے' آپ کو صاف معلوم ہوگا کہ دنیادار طرح طرح کے فکروں میں گھرا ہوا ہے اور یہ دیندار پریشانی سے بچا ہوا ہے' ہر طرح سے امن چین میں ہے' پس مال سے جو چیز مقصود ہے وہ

پوری طرح ان کو ہی نصیب ہے' نہ کہ دنیاداروں کو۔

عزت میں بھی اللہ والے دنیا والوں سے بڑھے ہوئے ہیں:

رہی عزت سو اس میں بھی اللہ والے دنیاداروں سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں' عزت جس چیز کا نام ہے وہ انہیں حضرات کو نصیب ہے' کیونکہ عزت دو طرح کی ہوتی ہے' ایک تو زبان سے اور ایک دل سے' دنیا والوں کی جو کچھ عزت ہوتی ہے وہ صرف زبان سے اور ہاتھ پیر سے ہوتی ہے' یعنی لوگ ظاہری طور پر ان کی عزت کرتے ہیں دل میں کسی قسم کی وقعت ان کی نہیں ہوتی' اور اللہ والوں کی عزت دل سے ہوتی ہے پس ثابت ہو گیا کہ مال اور عزت سے جو چیز مقصود ہے وہ اللہ والوں ہی کو حاصل ہے۔

دین اور دنیا دونوں جمع نہیں ہو سکتے!

(۳) بعض لوگ ایسے ہیں کہ پورا مقصود ان کا دنیا نہیں ہے اور دین اور دنیا دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں اور اس کو بہت بڑی خوبی اور کمال سمجھتے ہیں' مگر یہ جمع ہونا ایسا ہے جیسے ایک شخص مکمل زنانہ کپڑے پہن کر ان کے ساتھ ایک ٹوپی بھی پہن لے ظاہر ہے کہ جو شخص اس کو دیکھے گا ایک مسخری عورت کہے گا' اسی طرح جو لوگ دین و دنیا دونوں کو جمع کیے ہوئے ہیں ان کو دیکھ لیجئے کہ غالب ان کے اوپر دنیا ہی ہے۔ مسلمان کے دین و دنیا کو جمع کرنے کے تو یہ معنی ہونے چاہئیں کہ اس پر دین غالب ہو اور ضرورت کے لائق دنیا بھی لیتا ہو' غرض مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان میں سب کے سب دیندار ہوں چونکہ معاش کی بھی ضرورت ہے اس لیے کچھ لوگ اس میں بھی لگیں۔

مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو خالص دین کے خادم ہوں:

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں کہ وہ صرف دین کی خدمت کریں اور تمام قوم کی دینی باتوں میں کام آئیں' کیونکہ اگر سب کے سب معاش ہی کے حاصل کرنے میں لگ جائیں تو دین کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا' مثلاً سررشتہ تعلیم ہی کو لیا جائے کہ اگر اس میں کوئی نہ جائے تو ساری نوکریاں بند ہو جائیں' اسی طرح دین کے کام میں بھی اگر کوئی نہ لگے تو یہ کام بند ہو جائے گا اس لیے ضروری ہے کہ ایک جماعت صرف دین کی خدمت کرنے والی ہو کہ یہ

لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں' دنیا میں اس کی مثال دیکھ لیجیے کہ قانون کا حکم ہے کہ جو شخص سرکاری کا ملازم ہو وہ دوسرا کام نہیں کر سکتا' چنانچہ اگر کسی نے کیا تو اس کو یا تو ملازمت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا یا دوسرا کام اس سے چھڑوا دیا گیا اسی طرح سید صاحب کو دیکھیے کہ ان کو دنیا کی دھن تھی تو اس میں کیا حالت تھی کہ اپنی زندگی اور آسائش سب اسی میں جمع کر دی' میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن یہ حالت ہے کہ جب کوئی کتاب لکھتا ہوں تو رات کو نیند نہیں آتی پنسل کاغذ پاس لے کر سوتا ہوں اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر جو کچھ یاد آتا ہے اس کو لکھتا ہوں' تو اگر ایسے شخص کو کوئی دوسرا کام دے دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی خراب ہوگا اور وہ بھی' ایک شاعر کی حکایت مشہور ہے کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک مصرعہ یاد آیا فوراً نماز توڑ دی اور اس مصرعہ کو لکھا' اگرچہ اس کی حرکت اچھی نہ تھی لیکن اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ایک جماعت کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ وہ دین کے کام کے سوا اور کوئی کام نہ کرے۔

عالم اپنی حاجتوں میں قوم کے محتاج نہیں:

اور اس جماعت پر یہ الزام بھی بالکل انصاف کے خلاف ہے کہ یہ قوم کے محتاج ہیں البتہ اگر وہ تم سے مانگیں تو ان کو جو چاہو سو کہو' سو خدا کا شکر ہے کہ ان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ بھی فکر نہیں ہوتی' ان کو خدا پر پورا بھروسہ ہوتا ہے' چنانچہ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو کہنے لگے کہ ہم خدا کے مہمان ہیں اور مہمانی تین دن تک ہوا کرتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ہزار برس کا ہوتا ہے' پس تین ہزار برس تک تو اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں بعد میں آ کر دریافت کرنا کہ کہاں سے کھاتے ہو حضرات خدا کی قسم اس وقت بھی خدا کے بندے موجود ہیں کہ لوگ ان کو دیتے ہیں اور وہ خیال بھی نہیں کرتے' تو ان کی یہ حالت ہے کہ اپنے محبوب میں ایسے مصروف ہیں کہ کسی دوسرے کی طرف دھیان بھی نہیں ہوتا' ملک نیمروز کے بادشاہ نے ایک بزرگ کو لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنا آدھا ملک نیمروز آپ کے حوالہ کر دوں' آپ نے جواب میں لکھا کہ مجھے ملک نیمروز کی ہوس نہیں ہے اگر اس کی ہوس ہو تو میرا نصیب خدا کرے سیاہ ہو جائے، آپ نے جو ملک نیمروز دینے کو لکھا ہے تو مجھے نہیں چاہیے، میرے نزدیک اس کی حقیقت ایک جو کے برابر بھی نہیں، غور کیجیے کہ بادشاہ کی طرف سے

اصرار ہے اور ان کی طرف سے آسان جواب کہ ہم کو کوئی ضرورت نہیں، تو جب وہ آپ سے مانگتے نہیں تو آپکو کیا فکر ہے، اور جب یہ بات ہے تو آپ کو کیوں پوچھتے ہیں کہ یہ کہاں سے کھائیں گے اور اگر کہیے کہ اس جواب سے تو اطمینان نہیں ہوا کیونکہ اس میں یہ تو پتہ ہی نہ چلا کہ آخر کہاں سے کھائیں گے، تو صاحبو! یہ جواب تو میں نے اعتراض کرنے والوں کی رعایت کر کے دے دیا تھا، کہ ان کی رسوائی نہ ہو لیجئے اب میں اصلی جواب دیتا ہوں لیکن اس میں ان کی رسوائی ہوگی، اس جواب کے لیے اول میں ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے نکاح کیا ہو اور جب بیوی اس کے گھر آئی تو وہ بیوی سے پوچھنے لگا کہ تم نے نکاح تو کرلیا، مگر یہ تو بتلاؤ کہ تم کھاؤ گی کہاں سے تو وہ بیوی اس کو کیا جواب دے گی، ظاہر ہے کہ یہ جواب دے گی کہ میاں تمہاری جیب سے لے کر کھاؤں گی اور کہے گی کہ تم کو یہ پوچھتے ہوئے شرم نہیں آئی اس سوال سے خود اپنی بے عزتی ظاہر کر رہے ہو اور یہ جواب نہایت سچا اور حق جواب ہوگا، جب یہ مثال سمجھ آ گئی تو اب میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ یہ لوگ انہیں اعتراض کرنے والوں کی جیبوں سے وصول کر کے کھائیں گے اور اس سوال سے یہ اپنی قلعی کھول رہے ہیں کہ ہم میں غیرت نہیں ہے کہ دین کے خادموں کو ضروری نہیں سمجھا، حالانکہ ان کی خدمت کرنا ان کے ذمہ ہے کیونکہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ جو شخص کسی کے کام میں لگا ہوا ہو اس کا سارا خرچ اس کے ذمہ ہوگا، جس کے کام میں وہ لگا ہوا ہے، چنانچہ بیوی کا سارا خرچ اسی لیے شوہر پر واجب ہے، چنانچہ اگر وہ خود اپنے ماں باپ کے گھر چلی جائے تو شوہر پر اس کا خرچ نہیں ہوتا، حالانکہ بیوی اس وقت بھی رہتی ہے، پس معلوم ہوا کہ شوہر پر نان ونفقہ واجب ہونے کی بھی یہی وجہ ہے کہ بیوی اس کے کاموں میں لگی رہتی ہے اسی طرح قاضی کا خرچ مسلمانوں کے خزانہ سے دیا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کی ضرورت میں لگا ہوا ہے، اب دیکھئے کہ مسلمانوں کا خزانہ حقیقت میں ہے کیا چیز وہ وہی روپیہ ہے جو مسلمان بادشاہ کو دے کر خزانہ میں جمع کراتے ہیں سو وہ حقیقت میں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے، مگر چندہ ذلیل لفظ ہے اور خزانہ باعزت لفظ ہے، لیکن حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے، چنانچہ بادشاہ کو جو بادشاہی خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے وہ خزانہ مسلمانوں کا چندہ ہی تو ہوتا ہے، جو پیسہ پیسہ دو دو پیسہ جمع ہو کر خزانہ ہو جاتا ہے تو اگر یہ ذلت ہے تو بادشاہ نے

یہ کیوں لیا' بلکہ جتنے بھی بڑے بڑے سرکاری ملازم ہیں سب کو تنخواہ اسی مد میں سے ملتی ہے' کیونکہ وہ بھی رعایا کے کاموں میں ایسے پھنسے ہوتے ہیں کہ اگر دوسرا کام کریں تو مجرم سمجھے جاتے ہیں' کیونکہ ان کے دوسرے کام میں مشغول ہونے سے رعایا کے کاموں میں خلل پڑتا ہے'اور لیجئے جب کسی کو گواہی میں طلب کیا جاتا ہے تو اس کی خوراک دی جاتی ہے اور اس کی مقدار سب کے لیے برابر نہیں ہوتی' بڑے آدمی کے لیے زیادہ اور ادنیٰ درجہ کے آدمی کی کم ہوتی ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ گواہ اتنی دیر کے لیے اس کے کام میں مصروف ہو جاتا ہے اس لیے جب تک گواہی میں مصروف رہتا ہے اس وقت تک کا خرچ اس شخص کو دینا پڑتا ہے جو گواہی مین طلب کراتا ہے' یہ مسئلہ ایسا ظاہر ہے کہ کافروں تک نے بھی اسے سمجھا ہے، تو جب دین کے خادم قوم کے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور دین کے کام کے ساتھ وہ دوسرا کام نہیں کر سکتے' کیونکہ اس طرح کام ٹھیک نہیں ہوسکتا تو وہ بھی اپنا خرچ قوم سے لیں گے اور اگر یہاں نہ ملے گا تو خدا تعالیٰ کے یہاں نالش کر کے لیں گے' غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے اور عقل سے بھی ثابت ہے مگر چونکہ ہماری قوم کو اس وقت تک تسلی نہیں ہوتی جب تک کہ دوسری قوم کو بھی کوئی کام کرتے نہ دیکھ لیں' اس لیے ایک تیسری دلیل بھی بیان کرتا ہوں' آپ کو معلوم ہے کہ آریہ اپنے مذہب کے پھیلانے میں بہت محنت سے کام کر رہے ہیں' انہوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ ایک جماعت ان میں مذہب کی حمایت کرنے کے لئے رہے' اور تمام قوم اس جماعت کے خرچے کی ذمہ دار ہو' صاحبو! افسوس کی بات ہے کہ ایسی قوم جس کے پاس مذہبی جماعت نہ تھی اس نے تو مذہبی جماعت تیار کرنے کی کوشش کی اور تمہارے پاس ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے اور تم اس کو توڑنے کی فکر میں ہو۔

قوم اگر عالموں کے خرچ کی ذمہ داری نہ اٹھائے گی تب بھی وہ بھوکے نہیں رہیں گے:

لیکن یاد رکھو کہ اگر تم ان کے خرچ کی ذمہ داری نہ بھی اٹھاؤ بلکہ تمام لوگ اس جماعت کے مخالف ہو جائیں اور اس کو دینا اور مدد کرنا بند کر دیں تب بھی یہ جماعت ایسے ہی باقی رہے

گی اور مولوی ان شاء اللہ کھاتے ہی رہیں گے اگر کہیے کیونکر کھاتے رہیں گے اور کہاں سے ان کو ملے گا' تو لیجئے میں بتلاتا ہوں کہ کہاں سے ان کو ملے گا' قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ تم کو خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے' مگر تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور اس بخل سے اپنا ہی نقصان کر رہے ہو' ورنہ خدا تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں' وہ بے پرواہ ہے اور تم محتاج ہو اگر تم اس سے بے توجہی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کر دیں گے اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے' تو حاصل جواب کا یہ ہوا کہ اگر تم نہیں دو گے تو خدا تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کر دیں گے جو کہ دین کی خدمت کرے گی' اب اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ قوم کہاں سے پیدا ہو گی تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ روزانہ پیدائش کا سلسلہ جاری ہے ہر روز بہت سے بچے دنیا میں پیدا ہوتے ہیں انہیں میں سے ایسی قوم پیدا ہو جائے گی' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس وقت تمام جہان کے انسانوں کی حالت میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہیں وہ اسلام کی سکھائی ہوئی باتیں چھوڑ کر اس سے دور ہو رہے ہیں اور جو لوگ مسلمان نہیں وہ اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ شریعت کے حکموں میں مصلحتیں بیان کرتے ہیں۔

مٹی سے استنجا کرنے کی حکمت ایک ڈاکٹر نے بیان کی ہے:

چنانچہ ایک ڈاکٹر نے مٹی کے ڈھیلے سے استنجا کرنے کے متعلق لکھا ہے کہ مٹی بہت سے زخموں کا علاج ہے، تو پیشاب میں جو مادہ تیزاب کا ہے اس کا نقصان روکنے کے لیے مٹی کا استعمال مصلحت ہے۔

کتے کے مٹی کے برتن میں منہ ڈال دینے سے سات مرتبہ اس کو دھو لینا چاہیے اس میں ایک مرتبہ مٹی سے مل کر دھونا چاہیے اس کی حکمت ایک ڈاکٹر نے بیان کی ہے

اسی طرح ایک اور ڈاکٹر نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ مار جائے تو اس کو سات مرتبہ دھو ڈالو' ان سات دفعہ میں ایک

دفعہ مٹی سے بھی دھو ڈالو اس ارشاد میں مجھے یہ خیال ہوا کہ مٹی سے دھونے کو کیوں فرمایا کیا سات مرتبہ پانی سے دھونا کافی نہیں' آخر بہت دنوں کی چھان بین اور تلاش کے بعد یہ معلوم ہوا کہ مٹی میں تھوڑا بہت نوشادر بھی ملا ہوتا ہے اور نوشادر سے کتے کے لعاب کا زہر دور ہو جاتا ہے مگر وہ ہر جگہ میسر نہیں، اس لیے حضور ﷺ نے ایسی چیز ارشاد فرمائی جو ہر جگہ میسر ہو اور آسانی سے میسر ہو یعنی مٹی، تو غیر مسلموں کی تو یہ حالت ہے، اور مسلمانوں کی وہ حالت ہے کہ اسلام کی سکھائی ہوئی باتوں کو چھوڑ رہے ہیں۔

اگر مسلمان اسلام کی حفاظت نہ کریں گے تو عجب نہیں کہ دوسری قوم یہ کام اپنے ذمہ لے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سامان ہے اس دن کا جس دن میں عجب نہیں کہ ایسے ناقدرے مسلمان تو اسلام سے باہر ہو جائیں اور ایسے غیر مسلم مسلمان بن جائیں اور اگر مسلمانوں کو اس بات کا خیال ہے کہ یہ برا دن نہ دیکھنا پڑے اور اسلام کی نیک بختی ہمارے ہی نام رہے تو سنبھلو اور کام میں مشغول ہو جاؤ' ورنہ مسلمانوں کا ہرا بھرا کھیت سوکھا جاتا ہے لیکن اب بھی کچھ نہیں گیا' اگر یہ ذرا سی بھی توجہ کریں تو کافی ہوگا' ورنہ مجھے اس وقت کی حالت سے سخت اندیشہ ہے۔

غرض یہ معلوم ہو گیا کہ دین کے خادموں کی خدمت اور ان کی مدد خود غیب سے ہوگی' اب جس کا جی چاہے اپنے نفع کے لیے اس نیک بختی کو حاصل کرے ورنہ دین کے خادم کسی شخص کے محتاج نہیں۔

انجمن اور مدرسہ والوں کو چاہیے کہ چندہ بالکل نہ مانگیں:

اور میں انجمن اور مدرسہ والوں کو بھی یہی رائے دیتا ہوں کہ وہ مانگنا بالکل چھوڑ دیں خدا تعالیٰ نے چاہا تو جس دن یہ ایسا کریں گے خدا تعالیٰ ان کو بہت کچھ دیں گے' ان کا ارشاد ہے ویرزقه من حیث لا یحتسب یعنی اور اللہ تعالیٰ رزق پہنچائیں گے ایسی جگہ سے کہ (وہاں) اس کو گمان بھی نہ ہوگا' پس ایک جماعت تو ایسی ضرور ہونی چاہئے جو بالکل دین کی

خدمت میں لگی رہے مگر ہر شخص چونکہ دین کا خادم نہیں ہو سکتا اس لیے بعض لوگوں کو یہ چاہیے کہ کمائیں اور دوسروں کی مدد کریں۔

اللہ والے کسی کے طفیل میں نہیں کھاتے:

اور اس حالت سے کوئی اللہ والوں کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہمارے طفیل میں کھاتے ہیں' کیونکہ وہ سرکاری لوگ ہیں' دیکھئے گورنر جنرل کو بڑی بھاری رقم ہر مہینے ملتی ہے (اور وہ بھی اصل میں اسی چندہ سے ہوتی ہے جو رعایا سے وصول کر کے خزانہ میں جمع کیا جاتا ہے لیکن گورنر جنرل کو کوئی طفیلی نہیں کہتا) اور اس کو بہت بڑی رقم ملتی ہے' حالانکہ ظاہر میں اس کو کوئی ایسا بڑا کام نہیں کرنا پڑتا' لیکن صرف اس وجہ سے ملتی ہے کہ اس کا کام دماغی کام ہے' تو اللہ والوں پر جو گزرتی ہے اور جیسا ان کو دماغ سے کام لینا پڑتا ہے' اگر آپ پر وہ حالت گزرے تو چند روز میں جنون ہو جائے۔

اللہ والوں پر اپاہج ہونے کا الزام غلط ہے:

اور یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ اللہ والوں پر اپاہج ہونے کا الزام بھی بالکل غلط ہے' وہ ہرگز اپاہج نہیں ہوتے' ہاں وہ بدن کے اعتبار سے اپاہج ہیں لیکن ان کی روح بہت بڑے کام کی ہے ان کی روح نے اس بھاری بوجھ کو اٹھایا ہے جس کے اٹھانے کی پہاڑ بھی طاقت نہیں رکھتے' اور زمین و آسمان سے بھی نہیں اٹھ سکتا' تو جس کی روح اتنا بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اسے اپاہج کیسے کہا جا سکتا ہے' آپ کو کیا خبر ہے کہ ان پر کیا گزرتی ہے' صاحبو! وہ اس مشقت میں ہیں جس کا ایک نمونہ یہ ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (ترجمہ) شاید آپ ان کے پیچھے اس غم میں اپنی جان کو ہلاک کرنے والے ہیں' اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں' غور کیجئے کہ حضور پرنور ﷺ پر کیا گزرتی ہوگی جو یہ لفظ فرمایا گیا' خلاصہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ معاش حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

دین کی حفاظت عام طور پر سب کے ذمہ ہے:

لیکن دیندار ہونا ان کا بھی ضروری ہے اور شریعت کے حکموں پر چلنا اور دین کی حفاظت

کرنا ان کو بھی لازم ہے صرف ضروری سمجھنے پر بس کرنا کافی نہیں' دیکھئے اگر کوئی جائیداد کئی آدمیوں کی مشترکہ ہو کہ ایک کے اس میں آٹھ آنہ ہوں' دوسرے کے چار آنہ تیسرے کے دو آنہ' چوتھے کا ایک آنہ اور کوئی ظالم اس جائیداد پر زبردستی قبضہ کرنے لگے تو کیا ایک آنہ کا شریک خاموش ہو کر بیٹھے گا' ہرگز نہیں' اس سے معلوم ہوا کہ شرکت کی چیز کی حفاظت تمام شریکوں کو چاہئے' اسی طرح قرآن شریف مسلمانوں کی مشترکہ کی جائیداد ہے اس کی حفاظت بھی سب کو کرنا چاہئے اور اگر یہ کہیے کہ یہ مشترکہ چیز نہیں تو مہربانی کر کے آپ ہم کو یہ بات لکھ کر دے دیجئے کہ ہماری اس میں شراکت داری نہیں ہم اس کو مشہور کر دیں گے' پھر ان لوگوں سے ہم ہرگز اس کی حفاظت کے لیے بات نہیں کریں گے اور خدا نے چاہا تو ایسا کوئی بھی نہیں کرے گا اور جب یہ گوارا نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے ذمہ بھی دین کی اور قرآن کی حفاظت ضروری ہے اور دوسروں کو بھی اس کا حق ہے کہ وہ آپ سے زبردستی اس کی حفاظت کرائیں خواہ مال لے کر یا کسی دوسرے طریقہ سے۔

لوگ چاہتے ہیں کہ عالم ہماری خواہشوں کے تابع ہو جائیں:

اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ چین و آرام ہر طرح کا تو ہم کو رہے اور مصیبت و مشقت دوسروں پر رہے' ہم جس طرح چلیں مولوی اس میں ہمارے تابع ہو جائیں اور ہماری بری باتوں سے بالکل ہم کو منع نہ کریں' میں ایسے لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ پرانے مولوی تو تمہارے قابو سے نکل چکے ہیں وہ تو تمہارے تابع نہیں ہوں گے ان سے یہ امید رکھنا فضول ہے۔ البتہ تم اولاد کو دین پڑھاؤ وہ تمہارے تابع ہو گی' ان سے اپنی مرضی کے موافق کام لے لینا۔

قوم کے ہمدرد اپنی اولاد کو علم دین نہیں پڑھاتے:

مگر ہم نے آج تک کسی ہمدرد قوم کو نہیں دیکھا کہ اس نے قومی ہمدردی میں اپنی اولاد کو دین پڑھایا ہو' کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ علم دین پڑھ کر ہماری اولاد کو یہ بڑے بڑے عہدے کہاں سے مل سکیں گے۔

علم دین پڑھانے کے لیے احمق کو تجویز کرتے ہیں:

اگر کسی شخص نے اپنی اولاد میں سے کسی بچے کو علم دین پڑھانے کے لیے منتخب کیا بھی تو ایسے احمق کو جو سب میں احمق اور کند ذہن ہو سبحان اللہ شریعت کے علم کی کیا قدر کی ہے صاحبو! غور کیجئے کہ جب سارے ہی الو ہی پڑھیں تو الو ہی رہیں گے۔

آج کل بڑے بڑے عالم کیوں نہیں ہوتے:

مولوی منفعت علی صاحب سے ایک شخص نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ پہلے تو بڑے بڑے عالم ہوتے تھے جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اب ایسے عالم کیوں نہیں پیدا ہوتے انہوں نے کہا کہ اس وقت یہ قاعدہ تھا کہ قوم میں جو سب میں سمجھ دار ہوتا تھا وہ علم دین کے لیے منتخب کیا جاتا تھا اور اب یہ قاعدہ ہے کہ جو سب میں احمق اور کند ذہن ہو وہ علم دین کے لیے وقف کیا جاتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اب بھی جو سمجھ دار پڑھتے ہیں وہ امام غزالی اور امام رازی سے کم نہیں ہوتے میرے ساتھ چلو اور عالموں کی حالت دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت بھی غزالی اور رازی جیسے عالم موجود ہیں اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسے عالم ہیں بہت کم اور وجہ اس کی یہی ہے کہ جو لوگ قابل ہوتے ہیں وہ تو ادھر متوجہ نہیں ہوتے ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر بیس آدمی ایسے سمجھ دار پڑھیں تو ان میں پندرہ غزالی اور رازی جیسے عالم ہو کر ضرور نکلیں گے اب بیچارے غریب جولاہے دھنے پڑھتے ہیں ان کی سمجھ جیسی ہوتی ہے ویسے ہی عالم ہوتے ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ غریب غرباء کے بچوں کو نہ پڑھایا جائے کیونکہ امیروں نے تو خود پڑھنا چھوڑا اور ان سے ہم چھڑا دیں تو پھر علم دین کس کو پڑھائیں دوسرے یہ کہ غریب غرباء کیا کریں انگریزی تو پڑھ نہیں سکتے کیونکہ اس کے لیے بہت بڑی رقم چاہیے اور عربی ہم نہ پڑھائیں تو یہ بیچارے تو بالکل ہی کورے رہے اور واقعی علم دین ایسی عجیب چیز ہے کہ اس میں محنت بھی کم اور خرچ بھی کم اور انگریزی میں محنت بھی زیادہ ہے خرچ بھی زیادہ۔

دین کا علم سستا ہے اور دنیا کا مہنگا ہے:

اور علم دین ایسا سستا ہے کہ اگر کوئی شخص اول سے اخیر تک ایک کتاب بھی نہ خریدے ہر

کتاب اس کو میسر آ سکتی ہے اور ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے تمام کتابیں مدرسوں ہی سے لے کر پڑھی ہیں اور انگریزوں میں آپ ایک شخص کو بھی نہیں بتا سکتے ہیں: جس نے بی اے تک پڑھا ہوا اور اس کو قریب قریب کل کتابیں نہ خریدنی پڑی ہوں اس سے معلوم ہوا کہ دینی تعلیم نہایت سستی ہے اور دنیاوی تعلیم نہایت ہی مہنگی ہے' اس پر مجھے اپنے بھائی کی ایک بات یاد آ گئی' ایک مرتبہ انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ مجھ سے تو خرچ کا حساب لیتے ہیں اور بڑے بھائی سے کچھ حساب نہیں لیتے' حالانکہ میرا خرچ بھائی سے بہت زیادہ ہے مجھ کو تو اگر ایک قلم کی بھی ضرورت ہو تو وہ بھی آٹھ آنے کا ملتا ہے اور وہ تو چھپر میں سے ایک سٹیا نکال کر قلم بنالیں تو کارروائی ہو سکتی ہے۔

علم دین کا ارزاں ہونا اس کے ضروری ہونے کی دلیل ہے:

تو دیکھئے علم دین کس قدر سستا ہے اور یہی دلیل ہے اس کے ضروری ہونے کی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جتنی چیز کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس قدر وہ سستی ہوتی ہے' اور ہر جگہ میسر آ سکتی ہے اور جس قدر بیکار ہوتی ہے اسی قدر مہنگی ہوتی ہے اور کم ملتی ہے' یہ خدا تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے۔

عربی کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہئے:

اسی پر غور کر کے دیکھئے تو معلوم ہو کہ عربی بہت بڑے مرتبہ کی چیز ہے اور انگریزی اس کے مقابلہ میں بہت کم مرتبہ کی ہے' پس عربی کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہئے کیونکہ وہ زیادہ ضرورت کی چیز ثابت ہوئی اور انگریزی کی طرف کم توجہ ہونی چاہئے اور کم متوجہ ہونے کی اجازت بھی دینداروں کے لیے ہے ورنہ جن کے دین بگڑ جانے کا ڈر ہے ان کو تو انگریزی سے بالکل روکا جائے گا' وہ انگریزی کو بالکل چھوڑ دیں صرف عربی کی طرف متوجہ ہوں' یہاں تک تو یہ ثابت ہوا کہ دین کی حفاظت کے لیے عربی پڑھنا ضروری ہے۔

عربی سے انگریزی میں بھی مدد ملتی ہے اور اس کی توضیح ایک قصہ سے:

اب میں اخیر درجہ کہتا ہوں کہ اگر خدا کے لیے عربی نہ پڑھو تو کم از کم انگریزی ہی کے

لیے عربی ضرور پڑھ لو بیان اس کا یہ ہے کہ عربی پڑھنے سے لیاقت بڑھتی ہے اور اس لیاقت سے انگریزی تعلیم میں بہت مدد ملتی ہے میرے سب سے چھوٹے بھائی مرادآباد کے انگریزی سکول میں گئے وہاں ان کی ذہانت اور سمجھ کی یہ حالت تھی کہ تمام لوگ حیران تھے یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ ان کے ماسٹر بھی ان کی ذہانت سے عاجز ہو گئے تھے ایک دفعہ یہ واقعہ ہوا کہ رمضان المبارک کا مہینہ قریب آ گیا اور اسکول کے لڑکوں نے چاہا کہ کسی حافظ کو بلا کر قرآن سنیں پرنسپل سے پوچھا تو جواب ملا کہ یہ نئی بات ہے اس کی اجازت نہیں مل سکتی بھائی نے کہا کہ اگر قدیمی بات ہوتی تو کیا اجازت مل جاتی' جواب ملا کہ ہاں مل جاتی' بھائی نے کہا اگر نئی بات اجازت کے لائق نہیں ہے تو چاہیے کہ اس وقت کوئی قدیمی بات نہ پائی جائے' کیونکہ جو بات اب پرانی ہے وہ کسی وقت تو نئی ہوگی اور نئی بات اجازت کے لائق ہے نہیں' پس جب اس کی اجازت نہ ہوگی تو پھر وہ قدیمی کیسے بن سکے گی' پرنسپل حیران رہ گیا آخر بھائی نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارومدار اجازت کا قدیم ہونے پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ اس میں کوئی خرابی نہ ہو' تو اس میں کیا خرابی ہے آخر مجبور ہو کر پرنسپل نے اجازت دے دی یہ صرف عربی لیاقت کی بدولت تھا' ایسے بہت سے قصے ان کے ہوئے ان کے سوا اور بہت ایسے واقعے میں نے دیکھے ہیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر خدا کے لیے عربی نہیں پڑھتے تو اپنی انگریزی ہی کے لیے پڑھ لو۔

علم دین اگر دنیا کے لیے بھی پڑھا جائے تب بھی وہ انجام کار نفع دیتا ہے:

شاید کسی کو یہ شبہ کہ جو علم دین انگریزی کے لیے پڑھا جائے اس کے پڑھنے سے کیا فائدہ جو اس کی رغبت دلائی جا رہی ہے تو سمجھو کہ علم دین وہ چیز ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے اور اس شخص کو اپنا ہی بنا لیتا ہے' ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے علم سیکھا تو تھا دنیا کے لیے مگر علم نے انکار کیا کہ وہ دوسروں کا بنے' بلکہ وہ اللہ ہی کا ہو کر رہا' میں سچ کہتا ہوں کہ علم عربی وہ علم ہے کہ ہر چیز اس سے درست ہو سکتی ہے اخلاق بھی اس سے درست ہوتے ہیں۔

علم دین کی حفاظت کی ضرورت:

حاصل یہ کہ علم دین کی جس میں قرآن شریف بھی داخل ہے، ہر شخص پر حفاظت ضروری ہے۔

قرآن شریف کے صرف الفاظ پڑھنے سے بھی نفع ہے:

لیکن اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ قرآن کو اگر پڑھا جائے تو صرف الفاظ کے پڑھنے سے کیا نفع، اس سوال کا ایک جواب تو ہو گیا کہ اس کے پڑھنے کی ضرورت ہے اور ضرورت کے ہوتے ہوئے کسی اور نفع کا ہونا ضروری نہیں، اگر کسی شخص کو پیاس لگی ہو اور وہ پانی پینا چاہے اور کوئی شخص اس سے کہے کہ پانی پینے سے کیا فائدہ تو اس کو صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اس وقت اس کی ضرورت ہے کیونکہ پیاس بہت لگی ہے اس کے سوا اور کسی فائدہ کا ہونا کیا ضروری ہے اور اگر آپ کو نفع ہی کی تلاش ہے تو لیجئے نفع بھی بیان کر دیتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی گئیں تو پورے قرآن پر کس قدر نیکیاں لکھی جائیں گی تو کتنا بڑا نفع ہوا۔

نیکیوں کا نفع آخرت میں ہے اور اس کی توضیح مثال سے:

اور اگر کوئی کہے کہ نیکیوں کو ہم کیا کریں تو سمجھ لو کہ نیکیاں اس وقت تم کو بیکار نظر آتی ہیں لیکن جب تم دنیا سے آگے آخرت میں پہنچو گے تو معلوم ہو گا کہ نیکیاں کیسے کام کا سکہ ہیں، دیکھو اگر ایک شخص مکہ جا رہا ہو اور جب بمبئی پہنچا تو وہاں اس کو کسی نے مکہ کا سکہ دیا، جس کا مکہ میں رواج ہو تو وہ یوں نہیں کہے گا کہ میں اس کو کیا کروں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سکہ اگرچہ بمبئی میں نہیں چلتا لیکن میں چار دن کے بعد مکہ پہنچ جاؤں گا، وہاں تو انہیں سے کام پڑے گا اور اگر وہ کہے بھی کہ میں اس کو کیا کروں گا تو یہی جواب دیا جاتا ہے کہ آٹھ دن کے بعد دیکھ لینا کہ تم اس کو کیا کرو گے، اسی طرح تم کو اس وقت نیکیاں بیکار معلوم ہوتی ہیں، لیکن جب قیامت کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور لوگوں کے اعمال نامے وزن کیے جا رہے ہوں گے اور ان کے موافق عوض مل رہا ہو گا اور تم خالی ہاتھ ہوں گے اس وقت معلوم ہو گا کہ نیکیاں کیا چیز تھیں،

اگر کسی عمدہ بازار میں کسی مفلس کو بھیج دیا جائے تو اس کو انتہا درجہ کی پریشانی ہوگی' کیونکہ جدھر نظر پڑے گی بڑی بڑی قیمتیں نظر آئیں گی اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تنگدستی بھی یاد آئے گی تو کس قدر حسرت ہوگی' خاص کر جب کہ بازار جاتے وقت اس سے کہا گیا ہو کہ کچھ نقدی لیتے جاؤ' اور وہ چھوڑ کر چلا گیا ہو' بس یہی حالت میدان قیامت میں ان لوگوں کی ہوگی اور وہ ایسا وقت ہوگا کہ اس وقت سوائے اس سکہ کے اور کوئی سکہ کام نہیں دے گا' کیونکہ سوائے اس کے اور کوئی چیز یہاں سے ساتھ ہی نہیں جائے گی' چنانچہ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ تم اکیلے آئے ہو اور جتنی چیزیں ہم نے تم کو دی تھیں۔ سب پیچھے چھوڑ آئے ہو اور وہاں اگر دنیا کا مال و دولت لے کر بھی جاتے تب بھی اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا' چنانچہ ارشاد ہے اگر تمام زمین کے خزانے بھی اس وقت مل جاتے تو انسان اپنی جان چھڑوانے کے لیے دیتا لیکن اس سے قبول نہ ہوتا' اب اس کا جواب معلوم ہو گیا کہ نیکیوں کو کیا کریں گے یعنی اس وقت ان کی قدر ہوگی' وہاں نیکیوں کی یہ حالت ہوگی کہ سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہوں گی اور اس قدر عزیز ہوں گی کی ایک شخص کے عمل وزن کیے جائیں گے تو اس کے گناہ اور نیکیاں دونوں برابر ہوں گی' حکم ہوگا کہ اگر ایک نیکی کہیں سے لے آؤ تو تمہاری بخشش ہو جائے گی' یہ سن کر نہایت خوش ہوگا کہ میرا تو بڑا کنبہ ہے' بھائی بیٹا' ماں باپ' دوست آشنا بہت لوگ ہیں نیکی کوئی تو ضرور ہی دے گا چنانچہ یہ سوچ کر سب کے پاس جائے گا اور سب کے سب انکار کر دیں گے۔ سخت پریشان ہوگا اور بالکل ناامید ہو جائے گا اتنے میں ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوگی اور وہ اس کی حالت کو دیکھ کر پوچھے گا کہ کس فکر میں ہو؟ یہ کہے گا کہ ایک نیکی کی تلاش میں ہوں کیونکہ میری بخشش میں ایک نیکی کی کمی ہے لیکن کوئی نہیں دے رہا وہ کہے گا کہ جب صرف ایک نیکی کے کم رہ جانے سے بخشش رک گئی تو میرے پاس تو صرف ایک ہی نیکی عمر بھر کی ہے باقی تمام گناہ ہی ہیں' مجھے یہ ایک نیکی کیا کام آ سکے گی' اچھا لو میں نیکی تم کو دیتا ہوں تا کہ تمہاری تو بخشش ہو جائے' چنانچہ یہ شخص خوشی خوشی اس نیکی کو لے کر جائے گا اور اس کی بخشش ہو جائے گی' اس مضمون سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ نیکی کتنی قدر کی چیز ہے' اور قیامت کے میدان میں اس کی کیا کچھ ضرورت ہوگی اور وہاں یہ کیسی نایاب ہوگی' اس وقت معلوم ہوگا کہ اگر کسی

نے قرآن شریف کو ایک مرتبہ دنیا مکمل میں کر لیا تھا تو اس سے کیسا فائدہ اس کو ہوا اور کتنی نیکیاں اس کے اعمال نامے میں لکھی گئیں' پس معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا پڑھنا اگرچہ بے سمجھے ہی ہو نہایت ضروری اور نہایت فائدہ مند ہے' حفاظت دین کی وجہ سے تو ضروری ہے اور ثواب کی وجہ سے ..... فائدہ مند ہے۔

بچہ کو اول قرآن پڑھانا چاہیے:

اور سب سے اول مسلمان کے بچہ کو قرآن پڑھانا چاہیے کیونکہ یہ تجربہ ہے کہ تھوڑی عمر میں علم حاصل کرنے کی لیاقت تو ہوتی نہیں تو قرآن مفت میں پڑھ لیا جاتا ہے' ورنہ لڑکپن کا وقت بیکار ہی جاتا ہے اور بعض لوگ بڑی عمر کے بھروسہ پر نہیں پڑھاتے کہ بڑا ہو کر خود پڑھ لے گا یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ زیادہ عمر ہو جانے کے بعد خیال ایک طرف نہیں رہتا نہ اس قدر وقت ملتا ہے نہ ویسے سامان میسر آتے ہیں' فکر معاش الگ ستاتی ہے' اہل وعیال کا جھگڑا الگ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب اتنی چیزیں روکنے والی ہوں تو پھر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور اگر کسی ایک دو نے کر لیا تو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔

قرآن نہ پڑھانے سے ایک سخت خطرہ ہے:

پس جب بڑے ہو کر پڑھنا ہو نہیں سکتا تو اگر یہی حالت رہی جواب ہے تو عجب نہیں کہ چند روز میں مسلمانوں کے بچوں کو نماز میں قرآن پڑھنے کے لیے آریوں اور عیسائیوں سے قرآن پوچھنا پڑے گا' آپ شاید اس کو تعجب کی نظر سے دیکھیں' لیکن غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ آج کل کی حالت کا انجام کچھ عجب نہیں۔

شریعت کے حکموں کو دوسری قومیں لے جا رہی ہیں اور مسلمان چھوڑ رہے ہیں:

دیکھئے شریعت کے حکموں کو آپ نے چھوڑا اور دوسری قوموں نے ان کی خوبیاں دریافت کر کے ان کو اختیار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ اسلام کی بہت سی باتوں کو اسلام کی سکھائی ہوئی نہیں سمجھتے' بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انگریزوں یا کسی اور قوم کا طرز وعادت ہے اور ان سے لے کر مسلمان عمل کرتے ہیں حالانکہ وہ سب اسلام سے لیا گیا ہے' دیکھئے ہماری شریعت کا

ایک حکم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے تنہائی کے مکان میں اس وقت داخل ہو جبکہ صاحب مکان سے اجازت لے لے' بغیر اجازت لیے ہرگز مکان میں داخل نہ ہو اگرچہ وہ مکان مردانہ ہی کیوں نہ ہو' تجربہ سے اس کی خوبی دریافت کر کے ترقی کرنے والی تمام قوموں نے اس پرعمل شروع کر دیا لیکن مسلمان اس کو خاص یورپ کا طرز عمل سمجھتے ہیں اور ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ حکم ہماری شریعت کا ہے اور دوسری قوموں نے یہیں سے لیا ہے حالانکہ یہ حکم صاف صاف قرآن میں موجود ہے کہ اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں مت داخل ہو' یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے لیے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور خوبی اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس پرعمل کرنے سے قوم میں اتفاق باقی رہتا ہے کیونکہ اتفاق کی جڑ دل کی صفائی ہے اور دل کی صفائی اس وقت تک باقی رہتی ہے جب ایک سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو اور بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہونے سے اکثر دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف سے رنجش پیدا ہوتی ہے اور رنجش بڑھتے بڑھتے آپس میں جدائی اور دشمنی کرا دیتی ہے اور جب اس مسئلہ پرعمل کیا جائے گا تو ہرگز یہ نوبت نہیں آئے گی کیونکہ فرض کیجئے ایک شخص نے آپ سے اجازت چاہی آپ نے بے تکلف کہہ دیا کہ میں اس وقت کام میں ہوں یا کہہ دیا کہ آرام کرنا چاہتا ہوں' چنانچہ جو قومیں اس مسئلہ کو برت رہی ہیں وہ اسی کی بدولت دیکھ لیجئے کہ کس قدر آرام میں ہیں' اسی طرح اور بہت سے مسئلے ہیں کہ ہمارے اسلام نے بتائے تھے اور آج ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور دوسری قوموں نے ان پرعمل کیا ہے اور اب اگر ہم ان پرعمل کرتے ہیں تو دوسروں سے لے کر اور ان کی چیز سمجھ کر۔

اندیشہ اس بات کا کہ قرآن کو بھی غیر قومیں نہ لے لیں:

تو ان احکام کی طرح مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن شریف بھی دوسروں سے پوچھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آ جائے' اور خدا نہ کرے اگر ایسا ہو تو کیا مسلمانوں کی غیرت اس کو گوارا کرے گی اگر نہیں تو کیوں اسی وقت سے اس کا انتظام نہیں کیا جاتا' صاحبو! جب سر سے پانی گزر جائے گا اس وقت کوئی تدبیر کام نہیں دے سکے گی۔

ترغیب قرآن شریف کو حفظ کرنے کی اور اس کے متعلق شبہات کا جواب:

اور ان ساری باتوں کے علاوہ قرآن مجید کے الفاظ اس قدر شیریں اور لذیذ ہیں کہ ان کی طرف خود رغبت ہونی چاہئے اگر اس پر ثواب وغیرہ کا وعدہ نہ ہوتا تب بھی اس کو یاد کرنا چاہئے تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ حفظ کرنے سے دماغ کمزور ہو جاتا ہے اس لیے ہم اپنے بچوں کو حفظ نہیں کراتے کیونکہ دماغ کی کمزوری کے بعد وہ کسی دوسرے کام کے نہیں رہتے اس کے جواب میں ایک ڈاکٹر کا قول نقل کر دینا کافی ہے' ایک ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ دماغ صرف فکر سے کمزور ہوتا ہے' الفاظ حفظ کرنے سے کمزور نہیں ہوتا کیونکہ لفظ سے اصل میں دماغ پر محنت نہیں پڑتی وہ تو صرف زبان کی محنت ہے اور دماغ کی محنت غور و فکر ہے تو حفظ سے دماغ نہیں تھکے گا' اگر تھک سکتی ہے تو زبان' اور زبان تھکتی نہیں' دوسری بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ قرآن شریف اتنی چھوٹی عمر میں یاد ہو جاتا ہے کہ بچہ اس وقت تک کچھ بھی نہیں کر سکتا یعنی اس کے دماغ میں کسی کام کرنے کی اور غور و فکر کی قابلیت ہی نہیں ہوتی اور اگر زبردستی اس وقت کسی دوسرے کام میں لگا دیئے جاتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نقصان اٹھاتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص درمیانی چال سے اور وقت بیکار خراب نہ کرے تو قرآن شریف بچہ کو ایسے وقت میں یاد ہو جائے گا جس میں کہ وہ خود بھی بچہ کو کسی فکر کے کام میں نہیں لگا سکتا تھا اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ دماغ کمزور ہو جائے گا تو میں کہتا ہوں کہ دماغ کس کا دیا ہوا ہے' صاحبو! کتنی شرم کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا دیا ہوا دماغ ساری عمر اپنے لیے اس کو صرف کیا جائے' اور خدا تعالیٰ کے لیے دو چار سال بھی نہ دیئے جائیں' غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے قرآن شریف کا یاد کرنا نہایت ضروری ثابت ہوتا ہے اور ایک بڑا فائدہ اس میں یہ ہے کہ اس کے حفظ سے دوسرے علم نہایت درجہ آسان ہو جاتے ہیں' حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس جب کوئی بچہ کو لاتا تو دریافت فرماتے کہ اس نے قرآن شریف حفظ کیا ہے یا نہیں اگر وہ حافظ ہوتا تو فرماتے کہ انشاء اللہ یہ پڑھ لے گا اور اگر حافظ نہ ہوتا تو وعدہ نہیں کرتے تھے' یوں فرماتے تھے کہ میں دعا کروں گا اور تم بھی دعا کرنا اور واقعی یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ حافظ ہیں

اکثر ان کو دوسرے علوم بھی آسانی سے آجاتے ہیں، لیکن اگر حافظ بناؤ تو اس کا خیال رکھو کہ ان کو یاد بھی رہے، کیونکہ اکثر لوگ انگریزی میں اس قدر کھپ جاتے ہیں کہ ماں باپ کی ساری کوشش اور اپنے بچپن کی تمام محنت بیکار ہو جاتی ہے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کی بدولت آج کل کے عقلمندوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا کہ قرآن پڑھانا وقت ضائع کرنا ہے اس لیے اس کے یاد رکھنے کا ضرور خیال رکھو اور کوئی وقت روزانہ اس کی تلاوت کا نکال لو اگر کہو کہ کثرتِ کام سے وقت نہیں ملتا تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی بیماری لگ جائے اور ڈاکٹر اس بیماری میں یہ تجویز کرے کہ ایک گھنٹہ تک روزانہ صبح کو قرآن پڑھا کرو تو اس وقت تمہارے پاس کہاں سے وقت نکل آئے گا؟ تو تھوڑی دیر کے لیے دین کو ایسا ہی سمجھ کر اس کے لیے وقت نکال لیا کرو۔

ملتقت

❁❁❁

(۱۵) عمل دین کی ضرورت

منتخب از ضرورۃ العمل فی الدین الدین وعظ سوم دعوات عبدیت

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ o

ترجمہ:۔اے ہمارے رب اور بھیجے ان میں ایک رسول جوانہیں میں سے ہو پڑھے ان پر آیتیں آپ کی اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت اور پاک کرے ان کو آپ قدرت والے اور حکمت والے ہیں۔ (اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں۔)

(۱) یہ وہی آیت ہے جو...... اس سے پہلے دو وعظوں میں پڑھی جا چکی ہے پہلے وعظ میں اس کے مناسب کچھ باتیں ہوئی تھیں اور دوسرے وعظ میں اس کے ایک جزء یعنی الفاظ کا پوری طرح بیان کیا تھا اور دوسرے جزء یعنی معنی کا بیان بھی۔ کسی قدر تفصیل کے ساتھ کر دیا گیا تھا' تیسرا جزء یعنی عمل باقی تھا اس وقت عمل کا بیان کیا جائے گا اور دوسرے جزو یعنی معنی کے بیان کو بھی پورا کر دیا جائے گا' یہ حاصل ہے اس آیت کا یعنی اس آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے اول مقصود الفاظ کا علم' دوسرا مقصود معنی کا علم' تیسرا مقصود عمل' سو الفاظ کا تو پوری طرح بیان کر دیا تھا' البتہ ایک چھوٹی سی بات رہ گئی تھی' وہ اب بیان کر دیتا ہوں۔

الفاظ کے حقوق:

الفاظ کے کچھ حق ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ہر حرف صحیح کر کے پڑھا جائے کیونکہ عربی ایسی ہے

جیسے اردو سوار دوزبان اگر اردو کے قاعدے کے موافق ہوگی تو وہ اردو کہلائے گی ورنہ نہیں جیسے کہ آج کل دوسری قوموں کے مشابہ بننے کے لیے بعض لوگ اردو غلط بولنے لگے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اردو نئی ہے میں نے خود اسٹیشن کانپور پر دیکھا کہ ایک ہندوستانی نے اردو کو خراب کر کے ایک شخص سے کہا کہ ہم یہ بات سننا نہیں مانگتا اور ان لوگوں کا صحیح اردو کو چھوڑنا صرف اس غرض سے ہے کہ انگریزی کے مشابہ ہو جائیں افسوس ہے کہ وہ تو اس کوشش میں ہیں کہ ہم کو صحیح اردو آ جائے اور ہم اس کوشش میں ہیں کہ جو کچھ آتی ہے وہ بھی خراب ہو جائے۔

میں نے اس سے پہلے وعظ میں عرض کیا تھا کہ وہ تو ہماری چیزیں لیتے جاتے ہیں اور ہم ان کی چیزیں اختیار کرتے جاتے ہیں یہ بھی ان ہی میں سے ہے کیا انتہا ہے کہ الفاظ میں بھی باوجود اختیار اور قدرت کے ان کے موافق ہونے کی کوشش کی جاتی ہے غرض جیسے یہ اردو نہ تھی اسی طرح اگر عربی کو بگاڑ کر بڑھا جائے تو وہ عربی نہیں ہوگی اس وقت جو لوگ قرآن شریف پڑھنے کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ بھی اس کے صحیح کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ اکثر عالموں کو بھی اس کا خیال نہیں ہے حالانکہ اس پر توجہ نہ کرنے سے بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں تو چونکہ قرآن عربی ہے اس لیے جب صحیح کر کے یہ پڑھا جائے گا تو عربی نہ رہے گا پس جس نے صحیح کر کے نہ پڑھا اس نے قرآن عربی میں نہیں پڑھا تو قرأت سیکھنا ضروری ہوا اور بدون اس کے جس طرح آپ جاہلوں کو غلط اردو بولتے دیکھتے ہیں اور ان پر ہنستے ہیں اسی طرح قاری آپ پر بھی ہنستے ہیں۔

(۳) مگر خدا کا شکر ہے کہ اب چند روز سے عالموں نے قرأت کی طرف توجہ کی ہے مدرسوں میں قاریوں کو بھی استاد مقرر کیا ہے لیکن ضرورت اس کی ہے کہ سب ادھر توجہ کریں اور لہجہ کی کچھ ضرورت نہیں صرف حرفوں کو صحیح کر لینا چاہیے اور اس میں کچھ زیادہ مدت نہیں لگے گی صرف اٹھائیس حروف ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کی مشق کی ضرورت ہی نہیں البتہ بعض حرفوں کے مشق کی ضرورت ہے تو اگر ایک حروف کے لیے تین تین دن لیے جائیں تو ایک مہینہ سے زیادہ ٹائم صرف نہیں ہوگا اور قرآن شریف صحیح ہو جائے گا اور یہ مضمون بہت ہی ضروری ہے اس کی طرف عالموں کو خاص طور پر توجہ کرنا چاہیے۔

شکایت اس بات کی کہ عالموں کو قرآن صحیح کرنے کی طرف توجہ نہیں:

اس وقت اگر پچاس مولویوں کو جمع کر کے قرآن سنا جائے تو مشکل سے دو آدمی صحیح قرآن پڑھنے والے نکلیں گے کتنے افسوس کی بات ہے کہ طالب علم فلسفہ اور منطق پڑھتے ہیں اور قرآن صحیح نہیں کرتے اور پھر غضب یہ ہے کہ ایسے لوگ امام بن جاتے ہیں اور اس میں دین کی خرابی کے ساتھ دنیا کی بھی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ بعض غلطیوں پر عوام بھی خبردار ہو جاتے ہیں اور اس وقت وہ عالموں کی بے قدری کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے سورۃ الناس میں من الجنات و النس پڑھا ایک صاحب نے سورۃ ابی لہب میں تبت یدا ابی لحب پڑھا ایک صاحب نے کہا کہ حضور اتنے بڑے عالم ہو کر غلط پڑھتے ہیں۔ کہنے لگے پھر کس طرح پڑھوں اس صاحب نے آہستہ سے بتلایا کہ ابی لہب آہستہ سے اس لیے بتلایا تھا کہ کوئی سنے نہیں کہ اس میں ناحق کی رسوائی ہے تو وہ بھلے آدمی یہ سمجھے کہ آہستہ پڑھنے کو کہتا ہے یہ نہ سمجھے کو چھوٹی ہا پڑھنے کو بتلایا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ اچھا زور سے نہ پڑھا کروں ہلکے سے پڑھا کروں "لاحول ولا قوۃ" سمجھانے پر بھی نہ سمجھے بات یہ ہے کہ بلا سیکھے ہوئے کچھ نہیں آتا۔

قرأت سیکھنے کی ترغیب اور اس کی خوبیاں:

دیکھئے آج کل انگریزی پڑھنے والے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ انگریزوں کا لعب و لہجہ آجائے اور اس کے لیے کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں کوئی اپنی اولاد کو لندن بھیجتا ہے کسی نے اپنے بچوں کو میموں کے سپرد کر دیا ہے حالانکہ اس پر نہ پاس ہونا موقوف ہے نہ ڈگری لیکن اس پر بھی اس کی طرف تو اتنی توجہ کہ اس کے صرف پڑھنے ہی پر بس نہیں بلکہ لب ولہجہ حاصل کرنے کی بھی خواہش اور کوشش ہے اور قرآن کو ایسا چھوڑا جائے کہ اول تو پڑھا ہی نہ جائے اور اگر پڑھیں بھی تو یوں خراب کر کے صاحبو! اگر قرآن کو ہم چھوڑ دیں تو بتلایئے پھر اور کون اس کو پڑھے گا پس ہر شخص کو قرآن شریف اس طرح پڑھنا چاہئے کہ معلوم ہو کہ حضور ﷺ کے سامنے پڑھ رہا ہے یعنی ایسا صحیح کر کے پڑھیں جیسے حضور ﷺ کے سامنے پڑھ رہا ہے یعنی ایسا صحیح کر کے پڑھیں جیسے حضور ﷺ کے سامنے پڑھا جاتا تھا خدا کی قسم اس میں ایسی لذت ہے کہ اگر

آدمی کے حواس ٹھیک ہوں تو سارے راگ ایک طرف اور تلاوتِ قرآن ایک طرف' ایک بزرگ تھے مولوی کرامت علی صاحب انہوں نے قرآن عرب میں سیکھا تھا' ایک گویئے نے ان کو پڑھتے سنا تو کہنے لگا کہ اس سے اچھی بھیرویں میں نے آج تک نہیں سنی' مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں کیا جانوں بھیرویں کیا ہوتی ہے کہنے لگا آپ کو خبر نہیں کہ یہ بھیرویں ہے' تو قرآن ایسی عجیب چیز ہے کہ ہر لہجہ میں ڈھل جاتا ہے' دیکھیے مولوی صاحب کو خبر بھی نہیں تھی مگر اس گویئے کو اس کی طبیعت کے موافق مزہ ملا' کبھی مکہ معظمہ جانا ہو تو دیکھئے گا کہ ہر جانب سے کیسی پیاری پیاری آوازیں آتی ہیں' خدا کی قسم انسان مست ہو جاتا ہے اور ہم کو جو مزہ نہیں آتا تو اس لیے کہ ہم کو پڑھنا نہیں آتا ورنہ صحیح پڑھنے والوں کو خود مزہ آتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تو خاصیت ہے کہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس کو سن کر ان کے بدن پر رواں کھڑا ہو جاتا ہے اور ہماری یہ حالت ہے تو کیا بات ہے کچھ تو دل ہی درست نہیں اور کچھ غلط پڑھنے کی بدولت اثر نہیں ہوتا اور جب کبھی کوئی صحیح پڑھنے والا آ جاتا ہے تو غور کر کے دیکھ لیجئے کہ دلوں کی کیا حالت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پڑھنے میں جو ہم کو مزہ نہیں آتا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم کو پڑھنا نہیں آتا' اس لیے اس کی بھی کوشش کرنا چاہئے کہ ہم کو قرآن کا پڑھنا آ جائے' یہ حصہ الفاظ کے علم کا تو ختم ہو گیا۔

علم' معنی اور عمل کا بیان:

اب علم' معنی کا درجہ رہ گیا اور عمل رہ گیا' معنی کا جو بیان رہ گیا تھا' آج اس کو بیان کیے دیتا ہوں' یہ تو معلوم ہے کہ اس وقت دین کے علم سے کس قدر بے التفاتی ہو رہی ہے' اب دیکھ لیجئے کہ اس سے نقصان پہنچے گا یا نہیں' میں علم کی فضیلت بیان نہیں کرتا بلکہ اس کی ضرورت ظاہر کرتا ہوں کیونکہ ضرورت کے بتلا دینے کے بعد دوسری خوبیوں کے ذکر کی حاجت نہیں' تو میں صرف اتنا بیان کروں گا کہ جس بادشاہ کی سلطنت میں کوئی شخص رہتا ہے اس کو اس بادشاہ کے قانون جاننے کی ضرورت ہے' اب میں یہ سوال کرتا ہوں کہ ہم لوگ خدا تعالیٰ کی عملداری میں ہیں یا نہیں' اور دوسرا سوال یہ کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے کچھ قانون ہیں یا نہیں اگر ہم اس کی عملداری سے باہر ہوتے یا ان کے یہاں کچھ قانون نہ ہوتے تب تو ایسی کچھ فکر نہ تھی مگر جب کہ یہ دونوں

باتیں ہیں تو اب بغیر قانون سیکھے چارہ نہیں' خدا تعالیٰ کی عملداری سے باہر نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ ان کو سب کے اوپر ہر طرح کی قدرت ہے ہر مذہب کے لوگ اس کو جانتے ہیں' رہی دوسری بات کہ ان کے کچھ قانون ہیں یا نہیں' اس کو سب مسلمان بلکہ ہر مذہب کے لوگ مانتے ہیں اور سارا قرآن اس سے بھرا پڑا ہے کہیں پر ارشاد ہے احلا اللہ البیع و حرم الربوا (ترجمہ) ''حلال کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا ہے سود کو''، کہیں حکم ہے ولا تقربوا الزنی (ترجمہ) زنا کے قریب مت جاؤ، غرض پورے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سب کاموں کے متعلق کچھ قانون مقرر کیے ہیں اور ان کے خلاف کرنے پر دھمکی دی ہے پھر کیا شبہ رہ گیا' آج کل لوگ خداوندی قانون صرف نماز روزہ کو سمجھتے ہیں اور کاموں میں اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھتے ہیں تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ نے نماز روزہ ہی کی کون سی فکر کی' افسوس ہے کہ پہلے آپس کے معاملوں میں یہ آزادی شروع ہوئی تھی' مگر چونکہ یہ زمانہ ترقی کا ہے ہر چیز کو ترقی ہوتی ہے۔

لوگ نماز روزہ کو بھی موقوف کرنے کی فکر میں ہیں:

اس لیے اس آزادی کو بھی یہاں تک ترقی ہوئی کہ نماز روزہ ہی کو موقوف کرنے کی کوشش کرتے ہیں' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ نماز سے غرض یہ ہے کہ نفس کو تہذیب حاصل ہو جائے اور اسی غرض سے نماز مقرر ہوئی تھی لیکن آج کل تہذیب کا غلبہ ہے اس لیے نماز ضروری نہیں' روزہ کے متعلق کہتے ہیں کہ فدیہ دے دیں تو روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں اور یہ سب خرابی اس وجہ سے پھیلی کہ شریعت کے قانون کا مطلب بیان کرنے میں ہر شخص اپنی رائے کو دخل دیتا ہے' جس کا جو دل چاہتا ہے وہی مطلب بیان کر دیتا ہے حالانکہ موٹی سی بات ہے کہ قانون کا صحیح مطلب ہر شخص نہیں سمجھ سکتا' دیکھئے اس وقت سرکاری قانون کی کتابیں موجود ہیں لیکن پھر بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مقدمہ چھوٹے جج کے ہاں فیصلہ ہو جاتا ہے مگر جب اسی مقدمہ کو بڑے جج کے ہاں اپیل ہوتا ہے تو وہ پہلے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ چھوٹے جج نے اس قانون کا مطلب نہیں سمجھا اب دیکھئے کہ چھوٹا جج بھی جج ہے اور بڑا جج بھی جج ہے مگر پھر بھی مطلب سمجھنے میں آپس میں اختلاف ہوا مگر چونکہ یہ مان لیا گیا ہے کہ ہائی

کورٹ کے جج کے برابر کوئی قانون نہیں سمجھتا اس لیے اسی کا فیصلہ مانا جاتا ہے' بس معلوم ہوا کہ قانون اگرچہ عام طور پر سب کے پاس ہو مگر پھر بھی سب یکساں نہیں سمجھتے بلکہ بعض لوگ زیادہ سمجھتے ہیں بعض کم سمجھتے ہیں پس خدا کے قانون میں بھی ہر شخص کی سمجھ کا اعتبار نہیں' بلکہ بڑے بڑے عالموں کی سمجھ کا اعتبار ہے۔

احکام میں وجہ نکالنے کا بھی مرض عام ہے:

آج کل یہ مرض بھی عام ہو رہا ہے کہ شرع کے حکموں میں وجہ تراش کر بیان کرتے ہیں چنانچہ روزہ کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ نفسانیت کا غلبہ تھا اس کے کم کرنے کے لیے روزہ فرض ہوا تھا اور اب چونکہ ہم تہذیب حاصل کر چکے ہیں اس لئے ہم کو اسکی ضرورت نہیں۔

جو لوگ تہذیب کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تہذیب کے معنی نہیں جانتے:

افسوس ہے کہ ہم لوگ تہذیب ہی کو نہیں سمجھتے' صاحبو! تہذیب یہ ہے کہ نفس کی تمام بری عادتیں ختم ہو جائیں' تہذیب یہ نہیں ہے کہ مزاج میں صفائی یا تکلف آ جائے' ہم لوگوں میں ہرگز تہذیب نفس نہیں ہماری تو کیفیت یہ ہے کہ ہم میں تواضع اور بردباری کا نام تک نہیں اور نہ ہم میں یہ بات ہے کہ اپنی حاجت روک کر کسی دوسرے کی حاجت پوری کر دیں' بلکہ خودغرضی' غصہ چھچھورا پن کوٹ کوٹ کر بھرا ہے' آپ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ اگر ہم میں سے ایک شخص نے ڈپٹی کلکٹری کی درخواست دے رکھی ہو اور یہ شخص خوشحال ہو کھانے پینے کی فکر نہ ہو اور اسی زمانہ میں ایک دوسرا غریب شخص بھی اسی عہدہ کی درخواست دے جو درخواست کے نمبر میں اس کے بعد ہو تو ایسی صورت میں آپ نے سنا بھی نہ ہوگا کہ اس پہلے خوشحال شخص نے اس کی غربت پر ترس کھا کر اپنی درخواست کو واپس لے لیا ہو' اس کو اپنے سے مقدم کر دیا ہو' اسی طرح ہر معاملہ میں دوسرے کی خیر خواہی کی وجہ سے اپنا کام کوئی بند نہیں کرتا' تو اگر نماز روزہ کی وجہ تہذیب نفس ہی ہوتی' تب بھی ہم کو اس کا چھوڑنا جائز نہ ہوتا' کیونکہ ہم کو تہذیب بھی حاصل نہیں اور اول تو یہی معلوم نہیں کہ نماز روزہ کے فرض ہونے کی وجہ تہذیب ہے یا اور کچھ' کیا خبر ہے کوئی اور وجہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف حکم دیا ہے کہ نماز' روزہ کی پابندی کرو اس کی وجہ تو بیان نہیں کی' پھر ہم اپنی طرف سے کوئی وجہ کیسے مقرر کر سکتے ہیں اور ہمیں اس کا حق ہی کیا ہے

کہ یہ پوچھیں کہ اس حکم کی کیا وجہ ہے اور اس کی کیا حکمت ہے عام رعایا کو ہرگز یہ مجال نہیں کہ سرکار سے کسی ایک قانون کی وجہ بھی دریافت کرے تو خدا تعالیٰ کے قانون کی وجہ پوچھنے کی کیسے اجازت ہوگی' پس ہمارا تو مذہب یہ ہونا چاہئے کہ جو خدا کا حکم ہو چپ چاپ مان لیں اس کی وجہ کچھ غرض نہ رکھیں' دیکھئے اگر کسی بازاری عورت سے پوری محبت ہو جائے اور وہ عاشق کو بے ڈھنگے ہی حکم کرے تو ان کو نہایت خوشی سے پورا کرے گا یا نہیں' ضرور پورا کرے گا' پھر خدا تعالیٰ کے تو بہت سے حق ہیں حاکم ہونے کا بھی محبوب ہونے کا بھی۔

آج کل لوگوں کو محبت الٰہی نہیں:

آج کل لوگوں کی حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کو کوئی محبت نہیں ہے اگر محبت ہوتی تو کیا اتنا بھی نہ کیا جاتا جتنا ایک بازاری عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے' غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے محبوب ہونے کا بھی یہی تقاضا ہے اور ان کے حاکم ہونے کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ان کے ہر حکم کو چپ چاپ مان لینا چاہئے' بعض لوگوں کی ترقی کی تو یہ حالت تھی کہ خدا تعالیٰ کے حکموں میں وجہ تراشتے تھے۔

بعض ترقی یافتہ نماز' روزہ میں شبہات نکالتے ہیں:

اور بعض لوگ ترقی میں ان سے بھی بڑھ گئے ہیں' وہ نماز روزہ میں شبہے نکالتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ روزہ ہے تو اچھی چیز لیکن فروری کے مہینے میں مقرر ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ ہمیشہ سردیوں میں آتا ہے' گویا آپ نے خدا تعالیٰ کو یہ رائے دی' افسوس اول تو ہم کو رائے دینے کا حق کیا ہے' دوسرا رائے بھی بالکل لچر' کیونکہ فروری میں سردی تمہارے ملک میں ہوتی ہے نہ کہ سارے جہان میں' بہت سے ملک ایسے بھی ہیں کہ وہاں یہ مہینہ ہمیشہ گرمیوں کے موسم میں آتا ہے' خدا تعالیٰ کی کیا عجیب حکمت ہے کہ سارے عالم کو ایک سی حالت میں رکھا کہ ایک سال رمضان ہندوستان میں سردی کے موسم میں ہے تو دوسرے ملکوں میں گرمی میں ہے اگر دوسرے ملکوں میں سردی میں ہے تو ہندوستان میں گرمی کا موسم ہے تو اس میں سب کا اوسط برابر ہو گیا' بعض لوگوں نے ایک اور شبہ نکالا ہے کہ جہاں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے وہاں نماز روزہ ادا کیسے کریں گے یہ ساری باتیں اس لیے ہیں کہ احکام

خداوندی کی عظمت نہیں' دیکھئے سرکاری قانون میں کبھی آپ کو یہ شبہ نہ ہوا کہ ڈاک خانہ کا دو روپے کا ٹکٹ لگا دو تو خط بے رنگ نہ ہوگا اور اگر ایک روپیہ کا عدالتی ٹکٹ لفافہ پر لگا دو تو خط بے رنگ ہو جائے گا' جو لوگ اس کا راز جانتے ہیں ان کو تو چھوڑیئے مگر جو لوگ نہیں جانتے ان کو بھی کبھی شبہ نہیں ہوتا اور اگر شبہ کریں تو احمق بنائے جائیں اور سب ان پر ہنسیں اور یہی جواب دیں گے کہ میاں قانون یہی ہے' جب یہی جواب ہے تو اگر کوئی مولوی بھی آپ کے بے ہودہ سوالوں کا یہی جواب دے کہ میاں شریعت کا قانون یہی ہے تو اس جواب کو زبردستی کیوں بتلاتے ہیں کہ یہ تو جواب نہیں زبردستی ہے آخر عالموں کے اس جواب کو کیوں نہیں مانا جاتا' اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے قانون کی بڑائی دل میں نہیں اور قانون حکومت کی بڑائی دل میں ہے اور جب شریعت کے قانون کی بڑائی دل میں نہیں تو پھر کس منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو' خلاصہ یہ ہے کہ ایسے سوالات اسی وقت دل میں آتے ہیں جب عظمت نہ ہو۔

شبہات پیدا ہونے کی دوسری وجہ بمعہ مثال کے:

اور دوسری یہ بات بھی ہے کہ شریعت کے قانون کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ انسان جس چیز کو ضروری سمجھتا ہے اس میں شبہے نہیں نکالا کرتا' دیکھئے اگر کوئی شخص بیمار ہوا اور حکیم کے پاس جائے اور اس حکیم پر اس کو بھروسہ بھی ہو کہ یہ بہت اچھا علاج کرتے ہیں تو وہ حکیم جو کچھ بھی نسخہ میں لکھ کر دے دیتا ہے اسے چپکے سے لے لیتا ہے' یہ سوال نہیں کرتا کہ آپ نے فلاں دوا کیوں لکھی یا فلاں دوا کا یہ وزن کیوں لکھا اس سے دوگنا وزن کیوں نہیں لکھا کیونکہ جانتا ہے کہ اگر میں نے ذرا بھی بے ڈھنگا پن اختیار کیا تو حکیم خفا ہو کر باہر نکال دیں گے اور نسخہ بھی نہ دیں گے' نتیجہ یہ ہوگا کہ میں مروں گا' اگر شریعت کو بھی ضروری سمجھتے تو احکام کے بتلانے والوں کا وجود غنیمت سمجھتے جیسے حکیم کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں' ہاں اگر کسی کو نسخہ پینا ہی نہ ہو تو وہ اس میں جتنے چاہے عیب نکال سکتا ہے' صاحبو! اگر دین کی طلب ہوتی تو غنیمت سمجھتے کہ احکام کے بتلانے والے موجود ہیں' مگر چونکہ کام کرنا نہیں ہے اس لیے طرح طرح کے شبہے پیدا ہوتے ہیں اور طرح طرح کے الٹے سیدھے سوال کیے جاتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں مقرر ہوئی میں نے کہا تمہاری ناک منہ پر کیوں لگی' گدی پر کیوں نہ

گی، کہنے لگے اگر گدی پر لگتی تو بری لگتی، میں نے کہا کہ بری تو جب لگتی کہ صرف تمہاری ناک گدی پر ہوتی اور اگر سب ہی گدی پر ہوتی تو ہرگز بری نہ لگتی تو پھر کیا وجہ کہ سب کی ناک گدی پر کیوں نہ لگی تو اول آپ اپنی تو خبر لیجئے اور اپنے بدن کی بناوٹ ہی میں حکمتیں بتلا دیجئے اس کے بعد ہی نماز وغیرہ تک نوبت آئے گی۔ صاحبو! سلامتی کی بات یہی ہے کہ سیدھی سڑک پر چلو جس پر چل کر سینکڑوں پار ہو گئے، نیا راستہ مت اختیار کرو کیا آپ سے پہلے کوئی عقلمند اور اسلام کا ہمدرد ہوا ہی نہیں، کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دین کا کچھ درد نہ تھا اور کیا ان کو آپ کے برابر بھی عقل نہ تھی آپ ان کے حالات دیکھیں تو معلوم ہو کہ ان کی عقل کے سامنے آپ کچھ بھی عقل نہیں رکھتے، پھر انہوں نے نمازیں کیوں نہ چھوڑیں اور روزہ میں اصلاح کیوں نہ کی پس معلوم ہوا کہ پہلے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنا نہایت اندیشہ کی بات ہے اندھے کے لئے یہی مناسب ہے کہ کسی سوانکھے کے ساتھ ہو لے اور جدھر کو وہ لے چلے ادھر چلے اور اگر کسی موقع پر سوانکھے نے کہا کہ یہاں نالی ہے اور اندھے خاں لگے دلیل پوچھنے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہاتھ چھوڑ دے گا اور یہ گر کر مریں گے۔

(۴) ایک صاحب نے مکہ کی قربانی پر اعتراض کیا کہ ایسی قربانی سے کیا فائدہ کو جانور کو ذبح کر کے گوشت کھیتوں میں دبا دیا کیونکہ مکہ میں ایسا کیا جاتا ہے اور اس بیہودہ اعتراض کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اپنے خیال میں احکام کی وجہ تراش لیتے ہیں جب وہ وجہ اور غرض کہیں پائی نہیں جاتی تو اعتراض کرتے ہیں، چنانچہ قربانی کی یہ وجہ تراش لی ہے کہ گوشت سے محتاجوں کو نفع ہو اور چونکہ ذبح کر کے گوشت دبا دینے سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا اس لیے اعتراض کرتے ہیں اس اعتراض کا جواب اس قدر کافی ہے کہ تمہیں وجہ سمجھنے کی کیا تمیز ہے۔

مسئلہ قربانی پر شبہ مع جواب کے:

میں بیان کرتا ہوں کہ اگر قربانی کر کے ایک حبہ گوشت بھی کسی کو نہ دو تب بھی قربانی کا ثواب ملتا ہے تو معلوم ہوا کہ مقصود قربانی کا یہ نہیں کہ نفع ہو ورنہ صرف ذبح کرنے سے کیوں ثواب ملتا، اب رہی یہ بات کہ پھر حکمت کیا ہے تو حکمت یہ ہے کہ بندہ چونکہ محب ہے اور اللہ محبوب ہیں اس لیے اس کو مناسب تھا کہ اپنی جان قربان کرتا، اس کا بدل خدا تعالیٰ نے یہ مقرر

فرمادیا کہ ایک پیارے جانور کو ذبح کرو۔

قربانی کی حکمت اور غرض اور دلیل:

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اول ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم ہوا تھا کہ ہماری راہ میں بیٹے کو ذبح کرو' بیٹا اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز ہوتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جان سے زیادہ پیاری چیز مانگی گئی تھی' اسی کو حدیث شریف میں فرماتے ہیں **سنة ابیکم ابراهیم** یعنی (قربانی) سنت ہے تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی' تو مقصود یہ تھا کہ اپنی جان دی جائے مگر اس کا بدلہ یہ مقرر فرمادیا کہ جانور ذبح کردو۔

محبت کی تاثیر اور اس کے متعلق حکایت:

اور محبت تو ایسی چیز ہے کہ اس موقع پر بعض لوگوں نے اپنی جانیں بھی قربان کردی ہیں ایک وکیل صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ ایک بزرگ صاحب جن کو لوگ مسخرا سمجھا کرتے تھے' حج کرنے کے لئے گئے جب خانہ کعبہ کے پاس پہنچے تو جو شخص طواف کراتا ہے اس کی زبان سے یہ نکلا کہ "یہ ہے کعبہ" اس وقت ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت غالب ہوئی اور ایک چیخ ماری اور جان دے دی اور سینکڑوں بزرگوں کے قصے ہیں کہ ایسے وقت میں ان کی جان نکل گئی لیکن پھر بھی ایسے لوگ بہت کم ہیں اگر سب کے سب ایسے ہی ہوتے تو ایک سال میں سب کے سب ختم ہوجاتے' پھر جانور کے ذبح کرنے کا حکم تو صرف رحمت ہے کہ خیر جان نہیں دیتے تو جانور ہی دے دو وہ بھی کافی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ ایسا جانور ذبح کرو جو عزیز ہو' حدیث میں ہے **سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم** (ترجمہ) تیار جانور ذبح کرو کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواری ہوں گے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سورہ بقرہ ختم کی تو ایک اونٹنی ذبح کی تھی جس کی قیمت ان کو تین سو اشرفی ملتی تھی' غرض یہ معلوم ہوگیا کہ حکمت قربانی کی وہ نہیں ہے جو کہ اس وقت لوگوں نے وضع کر رکھی ہے بلکہ حکمت اس کی یہ ہے جو بیان کی گئی اور یہ بھی ہم نے رعایت کرکے بتلادی ورنہ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم صرف حکم کو دیکھتے ہیں حکمت کو نہیں دیکھتے کیونکہ خدا تعالیٰ کے رازوں پر پوری طرح ہم کو اطلاع کیسے ہو سکتی ہے پس جب احکامِ شریعت کی ضرورت معلوم ہوگئی تو ہم کو حکمت دیکھنے اور بتلانے کی بھی

ضرورت نہیں۔

(۵) آسان طریقہ علم دین کے پھیلنے کا:

اب میں یہ بتلاتا ہوں کہ مسلمانوں میں علم کیسے پھیل سکتا ہے کیونکہ یہ تو بہت مشکل ہے کہ سب کے سب مولوی بن جائیں آج کل لوگ اس سے بھی گھبراتے ہیں کہ مولوی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ سب کے سب مولوی بن جائیں سو میں کہتا ہوں کہ ہم سب کو مولوی نہیں بناتے بلکہ اگر سب بننا بھی چاہیں تو ہم روک دیں گے' کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ جن لوگوں میں دین پر پوری طرح چلنے کی ہمت اور پرہیزگاری نہ ہوان کو مولوی بنادینے سے بہت سی خرابیاں دین میں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایسے ہی لالچی لوگ ہیں جنہوں نے دنیاداروں کی خوشامد کر کے اکثر لوگوں کو علم دین سے نفرت دلادی ہے' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ علم دین کا یہی اثر ہوتا ہے تو اگر ہماری اولاد علم دین پڑھے گی تو ان میں بھی یہی باتیں پیدا ہوں گی' اس لیے ایسے لوگوں کو ہم ہرگز مولوی ہونے کی رائے نہ دیں گے۔

خادم دین بننا کس کو لائق ہے:

بلکہ مولوی ہونا اور دین کی خدمت کرنا اس شخص کا کام ہے جس کو مال و دولت اور عزت و مرتبہ کی کوئی پرواہ نہ ہو' صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت طلبگار ہو' اب آپ ہی اندازہ کیجئے کہ سب کے سب ایسے لوگ کہاں ہیں تو اگر سب کو مولوی بنایا جائے تو کس قدر خرابیاں پیدا ہوں' پس بچوں میں سے چھانٹ کر بعض کو مولوی بنانا چاہئے۔ سو آپ بھی اپنے بچوں میں سے دینی تعلیم کے لیے بعض کو چھانٹئے اور اگر کہو کہ دیہاتی یا غریب لوگ تو پڑھ رہے ہیں۔ پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں تو سمجھو کہ وہ آپ کے لیے کافی نہیں ہیں کیونکہ انہیں آپ کے اندرونی حالات کی خبر نہیں اس لیے وہ آپ کی اصلاح نہیں کر سکتے پس شہر والوں کے مولوی شہر والے ہوں اور گاؤں والوں کے مولوی گاؤں والے اور غریبوں کے مولوی غریب ہوں اور امیروں کے مولوی امیر' کیونکہ امیروں کی نظروں میں غریبوں کی کچھ قدر نہیں ہوتی اور غریب بیچارے چونکہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اس لیے بھی امیروں کو

توجہ کرنا نہایت ضروری ہے پس یہ اپنی اولاد میں سے علم دین پڑھانے کے لیے بعض کو چھانٹیں لیکن خدا کے لیے اس طرح نہ چھانٹیے جیسے اب تک کیا ہے کہ اولاد میں جو سب سے زیادہ بے وقوف ہو اس کی عربی پڑھانے کے لیے پسند کیا بلکہ جو تیز اور خوب سمجھ دار ہو اس کو عربی پڑھایئے اور اس کے اخلاق و عادات درست کیجئے اس میں تواضع و خاکساری پیدا کیجئے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اپنے سے جدا کر کے کسی بزرگ کے پاس بھیج دیجئے چند روز بھی اگر وہاں رہے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں انسانیت آ جائے گی اس کے بغیر انسانیت نہیں آتی دیکھئے انگریز اپنے بچوں کو کتنی تھوڑی عمر میں جدا کر دیتے ہیں۔

ایک بادشاہ کی حکایت:

ایک بادشاہ کی حکایت لکھی ہے کہ اس نے اپنے لڑکے کو ایک مولوی کے سپرد کیا ایک روز دیکھا کہ مولوی صاحب گھوڑے پر سوار ہیں اور شہزادہ سائل کی طرح پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہے بادشاہ کو یہ دیکھ کر سخت ناگوار گزرا لیکن ضبط کر کے نرمی کے ساتھ مولوی صاحب سے اس کا سبب دریافت کیا مولوی صاحب نے کہا حضور چند روز میں یہ بادشاہ ہوگا خلقت خدا کی اس کی سواری کے ساتھ ہوا کرے گی اگر یہ اس وقت پیدل نہ دوڑے گا تو اس وقت اس کو کیسے خبر ہو گی کہ پیدل دوڑنے والوں پر کیا گزرتی ہے اس لیے میں نے اس کو اپنی سواری کے ساتھ دوڑایا تا کہ یہ اپنی حالت یاد کر کے دوسروں پر رحم کرے تو یہ برتاؤ باپ نہیں کر سکتا اور استاد کر سکتا ہے۔

آج کل کے استادوں میں کیا نقصان ہیں؟

مگر ایسے استاد نہیں جیسے آج کل کے استاد ظالم اور قصائی ہیں جن میں شفقت نام کو بھی نہیں میں نے ایک بچہ کو دیکھا چار برس سے زیادہ اس کی عمر نہیں ہوگی اور لڑکے اس کو ڈنڈا ڈولی کیے لا رہے ہیں افسوس ہے کہ اکثر بچے انہیں قصائیوں کے قبضہ میں آتے ہیں اور وہ تباہ و برباد ہوتے ہیں یا تو ان کے برتاؤ سے بچہ کی طبیعت کند ہو جاتی ہے یا پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں اور یہ بات تو مشہور ہوگئی ہے کہ حافظ جی ہڈی ہماری چمڑہ تمہارا۔ صاحبو! استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ شفقت کے ساتھ اخلاق کی بھی درستگی کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکے تو استاد بننے

کے قابل نہیں تو ایک طرف اخلاق کی درستگی ہو۔ایک طرف تعلیم ہو پھر دیکھئے کہ یہ شخص کس شان کا نکلتا ہے البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر لڑکوں کو علم دین پڑھایا جائے تو یہ لوگ کھائیں گے کہاں سے تو اول تو امیروں کو یہ سوال ہی نہیں کرنا چاہئے اور غریبوں کے لیے ساری قوم کو متوجہ ہو کر اس کے لیے ایک بہت بڑی رقم جمع کرنا چاہئے کہ ان کی خدمت کریں' میں نے دیکھا ہے کہ اگر بچپن سے خوشحالی اور بے فکری میں گزرتی ہے تو ان کو اول ہی روز سے بے پرواہی کی عادت پڑ جاتی ہے پھر بڑے ہو کر حرص لالچ نہیں پیدا ہوتا' اور اگر اول ہی سے سوال اور ذلت کی عادت ہو جیسا آج کل قوم کی بے توجہی سے ہو رہا ہے تو بڑے ہو کر وہی عادت رہے گی' پس آج کل جو اکثر طالب علموں پر اعتراض کیا جاتا ہے یہ واقع میں اپنے اوپر الزام ہے یہ کیوں نہیں کیا جاتا کہ قوم طالب علموں کو اپنی اولاد کی طرح رکھے' مثلاً جس کے چار بچے ہیں وہ ایک طالب علم کو ملا کر پانچ سمجھے اور اس طالب علم کی ہر طرح مدد کرے' عالمگیر ؒ نے ایسا ہی کیا تھا' ایک بڑی بھاری جماعت طالب علموں کی جو پہلے پریشانی میں تھی آرام اور اطمینان کے ساتھ علم سے فارغ ہوئی اور اس جماعت نے بڑے بڑے کام کیے' لیکن چونکہ عالمگیر میں رحمدلی کے ساتھ تدبیر بھی تھی اس لئے انہوں نے ترکیب یہ کی تھی کہ طالب علموں کو اگر پریشان دیکھا اور خزانہ کو اس خرچ سے بچانا چاہا تو صورت یہ پیدا کی کہ دربار کے ایک امیر سے نماز کے فرض پوچھے تو وہ بالکل کورے تھے عالمگیر نے اس کو بہت ڈانٹا اور کہا کہ اتنے طالب علم شہر میں ہیں تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان سے تھوڑی دیر مسئلے سیکھ لیا کرو' پھر کیا تھا ہر شخص طالب علم کا طلبگار ہو گیا تھا' اس طرح سب طالب علم کھانے پینے اور تنخواہ سے بے فکر ہو گئے مگر یہ سب حکومت کی بدولت تھا' حکومت عجیب چیز ہے' مگر اب آپس کا اتفاق بھی اس سے زیادہ عجیب کام کر سکتا ہے' جب اس کی ضرورت ثابت ہو چکی ہے تو ضرور اس پر توجہ کرنا چاہئے۔یہ تدبیر تو مولوی بنانے کی تھی' اب رہے وہ لوگ جو کہ مولوی نہ ہوں ان کے لیے دین کی ضروری ضروری باتوں کی تعلیم ہونی چاہیے' خواہ اردو میں ہو یا عربی میں' مگر انگریزی پڑھانے سے پہلے ہو کیونکہ تعلیم اول کا اثر زیادہ مدت تک رہتا ہے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آنکھ کھولتے ہی ان کو انگریزی پڑھنے میں لگا دیا جائے' اول تو قرآن شریف پڑھاؤ اگر پورا نہ ہو تو دس[1]

سیپارے ہی سہی اور اس کے ساتھ ہی روزانہ اس کی تلاوت کی بھی پابندی رکھواور اس کے بعد کچھ کتابیں دین کے مسئلوں کی کسی مولوی سے پڑھ لو چاہے وہ کتابیں اردو ہی کی ہوں۔ اس کے بعد اگر معاش کی ضرورت مجبور کرے تو انگریزی بھی پڑھادو۔ لیکن ساتھ ہی اگر دین کے خلاف اس میں کوئی بات پیدا ہو تو فوراً اس کو تنبیہ کردو اور اگر باز نہ آئے تو انگریزی چھوڑادو' اب رہے وہ لوگ جو بالکل ہی ان پڑھ ہیں' ان کے لیے یہ ترکیب ہے کہ ہر محلہ کی مسجد میں ہر ہفتہ میں کم سے کم ایک مرتبہ کسی سے مسئلے اور اخلاق کی درستگی کی کتابیں پڑھوا کر سنوادیں اور عورتوں کے لیے یہ کیا جائے کہ جو ان میں سے پڑھ سکیں ان کو تو پڑھایا جائے اور جو نہ پڑھ سکیں ان کو ان کے مرد دینی کتابیں سنادیا کریں اور جن عورتوں کے مرد پڑھے نہ ہوں وہ پڑھی ہوئی عورتوں سے سن لیا کریں اور ساتھ ہی جس مسئلہ کے معلوم کرنے کی ضرورت پڑے مردتو خود مولویوں سے اس کو دریافت کرلیا کریں اور عورتیں اپنے مردوں کے واسطہ سے پوچھتی رہیں۔ یہ وہ ترکیب ہے کہ اگر اس پر کاربند ہوا جائے تو چند ہی روز میں ساری جہالت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تمام قوم میں دین پھیل جائیگا۔ یہ مضمون تو علم کے متعلق تھا۔

دین کا تیسرا جزو عمل اور اس کا مفصل بیان:

اب تیسری چیز عمل ہے اگر وہ نہ ہو تو علم کچھ بھی نہیں اور عمل کی دو قسمیں ہیں' ایک قسم اعمال کی تو ظاہر کے متعلق ہے اور ایک باطن کے متعلق۔ اس وقت جو لوگ عمل کرتے بھی ہیں وہ صرف ظاہری اعمال پر متوجہ ہیں اور باطن کی یہ حالت ہے جیسے کافر کی قبر کی ہوتی ہے کہ اوپر سے بہت سجی ہوئی ہے اور اس کے اندر خدا کا قہر بھرا ہوا تھا آخر اس کی کیا وجہ کہ باطن اکثر لوگوں کا درست نہیں۔ باطن کی ایک درستگی تو یہ ہے کہ عقیدے درست کر لیے جائیں اس کو تو تھوڑا بہت حاصل بھی کیا جاتا ہے۔ دوسرے اخلاق کی درستگی جس کو تصوف کہتے ہیں اس کو بالکل ہی چھوڑ رکھا ہے۔ جس کی دو وجہ ہیں ایک تو دنیاداروں کی بے رغبتی ان کو اس کا کچھ شوق ہی نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرتے ہیں انہوں نے طرز ایسا

---

[1] لوگوں کو اپنی حالت پر شرم کرنا چاہئے کہ حکیم الامۃ ناامید ہو کر کس قدر گھٹا کر دس ہی پاروں کی رائے دیتے ہیں۔ ۱۲ جامع

اختیار کرلیا ہے جس سے لوگوں کو بے التفاتی ہوگئی۔ یعنی آج کل رسموں کا نام تصوف رکھ چھوڑا ہے۔ حالانکہ تصوف کی حقیقت ہے سنوار لینا ظاہر اور باطن کا' ظاہر کا درست کرنا یہ ہے کہ تمام باتیں اور سب کام شریعت کے موافق ہوں اور باطن کی درستگی یہ ہے کہ دل کی حالت درست ہو یعنی اخلاق باطنی درست ہوں توکل ہو' یعنی خدا پر بھروسہ ہو' شکر ہو اور بری باتوں سے دل کو پاک کرلیا ہو جیسے دنیا کی محبت وغیرہ' یہ ہے تصوف تو اس وقت اکثر لکھے پڑھے بھی صرف ظاہر کو لیے ہوئے ہیں اور جنہوں نے باطن کو لیا انہوں نے ظاہر کو چھوڑ دیا تو گویا آپس میں بانٹ رکھا ہے کہ جو ظاہر کو لیں وہ باطن کو چھوڑ دیں اور جو باطن کو لیں وہ ظاہر کو چھوڑ دیں۔ بعض نے دونوں کو چھوڑ دیا وہ نہ نماز روزہ کریں نہ باطن کو سنواریں بلکہ دولت اور عزت کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ تینوں قسم کے لوگ تصوف سے کوسوں دور ہیں۔ غرض تصوف ظاہر و باطن کی اصلاح کا نام ہے نہ کہ آج کل کی رسموں کا' یعنی قبر پر کپڑے چڑھانا' عرس کرنا' رنگے ہوئے کپڑے پہننا' قوالی سننا' ان کو تصوف سے کچھ واسطہ نہیں۔

وعظ کا خلاصہ:

پس یہ آیت علم وعمل کی تمام شاخوں کو شامل ہے اس میں بتلایا گیا ہے کہ ہمارے نبی آئیں گے اور وہ یہ اہتمام کریں گے۔ اب آپ کو اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ یہ تینوں باتیں کیسی ضروری ہیں۔ دوسرا یہ کہ ہمارے حضور ﷺ کیسے مہربان تھے کہ آپ نے ایسی باتیں بتلائیں کہ اگر ان کو چھوڑا جائے تو دین اور دنیا سب بگڑ جائے۔ دین کا بگڑنا تو ظاہر ہے اور دنیا کا بگڑنا اس لیے کہ مسلمانوں کے ساتھ خدا کا یہ معاملہ ہے کہ جب یہ دین کو چھوڑتے ہیں تو دنیا بھی ان سے رخصت ہو جاتی ہے۔ دوسرے دنیا نام ہے راحت وآرام کا اور دین کو چھوڑ کر آرام نصیب نہیں ہوتا۔ تو جب حضور ﷺ اتنی بڑی رحمت ہیں تو اب یہ دیکھے کہ آپ نے حضور ﷺ کا حق کیا ادا کیا؟ دیکھو حضور ﷺ کے تین حق ہیں' ایک کہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت ہو۔ دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کی عظمت دل میں ہو تیسرا یہ کہ حضور ﷺ کی پیروی کرے یعنی آپ کے قدم بقدم چلے۔ اس وقت بعض نے عظمت کو تو لیا مگر محبت اور پیروی دونوں کو بالکل چھوڑ دیا۔ بعض نے پیروی کی مگر محبت اور عظمت کو چھوڑ دیا اور بعض نے محبت اور عظمت دونوں

کولیا مگر پیروی چھوڑ دی میں نے اس مضمون کو ''القاسم'' میں لکھ دیا ہے یہ ایک ماہوار رسالہ ہے جو کہ بہت ہی مفید ہے میں یہ بھی رائے دیتا ہوں کہ لوگ اس کو خریدیں اس میں اختلافی مسئلے نہیں ہیں بلکہ ایسی اصلاح کی باتیں ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ بہرحال یہ حق ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہیں اور نعمت کی قدر یہ ہے کہ اس کے حق ادا کریں جن کا ابھی ذکر ہوا۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہم سب کو نیک توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

تمت

✿✿✿

(۱۶) مقبولیت کا طریق

منتخب از طرق القرب وعظ چہارم دعواتِ عبدیت

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ○

ترجمہ:- اور نہیں ہیں تمہارے مال اور اولاد کہ قریب کردیں تم کو ہمارے نزدیک مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے پس ان کو کئی گنا عوض ملے گا ان کے اعمال کا اور وہ جنت کے محلوں میں امن سے رہیں گے۔

اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں:

(۱) دولت عظمیٰ پر تنبیہ:

یہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک بہت بڑی دولت کا پتہ اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا ہے اور جو غلطیاں اس سے واقع ہوگئی ہیں ان پر تنبیہ فرمائی ہے یہ حاصل ہے اس آیت کا' ترجمہ سے اس دولت کا پتہ چل جائے گا' مگر اول مختصر طور پر اس کا پتہ بتلاتا ہوں کیونکہ بہت لوگ اس کو دولت ہی نہیں سمجھتے اور اہل دنیا تو کیا سمجھتے اکثر دیندار بھی اس پر نظر کم کرتے ہیں۔

قربِ الٰہی سے کیا مراد ہے؟

اور وہ دولت قرب خداوندی ہے اور اس قرب سے عام طور پر فاصلہ کی کمی کو سمجھا کرتے ہیں یہ صحیح نہیں اس لئے کہ وہاں جسم کے اعتبار سے تو قرب ہے نہیں کہ فاصلہ کم ہو جائے کیونکہ اس قسم کا قرب تو جسموں میں ہوا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات جسمیت سے پاک ہے پس خدا تعالیٰ کے قرب کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ بندہ میں اور خدا میں فاصلہ کم ہو جائے۔

صوفیوں کی غلطی قرب کے معنی سمجھنے ہیں!

اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی ہو گی جو صوفیوں کی صورت بنائے ہوئے ہیں اور حقیقت میں وہ عام لوگوں میں سے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرب خداوندی بھی قرب جسمانی ہے اور اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی نسبت اس قسم کی مثالیں بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کو جسم سمجھتے ہیں بعض تو وہ ہیں کہ خدا کی مثال دریا سے دیتے ہیں اور مخلوق کی موج سے اور بعض لوگ دریا اور قطرہ سے مثال دیتے ہیں اور ان سے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں، بعض مثالیں اس قسم کے بزرگوں کی کلام میں بھی پائی جاتی ہیں مگر اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ اس کی تاویل کریں گے کیونکہ صرف مثال دینے پر انکار کرنا تو زیادتی ہے، خود قرآن شریف میں مثال موجود ہے کہ نورِ خداوندی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاقچہ ہو کہ اس میں ایک چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو اور اس شیشہ کی یہ حالت ہو جیسے ایک چمکدار ستارہ، تو یہ مثال صرف نورانی ہونے میں ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ دونوں کی نورانیت برابر ہے اور یہ اس لئے میں نے کہہ دیا کہ بعض لوگ یہ زیادتی کرتے ہیں کہ بزرگوں کے کلام میں غور کر کے اس کے صحیح معنی کو تو سمجھتے نہیں صرف لفظوں کو دیکھ کر ان پر کفر و بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں حالانکہ ارشاد خداوندی ہے کہ دین میں حق سے آگے مت بڑھو پس بزرگوں کے کلام میں کوئی مثال اس قسم کی پائی جائے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ کس بات میں شرکت ہے، مثلاً ہم کسی کے چہرہ کو چاند کہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اور چاند دونوں خوبصورتی میں شریک ہیں یہ مطلب نہیں ہوتا کہ چہرہ بھی اسی قدر بڑا ہے جس قدر چاند بڑا ہے یا چاند میں بھی آنکھ، ناک، کان موجود ہیں یا جیسے چاند کے ہاتھ پیر نہیں ایسے ہی اس شخص کے

بھی نہیں اسی طرح اگر کسی محقق بزرگوں کے کلام میں خدا کو دریا اور اپنے کو قطرہ کے ساتھ مثال دی ہے جیسے مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں یہ مثال آئی ہے تو وہ کسی خاص بات میں مثال ہو گی یہ مطلب نہیں کہ جیسے قطرہ دریا سے نکلا ہے اسی طرح تم خدا سے نکلے ہو یا جس طرح قطرہ دریا میں مل جاتا ہے ایسے ہی تم خدا سے مل جاؤ گے۔ نعوذ باللہ' افسوس ہے کہ آج کل ہماری یہ حالت ہے کہ جنہوں نے ایک پارہ بھی قرآن کا نہیں پڑھا وہ بھی ان شعروں کو پڑھتے اور سنتے ہیں اور ان پر جھومتے ہیں حالانکہ وہ ان کو خاک بھی نہیں سمجھتے اگر کچھ سمجھتے ہیں تو یہی کہ خدا دریا کی طرح پھیلا ہوا ہے اور ہم اس سے نکلے ہیں اور یہ سمجھ کر اپنا دین برباد کرتے ہیں ایسے شعروں کا ان لوگوں کے سامنے پڑھنا بھی جائز نہیں۔

شریعت کے قاعدے کے خلاف عبادت بھی گناہ ہے:

اور اس ممانعت کے حکم سے کوئی تعجب نہ کرے' دیکھئے امت کے حکیموں نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ بعض لوگوں کے لیے حج کو ناجائز کہہ دیا' مثلاً ایسا شخص ہے جس کے پاس راستہ کا خرچ بھی نہ ہو بیوی بچوں کے دینے کو بھی کچھ نہ ہو اس کے لیے سفر حج بالکل ناجائز کہا جائے گا اور یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں' دیکھو ٹھیک دوپہر کے وقت نماز پڑھنا حدیث کی رو سے ناجائز ہے حالانکہ نماز کتنی بڑی عبادت ہے اسی طرح عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے' بات یہ ہے کہ ہر عبادت میں کچھ شرطیں ہوتی ہیں تو حج جائز ہونے کی یہ شرط ہے کہ اہل وعیال کا حق ضائع نہ ہو اگر ان کا حق ضائع ہوا تو حج کرنا جائز نہیں اور حج کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ حج کا پورا خرچ پاس ہو اگر خرچ پاس نہ ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہوتا۔ اب سنیے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص حج کی طاقت نہیں رکھتا' یعنی اس کے پاس اہل وعیال کے دینے کے لیے خرچ نہیں تو اس کے سامنے کعبہ کے ایسے حالات بیان کرنا جس سے شوق میں آ کر وہ حج کو چلا جائے جائز نہیں۔ دیکھو ظاہری طور پر نظر میں یہ بات سمجھ بھی نہیں آتی لیکن واقع میں بالکل صحیح فرمایا کیونکہ حالات سن کر اسے سفر کا شوق پیدا ہو گا اور چونکہ خرچ پاس نہیں اس لیے یہ سفر گناہ ہو گا تو اس کا جو سبب ہے وہ بھی گناہ ہو گا پس ایسے شخص کے سامنے کعبہ کے حالات بیان کرنا گناہ ہوا واقعی اول اول جس نے امام غزالی کا یہ قول سنا ہو گا اس نے امام کو کافر

کہا ہوگا۔ حالانکہ امام بالکل ٹھیک لکھ رہے ہیں کہ جب سفر گناہ ہے اور تذکرہ کرنا اس کا سبب ہے تو یہ تذکرہ بھی گناہ ہے۔ غرض کیسی ہی عبادت ہو وہ بعض دفعہ کسی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک اور مثال یاد آئی کہ نیک کام میں چندہ دینا عبادت ہے لیکن بعض وقت یہ بھی جائز نہیں چنانچہ حضور ﷺ نے ایک شخص کا چندہ لینے سے انکار فرمایا کہ وہ اس واقعہ سے پہلے خود سوال کر چکا تھا۔ اگر اس شخص سے چندہ لے لیا جاتا تو انجام یہ ہوتا کہ جب اپنے پاس کچھ نہ رہتا تو وہ پھر خود سوال کرتا' خوب سمجھ لو پس شریعت جو کچھ حکم کرے وہ کرو۔ جہاں شریعت کسی چیز کے پڑھنے کی اجازت دے پڑھو اور جہاں روک دے رک جاؤ۔

مسلمان کی کیا حالت ہونی چاہیئے:

مسلمانوں کی تو بالکل وہ حالت ہونا چاہیے جیسے ایک شخص نے ایک غلام خریدا تھا' اس سے پوچھا کہ تم کیا کھایا کرتے ہو' کہا جو کچھ آپ کھلا دیں۔ جب غلام کی آقا کے سامنے یہ حالت ہے تو خدا تعالیٰ کے سامنے بندہ کی یہ حالت بھی نہ ہو۔ غرض مسلمان کو چاہیئے کہ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایسا ہو جائے۔ جیسے مردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور حدیث وفقہ سب حضور ﷺ ہی کے حکم ہیں۔ حقیقت میں دونوں ایک ہیں لباس جدا جدا ہے اور عاشق کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ محبوب جس جوڑا میں بھی آئے وہ اس کو فوراً پہچان لیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ عاشق نہیں۔ تو جو حضور ﷺ کے عاشق ہیں ان کو حدیث وفقہ سب میں حضور ﷺ ہی کے فرمان نظر آتے ہیں۔ بہر حال یہ شریعت کے احکام ہیں اور ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔ تو جب حج کی باتیں سنانا بعض شخصوں کے سامنے گناہ ہے تو ایسے شعروں کا عوام کے سامنے پڑھنا اگر ناجائز ہو جائے تو کیا تعجب ہے کیونکہ اگرچہ یہ شعر صحیح ہیں لیکن ان سے عوام کے خیالات تو خراب ہو جائیں گے' اسی لیے حدیث میں ہے۔ **کلموا الناس علی قدر عقولهم** (ترجمہ) کلام کرو آدمیوں سے ان کی عقل کے موافق۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے ایسی بات کرو جو ان کی سمجھ سے باہر نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کسی کے سامنے اس کی عقل سے بڑھ کر کلام کیا گیا تو وہ اس کے لیے فتنہ ہوگا۔ تو اب جو ایسے اشعار عوام کے سامنے پڑھے جاتے ہیں جو ان کی سمجھ سے باہر ہیں یہ عوام کے لیے فتنہ ہوں گے یا نہیں ضرور فتنہ ہوں

ہے۔ اگرچہ وہ اشعار حافظ اور مغربی ہی کے ہوں ان حضرات کے کلام کے صحیح ہونے میں تو کچھ شک نہیں جو کچھ انہوں نے کہا ہے صحیح ہے لیکن ان کا سمجھنا بڑے سمجھدار کا کام ہے۔

جاہل صوفیوں کی بے احتیاطی شعر اشعار پڑھنے میں:

اب لوگ یہ بے احتیاطی کرنے لگے کہ عام مجلسوں میں اس قسم کی غزلیں پڑھتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی بھی نہیں سمجھتا، میں ایسے لوگوں سے بہت ملا ہوں جو ان الفاظ کے معنی غلط سمجھتے ہیں۔

(۲) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کثرت عبادت اور اخلاص کا واقعہ:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ آپ چلے جا رہے تھے ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر دوسرے سے کہا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ پانچ سو رکعتیں روزانہ پڑھتے ہیں۔ آپ اس کو سن کر رونے لگے۔ اور اسی روز سے پانچ سو رکعتیں پڑھنا شروع کر دیں کیونکہ جانتے تھے مخلوق تو دھوکہ میں آ سکتی ہے لیکن خالق کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں چل سکتا۔ آج یہ حالت ہے کہ لوگ اپنی نسبت تقویٰ وطہارت کے مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے تدبیریں کرتے ہیں۔ ایک شخص کلکتہ میں تھے اور اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے چند گرگے اس غرض کے لیے چھوڑ دیئے کہ اس کو مشہور کریں۔

(۳) دعا کے قبول ہونے میں دیر کسی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے:

اگر دعا قبول نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو کیونکہ کبھی کبھی دیر لگانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کا رونا پیٹنا پسند ہوتا ہے۔ دیکھئے آپ اپنے بچہ کے لیے کوئی چیز لاتے ہیں مگر اس کو دق کر کے دیتے ہیں یہاں تک کہ بچہ رونے لگتا ہے اور آپ کو اس کا رونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اب جن لوگوں کی دعا قبول ہو جاتی ہے وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ سخت پریشان رہتے ہیں۔ حالانکہ دعا کا قبول ہونا کچھ اس کی علامت نہیں کہ دعا کرنے والا خدا کے یہاں مقبول ہے اور دعا کا قبول نہ ہونا بھی اس کی علامت نہیں کہ یہ شخص خدا کے نزدیک مقبول نہیں۔ خدا تعالیٰ انسان کی اسی حالت کی شکایت فرماتے ہیں کہ جب اللہ

تعالیٰ انسان کو فراغت دیتے ہیں تو کہتا ہے خدا تعالیٰ نے میرا بڑا اکرام کیا اور جب رزق تنگ کر دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ذلیل کیا اور خدا تعالیٰ مجھے چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہرگز نہیں یعنی یہ بات نہیں ہے کہ فراغت اور خوشحالی خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور تنگدستی ان کے ہاں ذلیل ہونے کی وجہ سے بلکہ جس کے لیے غریبی مناسب ہوتی ہے اس کو غریبی دیتے ہیں اور جس کے لیے امیری مناسب ہوتی ہے اس کو امیری دیتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ جو حالت وہ ہمارے لیے مناسب سمجھتے ہیں وہی دیتے ہیں۔

(۴) یہ سلسلہ اس امر پر چلا تھا کہ قرب کے معنی یہ نہیں جو دریا وقطرہ میں سمجھا جاتا ہے اور ایسے الفاظ کے ظاہری معنی مراد لینا سخت غلطی ہے بلکہ مراد اس قرب سے جس کا اس آیت میں ذکر ہے رضامندی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا مراد ہے اور یہ رضامندی کا قرب بڑی دولت ہے۔ مگر اس کو دنیادار تو کیا مقصود سمجھتے بہت سے دیندار بھی پورے طور سے مقصود نہیں سمجھتے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد جس کے حاصل کرنے کے پیچھے لوگ پڑے ہیں یہ قرب کا ذریعہ نہیں ہو سکتے بلکہ ایمان اور اچھے کام اس کا ذریعہ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان اور نیک اعمال میں وہی درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہوگا کیونکہ جو ایمان کامل نہ ہوگا اور جو اعمال کامل نہ ہوں گے وہ خدا تعالیٰ کو پوری طرح پسند نہیں ہوں گے پھر وہ خدا تعالیٰ کی کامل رضامندی کا ذریعہ کیسے بن سکتے ہیں۔ پس ایمان اور اعمال کا کامل کرنا ضروری ہوا۔ اور ان کا کامل ہونا موقوف ہے تین چیزوں پر علم اور عمل اور حال۔ اگر علم نہیں تو خدا تعالیٰ کے احکام کی خبر نہیں ہوگی اور اگر علم تو ہے لیکن عمل نہیں تو معلوم کرنے سے نفع ہی کیا ہوا۔ علم سے تو مقصود یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے پس علم وعمل ضروری ہوئے اور حال سے مراد یہ ہے کہ ایسی حالت ہو جائے جس سے دل میں تقاضا پیدا ہو جائے کہ اگر کوئی عمل چھوٹ جائے تو طبیعت بے چین ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص نماز روزہ کرتا ہے۔ لیکن حال کے نہ ہونے کی وجہ سے نفس پر زبردستی کر کے کھینچ تان کرتا ہے اگر ایک وقت چھوٹ جائے تو زیادہ قلق نہیں ہوتا اور ایک دوسرے شخص کی یہ حالت

ہے کہ اگر ایک وقت بھی نماز چھوڑ جائے تو زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ تو یہ دوسرا شخص صاحب حال ہے اور اس کا پیدا کرنا گو واجب نہیں کیونکہ اگر طبیعت پر زور ڈال کر بھی عمل کرتا رہا اور نیت خالص اللہ کے لیے ہے کوئی دوسری غرض نہیں تو خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے کچھ کمی اس میں نہیں لیکن یہ بڑی اندیشہ کی حالت ہے' کیونکہ جب قلب میں تقاضا نہیں تو خدا جانے کہاں گاڑی اٹک جائے اور کہاں پہنچ کر عمل کا خاتمہ ہو جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حال بھی پیدا کرے۔ پس علم وعمل وحال کا جمع کرنا یہ طریقہ قرب اور رضامندی کا ہے۔ جو کہ بہت بڑی دولت ہے۔ کیونکہ اصل دولت راحت وآرام ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا راحت ہوگی کہ اس کا محبوب حقیقی اس سے راضی اور قریب ہو یہ راحت کسی کو بھی نصیب نہیں بلکہ جس کو یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ اسے اگر کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے تو اس میں بھی لذت ملتی ہے۔ لوگ جس کو تکلیف سمجھتے ہیں وہ اس کو بھی راحت سمجھتا ہے۔ مجنون کو اس کے عزیز واقارب خانہ کعبہ میں لے گئے اور اس سے کہا کہ یوں دعا مانگ کہ اے اللہ مجھ پر رحم کیجئے لیلیٰ اور اس کی محبت کی مصیبت سے نجات دیجئے تو وہ کہتا ہے کہ اے اللہ لیلیٰ کی محبت مجھ کو زیادہ کر دیجئے۔ غور کرو کہ ایک عورت کی محبت میں یہ حالت تھی تو کیا خدا تعالیٰ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہو گئی۔ ہرگز نہیں۔ تو اب غور کیجئے کہ وہ کیسی لذت کی چیز ہوگی پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا قرب بڑی دولت ہے۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ حقیقت میں مصیبت میں ہیں:

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ بڑی مصیبت میں ہیں گو ان کے پاس مال واولاد بھی ہو حقیقت میں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنہوں نے دنیا کو قبلہ وکعبہ بنا رکھا ہے وہ کس قدر مصیبت میں ہیں۔ عیش کے سامان سوچتے اور جمع کرتے ساری عمر گذر گئی اور کھانے پہننے کو وہی چار چپاتیاں اور تین کپڑے ہی ملے جو سب کو ملتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ اس قدر کوشش کے بعد بھی عیش نصیب نہ ہوا اور غضب یہ ہے کہ آج تک بھی ان کو اس کا شعور نہیں ہوا۔ اب تک وہی ترقی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اگر دنیا کا پورا عیش حاصل ہو بھی گیا تو یہ عیش ہی کیا ہے کہ خوب کھا لیا۔ اگر یہی عیش ہے تو بیل کو

سب سے زیادہ میسر ہے کہ اس کو کسی طرح کی بھی سوچ فکر نہیں اس کے برابر بادشاہ بھی عیش میں نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بے فکری سے کھالینا کوئی عیش نہیں۔

عیش کی حقیقت:

عیش یہ ہے کہ نہ تو موجودہ حالت کی فکر ہو نہ آئندہ حالت کا اندیشہ ہو۔ پس صاحب حال وہ شخص ہے کہ جو اس پر گذرتا ہے سب کو خوشی سے برداشت کرتا ہے اور اس کو نعمت سمجھتا ہے اگر تکلیف بھی ہو تو اس کے نزدیک عیش ہی ہے اور اس پر کچھ تعجب نہ کیجئے۔ دیکھئے اگر ایک مدت کے بعد محبوب سے ملاقات ہو اور دیکھ کر حیران رہ جائے نہ بات کی ہمت ہو نہ سلام کی کرنے کی طاقت ہو اور اسی حالت میں محبوب اس پر رحم کرے اور اس کو سینہ سے لگا لے اور خوب دبائے کہ اس کا دم بھی نکلنے لگے اور اسی حالت میں اس کا کوئی رقیب آ جائے اس کو دیکھ کر محبوب دریافت کرے کہ اگر تم کو کوئی تکلیف ہو رہی ہو تو میں تم کو چھوڑ کر اس کو دبانے لگوں تو اس وقت کیا کہے گا کیا اس تکلیف کو تکلیف سمجھے گا اور کیا اس کی وجہ سے وہ محبوب کے علیحدہ ہونے پر راضی ہوگا۔ کبھی نہیں۔ بلکہ وہ یہ کہے گا

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تو جب آدمی کی محبت میں یہ حالت ہے تو خدا تعالیٰ کی محبت میں کیا حالت ہوگی تو معلوم ہوا کہ قرب خداوندی بہت بڑی دولت ہے جس نے اس کی حقیقت سمجھ لی اس کے برابر کوئی دولت مند نہیں اور جو اس سے محروم ہے اس پر اللہ والوں کو رحم اور ترس آتا ہے اور وہ اس کو ذلیل نہیں سمجھتے کیونکہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ گنہگاروں کو بھی بخشتے ہیں پس گنہگاروں کو حقیر نہ سمجھو البتہ رحم کے قابل سمجھو اور وہ برتاؤ کرو جیسے تمہارا بیٹا بیمار ہو جائے اور اس کے ساتھ تم شفقت کا برتاؤ کرتے ہو۔ دیکھو اگر وہ تم پر پیشاب بھی کر دے تو تم کو غصہ نہیں آتا بلکہ رحم آتا ہے۔ تو مسلمان وہ ہے کہ مسلمان کی حالت پر آنسو بہائے نہ کہ ان کو ذلیل حقیر سمجھے اور برا بھلا کہے اور اگر اس کی اصلاح کی امید نہ رہے تو خدا کے سپرد کر دو اور دعا کرو یہ ہے اسلامی شان! آج کل یہ حالت ہے کہ ذرا سی بات میں کسی کو بدعتی بتا دیا کسی کو وہابی کہہ دیا۔ صاحبو کس کی

بدعت اور کس کی وہابیت حضور ﷺ کے بعض حکم ایسے ہیں کہ ان میں حدیثیں مختلف طور پر آئی ہیں کوئی کسی طرف گیا کوئی کسی طرف۔ تو اس کے لیے لڑتے کیوں ہو اور اگر کوئی واضح غلطی کرے یعنی جو بات یقیناً حق تھی اس کے خلاف کرے تو اس کے لیے دعا کرو۔ دیکھو اگر ایک مجلس میں محبوب بھی ہو اور اس نے اجازت دے دی ہو کہ میری طرف دیکھو اور یہ دیکھنے میں مشغول ہو کہ اتنے میں ایک شخص آ کر اس کی انگلی چھوئے۔ اب بتاؤ وہ کیا کرے گا۔ کیا محبوب کی طرف سے نظر ہٹا کر اس شخص کو دیکھنے لگے گا یا اس سے الجھنا شروع کر دے گا۔ ہرگز نہیں وہ کبھی دوسری طرف التفات بھی نہیں کرے گا اور اگر التفات کرے گا تو محبوب کے دیدار کا لطف ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

ترغیب ترک منازعت:

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم سے کوئی مناظرہ، تکرار کرے تو تم کبھی مناظرہ نہ کرو اس سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ میں عوام سے جس کو بیعت کرتا ہوں اس سے یہ بھی کہتا ہوں کہ بدعت کو چھوڑو لیکن بدعتی لوگوں سے لڑائی مت لڑو۔ خدا تعالیٰ تم سے یہ نہیں پوچھے گا کہ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا اور قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام آدمی دوسروں کو نصیحت کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے بعض میں اس کی قابلیت ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ اس کے اہل نہیں ہیں ان کا کہنا لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے اور جو لوگ اہل ہیں ان کا کہنا ناگوار نہیں ہوتا اور یہ بات بھی ہے کہ عالم جو نصیحت کریں گے وہ نرمی اور تمیز کے ساتھ کریں گے۔ غرض یہ لڑائی اور جھگڑے کا طریقہ مناسب نہیں ہے۔ اپنے کام میں لگے رہو اگر کوئی برا ہو تم اس پر رحم کرو اور اس کے لیے دعا کرو۔

اللہ والے دنیا والوں پر رحم کرتے ہیں جیسے تندرست بیمار پر رحم کرتا ہے:

چنانچہ اللہ والے دنیا داروں پر رحم ہی کرتے ہیں جیسے بیمار کو دیکھ کر اس پر رحم آیا کرتا ہے بلکہ وہ مالداروں کو دیکھ کر بھی رحم کرتے ہیں کہ یہ بیچارے مزدور ہیں لدے ہوئے ہیں ہانپتے ہوئے جا رہے ہیں۔ حضرت شبلی رحمہ اللہ کی یہ حالت تھی کہ کسی امیر کو دیکھتے تو کہتے الحمدللّٰہِ الذی عَافانِی مِمّا ابتلاكَ بہٖ وفَضَّلَنِی علٰی کثیرٍ مِمّن خَلَقَ تَفْضِیْلًاO یہ دعا

حدیث میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی بیمار کو دیکھوتو یہ دعا پڑھو۔

دنیا کی محبت سے بدتر کوئی مرض نہیں ہے:

تو دنیا کی محبت سے زیادہ کون سی بیماری ہوگی کہ دل کی بیماری ہے اور دل کی بیماری سب سے بدتر ہے۔ تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اس وجہ سے انہیں بیمار سمجھتے تھے اور ان کو دیکھ کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ غرض دنیا دار بیمار ہیں اور اس بیماری سے بچا رہنا خدا کی نعمت ہے جو قابل شکر کے ہے۔

ایک خان صاحب کی حکایت:

اکبر پور کا واقعہ ہے کہ ایک خان صاحب نے ایک جولا ہے سے مذاق کے طور پر پوچھا میاں جی کیا کر رہے ہو کہنے لگا خدا کا شکر کر رہا ہوں کہ مجھ کو خان صاحب نہ بنایا کہ کسی غریب پر ظلم کرتا اور دوزخ میں جاتا۔ خان صاحب چپ ہی رہ گئے حقیقت میں خدا کی یہ بھی بڑی رحمت ہے کہ گناہ کا سامان ہی نہ دے۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ واقعی یہ لوگ رحم کے قابل ہیں کہ ایک بڑی مصیبت میں پھنسے ہیں مگر ان کو خبر بھی نہیں۔

ایک سرحدی کی حکایت:

جیسے ایک سرحد کا وحشی ہندوستان میں آیا تھا کسی حلوائی کی دکان پر حلوہ پڑھا دیکھا قیمت پاس تھی نہیں آپ اسی میں سے بہت سا اٹھا کر کھا گئے حلوائی نے حاکم شہر کو اطلاع دی حاکم نے یہ سزا مقرر کی ان کا منہ کالا کر کے جوتوں کا ہار گلے میں ڈالا جائے اور گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں پھرایا جائے اور بہت سے لڑکے ساتھ کر دیئے جائیں کہ وہ ڈھول بجاتے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ ایسا کیا گیا' جب یہ حلوہ خور صاحب اپنے گھر واپس گئے تو وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ آغا ہندوستان کیسا ملک ہے کہنے لگے ہندوستان خوب ملک ہے حلوہ کھانا مفت ہے لڑکوں کی فوج مفت ہے۔ گدھے کی سواری مفت ہے' ڈم ڈم مفت ہے۔ ہندوستان خوب ملک ہے۔ بس دنیا داروں کا دنیا کو خوب ملک کہنا ایسا ہی ہے جیسے اس آغا نے ہندوستان کو خوب ملک کہا تھا اور دنیا کے سامان پر ناز کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے گدھے کی سواری اور لڑکوں کی فوج پر ناز کیا تھا۔ صاحبو! یہ بے حسی ہے۔ خدا کی قسم اگر ذرا بھی شعور ہوتو یہ سب

عذاب نظر آنے لگے۔ دنیا کی حکومت کے بارہ حدیث میں ہے کہ جس کی دس آدمیوں پر حکومت ہوگی قیامت میں اس کی مشکیں کس کر لایا جائے گا اگر چہ اس کے بعد چھوٹ ہی جائے آج اس کی درخواست کی جاتی ہے ان کے لیے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم اگر صاحب حکومت نہ ہوں گے تو قوم تباہ ہو جائے گی واقعی یہ سچ ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ مسلمان حاکم ہوں لیکن کون شخص ہو۔ اس کا فیصلہ خود حدیث میں موجود ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں القضاة ثلثة اثنان فی النار و واحد فی الجنة (ترجمہ) قاضی تین ہیں ان میں سے دو تو دوزخی ہیں اور ایک جنتی ہے۔

حکومت عالم باعمل کا حق ہے:

اور اس ایک کو عالم باعمل بتلایا ہے تو حکومت ضروری ہے مگر حکومت کے لیے پورا عالم ہونا چاہئے ورنہ بدون علم کے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور امتحان علم کا یہ ہے کہ ان کے سامنے جتنے مقدمات آئیں ان میں اپنی رائے سے فیصلہ لکھیں اس کے بعد اہل علم سے ان کا حکم دریافت کریں پھر دونوں کو ملا کر دیکھیں' خدا کی قسم زمین آسمان کا فرق نکلے گا۔

حکومت ایسے شخص کے سپرد ہونی چاہئے جو خود درخواست نہ کرے:

دوسری اس میں ایک اور شرط ہے کہ حکومت کی خود درخواست نہ کرے کیونکہ جو درخواست کرے گا وہ خود غرض ہوگا اور نفسانیت سے کام کرے گا اس کو لوگوں کی مصلحت پر ہرگز نظر نہ ہوگی اور اس سے مصلحت پر نظر ہوگی اور اس سے جتنی خرابیاں پیدا ہوں کم ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عہدہ قضا سے انکار کرنا:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قضا کا عہدہ قبول کرنے کے لیے کہا انہوں نے انکار کر دیا' عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہیں کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ سب ہی انکار کر دیں اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ پہلے بزرگ حکومت سے کتنی نفرت رکھتے تھے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص کام بھی کر سکے گا۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ دنیا کے لوگ حقیقت میں بڑی تکلیف اور عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں

اور دولت حقیقی دوسری چیز ہے تو خدا تعالیٰ اس آیت میں اس دولت کو بتلاتے ہیں اور اس کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور جس طریقہ کا آج کل رواج ہے اس کو رد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تمہارے مال اور اولاد اس قابل نہیں کہ تم کو ہم سے قریب کریں۔ البتہ ایمان اور اچھے کام اس کا ذریعہ ہیں جیسے بیان ہوا اور اس میں ان لوگوں کا بھی جواب ہو گیا جو کہتے ہیں کہ دنیا کی ترقی سے ہمارا مقصود دین کی ترقی ہے تو خدا تعالیٰ نے بتلا دیا کہ دین کی ترقی کی یہ صورت نہیں کہ بہت سا مال سمیٹ لو۔ ہم اس آیت کا ترجمہ کیے دیتے ہیں۔ اگر تین پانچ کرنا ہو تو خدا تعالیٰ سے کرو اور پوچھو کہ کیوں فرمایا۔

لوگ آج کل سب باتوں کا ذمہ دار مولویوں کو سمجھتے ہیں:

آج کل یہ بھی ایک عجیب عادت ہو گئی ہے کہ لوگ ہر بات کا ذمہ دار مولویوں کو سمجھتے ہیں' صاحبو! مولوی تو صرف منادی کرنے والے ہیں۔ دیکھو اگر کلکٹر کسی سے منادی کرا دے تو اس منادی کی حکمت منادی کرنے والے سے نہیں پوچھی جاتی۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ اس کا ذمہ دار نہیں' پھر کیا وجہ ہے کہ مولویوں کو ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اگر یہ کچھ بتلا دیں تو ان کا احسان ہے' باقی ان کے ذمہ کچھ نہیں۔

مال اور دولت قربِ ایمان کا ذریعہ نہیں بلکہ ایمان اور نیک اعمال اس کا ذریعہ ہیں ایمان اور عمل صالح کے متعلق مختصر سا بیان

غرض مال اور اولاد ذریعہ قرب نہیں بلکہ ایمان اور نیک اعمال ذریعہ قرب ہیں۔ میں ان کے متعلق کچھ مختصر سا بیان کرتا ہوں' سو بعض لوگ تو ہم میں سے ایسے ہیں کہ وہ ایمان ہی کو بگاڑ بیٹھے ہیں' اگرچہ ان کے عمل کسی درجہ میں اچھے ہیں لیکن عقیدے بالکل ہی تباہ ہیں۔ بہت سے لوگ پیروں سے اس قدر علاقہ رکھتے ہیں کہ خدا سے بھی اتنا تعلق نہیں رکھتے وہ ان کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا ایک منہ پھٹ رشتہ دار ہو کہ جو کچھ کہہ دے گا اسی پر دستخط ہو جائیں گے اور ان کے نام پر ہنسلی چڑھاتے ہیں کہیں منتیں مانتے ہیں۔ بعض نے تعزیوں کو اس قدر ضروری سمجھ رکھا ہے کہ ان کا سارا دین و ایمان وہی ہیں۔ بعض شخص کہنے لگے جب سے گیارہویں شریف چھوڑی ہے

اس وقت سے مجھ پر آفتیں آنی شروع ہو گئیں۔ لاحول ولا قوۃ میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ بزرگوں کو ثواب نہ پہنچایا کرو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنا عقیدہ خراب نہ کرو۔ بلکہ اس نیت سے ثواب پہنچاؤ کہ انہوں نے ہمارے ساتھ دینی احسان کیا تھا' ہم ان کو ثواب پہنچائیں اور یہ نیت نہیں ہونی چاہئے کہ ان سے ہمیں مال یا اولاد ملے گی اور غور کر کے دیکھو کہ اس نیت سے ثواب پہنچانا کیسی بے ادبی ہے' دیکھو! تمہارے پاس کوئی شخص مٹھائی لے کر آئے اور پیش کرنے کے بعد کہے کہ جناب آپ سے مجھے فلاں کام ہے تو تمہارے دل پر کیا اثر ہو گا۔ ظاہر ہے کہ جو خوشی اس کے مٹھائی لانے سے تم کو ہوئی ہو گی وہ سب خاک میں مل جائے گی اور سمجھو گے کہ یہ سب خوشامد اسی غرض کے لیے تھی۔ دوسرے جب وہ حضرات اپنی زندگی میں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی نہ رکھتے تھے تو اب مرنے کے بعد ان کو کیوں دلچسپی ہو گی' تو ایمان کی درستی جب ہو گی کہ اس قسم کی ساری باتوں سے توبہ کرو گے۔ دوسری چیز ہے نیک اعمال' اس کے متعلق یہ حالت ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ عقیدے درست کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ جب عمل نہیں تو خالی عقیدے کی درستگی کیا کرے گی اور جو لوگ عمل کو ضروری بھی سمجھتے ہیں تو صرف عبادات نماز روزہ وغیرہ کا کچھ خیال کر لیتے ہیں' باقی آپس کے معاملات تو بالکل ہی خراب ہیں' میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو متقی کہلاتے ہیں مگر ان کے معاملات بہت گندے ہیں' خدا جانے یہ کیسا تقویٰ ہے' کبھی ٹوٹتا ہی نہیں گویا بی بی تمیزہ کا وضو ہے بس ایک دفعہ کر لینے سے عمر بھر کی چھٹی ہو گئی۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کے معاملات بھی اچھے ہیں لیکن اخلاق نہایت خراب ہیں نہ خدا کی محبت نہ خوف نہ صبر نہ شکر نہ خدا پر بھروسہ بلکہ ان کے بجائے غرور دکھلاوہ' خود پسندی' حسد' کینہ وغیرہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ تو نیک اعمال میں یہ اخلاق باطنی بھی آ گئے اور یہی وہ چیز ہے جس کو تصوف کہتے ہیں اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ تصوف نہیں بلکہ معمولی چیز ہے تو سمجھو کہ جو لوگ تصوف کے فن کے امام ہیں ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف یہی ہے۔ چنانچہ تصوف کی بڑی معتبر کتاب میں لکھا ہے کہ التصوف تعمیر الظاهر والباطن (ترجمہ) ظاہر اور باطن کا سنوار لینا تصوف ہے اور باطن کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک عقیدہ اور دوسرا اخلاق' ان سب کی اصلاح بھی قرآن

میں ہے مگر صوفیاء نے اس کا نام تصوف رکھا ہے اور قرآن نے اس کو ایمان اور عمل صالح کے لفظ سے بیان کیا ہے حقیقت دونوں کی ایک ہے پس تصوف کی حقیقت ایمان اور نیک اعمال ہیں اور عقیدے اور اخلاق کی درستگی بھی اسی میں آ گئی۔

کامل پیر کی پہچان:

اور یہیں سے کامل پیر کی پہچان بھی معلوم ہو گئی کہ اس کے اندر ایک تو ایمان خالص ہونے کی ضرورت ہے دوسرا نیک اعمال کی' تیسرا اچھی عادات کی کہ اس میں صبر ہو شکر ہو دنیا سے نفرت ہو کہ اس کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی پاس والوں کا دنیا سے جی ہٹ جائے اور ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کی طرف عوام کم متوجہ ہوں اور اہل علم زیادہ متوجہ ہوں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جس درویش پر دنیا دار زیادہ جھکیں، سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خود بھی دنیا دار ہے اور جس طرف نیک آدمی زیادہ متوجہ ہوں وہ اس لائق ہے کہ دوسروں کو ہدایت کرے۔ جب ایسا شخص مل جائے تو اس کی صحبت اختیار کرو اور جن کو یہ سب باتیں حاصل ہوں۔ ایمان بھی خالص ہو' اعمال بھی نیک ہوں' اخلاق بھی درست ہو ان کے لیے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا کئی گنا بدلہ دیا جائے گا اور وہ جنت کے محلوں میں امن سے رہیں گے۔ یعنی اس قرب کے زوال کو کچھ کھٹکا نہ ہوگا۔ چونکہ آج کل جاہل لوگ گمراہ کرتے پھرتے ہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تصوف کی حقیقت اور کاملوں کی پہچان کروا دوں تا کہ لوگ ان کے پھندے سے بچ سکیں۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق نیک عطا فرمائیں۔

(آمین)

ملتمت

❁❁❁

(۱۷) علم اور خوف کے فضائل

منتخب از فضائل العلم والخشیۃ وعظ پنجم دعوات عبدیت

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ o

ترجمہ:- نہیں ڈرتے اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے مگر جاننے والے تحقیق اللہ تعالیٰ غلبہ والے اور بخشنے والے ہیں۔

اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں:

(۱) حضور ﷺ کی شفقت:

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے جس مضمون کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے اس کے لیے چونکہ یہ ٹکڑا کافی تھا اس لیے اس پر اکتفا کیا گیا۔ آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہو جائے گا۔ اس آیت سے پہلی آیتوں میں ہمارے نبی کریم ﷺ پر کافروں کی مخالفت سے بھی اس مضمون کی تاکید مقصود ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ پر کافروں کی مخالفت سے رنج وغم غالب رہتا تھا' اور اس سے ہمارے نبی کریم ﷺ کی انتہا درجہ کی شفقت اور مہربانی ہوتی ہے۔ یعنی آپ ان لوگوں کے سیدھی راہ پر نہ آنے کی وجہ سے بہت ہی بے چین ہوتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ کون سی تدبیر اختیار کروں کہ یہ لوگ اس کفر اور گمراہی سے باز آ کر سیدھے راستہ پر آ جائیں اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پائیں۔ آپ کی وہ حالت تھی جیسا کہ ایک شفیق باپ اپنے نافرمان بیٹے کی بری حرکتوں پر کڑھتا اور پریشان ہوتا ہے اور اس کی اصلاح کے لیے ہر وقت

کسی نہ کسی تدبیر میں لگا رہتا ہے۔ کبھی سمجھ دار لوگوں سے مشورہ کرتا ہے کبھی کسی سے دعا کرواتا ہے۔ کبھی تعویذ لکھواتا ہے کسی طرح یہ ٹھیک راستہ پر آ جائے' غرض اس کو بیٹے کی نافرمانیوں پر اس سے عداوت نہیں ہوتی' بلکہ اس پر رحم آتا ہے اور دل کڑھتا ہے' اسی طرح ہمارے نبی کریم ﷺ کی کافروں کی مخالفت سے حالت یہ تھی کہ تمام عمر آپ ﷺ کو یہی غم رہا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ کے غلبہ غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے خاص اس مضمون کی بار بار آیتیں نازل فرمائیں' چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے کہ: اے محمد ﷺ آپ کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ آپ ﷺ سے ان لوگوں کی حالت کا سوال نہیں کیا جائے گا۔ یعنی پھر آپ ﷺ کیوں غم کرتے ہیں اگر یہ ایمان نہیں لاتے نہ لائیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ آپ ﷺ کو ان پر داروغہ بنا کر تو نہیں بھیجا گیا کہ آپ ﷺ ضرور ہی ان سے ہمارے احکام کی تعمیل کرائیں۔ آپ ﷺ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے کیونکہ آپ ہمارا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ رہا عمل کروانا یہ کام داروغہ کا ہے اور آپ ﷺ کو داروغہ مقرر نہیں کیا گیا پھر اگر یہ لوگ عمل نہیں کرتے اور آپ کی بات نہیں مانتے تو آپ کو کیا غم ہے' ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ آپ ان کی حالت پر غم نہ کیجئے اور ان کے مکروں سے تنگ دل نہ ہوں' جیسے ایک جگہ ارشاد ہے کہ ہم جانتے ہیں ان لوگوں کی باتوں سے جو تنگ دلی آپ کو ہوتی ہے سو آپ ہماری یاد میں لگیے اور عبادت کو اپنا مشغلہ بنا لیجئے کہ اس سے یہ تنگ دلی رفع ہو جائے گی اور غم ہلکا ہو جائے گا۔ غرض بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کافروں کی حالت پر بہت رنج و غم تھا اور آیتوں سے اس رنج و غم کی وجہ کا بھی پتہ لگتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے کفر اور گمراہی سے باز آئیں۔ تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو ان لوگوں سے نفسانی عداوت نہ تھی بلکہ ان کی گئی گزری حالت پر رحم آتا تھا اور دیکھ دیکھ کر پریشان ہوتے تھے۔ کیونکہ اگر آپ کو ان کے ساتھ بغض اور عداوت ہوتی تو آپ ہرگز ان کے سیدھی راہ پر آ جانے کی تمنا نہ کرتے بلکہ یوں چاہتے کہ یہ لوگ ساری عمر کفر اور گمراہی میں پھنسے رہیں اور کبھی ان کو نکلنا نصیب نہ ہو۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اپنے دشمن کے

لیے انسان خیر خواہی نہیں کرتا بلکہ اس کی بدخواہی کے درپے ہوتا ہے۔ اگر بدخواہی کے درپے بھی نہ ہو تو خیر خواہی کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اور آپ کی یہ حالت تھی کہ یوں چاہتے تھے کہ گو وہ مجھے تکلیف ہو لیکن ان لوگوں کو تکلیف نہ ہونے پائے یہاں تک کہ جس معجزے کے وہ طالب ہوتے تھے حضور ﷺ چاہتے تھے کہ وہ معجزہ ظاہر ہو ہی جائے تا کہ اسی کو دیکھ کر سنبھل جائیں اور اپنی حالت درست کرلیں۔

آج کل کے رئیس عالموں سے فرمائش کرتے ہیں:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مکہ کے رئیسوں نے یہ درخواست کی تھی کہ ان غریب لوگوں کو جو آپ کے پاس آتے ہیں' ہمارے آنے کے وقت علیحدہ کر دیا کریں تو ہم ایمان لے آئیں گے' جیسا کہ آج کل کے رئیس بھی اس قسم کی فرمائشیں عالموں سے کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ اگر ان جولاہے تیلیوں کو مساجد وغیرہ میں آنے سے روک دیا جائے تو ہم مساجد میں آنے لگیں اور جماعت سے نماز پڑھنے لگیں اور یہ تو ہم سے نہیں ہوگا کہ کسی سقے یا جولاہے کے پیچھے نماز پڑھنے لگیں حالانکہ ان کو یہ بات کہتے ہوئے غیرت کرنی چاہئے تھی اس لیے کہ ان کا یہ کہنا کہ ہم جولاہوں سقوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے' حقیقت میں اپنے اوپر اعتراض کرنا ہے کہ یہ خود تو اس قابل نہیں ہو سکے کہ امامت کا منصب ان کو ملتا اور یہ دوسروں کے امام بنتے' غریب تو بیچارے خود ہی دب جاتے ہیں اگر ان میں لیاقت اور قابلیت ہوتی تو غریبوں کے امام بننے کی نوبت ہی کیوں آتی' اور اس پر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ باوجود علم حاصل نہ کرنے کے بھی اپنے آپ کو امامت کے قابل سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم میں اس کی لیاقت نہیں ہے کیونکہ آج کل روشن خیالی کے زمانہ میں ذرا سی دنیا کی عزت اور مرتبہ مل جانے ہی کو بڑی لیاقت اور قابلیت سمجھا جاتا ہے۔

دنیادار غرور کی وجہ سے اپنے کو دین کا مقتدا سمجھتے ہیں'

ایک رئیس کا عید کی نماز میں امام بننے کا قصہ

دنیادار لوگ کچھ ایسے مغرور و مست ہوتے ہیں کہ گو وہ وضو کے فرائض اور سنتوں سے بھی واقفیت نہ رکھتے ہوں لیکن اپنے آپ کو علم دینی اور علم دنیاوی دونوں کا پورا عالم سمجھتے ہیں میرے

سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک رئیس صاحب کو امامت کا شوق پیدا ہوا اور وہ امامت کرنے لگے اس سے پہلے کبھی امامت نہ کی تھی بلکہ شاید نماز کا بھی کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہو اور وہ بھی کسی مجبوری ہی کی وجہ سے' نتیجہ یہ ہوا کہ عید کی تکبیریں بھول گئے اب کھڑے سوچ رہے ہیں کہ کیا کروں آخر میں نے تکبیریں بتلائیں تو انہوں نے نماز پوری کی' جب یہ حالت ہے تو اب بتلایئے اگر سچے امامت نہ کریں تو اور کون کرے اور وہ بیچارے بھی آگے نہ بڑھیں تو کون ہے جو نماز پڑھائے' تو جیسے آج کل کے رئیسوں کی حالت تھی بلکہ ان سے بھی زیادہ' اس لیے ان لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے آنے کے وقت ان لوگوں کو ہٹا دیا کیجئے۔ تو ہم آپ کے پاس آیا کریں۔ حضور ﷺ کو شفقت کی وجہ سے یہ خیال ہوا کہ شاید اسی سے ان لوگوں کو کچھ انسیت ہو جائے اور رفتہ رفتہ سیدھی راہ پر آ جائیں اس لیے ان کی درخواست پورا کرنے کی کچھ رائے ہوئی لیکن خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان کی درخواست منظور فرمانے سے منع فرمایا اور ان کی درخواست کو رد کر دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ آپ بھی ان غریب لوگوں کو اپنے پاس سے نہ ہٹایئے ان کا کچھ لین دین آپ سے نہیں ہے' اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ بے موقع کام کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

(۲) حضور ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کس قدر محبت تھی:

صحابہ کو حضور ﷺ سے ایسی محبت تھی کہ اگر آپ ان کی دھجیاں اڑا دیتے تو ان لوگوں کے دلوں پر ذرا میل نہیں آ سکتا تھا' اور یہ حالت تھی کہ اگر آپ تھوکتے تو اس کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے ہاتھوں میں لیتے اور اپنے چہرے پر مل لیتے اور اگر ہاتھ میں نہ آتا تو دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ پھیر کر چہرے پر مل لیتے اور ان کی محبت کی یہ حالت تھی' کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ یہ تو امید ہے کہ ہم جنت میں جائیں گے لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ آپ کا درجہ جنت میں ہم سے بہت اعلیٰ ہوگا۔ تو جب ہم کو آپ کا دیدار نصیب نہ ہو سکے گا تو ہم جنت کو لے کر کیا کریں گے تو اس پر آیت نازل ہوئی' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جنت میں تم جو تمنا کرو گے وہ تم کو ضرور ملے گی اور حدیث میں اس کی تفسیر میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت والے باہم زیارت اور ملاقات کیا کریں گے' خلاصہ یہ ہوا کہ اگرچہ حضور ﷺ کا

مرتبہ اعلیٰ ہوگا لیکن تم حضور ﷺ کے دیدار اور زیارت سے محروم نہیں رہو گے بلکہ تم لوگ بھی حضور ﷺ کے مقام تک پہنچ جایا کرو گے۔ جیسے دنیا میں گو ہر شخص کا مکان الگ الگ ہوتا ہے لیکن ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے دوسرے کے گھر چلے جاتے ہیں تو اسی طرح وہاں بھی گو مکان الگ الگ ہوں گے مگر ملاقات ہو سکے گی۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو تمہارا جی چاہے گا وہاں تم کو ملے گا تو اگر کسی کا یہ جی چاہے گا کہ میں ہر وقت حضور ﷺ کی زیارت سے شرف حاصل کرتا رہوں تو ضرور اس کو زیارت ہو سکے گی رہی یہ بات کہ ایسی خواہش پیدا ہوگی یا نہیں یہ ہم کو معلوم نہیں ہے یہ بات وحی سے معلوم ہونے کی ہے۔ ممکن ہے بعض کو یہ دولت نصیب ہو بعض کو نہ ہو رہی یہ بات کہ جس کو یہ دولت نصیب ہوگی کیا وہ ہر وقت حضور ﷺ ہی کے گھر پر پڑا رہے گا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اپنے گھر ہی بیٹھے بیٹھے ہر وقت زیارت سے مشرف ہوتا رہے جس کی صورت یہ ہو کہ خدا تعالیٰ نظر میں ایسی قوت پیدا کر دیں کہ وہ درمیان کی چیزوں کو پار کر کے وہاں تک پہنچ جائے۔ اس زمانہ میں بھی ایسے آلات ایجاد ہوئے کہ ان کے ذریعہ سے بہت دور دور کی چیزیں دکھلائی دیتی ہیں اور درمیان کے پردے سب دور ہو جاتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نظروں میں ایسی قوت پیدا کر دے تو کیا تعجب ہے اور مثال اس لئے بیان کی گئی کہ آج کل کے روشن خیال لوگ جب تک کہ ولایت کی کوئی مثال نہ ہو اس وقت تک قرآن حدیث کی باتوں کو نہیں مانتے ورنہ ہم کو تو شرم آتی ہے کہ خدا کی خبریں منوانے کے لیے ولایت کی کاریگری کی مثالیں پیش کریں۔ غرض صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ بغیر حضور ﷺ کا دیدار کیے جنت میں جانا بھی ان کو پسند نہ تھا۔

ہر امتی کو دوسرے کی شفقت و ہمدردی ضروری ہے:

پس جب حضور ﷺ کو اس قدر شفقت تھی تو جو نبیوں کے وارث ہیں یعنی عالم اور جو حضور ﷺ کی امت میں ہیں ہر ایک کے ذمہ وہی حق ہوگا جو کہ حضور ﷺ نے ظاہر کیا۔ یعنی آپ بھی مخالفوں کے ساتھ وہی برتاؤ کریں جو حضور ﷺ نے کیا یعنی شفقت۔ مگر آج کل تو یہ حالت ہے کہ معمولی سے اختلاف میں عداوت اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو اپنے مخالف کے اس قدر درپے ہوتے ہیں کہ اس کو دنیاوی نقصان بھی پہنچانے کے درپے ہو

جاتے ہیں' اور اگر اتفاق سے اس کو کوئی دنیاوی نقصان پہنچ جائے تو اس کو اپنی کرامت اور اپنی بددعا کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

بزرگوں کو ستانے سے بہت نقصان پہنچتا ہے:

یہ تو بے شک سچ ہے کہ بزرگوں کو ستانا اچھی بات نہیں اس سے طرح طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔ جب تک کسی کے ہاتھ سے کسی اللہ والے کے دل کو درد نہیں پہنچتا اس وقت تک کسی کی رسوائی نہیں ہوتی۔ یہ بات تو بالکل سچ ہے مگر یہ کسی کو کب جائز ہے کہ وہ اپنے کو بھی ایسا بزرگ سمجھے۔ ہاں البتہ اگر کوئی دوسروں کی نسبت یہ گمان کرے کہ یہ بزرگ ہیں اور ان کے مخالفوں پر ان کے ستانے کی وجہ سے مصیبت آئی تو بے جا نہیں اور اس وقت بھی بے جا نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ مصیبت زدوں کی مصیبت کو دیکھ کر خوش ہو بلکہ غمگین ہونا چاہئے اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیے اور یہ حالت ہونی چاہیے جیسے کسی کا لڑکا جوا کھیلتا ہو اور اس میں پکڑا گیا۔ تو دیکھئے اس کے باپ کی کیا حالت ہوگی اگر چہ وہ اس خبر کو سن کر زبان سے کہہ دے گا کہ اچھا ہوا پکڑا گیا لیکن دل کی یہ حالت ہوگی کہ بے قرار ہو جائے گا اور رہائی کی تدبیریں کرے گا دعائیں کرائے گا اور جگہ جگہ کہتا پھرے گا بلکہ اگر کوئی اس کے سامنے بار بار یہ تذکرہ کرے گا کہ یہ جوا کھیلنے میں قید ہو گیا تو اس کو ناگوار گزرے گا۔ اگر لوگ اس کی عیادت اور دل جوئی کو آئیں گے تو ان کی عیادت لے گا' تو صاحبو! اس کی کیا وجہ ہے کہ اگر اپنے بیٹے پر کوئی مصیبت آئے تو قلب کی یہ حالت ہو جائے اور اگر کسی دوسرے مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو دل پر اثر ہی نہ ہو' میں اس کی شکایت کرتا ہوں' ہاں اگر شفقت کی وجہ سے غصہ ہو تو وہ برا نہیں معلوم ہوتا اور شفقت کے غصہ کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آبادی کے غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ شاید ہی کوئی شخص ان کے غصہ سے بچتا ہو۔ لیکن باوجود اس کے کبھی کسی کو ناگوار نہ ہوتا تھا اس لیے کہ وہ محبت سے ہوتا تھا۔ خوب کہا ہے

محبت ہو کسی سے یا عداوت
مزا دے جائے گی جو دل سے ہو گی

صاحبو! تمہارے پاس دل نہیں اس لیے تمہاری ہمدردی بھی صرف باتیں ہی باتیں ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

جو لوگ ہمدردی کا دم بھرتے ہیں ان میں ہمدردی کی بوتک نہیں:

جو لوگ آج کل ہمدردی کا دم بھرتے ہیں ان کے لئے میں ایک مثال پیش کیا کرتا ہوں کہ اگر ایسے شخص نے ڈپٹی کلکٹر کی درخواست دی جو اپنے گھر سے ایسا خوشحال ہے کہ اگر نوکری نہ بھی کرے تو اس کے ضروریات پورے طور پر چل سکتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا ایسا شخص درخواست دے جو بالکل تنگدست ہے ایسا کہ اگر اس کو ملازمت نہ ملے تو کھانے پینے کی ضروریات بھی اس کے مشکل سے پورے ہوں اور یہ خوشحال صاحب درخواست دینے میں مقدم ہو گئے اور غریب دوسرے نمبر پر ہو گیا۔ تو ہم نے آج تک کسی ہمدردی کے دم بھرنے والے کو نہیں سنا کہ اس نے اس غریب آدمی کی غربت کا خیال کرتے ہوئے اپنی درخواست کو واپس لے لیا ہو اور بزرگوں میں ہزاروں مثالیں اس سے زیادہ ہمدردی کی دکھلا سکتا ہوں جو دنیا داروں میں کبھی نہیں ہو سکتیں۔ ہاں دنیاداروں میں ایک وضع داری ضرور ہے جس کو دنیا کی لاج کے مارے نباہتے ہیں۔ ان لوگوں میں ایک تو ہمدردی نہیں ہوتی۔

اللہ والوں اور آج کل کے ہمدردوں میں بڑا فرق ہے:

اور دوسرا فرق ان لوگوں میں اور اللہ والوں میں یہ ہے کہ اللہ والے کریں گے بہت کچھ اور کہیں گے کچھ نہیں اور یہ لوگ کریں گے خاک نہیں اور دنیا بھر میں شور وغل مچاتے پھریں گے اور اللہ والے جو کچھ بھی کرتے ہیں صرف خدا کو خوش کرنے کے لیے کرتے ہیں کوئی دنیاوی غرض ان کی نہیں ہوتی اور دنیادار جو کچھ بھی کرتے ہیں صرف دنیاوی اغراض کے لیے اور اسی سے یہ بھی سمجھ لو کہ ان دنیاداروں کی ہمدردی کو کچھ قرار نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی ہمدردی دنیاوی اغراض کے لیے ہوتی ہے اور دنیاوی غرضیں خود بدلتی رہتی ہیں، صبح کچھ ہے شام کچھ ہے تو پھر ان کی وجہ سے جو ہمدردی ہوگی وہ کیونکر پائیدار ہو سکتی ہے ضرور بدلتی رہے گی، ممکن ہے کہ کل سچ بولنے میں دینی مصلحت تھی اور آج جھوٹ بولنے میں دنیاوی مصلحت ہے تو آج جھوٹ بولیں گے اور کل آپ کے ساتھ ہمدردی کرنے میں مصلحت تھی اور آج ہمدردی نہ کرنے میں تو

وہ ضرور بے دردی کریں گے اور اللہ والوں کی ہمدردی ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ کیونکہ جس ذات کو خوش کرنے کے لیے وہ ہمدردی کرتے ہیں وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ پھر غرض ان کی ایک ہے یعنی خدا تعالیٰ کو خوش کرنا اور خدا تعالیٰ جس بات سے آج خوش ہیں قیامت تک اسی سے خوش ہیں اور ایک فرق یہ بھی ہے کہ دنیاداروں کی ہمدردی تو صرف قومی ہمدردی ہے۔ یعنی وہ جو کچھ کم زیادہ ہمدردی اپنی قوم سے کرتے ہیں وہ محض اپنی قوم ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی ہمدردی اللہ کے لیے ہے کہ وہ ہر شخص سے وہی برتاؤ شفقت کرتے ہیں۔ جو اپنوں سے کرتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ ان کو جانوروں تک سے ہمدردی ہوتی ہے اور ان کی وہ شان ہے جس کو قرآن مجید میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (ترجمہ) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر جہان بھر کے لیے رحمت بنا کر' پس ان کی یہی شان ہوتی ہے کہ تمام جہان کے لیے ان کی ذات مبارک رحمت خداوندی ہوتی ہے' چنانچہ ملا دو پیازہ نے اپنے آل نامہ میں لکھا ہے۔ الرسول خیر خواہ دشمناں''

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ خلیفۂ وقت نے کسی بات پر برہم ہو کر بلا بھیجا۔ حضرت شبلی بھی ساتھ تھے۔ جب خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ نوجوان تھے ان کے مرشد کو برا بھلا کہا جا رہا تھا اس لیے آپ کو جوش آیا قالین پر ایک شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی آپ نے اس پر نظر ڈالی تو سچ مچ کا شیر بن کر خلیفہ کی طرف تیز نظر سے دیکھنے لگا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی جب اس پر نظر پڑی تو آپ نے حضرت شبلی کو گھور کر دیکھا اور اس شیر کو تھپک دیا اور پھر اصلی حالت پر شیر قالین ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اسے اشارہ کیا وہ پھر سچ مچ کا شیر بن کر سامنے ہوا۔ اس مرتبہ خلیفہ وقت کی بھی نگاہ اس پر پڑی خوف کے مارے کانپنے لگا اور ہاتھ باندھ کر معافی چاہی کہ مجھ سے گستاخی ہوئی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شیر کو اصلی حالت پر کر دیا اور خلیفۂ وقت سے فرمایا آپ کچھ اندیشہ نہ کیجئے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ آپ خلیفۂ وقت ہیں۔ آپ کی اطاعت اور ادب ہم پر واجب ہے۔ یہ لڑکا ہے آدابِ شاہی سے واقف نہیں آپ کا جو دل چاہے کہیے۔

صاحبو! آپ نے سنا یہ ہوتی ہے ان حضرات کی شان' دنیادار اگر بادشاہ کی اطاعت کرتے بھی ہیں تو اسی وقت تک کرتے ہیں جب تک کہ اطاعت میں اپنا فائدہ نظر آتا ہے' ورنہ اطاعت اور فرمانبرداری سب ختم ہو جاتی ہے اور اللہ والوں کی یہ حالت ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مگر کچھ نہیں کرتے۔ جو حکم بادشاہ کا ہوتا اس میں اطاعت کرتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کا حکم ہے اَطِیْعُوْا ذَا اَمْرِ کُمْ (ترجمہ) اطاعت کرو اپنے حاکم کی جب وہ تم کو حکم کرے۔ تو ان حضرات کی جو بات بھی ہوگی پختہ ہوگی اس لیے یہ پورے شفیق ہیں۔ اس سے زیادہ کیا شفقت ہوگی کہ شیر کو مٹا رہے ہیں اور بادشاہ کو خبر ہی نہیں کرتے اس لیے کہ اس کے ساتھ ہمدردی کرنے سے مقصود خدا کو خوش کرنا ہے۔ حضرت مجدد صاحب کی حکایت لکھی ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک شیخ تھے۔ حضرت مجدد صاحب کو کشف سے معلوم ہوا کہ ان کا نام خدا تعالیٰ کے ہاں دوزخیوں میں لکھا ہوا ہے تو آپ نے ان کو تو اطلاع نہیں دی مگر خود ان کے لیے برابر دعا کرتے رہے کہ اے اللہ ان کا نام دوزخیوں سے مٹا کر جنتیوں کی فہرست میں لکھ دیجئے۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی۔ تب آپ کو چین آیا' دیکھئے اس شیخ کے ساتھ کتنی بڑی ہمدردی کی لیکن ان کو خبر بھی نہیں ہونے دی بزرگ ایسے ہوتے ہیں۔ نہ آج کل کے جیسے بزرگ بعض بزرگ نہیں ہوتے مگر وہ دعویٰ بزرگی کا کرتے ہیں اور جو واقعی بزرگ ہوتے ہیں ان سے عداوت رکھتے ہیں اور ان کو سچے بزرگوں سے عداوت ہونا کچھ عجب بھی نہیں کیونکہ یہ حضرت رسول اللہ کے خلیفہ ہیں تو جس طرح رسول ﷺ سے اہل باطل کو عداوت ہوتی رہی ہے ایسے ہی ان کے ساتھ ہوگی۔ چنانچہ اہل باطل کو کسی سے عداوت رکھنا اس کے کمال کی علامت ہے۔

ایک بزرگ کی لونڈی کا قصہ سلطان جی کے زمانہ میں:

حضرت سلطان جی کے زمانہ میں ایک بزرگ تھے ان پر اتفاق سے ایسا افلاس آیا کہ تمام مال ختم ہو کر صرف ایک لونڈی رہ گئی جب اس لونڈی نے دیکھا کہ اب کچھ نہیں رہا تو ان سے عرض کیا کہ اب مجھے بیچ دیجئے آخر میں کس کام کی ہوں مگر کسی دیندار کے ہاتھ بیچئے گا۔ آپ نے کہا کہ میں تجھے ایسے شخص کے ہاتھ بیچوں گا کہ اس سے زیادہ اس وقت کوئی دیندار ہی نہیں' یعنی حضرت نظام الدین سلطان جی کے ہاتھ' اس نے عرض کیا حضور ہے تو گستاخی لیکن

ان بزرگ کی تو بزرگی ہی میں مجھے شبہ ہے کیونکہ بزرگی کی علامت میں سے یہ بات بھی ہے کہ کوئی نہ کوئی تو اسے برا کہے اور میں دیکھتی ہوں کہ کوئی ان کو برا نہیں کہتا دیکھئے اس لونڈی کی سمجھ۔ لیکن آج کل ایسی جہالت پھیلی ہے کہ بزرگی کی علامت یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب جہاں گئے اسی جگہ کے رنگ پر ہو گئے جیسا کسی کو دیکھا اسی کے موافق کہنے لگے تا کہ ساری دنیا خوش رہے گنگا گئے گنگارام جمنا گئے جمنارام' خیر اس لونڈی کو یہ شبہ ہوا کہ یہ اگر بزرگ ہوتے تو کوئی ان کا برا کہنے والا بھی ہوتا اور اس وجہ سے بھی اس کو شبہ ہوا کہ حضرت سلطان جی کے در پر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ وزیر ہاتھ باندھ کر آتے تھے۔ اس موقعہ پر ایک حکایت یاد آ گئی کہ ایک مرتبہ آپ کے ہاں ایک وزیر حاضر تھا کھانے کا وقت آیا۔ خادم نے کھانا لانے کی اجازت چاہی وزیر کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر آج مچھلی کے کباب ہوں تو کیا خوب ہو۔ حضرت سلطان جی کو کشف سے اس کا یہ خیال معلوم ہو گیا' خادم سے فرمایا ذرا ٹھہرو' تھوڑی دیر بعد اس نے پھر دریافت کیا آپ نے پھر یہی جواب دیا' کچھ دیر کے بعد ایک شخص خوان میں مچھلی کے کباب لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ مچھلی کے کباب آپ کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے دستر خوان لگانے کا حکم دیا وزیر یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا' آپ نے وزیر سے فرمایا لیجئے مچھلی کے کباب حاضر ہیں مگر ذرا وقت کی گنجائش رکھ کر فرمائش کیا کیجئے۔ غرض آپ کے اندر ایک محبوبیت کی شان تھی اور ایک حضرت علاؤ الدین صابر صاحب تھے کہ گولر کھا کر بسر کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ بھی نہ ہوتے تھے' اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک کا رنگ و بو الگ ہے کوئی کسی شان کا کوئی کسی شان کا' تو حضرت سلطان جی کی یہ حالت تھی کہ آپ کے در پر سب سر جھکاتے تھے اس لیے اس لونڈی کو آپ کی بزرگی میں شبہ ہوا' ان بزرگ نے کہا کہ میں تجھے ان کے ہاتھ اس طور پر بیچوں گا کہ تین دن واپس کر لینے کا اختیار لے لوں گا' دو تین دن کے اندر تو ان کی یہ حالت دیکھ لینا پھر اگر تیری مرضی ہو گی تو رہنا ورنہ میں تجھے واپس لے لوں گا غرض ان بزرگ نے حضرت سلطان جی کے ہاتھ اس کو بیچ دیا۔ وہ چونکہ پورے طور پر معتقد نہ تھی اس فکر میں لگی رہی کہ دیکھوں کوئی ان کو برا بھی کہتا ہے' حضرت سلطان جی کو کشف کے ذریعہ سے اس کے وسوسہ کی اطلاع ہو گئی آپ نے اس سے فرمایا کہ جا کر پڑوس سے آگ

لے آ' وہ پڑوسن کے ہاں گئی اور کہا کہ حضرت جی کے ہاں تھوڑی سی آگ کی ضرورت ہے پڑوسن نے حضرت کا لفظ سن کر آپ کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور کہا کہ ڈاکو کو حضرت کہتے ہیں' لونڈی یہ سن کر بہت خفا ہوئی اور بگڑ کر واپس چلی آئی' حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ اب تو معلوم ہو گیا کہ مجھے سب اچھا نہیں سمجھتے دیکھ میری پڑوسن ہی مجھ کو کیسا برا سمجھتی ہے اس نے کہا کہ حضرت یہ میری جہالت تھی واقعی آپ صاحب کمال ہیں۔ پھر دو دن کے بعد اس کے پہلے مالک آئے اور آ کر اس سے پوچھا اس نے عرض کیا کہ حضور واقعی یہ بزرگ ہیں۔ اب آپ کو واپس لینے کی ضرورت نہیں' غرض کہ عام طور پر مقبول ہونا کوئی بزرگی نہیں ہے بلکہ یہ تو کمال نہ ہونے کی علامت ہے۔

کاملوں کو اپنے نفس کے لیے غصہ نہیں آتا:

کاملوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کو سب بھی برا کہیں تب بھی یہ کسی کو کچھ نہیں کہتے' میں یہ نہیں کہتا کہ ان حضرات کو غصہ نہیں آتا' غصہ ضرور آتا ہے مگر وہ غصہ خدا کے لیے ہوتا ہے اپنے نفس کے لیے نہیں ہوتا' اپنے نفس کے لیے ان کی وہی حالت ہوتی ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو کہ دس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے **ما قال لی قط لم نعلت کذا**۔ یعنی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام تو نے اس طرح کیوں کیا اس طرح کیوں نہیں کیا' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بوجہ بچپن کے اس قدر بے تکلف تھے' کہ ایک مرتبہ آپ نے کسی جگہ جانے کو فرمایا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں تو نہیں جاتا مگر دل میں یہ تھا کہ ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار پر خفا نہیں ہوئے اگر کوئی کام ان سے بگڑ جاتا تو آپ فرماتے کہ تقدیر میں یونہی تھا' مگر ان پر خفا نہیں ہوتے تھے۔

(۴) اصل مقصود یعنی آیت کا مطلب:

اصل مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ کفار بہت ستاتے تھے اور آپ انتہا درجہ کی شفقت رکھتے تھے تو آپ کو ان کی مخالفتوں سے بہت غم ہوتا تھا اور ان کا انجام سوچ کر بہت پریشان رہتے تھے اور چونکہ واقعات بہت زیادہ تھے جن کی وجہ سے غم بھی زیادہ ہو گیا تھا اس

لئے خدا تعالیٰ نے جگہ جگہ آپ ﷺ کی تسلی فرمائی ان میں سے ایک مقام یہ بھی ہے' جس کو تلاوت کیا گیا' چنانچہ اس سے پہلی آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے ڈرانے سمجھانے سے وہ شخص نفع اٹھا سکتا ہے' جس کے دل میں خوف ہے اور خدا کی اطاعت کرتا ہو اور یہ اس سے بالکل کورے ہیں اور آگے یہ فرماتے ہیں کہ ''اندھے اور سوانکھے'' اندھیرا اور نور'' سایہ اور دھوپ'' برابر نہیں ہو سکتے' تو یہ لوگ اندھے ہیں اور ان کے دل سیاہ ہیں پھر یہ کیسے نفع اٹھا سکتے ہیں' پھر آپ ان کے حالات سے غمگین کیوں ہوتے ہیں' آگے ارشاد ہے کہ خدا جس کو چاہیں سنا دیں' آپ ان لوگوں کو جو مردوں کی طرح بے حس بے شعور ہیں' نہیں سنا سکتے' آپ اس غم میں نہ پڑیں' آپ تو ڈرانے والے ہیں' پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں یعنی اوپر معلوم ہوا ہے کہ ڈرانے سمجھانے سے وہی نفع اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف ہو۔

حضور ﷺ کے ڈرانے سے اہل علم نفع اٹھا سکتے ہیں:

اور یہاں فرماتے ہیں کہ خدا کا خوف ان لوگوں میں ہوگا جن میں علم ہو' خلاصہ یہ کہ آپ کے ڈرانے سے وہ نفع اٹھا سکتے ہیں جن میں علم ہو کیسی کامل تسلی فرمائی کہ جہاں آپ علم دیکھیں وہاں اہتمام بھی کریں اور جہاں یہ نہ ہو وہاں غم نہ اٹھائیں اور اس آیت سے کئی فائدے معلوم ہوئے ایک تو یہ کہ عالموں کو چاہئے کہ وہ ایسوں پر بھی شفقت کیا کریں' دوسرا یہ کہ غم کی بھی حد ہونی چاہئے کہ اس حد سے آگے نہ بڑھیں' حضور ﷺ تو قوی تھے' ہم ضعیف ہیں اگر غم کا زیادہ بار ہم پر پڑے گا تو اندیشہ ہے کہ ہم کو جنون نہ ہو جائے تو ایسے لوگوں کو راہ پر لانے میں زیادہ اہتمام کے بھی درپے نہ ہو۔

شریعت نے اچھے کاموں کی بھی حد مقرر کر دی ہے:

یہ شریعت کی خوبی ہے کہ اس نے اچھے کاموں اور اچھی عادتوں کی بھی حد مقرر کر دی ہے کہ ان سے آگے نہ بڑھا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسئلك من خشيتك ما تحول به بيننا و بين معاصيك (ترجمہ) سوال کرتا ہوں میں آپ سے اس قدر خوف کا جو گناہوں سے روک دے۔ صاحبو! غور کیجئے کہ حضور ﷺ خدا سے خوف مانگتے ہیں لیکن اس

کے ساتھ یہ قید بھی لگا دی ہے کہ خوف اس قدر ہو کہ گناہ نہ ہونے دے۔اس میں حکمت یہ ہے کہ جب خوف حد سے بڑھ جاتا ہے تو آدمی کو بیکار کر دیتا ہے انسان کسی کام کا نہیں رہتا اور حکمت اس میں یہ ہے کہ جب کوئی چیز حد سے بڑھ جاتی ہے تو اول اثر اس کا جائز کاموں پر پڑتا ہے کہ ان کو چھڑا دیتا ہے پھر جب اور غلبہ ہوتا ہے تو فرض اور واجب تک نوبت آتی ہے۔ پھر جب بالکل ہی انتہا ہو جاتی ہے تو ناامیدی پیدا ہو جاتی ہے خیال ہوتا ہے کہ میں اس قدر گنہگار ایسا شریر ہوں تو میری بخشش کس طرح ہو سکتی ہے اور جب بخشش نہیں ہو سکتی تو بلاوجہ مشقت اٹھاؤں میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے وہ کہتے تھے کہ دوزخ تو میرے لیے ضرور لکھی ہے' پھر نفس کے مزوں میں بھی کیوں کسر اٹھا رکھوں' چنانچہ انہوں نے اس قدر ظلم کیے کہ ظلم کی کوئی انتہا ہی نہیں رہی پس جب کہ خوف کی زیادتی کا اثر یہ ہے کہ آدمی کو بیکار کر دیتا ہے اس لیے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اے خدا مجھے اتنا خوف دے کہ وہ گناہوں سے بچائے۔صاحبو! کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ کسی نے عمدہ عادات کی حد بتلائی ہو۔

شوق کتنا ہونا چاہیے:

اور فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اپنے ملنے کا شوق دیجئے مگر وہ شوق اتنا نہ ہو کہ میرے جسم کو نقصان پہنچائے یا میرے لیے فتنہ کا سبب بن جائے کیونکہ شوق کا اثر یہ ہے کہ جب حد سے زیادہ ہوتا ہے تو اس کا اثر اول جسم پر پڑتا ہے۔دل میں جلن پیدا ہوتی ہے اور اس سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور انسان کی تمام قوتوں میں خلل آ جاتا ہے کہ بعض وقت ضروری عبادات بھی چھوٹنے لگتی ہیں' دوسرا نقصان اس سے یہ ہوتا ہے کہ جب شوق بہت بڑھتا ہے تو اس سے ناز پیدا ہوتا ہے اور خدا کا خوف کم ہو جاتا ہے اور بے ادبی کی باتیں زبان سے نکلنے لگتی ہیں' حالانکہ ناز کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔حضور ﷺ نے اس دعا میں دونوں کا لحاظ فرمایا کہ اے اللہ نہ مجھے اس سے ظاہری نقصان ہو اور نہ باطنی نقصان ہو جب معلوم ہوا کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے تو شفقت کی بھی ایک حد ہونی چاہئے آج کل حد سے نکل جانے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو دنیا دار کہ وہ بھی حد سے نکل جاتے ہیں دوسرے دیندار کہ وہ بھی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔دنیاداروں نے تو یہ کیا کہ وہ قوم پر ایسی شفقت کرتے ہیں کہ اس میں

دین کا بھی نقصان ہو جاتا ہے بلکہ اکثر کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمدردی بھی کرتے ہیں تو اس لئے کہ یہ ہماری قوم ہے اس سے ہمدردی کرنا ضروری ہے۔ غرض جو بھی کام کرتے ہیں اپنی قوم ہونے کی وجہ سے بلکہ مذہب پر بھی اس مجبوری سے رہتے ہیں کہ جب تک مذہب ایک نہ ہو اس وقت تک قومی اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا اور بدوں اتفاق کے ترقی نہیں ہو سکتی اس لیے کہتے ہیں کہ ہم کو ایک مذہب پر رہنا چاہئے اور دوسروں کو بھی جو اسلام لانے کو کہتے ہیں وہ بھی اس لئے کہ اگر یہ ہمارے مذہب میں آ جائیں گے تو ہماری تعداد بڑھ جائے گی اور ہم دوسری قوموں سے آگے نکل جائیں گے ورنہ اگر ان کے نزدیک مذہب قابل قدر چیز ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کے ایک حکم کو تو لے لیا اور باقی سب حکموں کو چھوڑ دیا' سود حرام ہے اس حکم کو چھوڑا' نماز کو چھوڑا صرف ایک اتفاق اور ہمدردی کو لے لیا' اکثر دیکھا گیا ہے کہ قومی فنڈ میں ایک ایک روپیہ کو نیلام کیا جاتا ہے اور وہ چار پانچ سو کو بکتا ہے حالانکہ یہ واضح سود ہے صرف ایک قوم کا لفظ یاد کر لیا ہے اور بس صاحبو! غور تو کرو کہ قوم کی خدمت کرنے میں جو بھلائی ہے وہ اسی وجہ سے تو ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ قوم کی خدمت کرو تو جب خدا کو ناراض کر کے تم نے قوم کی خدمت کی وہ خدمت اچھی کہاں رہی' جب خدا ہی سے سلسلہ توڑ دیا تو قوم سے جوڑ کر کیا بھلائی پاؤ گے جب خدا سے بیگانگی ہو گئی تو کہاں کی قوم۔ صاحبو! حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ تو تم قوم کے خیر خواہ نہیں بن سکتے' پھر دیکھ لیجئے انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جو خدا کی نافرمان تھی کیا کیا۔

ایک عہدہ دار مسلمان روشن خیال کی حکایت:

میرٹھ میں ایک عہدہ دار مسلمان کے پاس عید کے دن بہت سے مسلمان گئے تو وہ عہدہ دار صاحب ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ آج آپ لوگوں کی عید ہے۔ افسوس ان کو اسلامی عید کا اپنی طرف منسوب کرنا بھی ناگوار ہوا یہ نہیں کہا کہ آج ہماری عید ہے بلکہ یہ کہا کہ آج آپ لوگوں کی عید ہے۔ اور اس پر بھی یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمدرد اور قوم کا جانثار کہتے ہیں' اور لیجئے ایک مسلمان کلکٹر ہو گئے تھے۔ ان کو کلکٹر ہو جانے کے بعد اسلام سے اس قدر وحشت ہوئی کہ اپنے اصلی نام کو بھی باقی نہ رکھا اس کو کانٹ چھانٹ کر کے انگریزی ناموں کے طرز پر

بنایا اور لطف یہ ہے کہ پھر اپنے کو مسلمان بھی کہتے تھے صاحبو! یہ ترقی اسلام کی ترقی تو ہرگز نہیں۔ اسلام ایسی ترقیوں سے بیزار ہے بلکہ سچ پوچھو تو اسلام کی ترقی تو تمہارے صوفی وضع بننے سے بھی نہیں ہوتی۔ جب تک ایمان دل میں پیوست نہ ہو جاتے کیونکہ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہی دے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی اور اس کی ترقی یہ ہے کہ توحید ورسالت کی بڑائی دل میں رچ جائے۔ پس ترقی اسلام کی یہ ہے کہ نہ کہ مال و دولت کی ترقی بلکہ اگر ساری دنیا کے مسلمان نادار ہو جائیں تب بھی اسلام کی ترقی باقی ہے کیونکہ اسلام فش اور جوکڑی کا نام نہیں تو آج کل یہ جتنی ترقی ہو رہی ہے اسلام کی ترقی نہیں البتہ اللہ والوں کا اسلام اب بھی ترقی پر ہے گو ان کے پاس ظاہری سامان نہ ہو۔ آخر صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا بات تھی حالانکہ وہ حضرات ٹوٹی ہوئی چٹائیوں پر بلکہ کنکریوں پر بیٹھے ہوئے سلطنت فارس و روم کا فیصلہ فرماتے تھے مگر کوئی مال و دولت ان کے پاس نہ تھی اور نہ اس کی ہوس تھی اس لیے ان حضرات کو دولت ملنے سے خوشی نہیں ہوتی تھی۔

ایک صحابی کی حکایت:

چنانچہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ روتے تھے لوگوں نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا افسوس ہے کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں پلہ داری کرتے تھے اور آج اس قدر مال و دولت جمع ہے کہ سوائے مٹی میں دفن کرنے کے اور کہیں رکھنے کی جگہ نہیں۔ حضرات اگر وہ اصلی ترقی آپ کو نصیب ہو جائے تو خدا کی قسم اس ظاہری نمود کو آپ بالکل ہیچ سمجھنے لگیں۔ آپ کو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی کیا قدر تھی۔ کچھ بھی نہ تھی مگر آپ کی ساری عمر دنیا پرستی میں گزری ہے اس لیے آپ کو کچھ خبر نہیں۔

ایک بزرگ اور ایک بادشاہ کی حکایت:

ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے پوچھا کہ اگر اتفاقاً تم شکار میں نکل جاؤ اور اکیلے رہ جاؤ اور اس وقت تم کو شدت سے پیاس لگے کہ تمہارا دم نکلنے لگے اس وقت اگر کوئی شخص تمہارے پاس ایک پیالہ پانی لائے اور آدھی سلطنت اس کی قیمت بتلائے تو تم اس کو خرید لو گے کہ نہیں اس نے کہا کہ میں ضرور خرید لوں گا۔ پھر ان بزرگ نے کہا کہ اگر اتفاق سے تمہارا

پیشاب بند ہو جائے اور کسی طرح نہ کھلے اور ایک شخص اس شرط پر پیشاب اتار دینے کا وعدہ کرتا ہے کہ باقی آدھی سلطنت اس کو دے دو تو تم کیا کرو؟ اس نے کہا کہ باقی آدھی سلطنت بھی اس کو دے دوں گا۔ تو اس بزرگ نے کہا کہ بس آپ کی سلطنت کی یہ قیمت ہے۔ ایک پیالہ پانی اور ایک پیالہ پیشاب جس میں آپ اس قدر مست ہو رہے ہیں تو اللہ والوں کو دنیا کا یہ نرخ معلوم ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی سلطنت ہونے پر بھی دنیا کی ہوس نہیں کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت تھے مگر کھانا کپڑا جو تھا معمولی سے بھی کم تھا' کیونکہ وہ حضرات جانتے تھے کہ اصل چیز دوسری ہے۔ ہمارے بعض بھولے بھالے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے لڑتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت لے لی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ دی۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات کو دعا دیجئے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اول ہی سے خلافت دے دی جاتی اور اتنی مدت تک یہ خلیفہ رہتے تو ان کو کتنی لمبی مدت تک تکلیف ہوتی جو اٹھائے نہ اٹھتی کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان حضرات کو دنیا سے کس قدر نفرت تھی' پس ان حضرات رضی اللہ عنہم نے بڑا سلوک کیا کہ اس مصیبت کو خود بانٹ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہ پہنچنے دی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شکر رنجی کے متعلق نہایت عمدہ مثال:

اور جو کچھ ان حضرات میں شکر رنجی ہوئی تو اس کے بہت قصے تو غلط مشہور ہیں۔

دوسرا جب دوستی ہوتی ہے تو شکر رنجی بھی ہو ہی جاتی ہے۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو خادموں سے جو کہ آپس میں نہایت درجہ دوستی رکھتے تھے۔ پوچھا کہ تم دونوں میں کبھی لڑائی بھی ہوتی ہے کہ نہیں' انہوں نے عرض کیا کہ حضور کبھی کبھی ہو جاتی ہے مگر پھر ملاپ ہو جاتا ہے۔ فرمایا تمہاری دوستی ہمیشہ رہے گی۔ ذوق شاعر کہتا ہے

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے

اور ایک عربی حکیم لکھتا ہے ویبقی الود مابقی العتاب یعنی محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک شکوہ شکایت رہتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دوستی تب باقی رہتی ہے جبکہ دل میں غبار نہ رہے اور اگر شکایت نہ کی جائے اور بات کو دل میں رکھا جائے تو تمام عمر بھی دل سے

کدورت نہ نکلے گی اور دل کی بھڑاس نکال لی جائے تو پھر دل صاف ہو جاتا ہے یہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو کہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوبہ تھیں۔ وہ بھی کبھی کبھی ناز کے طور پر روٹھ جاتیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تمہاری خوشی اور ناراضگی کے وقت کو پہچانتا ہوں۔ جب تم ناراض ہوتی ہو تو اس طرح قسم کھاتی ہو کہ رب ابراہیم کی قسم اور جب خوش ہوتی ہو تو یوں کہتی ہو کہ رب محمد کی قسم' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضور اس وقت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیتی ورنہ دل میں تو آپ ہی بسے ہوتے ہیں۔ تو اگر آپس میں ان حضرات میں کوئی بات ہوئی بھی ہو تو وہ عداوت نہیں تھی بلکہ آپس میں ایک دوسرے پر ناز تھا' ہمارا منہ نہیں کہ ہم اس پر اعتراض کریں کانپور میں ایک صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے میں ان سے ملا انہوں نے وہی ذکر چھیڑا اور یہ حدیث پڑھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اس نے خدا کو برا کہا۔ اور کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نامناسب الفاظ کہہ دیتے تھے تو وہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے برا کہنے والے ہوئے اور جو صحابی رضی اللہ عنہ کو برا کہے اس کے لیے حدیث میں یہ سخت حکم موجود ہے۔

ایک حدیث کے نہایت عمدہ معنی:

کہ اس نے خدا کو برا کہا' میں نے کہا صاحب! آپ نے غور نہیں کیا اس حدیث کے یہ معنی نہیں جو آپ نے سمجھے بلکہ اس کے معنی دوسرے ہیں اس کے سمجھنے کے لیے اول آپ ایک محاورہ سمجھئے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ جو شخص میرے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا میں اس کی آنکھیں نکال دوں گا تو اب بتلائیے کہ یہ دھمکی کس کے لیے ہے کیا اپنی دوسری اولاد کے لیے بھی یہ دھمکی ہے کہ اگر وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں تو ان کے ساتھ بھی یہی کیا جائے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ دھمکی غیروں کے لیے ہے۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اصحاب نہیں ان میں سے جو شخص میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا کہے اس کے لیے یہ حکم ہے۔ اس کو سن کر وہ کہنے لگے کہ یہ عقلمندی کی باتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ صاحب پھر کیا بے وقوفی کی باتیں

کہوں۔ اس پر وہ شرمندہ سے ہو گئے تو میں بھی بہت محجوب ہوا۔ اسی لیے میں نے اپنا یہ معمول کر لیا ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی مجھے بلاتا ہے تو اول شرط یہ کر لیتا ہوں کہ تنہائی میں گفتگو کروں گا۔ کیونکہ عام جلسہ میں گفتگو کرنے سے اکثر دوسرا آدمی لاجواب ہو کر شرمندہ ہو جاتا ہے اور میں اس کو بڑے لوگوں کے لیے پسند نہیں کرتا' آخر میں نے ان کی شرم یوں اتاری کہ میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ عامل ہیں اور مجھ کو نیند کم آتی ہے اگر آپ پانی پڑھ کر بھیج دیا کریں تو بہت اچھا ہو چنانچہ وہ اس سے خوش ہوئے اور طشتری میں لکھ دینے کا وعدہ کیا۔ غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرفداری کر کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہیں کہنا چاہئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی سلطنت کیسی تھی؟

اور صاحبو! اس وقت کی سلطنت ہی کیا تھی۔ جس پر کوئی لالچ کرتا' اس وقت کی سلطنت یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت گرمی میں چلے جا رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا پوچھا کہ امیر المؤمنین کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے اس کی تلاش کو جا رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے اس گرمی میں کیوں تکلیف کی۔ کسی کو حکم دیا ہوتا کہ وہ تلاش کر لیتا۔ آپ نے فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ! میدانِ قیامت کی گرمی زیادہ سخت ہے اور قیامت میں سوال مجھ سے ہو گا نہ کہ دوسرے سے اس لیے خود ہی جا رہا ہوں۔ غرض کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ ترقی پر نہیں تھے۔ یہ حضرات اس ترقی پر تھے کہ ساری دنیا جانتی ہے بلکہ مانتی ہے حالانکہ نہ ان کے پاس فیشن تھی نہ سامان آرائش...... واقعہ یرموک جو کہ بڑی بھاری جنگ تھی ایک شخص اونٹنی پر سوار فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے۔ جو روزانہ خبر کے انتظار میں باہر جا کر گھنٹوں کھڑے رہتے تھے۔ جنگل میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے معلوم ہوا یرموک سے آ رہا ہوں۔ آپ نے جنگ کا حال پوچھا تو اس نے آپ کو نہ پہچانا کہ یہ خلیفہ ہیں کیونکہ آپ کے لباس وغیرہ میں کوئی شان خلافت اور بادشاہت کی نہ تھی نہ تاج ہی سر پر تھا اس لیے اس نے آپ کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور اونٹنی دوڑائے ہوئے مدینہ کی طرف چلا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے اونٹنی کے ساتھ دوڑے جاتے تھے۔ جب آبادی کے قریب آئے تو

لوگوں نے پہچانا اور امیر المومنین کو سلام کیا اس وقت اس کو معلوم ہوا کہ خلیفہ یہی ہیں تو اس نے بہت معذرت کی۔ آپ نے فرمایا میں نے جو قدم بھی اٹھایا ہے ثواب کے لیے اٹھایا ہے، تجھے عذر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آج کل نفسانیت بڑھا لینے کا نام ترقی رکھا ہے:

ایک ہماری حالت ہے کہ جو قدم اٹھتا ہے نفسانیت کے لیے اٹھتا ہے ایک صاحب جو کہ بہت عزت دار تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا لڑکا ایسا بن جائے کہ پندرہ روپیہ میں گزر کر لیا کرے اور حالت لڑکے کی یہ تھی کہ پندرہ سے زیادہ کا اس کا ایک کوٹ ہی تھا۔ افسوس ہے کہ ہم کو دوسری قوموں کی نقالی اور دیکھا دیکھی نے برباد کیا ہم دوسروں کی حرص کرتے ہیں اور وہ بھی بری باتوں میں۔ انہوں نے ہماری باتیں سیکھ کر گھر آباد کر لیا اور ہم ان کی باتیں سیکھ کر اپنی رہی سہی حالت بھی برباد کر دیتے ہیں۔ دعویٰ ہے قومی ہمدردی کا اور مسلمانوں سے نفرت اس قدر ہے کہ شہر میں رہنا بھی گوارا نہیں۔ الگ جنگل میں جا کر رہتے ہیں۔ صاحبو! کیا ترقی اس پر بھی موقوف ہے کہ قوم کے پاس بھی نہ رہا جائے، دیکھیے بھوپال کی بیگم صاحبہ آج کل کے ترقی یافتہ لوگوں سے بہت زیادہ ترقی پر ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ اگر کوئی غریب رعایا میں سے شادی وغیرہ میں ان کی دعوت کرتا ہے تو قبول کر لیتی ہیں۔ اب یہ حالت ہے کہ ہمارے روشن خیال سب سے زیادہ دعوت ہی کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

لکھنو کے ایک مولوی صاحب کی دعوت کا قصہ:

مجھے لکھنو کی ایک حکایت یاد آئی کہ وہاں ایک مولوی صاحب کی دعوت ایک سقے نے کی مولوی صاحب اس کے گھر جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک رئیس صاحب ملے، پوچھا مولوی صاحب کہاں جا رہے ہو؟ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ اس سقے نے دعوت کی ہے۔ اس کے ہاں جا رہا ہوں تو رئیس صاحب فرمانے لگے کہ مولوی صاحب آپ نے تو لٹیا ہی ڈبو دی کیا سقوں کی دعوت بھی کھانے لگے۔ مولوی صاحب نے یہ سن کر سقے سے فرمایا کہ بھائی میں دعوت میں اس شرط پر چلتا ہوں کہ اس رئیس صاحب کو بھی لے چل اس سقے نے ان کی خوشامد شروع کی اب تو رئیس صاحب بہت گھبرائے مگر جب اس نے بہت ہی خوشامد کی اور دو چار

بڑے بڑے آدمی بھی اتفاقاً وہاں جمع ہو گئے تھے انہوں نے بھی بہت کچھ کہا سنا کہ ایک غریب آدمی اس قدر خوشامد کرتا ہے اور تم مانتے نہیں بڑے بے رحم اور سخت دل ہو تو مجبور ہو کر رئیس صاحب کو ماننا پڑا آخر اس کے گھر گئے وہاں جا کر دیکھا کہ تمام گھر میں فرش کیا ہوا ہے اور سقے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے ہیں کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی پاؤں پکڑتا ہے آخر کھانا کھلایا گیا اور خود سارے سقے غلاموں کی طرح کھڑے رہے۔ جب وہاں سے فارغ ہو کر آئے تو رئیس صاحب نے کہا حضرت واقعی میں غلطی پر تھا آج مجھے معلوم ہوا کہ عزت غریبوں کے ساتھ رہنے میں ہے۔ میں نے آج تک یہ تعظیم نہیں دیکھی تھی۔ جو ان لوگوں نے کی سچ یہ ہے کہ محبت کرنے والے لوگ یہی ہیں اور رئیسوں کو جو کچھ عزت نصیب ہوتی ہے اپنے نوکروں میں ہوتی ہے۔

دنیاداروں کی تعظیم صرف خوف کی وجہ سے ہوتی ہے:

لیکن ان کی تعظیم بھی صرف ظاہر میں ہوتی ہے دل میں نہیں ہوتی۔ نوکر خوف کی وجہ سے تعظیم کرتے ہیں جیسے بھیڑیئے کی تعظیم کی جاتی ہے۔ غرض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس طرح اپنی زندگی گزاری اور وہی حقیقی ترقی تھی، تو اگر دنیا میں ان حضرات جیسی ترقی ہو تو اسلام کو بے شک ترقی ہے۔ لیکن اگر یہ نہ ہو تو ساری دنیا کے مال و دولت جمع ہو جانے سے بھی اسلام کی کچھ ترقی نہیں یہ تو اہل دنیا کی شفقت کا بیان تھا۔

اہل دین کے حد سے بڑھنے کا بیان:

اب ایک شفقت اہل دین کی ہے کہ ان لوگوں کو جوش اٹھتا ہے کہ جس طرح ہو سکے قوم کی اصلاح ہو جائے اس کوشش میں طرح طرح کی مشکلیں ان کو درپیش آتی ہیں۔ اول تو جسمانی تکلیف ہوتی ہے، دوسرے بعض وقت دین کی بھی خرابی ہو جاتی ہے کہ اس کے اہتمام میں بعض ناجائز طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ تیسرے کسی کے بہت پیچھے پڑنے سے اس کو عداوت ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ کے دربار میں طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ مجھے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آتا ہے، اگر ان کے پاس کوئی مسجد وغیرہ کے چندہ کی فہرست لے کر آتا اور دستخط کرنے کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ میاں کیوں لوگوں

کے پیچھے پڑے ہو۔ مسجد یا مدرسہ بنانا ہی ہے تو کچی دیواریں اٹھا کر بنالو۔ اگر وہ کہتا کہ حضرت کچی دیواریں گر جائیں گی تو فرماتے کہ میاں پکی دیواریں بھی آخر ایک دن گریں گی۔ تو جب یہ گر جائیں گی تو کوئی دوسرا بنادے گا تم قیامت تک کا بندوبست کرنے کی فکر میں کیوں پڑے ہو' بوجھ اسی قدر اٹھاؤ جو تم اٹھا سکو حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کریں اگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس حدیث کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ فرماتے تو آج کل کے روشن خیال اس کا یہ مطلب سمجھتے کہ مومن کو پھٹا کپڑا نہ پہننا چاہئے۔ بلکہ خود بن سنور کر عمدہ پوشاک میں رہنا چاہئے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر مطلب حل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفس کا ذلیل کرنا یہ ہے کہ اتنی مشقت اٹھائی جائے جس کی طاقت نہ ہو' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کی تعلیم ذلت اختیار کرنے سے روکتی ہے۔ مگر آج کل روشن خیالوں نے ذلت کو مولوی ہونے کا اثر سمجھ لیا ہے' حالانکہ مولویوں سے زیادہ یہی لوگ ذلت کو اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایک قصبہ ہے وہاں بھی اور قصبوں کی طرح یہ رسم ہے کہ شادی میں دلہن کے میانہ پر بکھیر ہوتی ہے اس بکھیر کو بھنگی اٹھاتے ہیں' چندروز ہوئے وہاں شادی ہوئی اور اس موقع پر آج کل کے ایک روشن خیال بھی تھے انہوں نے بھنگیوں کے ساتھ مل کر بکھیر کے پیسے جمع کیے' شاید تین چار آنے یا کچھ پیسے ان کے ہاتھ لگے ہوں گے۔ کیوں صاحب انگریزی مدرسوں کے فنڈ کے لیے یہاں تک گوارا کر لیا جاتا ہے تو اگر مولوی اسلامی مدرسوں کے لیے فنڈ جمع کرے تو اس کو بھکاری کیوں کہا جاتا ہے اور اس کو ذلت کیوں بتلایا جاتا ہے' پھر جب نماز کا وقت آیا اور وہ نماز پڑھنے کے لیے آئے تو ایک ظریف نے ان کی خبر لی۔ کہا کہ تم ہماری جماعت سے الگ ہو جاؤ کیونکہ تم ناپاک ہو' انہوں نے کہا میرے ناپاک ہونے کی کیا وجہ؟ اس ظریف نے جواب دیا کہ تم بھنگیوں کے ساتھ مل کر پیسے لوٹ رہے تھے اور اس وقت تم کو بھی پسینہ آ رہا تھا اور ان کو بھی اور ان کے ناپاک بدن سے تمہارا بدن مل جاتا تھا۔ اس وجہ سے تمہارا بدن بھی ناپاک ہو گیا مگر وہ ایسا باہمت تھا کہ اس کو اس سے کچھ بھی اثر نہ ہوا' پھر جب نیگ لینے کا وقت آیا تو وہاں بھی جا موجود ہوئے۔ ایک روپیہ آپ کو بھی ملا' خدا کا شکر ہے کسی مولوی نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی مگر چونکہ ان بیچاروں کی صورت

غریبانہ ہے وہ ایسے کام نہ کرنے پر بھی بھکاری ہیں اور ان لوگوں کی صورت چونکہ امیرانہ ہے اس لیے یہ بھیک مانگنے پر بھی عزت والے رہے۔

اہل دنیا اور اہل دین کے چندہ مانگنے میں بہت فرق ہے:

مولویوں کے سینکڑوں وعظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں چندہ کا نام بھی نہیں لیا جاتا اور ان صاحبوں کا کوئی لیکچر بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں چندہ کی ترغیب نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ بعض مولوی اگر چندہ لیتے بھی ہیں تو دباؤ ڈال کر نہیں لیتے کیونکہ دباؤ ڈال کر وہ لے سکتا ہے جس کا کچھ اثر ہو ان بیچاروں کا اثر ہی کیا ہے جو ان کا دباؤ پڑے اور یہ حضرات دباؤ ڈال کر ظلم کر کے وصول کرتے ہیں دونوں جماعتوں کو کہتا ہوں کہ تم کو اس حالت تک تمہاری شفقت لائی ہے۔ تم نے قوم پر ضرورت سے زیادہ شفقت کر کے ایسے ذرائع اختیار کیے ہیں۔ بس تم اسی قدر شفقت کرو جو تمہارے دین میں نقصان نہ پہنچائے۔ بعض لوگ چندہ میں ایسی کوشش کرتے ہیں کہ ناجائز طریقے سے بھی نہیں بچتے اس خیال سے کہ بدون اس کے کام نہیں چلتا' اگر یہ تدبیریں نہ کی جائیں تو کام بند ہو جائے گا مگر میں کہتا ہوں اگر کام بند ہی ہو جائے گا تو بھی آپ کو کیا فکر' قیامت میں اگر اس کی تم سے پوچھ کچھ ہو تو کہہ دینا کہ میں نے لوگوں کو امداد کی ترغیب دی تھی۔ مگر کسی نے نہ مانا اور کام بند ہو گیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس جواب کے بعد تم پر کوئی الزام نہ ہو گا۔ ہم نے اپنے وطن میں ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے مگر اس انداز سے کہ نہ کسی سے چندہ مانگا جاتا ہے نہ کسی کو ترغیب دی جاتی ہے۔ طالب علموں سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر خدا پر بھروسہ کر کے رہیں تو رہیں' ہم ذمہ داری نہیں کرتے ہیں خدا تعالیٰ نے دیا تو ہم دے دیں گے۔ مگر باوجود اتنی بے پروائی کے اچھی خاصی طرح مدرسہ چل رہا ہے۔ بلکہ یہاں تک انتظام کیا کہ طالب علموں کی ایسی دعوت بھی جس میں کسی کے گھر جانا پڑے قبول نہیں کی جاتی۔ اگر چہ دعوت کا کھانا لینا بھیک نہیں ہے۔ مگر چونکہ آج کل طالب علموں کی دعوت اکثر لوگ ان کو ذلیل سمجھ کر کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کو بھی قبول نہیں کیا' اور میں دعوت دینے والوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ طالب علموں کو کچھ دیں تو عزت سے دینا چاہئے وہ آپ کے مہمان ہیں' دیکھئے اگر آپ کا کوئی مہمان آ کر مسجد میں ٹھہرے اور کھانے کے وقت گھر جانے سے

انکار کرے تو آپ کیا یہ کہیں گے کہ دروازہ پر جا کر کھانا لے آؤ' ہرگز نہیں بلکہ مسجد میں جا کر خود اس کو کھانا دیں گے۔ پھر طالب علموں کے ساتھ یہ سلوک کیوں نہیں کیا جاتا اور جب تم نے خود ان کو دروازے پر بلایا تو گویا اپنے مہمانوں کو تم نے خود ذلیل کیا۔ پھر کس منہ سے ان کو ذلیل کہتے ہو' خود تم نے ہی ان کو بلا کر ذلیل کیا اور خود ہی ذلیل کہتے ہو' خلاصہ یہ ہے کہ میں دونوں جماعتوں کو کہتا ہوں کہ اپنی یہ حالت چھوڑ دو اور تھوڑا تھوڑا کام شروع کرو' تم لوگ اول ہی سے بڑا کام شروع کرتے ہو اس کے لیے مجبوراً زیادہ اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے' جس کی وجہ سے تم کو نامناسب کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔

مدرسہ اور انجمن کی ترقی کی آسان ترکیب:

ایک اور آسان ترکیب آپ کو بتلاتا ہوں کہ جو کام شروع کرنا ہو اتنا شروع کیجئے جو آپ اپنی ذات سے کر سکیں جب کام شروع ہو جائے گا اور دوسرے دیکھیں گے خود بخود تمہاری مدد کریں گے۔ خلاصہ اس تقریر کا یہ ہوا کہ شفقت کی بھی ایک حد مقرر ہے تم بھی اس پر رہو چنانچہ اس آیت میں اس مضمون کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تسلی فرمائی کہ شفقت ان لوگوں پر کیجئے جن میں خدا کا خوف ہو اور عالم ہوں ایک بات تو اس آیت سے یہ ثابت ہوئی' دوسری بات اس آیت سے یہ ثابت ہوئی کہ حضور ﷺ کا رتبہ نہایت عالی شان ہے کہ خدا تعالیٰ کو آپ ﷺ کا غمگین ہونا کسی طرح منظور نہیں۔ جب کوئی بات رنج کی ہوتی ہے فوراً تسلی فرمائی جاتی ہے اور حضور ﷺ کی شان تو اور ہی ہے۔ آپ ﷺ کی امت کے ولیوں کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ یہی معاملہ ہے فرماتے ہیں کہ ان کے لیے خوشخبری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' کبھی ان حضرات کا دل تنگ نہیں ہوتا ہمیشہ خوش رہتے ہیں اور کیوں نہ رہیں۔ ان حضرات کے پاس وہ چیز ہے کہ وہ جس کے پاس بھی ہوگی خوش ہی رہے گا بلکہ ان حضرات کی خوشی کی یہ حالت ہے کہ ان کو بادشاہوں کی پریشانی پر رحم آتا ہے اور لوگ تو ان کی ظاہری حالت پر رحم کرتے ہیں کہ ان بیچاروں کو کھانے کو نہیں ملتا بھوکے مرے جاتے ہیں اور یہ حضرات اہل دنیا پر رحم کھاتے ہیں کہ ان کو دنیا کا ہیضہ ہو رہا ہے اور ان کو پتہ نہیں بلکہ اس مرض کو مبارک سمجھ رکھا ہے۔ صاحبو! تم ان فاقہ مستوں اور روزہ داروں پر رحم مت کرو' اپنی حالت

پر رحم کرو ان کے لیے خوانِ نعمت تیار ہو رہا ہے قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ اپنے عملوں کے عوض خوب کھاؤ پیو' غرض اہل دنیا کو ان پر رحم آتا ہے مگر رحم کے قابل حقیقت میں وہ خود ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ غم کے وقت اللہ والوں کی اب بھی تسلی ہوتی ہے' تو اس مقام پر حضور ﷺ کی تسلی فرمائی گئی ہے' حضور ﷺ کی تسلی کے لیے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ کیوں غم فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ تو ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جن کو خوف ہو اور خوف تب ہوتا ہے جب کہ علم ہو اور علم ان کو ہے نہیں مگر یہ چاہیں تو علم حاصل کر سکتے ہیں۔ بس جب خود ہی توجہ نہیں کرتے آپ بھی غم نہ فرمایئے' اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علم میں کیسی خوبی ہے اور اسی کا بیان کرنا اس وقت مقصود ہے' دیکھئے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ بے علم حاصل کیے خدا کا خوف نہیں ہوسکتا اور خوف کا ہونا ضروری ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں خوف سے بڑھ کر اور کسی چیز کا اہتمام نہیں..... تقویٰ بھی اسی خوف کا نام ہے اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی نسبت فرماتے ہیں هدی للمتقين o معنی یہ ہیں کہ قرآن شریف ہدایت ہے ڈرنے والوں کے لیے کیونکہ جب خوف پیدا ہوگا تب ہی حق کی تلاش بھی ہوگی خوف وہ چیز ہے کہ اسلام بھی اسی کی بدولت پھیلا ہے' پس خوف کا ہونا نہایت ضروری ہے اور بغیر علم کے خوف پیدا نہیں ہوتا اس لیے علم بھی ضروری ہوا' لیکن خالی علم سے خوف نہیں پیدا ہوتا' بلکہ علم کے ساتھ غور و فکر کی بھی ضرورت ہے کیونکہ بدون اس کے دل پر علم کا اثر نہیں ہوتا' محض زبان تک رہتا ہے' غرض دو چیزوں کی ضرورت ہوئی ایک تو علم دین کی کیونکہ یہ نہ ہو تو خوف ہو ہی نہیں سکتا' اور دوسری چیز یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر خوب سوچا کرو کہ قیامت کے لیے ہم نے کیا سامان تیار کر رکھا ہے جب وہاں پوچھ ہوگی تو ہم کیا جواب دیں گے اس سے ایک اثر پیدا ہوگا اور اس اثر کا نام حال ہے۔

اصلاح کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے:

تو اصلاح کے لیے تین چیزیں ضروری ہوئیں' ایک علم' دوسرا عمل' تیسرا حال' حال کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جب تک حال نہ ہو خالی علم و عمل سے کام نہیں چلتا' مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ زنا حرام ہے اور اس پر عمل بھی کرے کہ زنا سے بچا رہے' لیکن اس پر اسی وقت تک جما

رہ سکتا ہے جب کہ اس پر عمل پر صاحب حال بھی ہو جائے بغیر حال کے عمل ایسا ہے جیسے بے انجن گاڑی کہ اس کو ہاتھ سے دھکیل کر کچھ دور تک لے جائے لیکن جہاں چھوڑ دیں گے وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اس میں آگ نہیں پس یا تو خود انجن بن جائے کہ تمہارے اندر خدا کی محبت کی آگ بھری ہو نہیں تو کسی انجن کے ساتھ ہو اگر یہ بھی نہ ہو تو وہی حالت ہوگی جس کو پہلی مثال میں عرض کر چکا ہوں۔ غرض حال نہ ہو تو عمل اکثر بیکار ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیجئے کہ صرف حال بھی کافی نہیں بلکہ حال کے لیے عمل کا ہونا بھی ضروری ہے جس میں عمل کا ظہور نہیں اس میں حال بھی یقیناً نہیں کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص صاحب حال ہو اور اس کا حال ہمیشہ چھپا ہی رہے کبھی ظاہر ہی نہ ہو اور حال کا ظاہر ہونا ہی عمل ہے دل کی حالت عمل ہی سے ظاہر ہوتی ہے دیکھو اگر کسی عاشق کی کافی مدت کے بعد محبوب سے ملاقات ہو تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے کہ اول تو اس کو دیکھتے ہی اس کی تعظیم کے لیے زمین پر گر پڑے گا۔ پھر جا کر اس کو لپٹ جائے گا کیا یہ ممکن ہے کہ محبوب کو دیکھ اور اس کو حرکت بھی نہ ہو یوں ہی دیوار کی طرح کھڑا رہے تو اگر کسی شخص میں محبت خداوندی کا حال ہے تو اس کی کیا وجہ کہ اس کی حرکات سے کبھی اس کا ظہور نہ ہو ہمیشہ یہ حال چھپا ہی رہے۔ آخر اس کا ظہور کیوں نہیں ہوتا اور وہ اطاعت خداوندی کیوں نہیں کرتا۔ غرض علم بھی ضروری عمل بھی ضروری حال بھی ضروری پس خوف حال ہے اسی سے عمل میں آسانی ہوتی ہے اسی سے عمل کی توفیق ہوتی ہے کیونکہ جب تک کسی چیز کا چسکہ نہ ہو اس وقت تک کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور یہ بات کچھ دین کے کاموں ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حال ہی سے دنیا کے کام بھی چلتے ہیں دیکھئے اگر رات کے دو بجے کسی جگہ ریل میں جانا ہو تو ٹھیک وقت پر بغیر کسی کے جگائے ہوئے آنکھ کھل جانا یہ حال ہی کی بدولت تو ہے کہ دل پر سفر کا خیال سوار ہو گیا' کسی چیز کا دل میں رچ جانا یہی حال ہے۔

عاشق بدنام ہوتا ہے:

واقعی جو شخص بھی عشق کے رنگ میں آتا ہے بدنام ہوتا ہے ہمارے ایک دوست ہیں ڈپٹی کلکٹر جس روز سے ان پر یہ محبت الٰہی کی حالت غالب ہوئی ہے دنیا سے ان کا دل بھر گیا

ہے ان کے خاندان کے لوگ ان سے خفا ہیں اور میری شکایت کرتے ہیں کہ قیامت میں ان سے اس بات پر پکڑ ہوگی کیونکہ یہ قوم کے لوگوں کو تباہ کر رہے ہیں' مگر میں اس کے جواب میں وہ کہوں گا جو کہ ہمارے بزرگ حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے ہی موقع پر کہا تھا کہ میاں ہم کو بھی تو کسی نے بگاڑا ہے اس لیے ہم کو تو یہی بگاڑنا آتا ہے لوگ کیوں ہمارے پاس بگڑنے آتے ہیں ہم کسی کو بلانے تو نہیں جاتے۔ صاحبو! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے قوم کے کتنے لوگوں کو بگاڑ دیا۔ نوکری سے میں منع نہیں کرتا تعلقات میں نہیں چھڑواتا ہاں یہ کہتا ہوں کہ فرعون نہ بنو کیونکہ آخر تم کسی کے بندے ہو تو بندگی کے طریقہ پر رہو۔ غرض عاشق کے لیے بدنامی لازمی ہے لیکن اس کو بدنامی کی ذرا پرواہ نہیں ہوتی بلکہ بدنامی سے دل میں اور جوش پیدا ہوتا ہے اور ہمت بڑھتی ہے۔ غرض یہ محبت اور حال چین سے نہیں رہنے دیتا بلکہ ہر وقت گھنٹی سی بجتی رہتی ہے کہ چلو اور بیدار ہو اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ واقعی گھنٹی بجتی ہو گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ گھنٹی کا کام جگا دینے کا ہے ان کے دل میں ہر وقت ایک چیز جوش دلاتی رہتی ہے اور وہی حال ہے' اسی نے بزرگوں کو بے چین کر رکھا ہے' ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات بھر روتے تھے۔ ایک اور بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ رات بھر پریشان رہتے تھے۔ جب بیوی زیادہ تقاضا کرتی تو آرام کرتے لیکن تھوڑی دیر میں پھر چونک کر اٹھ بیٹھتے اور فرماتے کہ کیا کروں یہ آیت سونے نہیں دیتی یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (ترجمہ) اے ایمان والو بچاؤ تم اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

تقویٰ کے حاصل کرنے کا طریقہ:

حاصل یہ ہے کہ تقویٰ کے لیے آخرت کا فکر ضروری ہے' یوں سوچئے کہ اس کے لیے ایک بڑے سامان کی ضرورت ہے اور وہ ہمارے پاس ہے نہیں بالکل مفلسی پراگندہ ہیں اور یہ ایسا افلاس ہے کہ دنیا کا افلاس اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ دنیا کی تنگدستی اور اس کا افلاس آخر ایک دن ختم ہو جائے گا اور اس افلاس کا کہیں خاتمہ نہیں۔ وہاں یہ حالت ہو گی کہ بازار گرم ہو گا قسم قسم کی عمدہ چیزیں بجی ہوں گی۔ صاحبو! ابھی وقت باقی ہے اپنا علاج کر لو اور وہاں کے لیے سامان جمع کر لو قرآن شریف میں ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ یعنی دیکھ لے ہر

شخص کہ کل کے لیے یعنی قیامت کے لیے کیا تیار کیا ہے' اللہ کے بندوں نے اس کے بہت سے طریقے بتلا دیئے ہیں۔

خوف پیدا کرنے کا طریقہ:

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک وقت مقرر کرلو اور اس وقت میں بیٹھ کر سوچا کرو سب سے اول یہ سوچو کہ خدا تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں ہم پر ہیں اس کے بعد یہ سوچو کہ ہمارا خدا تعالیٰ کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کس قدر شکر ادا کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں تو صبح سے شام ہی تک کے گناہ گن ڈالے۔ اس کے بعد غور کرے کہ اگر ہمارا یہ برتاؤ کسی دوسرے سے ہوتا خاص کر حاکم یا آقا سے اس طرح برتاؤ کرتے تو وہ ہمارے ساتھ کیا کرتا اور اس کے بعد جو کچھ ذہن میں آئے اس کی بابت سوچے کہ خدا تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ یہ برتاؤ کر سکتا ہے اس کے بعد سوچے کہ میدانِ قیامت برپا ہے سورج سر کے قریب آ گیا ہے سب بادشاہوں کے بادشاہ کا اجلاس ہو رہا ہے نہ کوئی طرفدار نہ کوئی وکیل ہے اور اسی حالت میں مجھے پکارا گیا ہے' فرشتے آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے گئے اور وہاں لے جا کر چھوڑ دیا اب مجھ سے میرے اعمال کی پوچھ گچھ ہو رہی ہے اور میرے پاس کوئی جواب نہیں نہ کوئی ٹھکانا ہے کہ وہاں بھاگ کر پناہ لوں۔ ہاں سامنے دوزخ ہے فرشتے پکڑ کر مجھ کو دوزخ کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بس یہ سوچ کر ذرا سجدہ میں گر پڑو اور نہایت گڑگڑا کر خدا کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بناؤ اور یہ دعا کرو کہ اے خدا میرے گناہوں کو معاف کر اور مجھے ہمت دے کہ مجھ سے گناہ نہ ہوں' یہ تو رات کو کرے اور دن میں عالموں کی کتابیں لے کر پڑھے اور اپنے بچے بیوی کو بھی پڑھائے اگرچہ بچے انگریزی بھی پڑھتے ہوں کیونکہ بدون علم دین کے یہ صرف انگریزی دوزخ میں پہنچائے گی افسوس تم لوگ اولاد کو دوزخی بنانے کے لیے پرورش کرتے ہو۔ صاحبو! جب ان کا یہ انجام ہوا تو ان کے پیدا ہونے اور پرورش پانے سے کیا نفع ہوا' اس سے بہتر تھا پیدا نہ ہی ہوتے اور بچپن ہی میں مر جاتے تو اچھا تھا۔ غرض یہ کہ دن میں عالموں کی کتابیں دیکھو اور جہاں شبہ ہو اسے عالموں ہی سے دریافت کرلو' جب یہ دو کام شروع کرو گے تو خدا نے چاہا تو خود بخود اعمال

کی توفیق ہوگی اور خدا کا خوف دل میں پیدا ہو جائے گا۔ پھر اعمال خود بخود درست ہو جائیں گے اور یہ زندگی عمدہ زندگی ہو جائے گی۔ تم اپنی اس موجودہ زندگی پر کیا ناز کرتے ہو' زندگی یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو جائے جس کو ہمیشہ کی زندگی کہتے ہیں اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ موت تو آئے گی پھر ہمیشہ کی زندگی کہاں ہوئی تو سمجھو کہ وہ موت ظاہری موت ہے۔ جس کی تم خود خواہش اور تمنا کرو گے کہ وہ آ جائے تو یہ نفسانیت کی دیوار الٹے گویا جسم کے چھوٹنے پر خوشی ہو گی۔ اللہ اکبر کیا خوشی ہے۔

بزرگوں کے موت کی خواہش کرنے کا بیان:

صاحبو! اس موت کو اللہ والے اتنا ہلکا سمجھتے ہیں کہ اس کی تمنا کرتے ہیں اور اس دوسری زندگی کا ان کو ایسا یقین ہے کہ اسی یقین کے بعض اثر دنیا میں بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں چنانچہ ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کا جس مرض میں انتقال ہوا اس میں ایک بزرگ سے یہ وصیت فرمائی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ لوگ میرے جنازہ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے چلیں دیکھئے ان کو پورا یقیناً تھا کہ موت کے بعد اس دوسری زندگی میں اس ذکر کا مزہ ملے گا۔ مگر اس بزرگ نے کہا کہ مناسب نہیں' حضرت اسی پر راضی ہو گئے اور کسی کو اس وصیت کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اتفاق سے جس وقت جنازہ اٹھا اس کے ساتھ ایک عرب بھی تھے انہوں نے للکار کر کہا کہ خدا کا ذکر کرو' چنانچہ ہونے لگا' یہ کرامت ہے کہ ان حضرات کی خواہش پوری ہو کر رہتی ہے۔ حضرات اگر روح میں زندگی نہ تھی تو یہ وصیتیں کیوں کیں اور فقط یہ نہیں کہ یہ ان کا صرف خیال ہی ہو بلکہ بعض وقت اس کا اثر ظاہر بھی ہو گیا ہے۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ جب ان کا انتقال ہو گیا اور جنازہ لے کر چلے تو جنازہ پر ان کے ایک خادم نے بعض شعر پڑھنے شروع کیے۔ لکھا ہے کہ ہاتھ کفن کے اندر بلند ہو گیا آخر یہ کس نے بلند کروا دیا تھا' پھر کیا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں' مگر مجھے خوف ہے کہ جاہل لوگ ان کو زندہ سمجھ کر ان سے مرادیں نہ مانگنے لگیں۔ لیکن مرادیں مانگنا زندوں ہی سے کب جائز ہے' جو ان سے مانگنا ہو' دوسرا ان سے مانگو تو وہ چیز مانگو جو ان کے پاس ہو' مال و دولت یا اولاد ان کے پاس کہاں جو وہ تم کو دے دیں۔ ان کے پاس صرف ایک چیز ہے جس کو ساری عمر انہوں نے

ڈھونڈا اور اسی میں عمریں تمام کر دیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کو ان سے مانگو تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ زندگی کیسی ہے اور اس کے حاصل ہونے کا طریقہ کیا ہے۔ یعنی علم دین سیکھو اس پر عمل کرو اور اس عمل کو حال بنا لو۔ اس سے دین بھی درست ہو گا اور دنیا بھی' اور دنیا کے ملنے سے یہ مراد ہے کہ تم کو پوری راحت نصیب ہو گی' یہ نہیں کہ بہت سامال مل جائے گا۔ اب خدا سے دعا کیجئے کہ وہ عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

تمت

❁❁❁

غیبت کا علاج

مضمون

حضرت والا! غیبت کرنے اور سننے کا مرض ہے علاج ارشاد فرمائیں

جواب: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱: استغفار عقوبت وقت غیبت

نمبر۲: تامل قبل تکلم

نمبر۳: معافی چاہنا بعد صدورِ غیبت

نمبر۴: کچھ جرمانہ اپنے اوپر نقد کا یا نوافل کا۔

(از تربیت السالک جلد دوم)

(۱۸) قربانی کی ترغیب

منتخب از ترغیب الاضحیہ وعظ ششم دعوات عبدیت

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد۔ فقد ورد حديث طويل قالوا ما هذهِ الاضاحی يا رسول الله قال سنة ابيكم ابراهيم

ترجمہ:-''ایک بڑی حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان قربانیوں کی کیا اصلیت ہے' فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔''

اس حدیث کے متعلق یہ مضامین ہیں:

(۱) یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے قربانی کی فضیلت میں مضمون مقصود سے پہلے ایک مضمون اس کے بیان کیا جاتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیسے کریم اور کیسے سخی ہیں کہ ہمارے نفع کی کوئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر بیان کیے نہیں چھوڑی' قربانی' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ یہ سب احکام اس وقت ہم کو معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور ہم کو ان کی کچھ قدر نہیں یعنی جیسی قدر کرنا چاہئے اس درجہ قدر نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمیشہ سے ان باتوں کو باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں مگر جن لوگوں کو تلاش کے بعد یہ دولت ملی ہوگی ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی' جیسے بھوکے آدمی کو اگر آدھی روٹی بھی مل جاتی ہے تو غنیمت سمجھتا ہے اور اگر معدہ خراب ہوگا تو اس کو پلاؤ زردے کی بھی قدر نہ ہوگی کیونکہ اس کو کھانے کی خواہش ہی نہیں ہوتی چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوالات کے بعد جو جواب عنایت ہوئے ان کو تو بعد طلب کے ملے اور ہم کو

مفت مل گئے' سو اس حدیث میں بھی ایسا ہی مضمون ہے' صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل سے اس کی قدر پوچھو' تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ہم کو بھی قدر کرنا چاہئے اور یہ مضمون ثواب عذاب کے وہ ہیں کہ کوئی چیز ان سے زیادہ نفع دینے والی نہیں اور باوجود نفع مند ہونے کے اس قدر آسان ہیں کہ کسی قسم کی تنگی ان میں نہیں اور ان کا آسان ہونا یہ خود دلیل ہے ان کے نفع و ضرورت کی' کیونکہ جس چیز کا نفع زیادہ ہوتا ہے وہ بہت آسانی سے حاصل ہو جایا کرتی ہے' دیکھو آدمی اور حیوانات کو سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے اگر ایک منٹ بھی ہوا نہ ہو تو کسی کی زندگی باقی نہ رہے مگر وہ اس قدر سستی ہے کہ اس کی کچھ قیمت ہی نہیں' اس کے بعد پانی کی ضرورت ہے وہ اس قدر سستا نہیں لیکن اور چیزوں کے اعتبار سے سستا ہے' اس کے بعد غذا کی ضرورت ہے وہ اس سے زیادہ گراں ہے اور جس چیز کی بالکل ضرورت نہیں وہ نہایت گراں ہے' جیسے جواہرات کو عمر بھر بھی اگر کسی کو نہ ملیں تو کچھ حرج نہ ہو' چنانچہ سینکڑوں آدمی ایسے ہیں کہ وہ جانتے بھی نہیں کہ لعل کیا ہے اور زبرجد کس چیز کا نام ہے' اسی طرح جو علم زیادہ کارآمد ہیں وہ نہایت آسانی سے حاصل ہو جاتے ہیں' چنانچہ شریعت کے علوم بھی ایسے ہی ہیں کہ نہایت ضروری اور نفع مند ہونے کی وجہ سے نہایت آسان ہیں اور ہر جگہ ان کے بتلانے والے موجود ہیں اور وہ کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔

قرآن شریف کی تعلیم دینے والے سستے کیوں ہیں:

اور یہی حکمت ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم دینے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں اور نہایت تھوڑی تنخواہ پر مل جاتے ہیں بخلاف اور علموں کے کہ ان کے سکھانے والے کم ہیں اور بڑی بڑی تنخواہوں پر ملتے ہیں' غرض دیکھنے کی چیز نفع ہے نہ کہ اور باتیں' مثلاً یہ کہ مضمون چٹ پٹا ہو جیسا کہ اکثر لوگ وعظ میں اسی کو دیکھا کرتے ہیں کہ جس کے وعظ میں مزہ دار شعر ہوں تو اسے پسند کرتے ہیں اور اگر کوئی واعظ صرف مسئلے سنا دے تو اس سے بھاگتے ہیں' حالانکہ یہ زیادہ نفع مند ہے لیکن ان کو کیا معلوم کہ ہمارے نفع کی کیا چیز ہے حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ ایسے مضمون ہم کو بتائے جو ہمارے کام آنے والے ہیں' اور بیکار اور غیر ضروری

مضمون ہم کو نہیں سکھائے‘ یہ تمام تقریر اس لئے عرض کی گئی کہ جو مضمون اس وقت بیان کیا جائے گا اس کو بے قدر اور معمولی نہ سمجھا جائے‘ حاصل یہ کہ ان فائدہ مند مضمونوں میں سے ایک مضمون یہ بھی ہے کہ جو حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذریعے سے ہم کو بتایا ہے۔

قربانی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت فرمانا

قربانی کی بڑی بھاری فضیلت ہے

حاصل اس کا یہ ہے کہ حضور ﷺ قربانی کے متعلق احکام بیان فرما رہے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ! یہ قربانیاں کیا چیز ہیں‘ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اس مضمون کو سن کر لوگ کہیں گے کہ قربانی کی اس میں کیا فضیلت ہوئی‘ لیکن سمجھدار کے لیے یہ بڑی بھاری فضیلت ہے بلکہ جس قدر فضیلتیں قربانی کی آئی ہیں ان میں سب سے زیادہ فضیلت یہی ہے‘ چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا‘ اب سمجھئے کہ اس لفظ کے بڑھانے سے کیا غرض ہے کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے‘ صرف یہ کیوں نہ فرمادیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے‘ ان کے باپ ہونے کا ذکر کیوں کیا‘ بات یہ ہے کہ شفیق باپ بیٹے کو طرح طرح سے سمجھایا کرتا ہے اور ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے کہ اس کو سمجھانا چاہیے کہ اس پر اثر پڑے‘ حضور ﷺ چونکہ ہمارے روحانی باپ ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ مہربان ہیں اس لئے حضور ﷺ نے قربانی کی اس طریقہ سے ترغیب دی تا کہ زیادہ اثر ہو۔

انسان کو باپ دادا کے طریقہ سے بہت تعلق ہوتا ہے:

کیونکہ انسان کی طبعی بات ہے کہ اس کو اپنے باپ دادا سے اور ان کے رسم و رواج سے نہایت تعلق ہوتا اور اس رسم کا دل سے نکلنا بہت بھاری ہے‘ چنانچہ جب کفار کو بت پرستی سے روکا جاتا تھا یا آج کل کی رسموں سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے تو بڑا جواب یہ ہوتا ہے کہ صاحب اوپر سے اسی طرح ہوتی آئی ہے‘ غرض خاندانی بات کی بڑی پچ ہوتی ہے اس لیے حضور ﷺ ترغیب دینے کے لیے فرماتے ہیں کہ میاں قربانی تو کوئی باہر کی بات نہیں یہ تو

تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، یہ تو خاندانی مذہب ہے اس کو کیوں چھوڑتے ہو، دیکھا آپ نے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر کس قدر شفقت ہے، کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ترغیب دیتے ہیں تا کہ کسی طرح ان پر اثر ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ اب سنیے کہ اس حدیث سے قربانی کی بڑی بھاری فضیلت معلوم ہوئی، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا بلکہ جوان کے کرنے کا کام تھا وہ انہوں نے کر بھی دیا تھا یعنی اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی تھی اور یہی سمجھ کر چھری پھیر دی تھی کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں لیکن حق تعالیٰ نے بجائے ان کے جنت سے ایک مینڈھے کو بھیج دیا جو اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہوا لیکن ان کو تو مینڈھے کے ذبح کرنے میں بھی وہی ثواب ملا جو بیٹے کو ذبح کرنے سے ملتا کیونکہ وہ تو اپنی طرف سے بیٹے ہی کو ذبح کر چکے تھے اور بیٹے کو خدا کی راہ میں نثار کرنے کا بڑا بھاری ثواب ہے کیونکہ شریعت کے قواعد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے وہ جس قدر زیادہ پیاری ہوگی اسی قدر زیادہ ثواب ملتا ہے تو دیکھنا چاہئے کہ بیٹے سے آدمی کو کس قدر محبت ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹے کے ساتھ اپنے نفس سے بھی زیادہ محبت ہوتی ہے، کیونکہ انسان اپنے لیے جو آرام چاہتا ہے وہ دوسرے کے لیے ہرگز نہیں چاہتا لیکن بیٹے کے لیے یوں چاہتا ہے کہ ہر طرح کا آرام اس کو مجھ سے زیادہ ہو پس ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ کام کیا کہ اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا، تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب نہایت ہی عظیم الشان ہوگا بلکہ یوں کہیے کہ بے انتہا ثواب ہوگا۔ اس کے بعد معلوم کرنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت فرمایا ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو بیٹے کے گلے پر چھری پھیری تھی اور قربانی میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں پھر قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کیسے ہوئی، ان کی سنت تو تب ہی ہو سکتی ہے جب کہ قربانی میں ہم کو وہی ثواب ملے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے میں ملا تھا تو چونکہ دونوں کا ثواب ایک درجہ کا تھا اس لئے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت فرما دیا گویا یہ فرمایا کہ اے

امت محمدیہ ﷺ تم کو جانوروں کے ذبح کرنے میں وہی ثواب ملے گا جو ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے میں ملا تھا' دیکھئے کس قدر فضیلت قربانی کی اس حدیث سے معلوم ہوئی' اللہ اکبر' کتنا بڑا انعام ہے اور امت محمدیہ پر حضور ﷺ کی برکت سے کیسا کچھ لطف وکرم ہے' قربانی کی یہ فضیلت تو ایسی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ قربانی واجب بھی نہ ہو تو اس ثواب کے کمانے کے واسطے وہ بھی نہ چوکے اور جس طرح بن پڑے بغیر کیے نہ رہے۔

قربانی کی ترغیب:

آخر دنیا کے بہت سے کام بلا ضرورت صرف دل خوش کرنے کے لیے کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے اگر تھوڑا سا خرچ کر دو گے تو کیا حرج ہوگا اور اگر ضرورت ہی پر مدار رکھتے ہو کہ جو کام فرض اور واجب ہیں ہم تو وہی ادا کریں گے اور جو واجب نہیں بلا ضرورت کیوں کریں' تو دنیا کے کاموں میں بھی اس پر عمل کیوں نہیں' ضرورت تو اس قدر ہے کہ زندگی باقی رکھنے کے لائق جَو کی روٹی پر قناعت کرو اور جو کی روٹی صرف اتنی کھالیا کرو جس سے زندگی باقی رہے اور گرمی سردی کی تکلیف سے بچاؤ کے لیے گاڑھے گزی کا کپڑا مل جائے۔ پھر یہ پلاؤ زردے اور کوفتے کیوں کھاتے ہو اور ململ وتنزیب ومخمل کیوں پہنتے ہو' کیا ٹھکانا ہے اس بے انصافی کا کہ نفس کو خوش کرنے کو تو غیر ضروری کام بھی کر لیں۔ اور دین کے کاموں میں یہ پوچھتے ہیں کہ صاحب کیا یہ بہت ہی ضروری ہے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر اس کا چھوڑ دینا بہت بڑا گناہ ہو تب تو کر لیں گے' صاحبو! اعتقاد درست کرنے کے لیے تو بیشک ضرور پوچھو کہ یہ ضروری ہے یا نہیں' اگر ضروری ہو تو اس کے ضروری ہونے کے اعتقاد رکھو اگر ضروری نہ ہو صرف ثواب کی بات ہو تو اس کو غیر ضروری سمجھو' کیونکہ ضروری کو ضروری سمجھنا واجب ہے اور غیر ضروری کو غیر ضروری سمجھنا واجب ہے تو اعتقاد درست کرنے کے لیے تو دریافت کر لو لیکن عمل کرنے کے لیے تو صرف اتنا پوچھ لینا چاہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل سے خوش ہوتے ہیں تو بلا تامل چٹ پٹ رغبت سے اس کو کرو بہت لوگ دین کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور نماز روزہ وغیرہ میں

مستعد ہیں لیکن روپیہ خرچ کرنے کا جہاں وقت آیا تو حیلے بہانے کرتے ہیں' اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔

ایک بدو کی محبت کی حکایت:

ایک بدو کو کسی نے دیکھا کہ نہایت پریشان بدحواس ہے اور رو رہا ہے اور اس کے پاس ہی روٹیوں کا تھیلا بھرا پڑا ہے کسی نے پوچھا کیوں روتے ہو کہا میرا کتا بھوک سے مر رہا ہے اس شخص نے کہا تھیلے میں کیا ہے کہنے لگا روٹیاں ہیں اس نے کہا پھر اس کو کیوں نہیں دیتا' کہنے لگا کہ مجھے کتے سے اتنی محبت نہیں کہ اس کو روٹی دوں کیونکہ اس پر تو دام لگے ہیں صرف آنسو بہانے کی محبت ہے کہ یہ تو مفت کے ہیں' تو بعض لوگوں کی محبت کا دعویٰ بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جہاں ٹکا خرچ ہو وہاں ناداری ہوگئی اور یہاں تو حقیقت میں ہمارا کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا کیونکہ صدقہ خیرات میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہ کہیں نہیں جاتا جو کچھ ہے اپنے ہی لیے ہے بلکہ قربانی تو ایسی چیز ہے کہ کچھ ہاتھ سے نکلتا بھی نہیں اس لیے کہ ثواب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قربانی کے جانور کا گوشت پوست تقسیم کر دو بلکہ تم کو اختیار ہے خواہ تقسیم کر دیا اپنے کام میں لاؤ' ہاں بیچنے کی اجازت نہیں ہے' غرض سب گوشت اپنے ہی پاس رکھو تب بھی ثواب ملتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

اگر کوئی کہے کہ جب خدا تعالیٰ خرچ کرا کر ہم سے کچھ لیتے بھی نہیں پھر کیوں خرچ کراتے ہیں قربانی سے مقصود ان کا کیا ہے اگر کہو کہ ہم کو گوشت کھلانا مقصود ہے تو منیٰ اور مکہ معظمہ میں ہزاروں جانور ذبح ہوتے ہیں ان کا تو کوئی گوشت بھی نہیں کھاتا' ہزاروں جانور بالکل بیکار ہی جاتے ہیں اور کھیتوں میں دبائے جاتے ہیں' تو بات اصل میں یہ ہے کہ قربانی میں اصل تو یہ تھا کہ بیٹے کو ذبح کریں' لیکن اول تو بیٹا سب کے ہوتا نہیں دوسرے یہ کہ اگر سب کو یہ حکم ہوتا تو بہت کم ایسے نکلتے جو اس پر عمل کرتے' یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ بیٹے کو ذبح کرنے کی جگہ ہم کو جانور کے ذبح کرنے کا حکم کر دیا' پس قربانی میں ایک پیاری چیز کا خدا کی

راہ میں صرف کرنا مقصود ہے تا کہ ہماری محبت کا امتحان لیا جائے کہ اللہ کے واسطے کون اپنی پیاری چیز خرچ کرتا ہے اور کون نہیں کرتا بس مقصود یہ ہے کھانا اور کھلانا مقصود نہیں اس لئے اس جانور میں ایسی خوبیاں ہونی چاہئیں جس کی وجہ سے وہ بہت محبوب ہو کر خوب موٹا تازہ جانور ہو جس کو ذبح کرتے ہوئے کچھ تو دل دکھے جیسے بیٹے کو ذبح کرنے میں دل دکھتا ہے اور جانور مریل نہ ہو کہ جس کے ذبح ہو جانے کو بھی غنیمت سمجھے کہ مرتا تو یہ ضرور خیر اچھا ہوا اس سے بھی کام نکل آیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹنی ذبح کی تھی جس کی قیمت تین سو اشرفیاں تھیں' پس یہ جو بعض لوگوں کی عادت ہے کہ رول خدل کم قیمت جانور ذبح کر دیتے ہیں تو یاد رکھو کہ وہاں بھی تم کو ثواب ایسا ہی ملے گا اور جب کہ وہ لوٹ کر تم کو ہی ملے گا تو پھر کم قیمت والے جانور کیوں ذبح کرتے ہو' جس قدر اس میں خرچ کرو گے اپنے ہی لیے ہے اور یاد رکھو کہ صدقہ سے مال گھٹتا نہیں۔

صدقہ میں مال کم نہ ہونے کا کیا مطلب ہے:

حدیث میں ہے لا ینقص مال من صدقة (ترجمہ) صدقہ کرنے سے مال ہرگز کم نہیں ہوتا اور اس کے معنٰی یہ نہیں کہ اگر دس روپے پاس تھے۔ صدقہ کے بعد بھی وہ دس روپے جیب میں ہی رہتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صدقہ سے مال میں برکت ہوتی ہے اور خدا اس کو کسی اور جگہ سے نفع دیتا ہے اور اس کا مال کام میں آتا ہے۔ اگر صدقہ نہ دیتا تو وہ ادھر ادھر ضائع ہو جاتا اور صدقہ دینے کے بعد جس قدر مال باقی رہتا ہے وہ سب اسی کے کام میں آتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے اس لئے قربانی کے جانور کا گوشت اگر کھانے میں نہ بھی آئے تب بھی قربانی کرنا بیکار نہیں' کیونکہ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ جو محبت ہم کو خدا تعالٰی کے ساتھ ہے وہ ظاہر ہو جائے اور وہ اس صورت میں بھی حاصل ہے جبکہ گوشت کسی کام میں نہ آئے بلکہ اس صورت میں محبت کا امتحان زیادہ ہے کہ خرچ بھی ہوا اور اس سے دنیا کا کچھ کام نہ نکلا' پھر مال ضائع کہاں ہوا اور اگر کہا جائے کہ جی دکھتا ہے کہ ہماری چیزیں یوں ہی بیکار جاتی رہے گی' تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تمہاری چیز ہے کہاں تم خود تو اپنے ہو ہی نہیں و

تمہاری چیز کہاں سے آئی' تم خود اللہ تعالیٰ کے غلام ہو' غلام کسی چیز کا بھی مالک نہیں ہوتا' اگر کوئی کہے کہ جناب مال خرچ کرنے سے تو دل تنگ نہیں ہوتا بلکہ اس سے دل دکھتا ہے کہ جانور کی جان ضائع ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ آپ بے فکر رہیے جب خود مالک ہی ضائع کراتے تو آپ کون ہیں؟ آپ بڑے درمند بن کر آئے ہیں' بس اس وقت میں اسی بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

تمت

(۱۹) توبہ کی ضرورت

منتخب از ضرورۃ التوبہ وعظ ہفتم دعوات عبدیت

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّا بَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُo

ترجمہ:- اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف سچی توبہ۔ قریب ہے کہ تمہارا رب معاف کر دے تمہارے گناہ اور داخل کرے تم کو جنتوں میں کہ جاری ہیں ان کے نیچے (یعنی درختوں کے نیچے) نہریں۔ اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں:

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنی رحمت سے ایک عجیب و غریب نسخہ اکسیر کا دیا ہے جس سے لوہا بھی سونا ہو جائے۔ دیکھئے لوگ کیمیا کی تلاش میں اپنا مال اور وقت برباد کرتے ہیں۔ حالانکہ کیفیت اس کی یہ ہے کہ بڑے بڑے عقلمندوں کی اس کی نسبت یہ رائے ہے کہ کیمیا بن نہیں سکتی۔ البتہ بعضوں کی یہ بھی رائے ہے کہ بن سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کو مان بھی لیا جائے کہ کیمیا کا وجود ہے تو آپ نے بہت کم سنا ہوگا کہ کسی نے کیمیا بنائی ہو۔ اگرچہ اس قسم کے قصے بہت مشہور ہیں لیکن معتبر ذریعہ سے اس کا ثابت ہونا بہت مشکل ہے۔ بہر حال کیمیا کے وجود میں شک ہی ہو۔ اور جب شک ہے تو اس کی وجہ سے مال اور

وقت خراب نہ کرنا چاہیے دہمی نفع کے لیے نقصان نہیں کرنا چاہیے۔اور کیمیا میں یہی بات ہے کہ کیمیا بن جانے کا تو وہم ہی وہم ہے اور نقصان یقینی ہے کہ مال خراب ہوتا ہے اس لئے مسائل کی کتابوں میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی وقف کے متولی کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیمیا کی لت میں ہے تو اس کو موقوف کر دیا جائے۔

(۲) ہمارے روشن خیال حضرات تو عالموں تک کو رائے دینے لگے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ترقی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک سود حلال نہ ہو جائے۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کو ترقی سے روکنے والی نماز ہے کہ ایک شخص اسلام کی طرف رغبت رکھتا ہے مگر جب وہ دیکھتا ہے کہ نماز بھی گلے پڑے گی تو اس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ اسلام لانے سے رک جاتا ہے تو نماز کو اسلام کی برادری سے علیٰحدہ کر دینا چاہیے۔

اہل اسلام کی موجودہ حالت سے سخت اندیشہ ہے:

صاحبو! مجھے زمانہ کی اس حالت سے سخت اندیشہ ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ غیر قومیں تو اسلام کے احکام کی خوبیاں مانتی ہیں اور ان پر مضامین لکھتی ہیں۔ کوئی نماز کی حکمت بیان کرتا ہے' کوئی روزے کی حکمت بیان کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں جو تعلیم ہے کہ اگر کسی برتن میں کتا منہ مار جائے تو اس کو سات مرتبہ دھو ڈالو جس میں ایک مرتبہ مٹی سے بھی صاف کرو۔ ایک مدت میں سوچتا رہا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ مٹی سے بھی صاف کرنے کو کہا گیا۔ آخر غور کرنے سے اور مٹی کے اجزاء الگ کرنے سے معلوم ہوا کہ مٹی میں ایک جزو نوشادر کا بھی ہوتا ہے۔ اور وہ کتے کے لعاب کی سمیت کو دفع کر دیتا ہے چونکہ نشادر کا ہر وقت ہر جگہ ملنا مشکل تھا اس لیے مسلمانوں کے نبی ﷺ نے مٹی ملنے کا حکم دیا کہ یہ ہر جگہ مل سکتی ہے اور نشادر کا کام دیتی ہے۔

ایک اور عیسائی نے لکھا ہے کہ شریعت اسلامی کے تمام احکام عقل کے موافق ہیں یعنی کوئی حکم عقل کے خلاف نہیں۔ اگر چہ بعض احکام کی حکمت عقل سے نہیں معلوم ہوتی لیکن عقل کے خلاف وہ بھی نہیں کہ عقل اس کے اندر کوئی نقصان بتلاتی ہو۔ اب دیکھ لیجئے کہ غیر قوموں کی

تعریفوں کا تو یہ حال ہے۔ ادھر ہمارے مسلمان بھائیوں کی یہ حالت ہے کہ نہ دین کی کچھ خبر، نہ اس کی پیروی کرنے کا کچھ خیال اور اعتراض کرنے کو آمادہ ہیں کہ روزہ میں یہ خرابی ہے اور نماز ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگر یہی حالت ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ سو برس کے اندر بہت سے مسلمان اسلام سے بالکل باہر ہو جائیں اور غیر قومیں مسلمان ہو جائیں۔ صاحبو! یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ مجھے اس حالت پر خدا تعالیٰ کا وہ فرمان یاد آتا ہے کہ ﴿ان یتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم﴾ ترجمہ: یہ نہ سمجھو کہ دین کا مدار تم پر ہے۔ اور بلا تمہارے اس کی ترقی ہو نہیں سکتی۔ یاد رکھو! اگر تم اسلام سے منہ پھیرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بجائے ایک دوسری قوم بھیجے گا جو تمہاری طرح نہ ہو گی۔ تم کو تو احسان مند ہونا چاہئے تھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو ایسی نعمت دی اور اپنے دین کا خادم بنایا صاحبو! اس آیت میں اور اپنی حالت میں ذرا غور کرو۔ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دینے کی یہ بھی ایک صورت ہے جو آج کل ہو رہی ہے کہ مسلمان اسلام پر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں اور غیر قومیں اسلام کی طرف جھکی جا رہی ہیں کہ اس کے احکام کی حکمتیں تلاش کر رہی ہیں جس کا انجام یہی ہے کہ غیر قومیں تو مسلمان ہو جائیں گی اور یہ اعتراض کرنے والے مسلمان اسلام سے باہر ہو جائیں گے۔ اگر اس اندیشہ سے بچنے کی فکر ہے تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ اپنے اس رویہ کو چھوڑ دو اور وہ حالت پیدا کرو جیسے ایک غلام کی حالت ہوتی ہے کیونکہ ہم کو خدا تعالیٰ سے وہی تعلق ہے جو غلام کو اپنے مالک کے ساتھ ہوتا ہے اور عاشق کو اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس ہمیں ان ہی دو تعلقوں کو غلبہ دینا چاہئے کہ اپنے کو غلام اور اللہ کو مالک اور اپنے کو عاشق اور اس کو محبوب سمجھیں۔ ممکن ہے کہ کوئی اس پر یہ کہے کہ ہم تو عاشق نہیں بنتے کہ ہم پر عشق کے حقوق واجب ہوں تو میں کہوں گا کہ حضرت اب آپ کیا عاشق بنیں گے عاشق تو آپ اس دن سے ہو چکے جس دن مسلمان کہلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿والذین امنوا اشد حبا للہ﴾ (ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے انتہا درجہ کی محبت رکھتے ہیں اور انتہا درجے کی محبت ہی کا نام عشق ہے۔ پس آپ تو عاشق خدا ہو چکے۔ اور اگر کہیے کہ ہم کو تو اپنا عاشق

معلوم بھی نہیں پھر ہم کیونکر عاشق ہوئے۔ تو سمجھئے کسی چیز کے حاصل ہونے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اس کی خبر بھی ہو۔ دیکھئے اگر ایک شخص مرے اور دس ہزار کی جائداد چھوڑ جائے اور ایک نابالغ لڑکا وارث چھوڑے تو باپ کے مرنے کے بعد یہ لڑکا اس مال کا مالک ہو گیا مگر اس لڑکے کو اس کی خبر بھی نہیں۔ تو ہماری بھی یہی حالت ہے کہ ہم کو عشق ہے اگرچہ خبر نہیں۔ پس ہماری وہ حالت ہے جو اس فقیر کی حالت تھی جس کے سر پر ایک ٹوکرا بھرا روٹیوں کا رکھا ہوا ہے اور بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ اگر اپنی اس دولت کی خبر پانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آنکھ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر ایک اندھا جو ماں کے پیٹ ہی سے اندھا پیدا ہوا ہے رنگ کی حقیقت پوچھے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ رنگ تو تمہارے کپڑے ہی میں موجود ہے مگر اس کے لیے صرف ہاتھ کافی نہیں نہ صرف سن لینے سے اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔ اگر اس کو دریافت کرنا ہو تو اول آنکھ پیدا کرو اسی طرح جو لوگ قرآن شریف میں تاویلیں کرتے ہیں اور اپنی رائے سے قرآن شریف کے معنی بیان کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسا اندھا ہاتھ سے رنگ معلوم کرنا چاہیے۔ جس طرح صرف ہاتھ سے رنگ معلوم نہیں ہوتا' اسی طرح صرف رائے سے قرآن کے مقصود تک نہیں پہنچا جاتا۔ صاحبو! تم اپنے اندر تصرف کرو' کلام اللہ میں تصرف نہ کرو۔ اپنی آنکھیں کھولو اور اس سے پردہ اٹھاؤ' پھر دیکھو تم کو کیا خزانہ نظر آتا ہے۔ دیکھئے بنی اسرائیل کے عالموں کو ہمارے حضور ﷺ کے نبی ہونے کا پورا علم تھا۔ لیکن چونکہ ان کو دنیا کی محبت تھی اس لیے ایمان نہیں لاتے تھے۔ جانتے تھے پھر مانتے نہ تھے۔ قرآن شریف میں ان کی نسبت ارشاد ہے ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ﴾ ترجمہ: (بنی اسرائیل کے عالم) حضور ﷺ کے نبی ہونے کو ایسا جانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ یعنی جیسے کسی کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کچھ تامل کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حضور ﷺ کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ نبی ہیں۔ پس بنی اسرائیل کے عالموں کو حضور ﷺ کے نبی ہونے کا اتنا تو علم تھا۔ لیکن باوجود اتنے علم کے ان کو حقیقت نظر نہیں آتی تھی کیونکہ دنیا کی حقیقت کا پردہ ان کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا۔ اور جب حقیقت معلوم نہیں

ہوتی تو دل میں وقعت اور عظمت نہیں ہوتی۔

دیکھیے اگر کوئی جان بوجھ کر آگ میں کودے تو اگر چہ یہ تو کہا جائے گا کہ یہ شخص آگ کو پہچانتا اور دیکھتا تھا۔ لیکن یہ نہ کہا جائے گا کہ آگ کی حقیقت بھی اس کی نظر میں تھی اور جتنے جرم بھی اس قسم کے لوگ کرتے ہیں اس کی اصلی وجہ یہی ہے کہ ان کو اصلی حقیقت اس چیز کی معلوم نہیں ہوئی۔ اکثر عورتیں اور بعض مرد بھی کنوئیں میں گر جاتے ہیں۔ گرنے کے بعد جب ان کو کنویں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اس وقت کوئی ان سے پوچھے کہ کنویں میں گرنے کی بابت آپ کی کیا رائے ہے لکھنو میں ایک صاحب نے کسی بات پر غصہ میں آکر سنکھیا کھالیا۔ کھا تو گئے لیکن کھانے کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہوئی آنکھیں کھلی پھر یہ حالت تھی کہ لوگوں کی خوشامد کرتے تھے کہ کسی طرح مجھے اس سے نجات دلواؤ' تو بنی اسرائیل کو اگر چہ علم تھا لیکن حضور ﷺ کی حقیقت ان پر ظاہر نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ دنیا کی محبت کے پردے ان کی آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے۔ پس آپ اول ان پردوں کو دور کر دیجئے پھر حقیقت سامنے ہے اور بالکل قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تو شہ رگ سے زیادہ تمہارے قریب ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا کہ اے خدا! مجھے اپنے تک پہنچنے کا وہ راستہ بتلا دیجئے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ سبحان اللہ' کیسے سچے رہبر تھے کہ ہمارے لیے کتنا آسان راستہ تحقیق کر گئے' یہ جو آج لوگ آسانی سے منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں حضرات کا طفیل ہے۔ غرض خواب میں عرض کیا کہ اے خدا مجھے قریب کا راستہ بتلا دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ اے بایزید اپنے نفس کو چھوڑ دو اور آجاؤ۔ یعنی اپنی خودی اور نفسیانیت کو چھوڑ دو اور پھر راستہ سیدھا ہے۔ صاحبو! اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کے پاس دولت محبت خداوندی ضرور ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ ہم لوگ اپنے خیال میں جس کو دین سمجھتے ہیں۔ اگر کسی کو اس کے خلاف کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم کو اس پر کس قدر غصہ آتا ہے کہ ہم اس کے تکلیف دینے کے درپے ہو جاتے ہیں اور دل کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے اور اگر کوئی کافر ہمارے دین و مذہب کو برا کہنے لگے تو بتلایئے اس وقت تن بدن میں کیسی

آگ لگتی ہے۔ آخر یہ نفرت اور وحشت کیوں ہے۔ اسی لیے تو وہ طریق جس کو ہم دین سمجھتے ہیں۔ ہمارا محبوب ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے خیال میں خدائی راستہ ہے جو کہ خدا نے ہم کو بتلایا ہے پس یقیناً ہم کو خدا تعالیٰ سے محبت ہے لیکن ہماری محبت کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کے نیچے چنگاڑی دبی ہوتی ہے کہ اگر اس کو چھیڑا اور کریدا نہ جائے تو نظر بھی نہیں آتی۔ لیکن وہی چنگاڑی راکھ سے باہر نکلتی ہے تو شہر کے شہر جلا دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ عاشق کو معشوق سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اور اس کے دل میں معشوق کی کتنی عظمت اور وقعت ہوتی ہے۔ کیا اگر کسی عاشق کو اس کا معشوق حکم کرے کہ تم میرے پاس آؤ اور گرمی کے موسم میں دوپہر کو چار کوس تک ننگے پیر جلتے ہوئے ریت پر چلنے کا حکم کرے تو کیا وہ عاشق انکار کرے گا یا اس سے اس حکم کی وجہ پوچھے گا۔ ہرگز نہیں اور اگر کوئی شخص عشق کا تو دعویٰ کرتا ہو۔ لیکن اپنے معشوق کے حکم کو جھٹ پٹ نہیں بجالاتا بلکہ اس کی وجہ تلاش کرنے میں لگ جاتا ہے تو کیا ایسے شخص کو سچا عاشق کہا جائے گا کبھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کو سچا عشق ہوگا تو اس کے بلانے پر دوڑا ہوا آئے گا۔ بلکہ اگر کوئی روکنا بھی چاہے تو ہرگز نہیں رکے گا۔ غرض کسی حکم میں بھی اس کو ذرا عذر نہیں ہوگا۔ لوگ اس کی حرکات پر اس کو دیوانہ بتلائیں گے پاگل کہیں گے مگر اس کو ان خطابوں سے ذرا عار نہ ہوگا۔ بلکہ وہ نہایت خوش ہوگا۔ جس طرح آج کل عقلمند عالموں کو نیم وحشی...... وغیرہ وغیرہ خطاب دیتے ہیں۔ لیکن وہ نہایت خوش ہیں کیونکہ ان کی حالت یہ ہے کہ ملامت کرنے والوں کی ملامت تو دل کے باہر ہے اس کے اردگرد چکر لگا کر رہ گئی ہے۔ اور خدا کی محبت دل کے اندر جگہ پکڑ چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب معلوم ہوا کہ عاشق کو معشوق کے ساتھ برتاؤ چاہئے اور ہم خدا کے عاشق ہیں جیسا ابھی ثابت ہوا۔ تو ہم کو بھی اس کے ساتھ یہی برتاؤ رکھنا چاہئے اور اس کے احکام میں بلاعذر گردن جھکا دینی چاہئے۔

(۳) ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ نماز پانچ وقت کیوں مقرر ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اول یہ بتلایئے کہ آپ کی ناک چہرہ پر کیوں لگائی گئی، کمر پر کیوں نہیں

لگائی گئی۔ جب اس کی وجہ آپ کو معلوم ہو جائے گی تو اس کے بعد نماز کے وقتوں کی مصلحت دریافت کرنا۔ غرض جس کو علم سے مناسبت نہیں ہوتی' اس کا بولنا ہمیشہ بے موقع ہوتا ہے اور اسی لیے اس کا بولنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے کچھ بیان فرما رہے تھے اور لوگ لکھ رہے تھے' ان میں ایک شخص بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی تم بھی کچھ پوچھو عرض کیا بہت اچھا اب پوچھوں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ تقریر میں آپ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا تھا کہ جب سورج ڈوب جائے تو روزہ افطار کرنے میں دیر نہ کرو۔ اس شخص نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ بولوں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ اگر کسی روز سورج ہی نہ ڈوبے تو کیا کریں۔ امام نے ہنس کر فرمایا کہ تمہارا تو چپ رہنا ہی بہتر ہے۔ اسی طرح مشہور ہے کہ ایک دلہن ساس کے گھر جا کر بالکل بوتی ہی نہ تھی' اس کی ساس نے اس سے کہا کہ دلہن تم بھی بولا کرو۔ ہر وقت خاموش کیوں رہتی ہو۔ دلہن نے کہا' بہت اچھا' اب بولوں گی۔ چنانچہ ایک روز بولی اور ساس کو خطاب کر کے کہنے لگی کہ اماں بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تمہارا لڑکا مر گیا' میرا نکاح کسی دوسرے سے بھی کر دو گی۔ ساس نے کہا کہ دلہن بس تم خاموش ہی رہا کرو۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ تو دیکھئے تمیز نہ ہونے کی وجہ سے بات بھی پوچھی تو کیسی خوبصورت کہ ساس کا کلیجہ ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

(۴) صاحبو! شریعت کے احکام کے ساتھ ہمارا بالکل وہ مذہب ہونا چاہئے جو عاشق کا معشوق کے ساتھ اور غلام کا مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے' اس نے کہا جو آپ مقرر کریں۔ پھر آقا نے پوچھا کہ تو کیا کھایا کرتا ہے۔ غلام نے کہا جو آپ کھلائیں۔ پھر دریافت کیا۔ کیسا کپڑا پہنا کرتے ہو اس نے جواب دیا جو آپ پہنائیں۔ تو صاحبو! کیا خدا سے جو ہمارا علاقہ ہے وہ غلامی کا نہیں ہے۔ بلکہ اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ دوسروں کے ساتھ تو غلاموں کی غلامی برائے نام ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہم کو حقیقی حاصل ہے اور جب ہم ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے

غلام ہیں تو ہم کو غلام ہی کا برتاؤ بھی کرنا چاہئے۔ اور کسی حکم کے بجالانے میں گرانی نہ ہونا چاہئے۔ اور میں کہتا ہوں کہ احکام کے دشوار معلوم ہونے سے ان میں کسی قسم کا شبہ کرنا تو بالکل ہی بیہودہ ہے۔ کیونکہ خدا کی جانب سے تو وہی احکام مقرر ہوں گے جو نفس پر دشوار ہوں تاکہ خداتعالیٰ دیکھیں کہ جو کچھ کرتے ہو اس سے اپنے نفس کو خوش کرنا منظور ہے یا خدا کو اور خدا کے خوش کرنے میں بھی ہماری مصلحت ہے نہ خدا کی۔

صاحبو! یہ اتنا بڑا عالم ہمارے ہی فائدے کے لیے ہے اور اس سے ہمیں کو نفع پہنچانا مقصود ہے۔ ہر ہر طرح ہماری مصلحتوں پر نظر ہے۔ البتہ یہ ضرور نہیں کہ وہ مصلحتیں ہماری سمجھ میں بھی آ جائیں۔ غرض بعض احکام کی سختی اور دشواری وسوسہ کا سبب ہوتی ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سختی ہی ان احکام کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کسی مخلوق کا بنایا ہوا ہوتا تو اس میں دشواری بالکل نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹے مذاہب میں بہت آسانیاں ہوتی ہیں تاکہ نفس کے کتے اس کو جلدی قبول کرلیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ آپ جو دین میں آسانیاں ڈھونڈتے ہیں کبھی دنیا کے کاموں میں بھی آپ نے اس کو ڈھونڈا ہے۔ سب سے زیادہ آسان کام دنیا کا روٹی کھانا ہے مگر خبر بھی ہے کہ یہ کتنی مصیبت جھیلنے کے بعد آسان ہوا ہے۔ جب بچہ کو دودھ چھڑاتے ہیں تو کیسی کچھ مصیبت ہوتی ہے اور کتنی تکلیف بچہ کو پہنچتی ہے اور وہ دودھ پینے کے لیے کیا کچھ ضدیں کرتا ہے۔ لیکن اس کی ایک نہیں سنی جاتی بلکہ کبھی ایلوا لگا کر کبھی دوسری تدبیر سے اس کو دودھ پینے سے روکا جاتا ہے۔ آخر یہ مصیبت کیوں جھیلی جاتی ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ماں باپ بچے سے زیادہ اس کی مصلحتوں کو جانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس وقت اس کی مرضی کے موافق کام کیا گیا تو جوان ہو کر تباہ ہوگا اور ساری عمر اسی بلا میں مبتلا رہ کر کمزور رہے گا۔ بس احکامِ دینیہ کی حالت بھی بالکل ایسی ہے کہ گو وہ کسی وقت دشوار معلوم ہوتے ہوں مگر مصلحت انہی میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ ان کی خواہش کے تابع ہو جائے تو زمین آسمان سب تباہ و برباد ہو جائیں۔ بس ہمارے لیے یہی شفقت ہے کہ اس معاملہ میں ہماری ایک نہ سنی جائے جس طرح بچے کی

رائے کو نہیں سنا جاتا۔

(۵) حضور ﷺ کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے کہ باوجود عالم کے سردار ہونے کے کس قدر سادگی آپ ﷺ کے ہر ہر انداز میں تھی۔ بیٹھنے میں کبھی آپ ﷺ نے اپنے لیے کوئی خاص جگہ نہیں بنائی' یہاں تک کہ لوگ جب زیارت کو آتے تھے تو صحابہ ؓ سے دریافت کرتے کہ مَنْ مُحَمَّدٌ فِیْکُمْ (ترجمہ) تمہارے میں محمد ﷺ کون ہیں۔ صحابہ ؓ جواب دیتے کہ کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ حضور کوئی گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے' بلکہ عرب کے عرف میں ہاتھ پر سہارا لگانے والے کو بھی متکئی کہا جاتا ہے۔ اور چلنے میں آپ کی یہ حالت تھی کہ ہمیشہ ملے جلے چلتے تھے۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی۔ آپ ﷺ کی شان یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصۂ مختصر

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کا ہی مرتبہ بزرگ ہے' مگر بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی حضور ﷺ کی نظروں میں سمائی ہوئی تھی۔ غرض آپ ﷺ کے کسی انداز سے بھی بڑائی کی شان ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے گئے تو مدینہ کے لوگ حضور ﷺ کو پہچان نہیں سکے۔ حضرت صدیق اکبر ؓ سے مصافحہ کرتے تھے' کیونکہ ان کے کچھ بال پک گئے تھے جس کی وجہ سے وہ بڑے معلوم ہوتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر ؓ کا ادب دیکھئے کہ لوگوں سے برابر خود ہی مصافحہ کرتے رہے۔ اور حضور ﷺ کو تکلیف نہیں ہونے دی۔ اسی طرح دوسرے صحابہ ؓ بھی خاموش بیٹھے رہے کیونکہ سب سمجھدار تھیں لیکن اگر آج کل کوئی ایسا کرے کہ غلطی سے شاہ صاحب کی بجائے اور کسی سے مصافحہ کرلے۔ سب شور مچانا شروع کردیں اور جس سے غلطی میں مصافحہ کرلیا ہے اس کی تو بہت ہی بری گت بنائی جائے کہ اپنے آپ کو پیر بنانا چاہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب حضور ﷺ کے جسم مبارک پر دھوپ آگئی تو حضرت صدیق اکبر ؓ کپڑا تان کر کھڑے ہوگئے' اس وقت حاضرین نے پہچانا کہ محمد (ﷺ) یہ ہیں اور ابوبکر ؓ خادم ہیں۔ انصار کا ادب دیکھئے کہ حقیقت معلوم ہونے کے بعد اب دوبارہ حضور ﷺ سے مصافحہ کرنے نہیں چلے۔ آج کل

کے لوگ تو ضرور دوبارہ کرتے۔

(۶) اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ میں تو غلام کی طرح کھاتا ہوں کہ حضور ﷺ کی عادت تھی کہ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ صاحبو! یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں اس کی قدر اس وقت ہوگی جب اپنے اوپر یہ کیفیت غالب ہو اور یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کھانا کھانے میں کوئی لقمہ گر جائے تو مٹی صاف کر کے کھالو۔ اور حضور ﷺ کھانا جلدی جلدی تناول فرمایا کرتے تھے۔ آج اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس طرح کھاتا ہے کہ شاید کبھی اسے کھانے کو نہیں ملا۔ وجہ یہ ہے کہ جو چیز حضور ﷺ کی نظروں میں سمائی ہوئی تھی، ہم اس سے محروم ہیں۔

صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی معمولی سے آدمی کو بلا کر حلوا کھانے کو دے اور کہے کہ میرے سامنے بیٹھ کر کھاؤ۔ تو ذرا غور کیجئے کہ یہ شخص کس طرح کھائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے ہر لقمہ کا انداز یہ ہوگا کہ دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ بڑی رغبت اور شوق سے کھا رہا ہے اور یہی انداز اس وقت پیارا ہوگا۔ اس کو طمع ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر فرض کرو کہ یہ طمع ہی ہے تو سمجھ لو کہ جو عیب سلطان پسند کرے وہ عیب نہیں بلکہ ہنر ہے۔ اور اگر اس مثال میں اس شخص کے ہاتھ سے کھاتے ہوئے اتفاق سے کوئی لقمہ گر جائے تو بتلاؤ یہ کیا کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کو اٹھائے گا اور صاف کر کے کھالے گا۔ اسی طرح یہ بھی سوچو کہ بادشاہ کے سامنے کس انداز سے بیٹھ کر کھائے گا تو جب دنیا کے بادشاہوں کے سامنے ان تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے ضروری نہیں۔ اور آج کل تہذیب تو صرف نام ہی کی ہے اس میں حقیقت کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ صاحبو! حضور ﷺ نے جو ہم کو کھانے کے لیے طریقے سکھائے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دل کی حالت کا ظاہری بدن پر اثر پڑتا ہے یوں ہی ظاہری حالت کا اثر بھی انسان کی اندرونی حالت تک پہنچتا ہے۔ اگر ظاہری حالت پر غرور برستا ہے تو دل تک بھی اس کا چھینٹا ضرور پہنچے گا اور غرور دل میں ضرور پیدا ہونا شروع ہوگا۔ اور اگر ظاہری حالت عاجزی کی سی ہے تو دل میں بھی عاجزی کا اثر پہنچے گا۔ اور

راز اس کا یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے ظاہر کو سنت کے موافق کر لیا تو اس نے خدا تعالیٰ کی نزدیکی کا قصد کیا۔ اور یہ ان کا وعدہ ہے کہ جو مجھ سے ایک بالشت نزدیک ہوگا میں اس سے ایک ہاتھ نزدیک ہوں گا۔ اور جو مجھ سے ایک ہاتھ نزدیک ہوگا میں اس سے دو ہاتھ نزدیک ہوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو میری طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے میں اس کی طرف بہت سا بڑھ جاتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کی نزدیکی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ اندرونی حالت درست ہو جائے اور باطنی نزدیکی نصیب ہو جائے۔ پس معلوم ہو گیا کہ ظاہر کی درستی سے باطنی نزدیکی ضرور نصیب ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ میں اس قدر عاجزی بڑھی ہوئی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ذات خداوندی کی عظمت حضور ﷺ کی نظروں میں بسی ہوئی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ ہر حالت میں غلامی کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ اور جب یہ ہے تو بس ہم کو بھی خدا کے احکام سن کر چپ چاپ مان ہی لینا چاہئیں اور کچھ حیلہ وحجت نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ غلام کی شان یہی ہے۔ اور یہ کھود کرید ہمارے حق میں نقصان پہنچانے والی بھی تو ہے۔ اگر نقصان نہ پہنچاتی، تو حضور ﷺ ہم کو اس کی اجازت دیتے۔ اس سے منع نہ فرماتے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے۔ دیکھئے صحابہ رضی اللہ عنہم جو کہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے والے تھے، اور جن کی عقلیں بالکل درست تھیں۔ ان حضرات نے تقدیر کے مسئلہ میں گفتگو کی تو حضور ﷺ نے بالکل روک دیا اور بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ اگلی قومیں اسی کھود کرید کی بدولت ہلاک ہوئیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح بہت سی باتیں دلیل سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اسی طرح بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جن میں دلیل کا گذر نہیں اور بلا دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتیں، بلکہ ان کے لیے مشاہدہ کی ضرورت ہے اور وہ ہم کو نصیب نہیں تو ایسی باتوں میں کھود کرید کرنے کا یہی نتیجہ ہوگا کہ ہم تباہ ہوں گے۔ اس کے مناسب ایک حکایت یاد آئی۔ مشہور ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے استاد کی (جو اندھے تھے) دعوت کی اور کہا آج میں آپ کو کھیر کھلاؤں گا۔ استاد صاحب نے چونکہ کھیر کبھی دیکھی نہ تھی، کیونکہ اندھے تھے اور نہ ابھی تک کھانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس لیے

لڑکے سے پوچھا کہ بھائی کھیر کیسی ہوتی ہے۔ لڑکے نے جواب دیا کہ کھیر سفید ہوتی ہے۔ استاد نے کہا' سفید کس کو کہتے ہیں اس نے کہا جیسے بگلا مگر استاد صاحب نے کبھی بگلا بھی نہ دیکھا تھا اس لیے دریافت کیا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے اس نے ہاتھ ٹیڑھا کر کے بگلے کی شکل بنائی۔ استاد صاحب نے ہاتھ چھو کر دیکھا تو فرمانے لگے کہ بھائی یہ کھیر تو بہت ٹیڑھی ہے۔ کیسے کھاؤں گا۔ تو جیسے اس اندھے کے کھیر کو ٹیڑھا سمجھنے کی وجہ یہی تھی کہ جو چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اس کو بیان سے سمجھنا چاہتا تھا۔ یہی حالت ہماری بھی ہے۔ ہم مشاہدہ کی چیزوں کو دلیل سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ ہاں اگر سمجھنا چاہو تو اول دل میں نور پیدا کرو' پھر اپنے آپ یہ حالت پیدا ہوگی کہ ہر چیز کی سینکڑوں حکمتیں نظر آنے لگیں گی۔ دیکھو اگر کوئی معمولی شخص کسی بادشاہ سے کہے کہ مجھے اپنا خزانہ دکھاؤ۔ تو اس کی بڑی غلطی ہے اور اس کا مقصود کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس کی یہ تدبیر ہے کہ بادشاہ سے خوب گاڑھا تعلق پیدا کرے اور اس کے خاص لوگوں میں سے ہو جائے اس کے بعد بغیر کہے کبھی وہ مہربان ہوگا تو خود دکھائے گا۔ پس اپنے دل کو خدا کے تعلق سے نورانی کرو' پھر خود ہی حکمتیں معلوم ہو جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بتلا دیں گے۔ مگر اب تو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ساری باتیں استاد کے سامنے بیٹھ کر سمجھ لیں۔

(۷) مشہور ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے کسی شخص کے ہاں باغبانی کی نوکری کی۔ ایک روز وہ باغ میں آیا اور ان سے کہا کہ ایک ککڑی لے کر آؤ۔ آپ ایک ککڑی لائے۔ آقا نے چھیل کر اس کی قاشیں کیں اور اوّل ایک قاش حضرت لقمان کو دی۔ آپ لے کر کھا گئے۔ اس کے بعد دوسری قاش آقا نے کھائی تو بالکل کڑوی تھی۔ اس نے حضرت لقمان علیہ السلام سے کہا کہ تم نے یہ تلخ ککڑی کس طرح کھالی مجھ سے کہا کیوں نہیں کہ یہ کڑوی ہے۔ تو حضرت لقمان فرماتے ہیں کہ جس ہاتھ سے میں نے ہزاروں میٹھی چیزیں کھائی ہیں اگر اس سے ایک دفعہ کڑوی چیز مل گئی تو اس کو زبان پر کیا لاتا۔ پس اگر کبھی ہماری مصلحت کے خلاف بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے برتاؤ ہو تب بھی گرانی نہ ہونا چاہئے۔ اور ہمارے ادب میں فرق نہ آنا چاہئے۔

صاحبو! عاشق تو ہر حالت میں عاشق ہی رہتا ہے اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر

جان جان کر بھی اسے ستایا جائے تو وہ ناخوش کبھی نہیں ہوتا۔ کیا لوگوں کے خیال میں خدا تعالیٰ سے برادری کا سا تعلق ہے جو اس سے ناخوش ہوتے ہیں۔ غرض جو شخص اپنی درستی چاہتا ہے اور اس کو شریعت کی حکمتیں اور راز معلوم کرنے کی ہوس ہے تو وہ اپنے اندر یہ کیفیت پیدا کرے یعنی خدا سے لگاؤ حاصل کرے۔ یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس پر اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب پھر کیا ہم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بن جائیں۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں صاحب آپ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نہ بنیں۔ تو یہ بھی نہ ہو کہ بالکل نکمے ہی رہو۔ اگر جنید رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہو سکتے تو جنید کی خاک پا ہی ہو جاؤ۔ کچھ تو کسی بات میں ان جیسے ہو جاؤ۔ سب میں نہ سہی۔ مگر غور کیجئے کہ آپ تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے برابر کسی بات میں بھی نہیں نظر آتے۔ ایک نماز ہی ہے' کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نماز پڑھتا ہوں۔ ایک بزرگ کی یہ حالت تھی کہ ایک رات نماز میں کھڑے رہنے کی نیت کی تو نیت باندھ کر ساری رات کھڑے ہی کھڑے گذار دی۔ ایک رات رکوع کے لیے مقرر کی ہے تو تمام رات رکوع ہی میں ختم ہوگئی اور فرمایا کرتے تھے کہ افسوس رات بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ دل نہیں بھرتا۔ یہ حالت تھی کہ

نہ آیا وصل میں بھی چین ہم کو
گھٹا کی رات اور حسرت بڑھا کی

پس جب کسی حالت میں بھی ہم ان کے برابر نہیں' لیکن پھر بھی ہم کسی بات کو چھوڑ نہیں دیتے بلکہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روزہ بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ مثال مشہور ہے کہ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت ست۔ یعنی اگر گیہوں میسر نہ ہوں تو جو ہی غنیمت ہیں۔ تو جب ساری چیزیں ہماری گھٹیا درجہ کی سہی اس کو بالکل تو نہ چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر جنید رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہم کو اسرار نہ معلوم ہوں گے تو اپنے اطمینان کے لائق تو کچھ معلوم ہو جائیں گے۔ اور اس کی ضرورت ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی بزرگ سے تعلق پیدا کیا جائے۔ اگر ان کی صحبت میں رہو تو بہت ہی خوش قسمتی کی بات ہے۔ لیکن اگر صحبت میسر نہ ہو تو خط و خطوط ہی کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور ان پر اپنا پورا حال ظاہر کر کے ان سے علاج کی تدبیر دریافت کیجئے۔ صاحبو! اگر اپنی

رائے سے کوئی شخص اپنی درستگی کی تدبیر سوچ کر چار گھنٹہ روزانہ اس میں مشغول رہا کرے تو اس میں وہ بات حاصل نہ ہوگی جو کسی جاننے والے کی رائے سے آدھ گھنٹہ روزانہ کام کرنے سے حاصل ہو جائے گی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مجھ کو بخار آنے لگا۔ ایک حکیم صاحب سے حالت بیان کی' انہوں نے نسخہ لکھ دیا جس کے استعمال سے چند روز میں فائدہ ہو گیا۔ میں نے نسخہ کو فائدہ مند دیکھ کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیا۔ اتفاق سے دوسرے برس پھر کچھ شکایت ہوئی تو میں نے نسخہ کو منگا کر استعمال کیا' لیکن کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ اس کے بعد پھر حکیم سے حال بیان کر کے نسخہ لکھوایا اور اس کے استعمال سے صحت درست ہوگئی تو جیسے بدن کے مرضوں میں اپنی رائے سے کام نہیں چلتا۔ ایسے ہی نفسانی مرضوں کی حالت ہے اور میں کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی زبان میں بھی اثر ہے' وہ جو کچھ بتلا دیتے ہیں اس میں ضرور اثر ہوتا ہے۔ اور اللہ والوں سے جو تعلق رکھنے کے لیے جو میں کہتا ہوں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں نوکری کرنے سے منع کرتا ہوں یا تجارت میں کرنے سے روکتا ہوں اور تعلقات چھوڑنے کی رائے دیتا ہوں ہرگز نہیں بلکہ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی بزرگ سے تعلق پیدا کیجئے۔

صاحبو! یہ حضرات بڑے عقلمند ہوتے ہیں' ان کو دین کی عقل تو ہوتی ہی ہے اس کے ساتھ دنیا کی بھی پوری عقل ہوتی ہے۔ ان کی نسبت یہ گمان ہرگز نہ کرو کہ اگر ان سے تعلق پیدا کیا تو وہ بال بچوں سے چھڑا دیں گے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی مرید عرض کرتا کہ حضور دل چاہتا ہے کہ نوکری چھوڑ دوں تو فرماتے کہ بھائی ایسا نہ کریں۔ نوکری بھی کرو اور خدا کی یاد میں بھی لگے رہو۔

(۸) غرض یہ ہے کہ عقل سے شریعت کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آ سکتیں اس کی ہوس ہے تو خدا کے ساتھ لگاؤ پیدا کرو۔ دیکھو تجربہ کاروں نے کہا ہے کہ اول ہم نے عقل سے کام لیا۔ وہ تھوڑی دور چلی اور تھک کر رہ گئی۔ آخر عقل کو چھوڑا اور دیوانگی اور عشق کا دامن پکڑا' اس نے انتہا تک پہنچا دیا۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ عقل بالکل بے کار ہے۔ عقل کام کی ضرور ہے

مگر ایک حد تک کام کر دیتی ہے اس کے بعد بے کار ہو جاتی ہے۔ عقل کی حالت گھوڑے کی سی ہے۔ دیکھو اگر کسی کا محبوب ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور یہ عاشق اس کے پاس پہنچنا چاہے اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو ظاہر ہے کہ گھوڑا پہاڑ کے کنارہ تک پہنچ کر آگے نہ چل سکے گا بلکہ بے کار ہو جائے گا۔ اب اگر یہ عاشق آگے بھی جانا چاہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ گھوڑے کو چھوڑ کر عشق کا جوش اپنے اندر پیدا کرے اور راستہ طے کرتا چلا جائے غرض عقل سے کام لینا چاہئے لیکن صرف اس قدر کہ فلاں شخص اس قابل ہے کہ اس کے قدم بہ قدم چلیں۔ اور فلاں شخص اس قابل نہیں۔ بیمار کو عقل سے کام لینا ضروری ہے مگر صرف اس قدر کہ کون سے حکیم سے علاج کرانا چاہئے۔ لیکن جب کسی حکیم کو پسند کر لیا تو پھر اپنی عقل کو دخل نہ دے بلکہ جس راستہ پر وہ حکیم ڈال دے اس پر بغیر ڈر کے چلا جائے۔ ورنہ اگر وہاں بھی عقل سے کام لیا، حکمتیں دریافت کرنا شروع کیں تو ایک قدم بھی نہ چل سکے گا اور سینکڑوں الجھنیں پیش آئیں گی۔

(۹) لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ مقتدا اور پیشوا کی علامت اور پہچان کیا ہے تاکہ اس علامت سے پہچان لیا کریں کہ مقتدا بنانے کے قابل کون ہے کیونکہ آج کل عام لوگوں نے عجیب عجیب پہچانیں بنا رکھی ہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص کا کاروبار بہت بڑا ہو کہ لوگ بہت زیادہ اس کے پاس آتے جاتے ہوں تو سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا بزرگ ہے خاص کر جبکہ امیروں کا بھی ان پر اعتقاد ہو تب تو ان کی بزرگی پر رجسٹری ہو گئی۔ حالانکہ یہ کوئی پہچان نہیں۔ کیونکہ میں نے ایک بڑے بھاری بزرگ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جس درویش کے پاس دنیا داروں کا ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہو اور عالموں اور نیکوں کی توجہ اس کی طرف ہو تم ایسے درویش کی طرف توجہ نہ کرو کیونکہ دنیا داروں کا گرنا اور دین داروں کا اس سے پرہیز علامت ہے اس درویش کے ناقص ہونے کی اور بعض لوگوں کے نزدیک یہ پہچان ہے کہ جس شخص سے کرامتیں زیادہ ہوتی ہوں پوشیدہ باتیں اس کو معلوم ہو جاتی ہوں وہ سب سے بڑا بزرگ ہے۔ حالانکہ یہ پہچان بالکل غلط ہے کیونکہ جو شخص دل و دماغ کا تندرست اور مضبوط ہو

اور اس کے قلب میں پوری قوت بھی ہو پھر وہ کثرت سے محنت اور مشق کرے۔ اس سے ایسی ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں گی جن کو جاہل لوگ کرامت سمجھتے ہیں اگر چہ وہ کافر ہی ہو۔ چنانچہ ایسے واقعات سننے میں بہت آئے ہیں اور نہ بھی سنتے تب بھی یہ بات ظاہر تھی۔ کیونکہ دیکھو دجال جو کہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اس سے کیسے شعبدے ظاہر ہوں گے۔ بارش تک کر کے دکھلائے گا' زمین کے خزانے اس کے ہمراہ چلیں گے۔ پس ظاہر ہوا کہ کرامتوں کا پایا جانا بھی صحیح پہچان نہیں۔ اب صحیح پہچان بزرگی کی دریافت کرنے کے لیے یہ تدبیر ہے کہ اول یہ سمجھو کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ جس کام کے لیے اس کو دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ حالت اپنے اندر پیدا کر لے اور ظاہر ہے کہ انسان کرامت کے لیے دنیا میں نہیں بھیجا گیا بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر چلے اور اس کا سچا بندہ بنے۔ پس ظاہر ہوا کہ جس کو یہ حالت حاصل ہو کہ خدا کے احکام پر مضبوطی کے ساتھ چلتا ہو اور خدا کا سچا بندہ ہو وہ کامل ہے۔

اس پہچان کی نسبت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (خدا کے) مردوں کا کام روشنی اور گرمی ہیں پس مولانا نے دو چیزیں علامت کے طور پر بیان کی ہیں۔ ایک روشنی دوسری گرمی' روشنی کا مطلب یہ نہیں کہ یہاں سے بیٹھے ہوئے کلکتہ اور بمبئی نظر آنے لگیں' بلکہ یہ معنی ہیں کہ دل میں خدا کی معرفت پیدا ہو جائے اور گرمی سے مراد محبت ہے حاصل یہ ہوا کہ جس کو اصلی محبوب سے محبت ہو اور معرفت اور سچا علم حاصل ہو وہ مرد ہے۔ لیکن محبت تو دل کے اندر ہوتی ہے۔ دوسرے شخص کو کیسے معلوم ہو سکتی ہے پس اس کی کچھ علامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے ایک تو اس کی یاد کسی وقت دل سے نہیں نکلتی۔ سوتے ہوئے خواب بھی دیکھتا ہے تو محبوب ہی نظر آتا ہے اور دوسرا محبوب کے حکموں کو دل سے سنتا ہے اور نہایت شوق سے حکم بجالانے کو آمادہ رہتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ عاشق سے محبوب کے کسی حکم میں بھول چوک یا نافرمانی ہو۔ کیونکہ بھول ہمیشہ اس کام میں ہوا کرتی ہے جس کی جانب پوری توجہ نہ ہو اور جو چیز دل میں بسی ہوئی ہو اس میں بھول کیسے ہو سکتی ہے اسی طرح نافرمانی اس کے حکم کی ہوتی ہے جس کی وقعت اور محبت دل میں نہ ہو۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ مقتدا بنانے کے قابل وہ شخص ہے کہ اس کو ضرورت کے لائق دین کا علم ہو اگرچہ پورا مولوی نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ اس کو کسی کامل بزرگ کی صحبت نصیب ہوئی ہو کیونکہ گرمی (یعنی محبت) اسی کو حاصل ہوتی ہے جو کسی گرمی والے کے پاس رہے اور اس کی ہدایت کے موافق عمل کرے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو بزرگوں سے سینہ بسینہ چلے آتی ہے۔ دیکھئے باورچی کا کام' یہ بھی سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ اگر کوئی کتاب میں دیکھ کر کھانا پکانے کی ترکیبیں یاد کرلے تو اس سے کچھ نہیں ہوسکتا جب تک کسی کامل استاد کے پاس نہ رہے اس کو باورچی گری نہیں آسکتی۔ اسی طرح درزی کا کام ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کتاب میں دیکھ کر کرتہ اچکن وغیرہ کی کاٹ تراش بالکل ازبر یاد کرلے اس کو درزی کا کام نہیں آسکتا ایسے ہی لوہار اور بڑھئی کا کام ہے کہ بدون استاد کے پاس رہے بغیر نہیں آسکتا۔ پھر تصوف کے سینہ بہ سینہ ہونے پر کیا شبہ ہے لیکن تصوف کے سینہ بہ سینہ ہونے کے یہی معنی ہیں کہ محبت اور خدا کے ساتھ لگاؤ ہونا سینہ بہ سینہ ہے نا یہ کہ تصوف کا علم اور اس کے مسئلے بھی سینہ بہ سینہ ہیں کیونکہ علم تصوف تو کتابوں میں پورا بیان کردیا گیا ہے بلکہ وہی ایک نسبت سینہ بہ سینہ ہے جس کو گرمی کے نام سے ذکر کیا ہے۔ تیسرا شرع کا پورا پابند ہو۔ یہ تو اس کی علامتیں ہیں جو کامل ہوں اور دوسروں کو بھی کامل بنائے۔ اس کی پہچان اور ہے اور اس کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ بیمار کو اپنی بیماری دور کرنے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو خود بھی تندرست ہو اور حکیم بھی ہو کہ دوسروں کو بھی تندرست بنا سکے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دل میں ایک اطمینان اور راحت پیدا ہو اور خدا تعالیٰ کی محبت بڑھے دنیا کی محبت کم ہو۔ اگرچہ یہ باتیں فوراً پیدا نہیں ہوں گی بلکہ کچھ دنوں کے بعد ہوں گی دوسرا اگر یہ اس سے اپنا مرض بیان کیا جائے تو اس کے جواب سے دل کو تسلی ہو۔ یوں معلوم ہو کہ یہ ہمارے مرض کو بالکل سمجھ گیا۔ پس جب ایسا شخص میسر ہو جائے تو ضرور ہے کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے۔ اگرچہ اس سے بیعت نہ ہو' کیونکہ بیعت ہونا ایسا ضروری نہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ بیعت بالکل بیکار ہے جیسا کہ ایک صاحب کہنے لگے کہ بیعت بالکل بیکار ہے اس کی کیا ضرورت ہے۔ کسی

کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی کام کرے۔ میں نے کہا کہ صاحب آپ نے کبھی علاج بھی کرایا ہے کہ نہیں' کہنے لگے کہ ہاں ضرورت کے وقت علاج کرایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ایک حکیم سے علاج کراتے ہو یا اس طرح کہ آج ایک سے کل دوسرے سے پرسوں تیسرے سے۔ کہا کہ جس حکیم پر اطمینان ہو۔ بس اسی سے علاج کرایا۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس میں آپ نے کیا مصلحت سوچی کہنے لگے کہ روز روز نئے حکیم بدلنے سے کسی ایک کو بھی توجہ اور شفقت بیمار پر نہیں ہوتی' کیونکہ کوئی ایک بھی اس کو اپنا بیمار نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا' بس یہی حکمت اور نفع بیعت ہونے میں ہے کیونکہ بیعت ہونے کے بعد پیر مرید کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ یوں کہتا ہے

من غم تو میخورم تو غم مخور

(ترجمہ) میں تیرا غم کھاتا ہوں تو غم مت کھا۔

مرید کو ہر وقت یہ تسلی رہتی ہے کہ میرا ایک شفیق مہربان میرے ساتھ موجود ہے اور پیر کو یہ خیال ہوتا ہے یہ میرا شخص ہے یہ مصلحت ہے بیعت میں۔ ہاں صرف نذرانہ کی بیعت ہو تو کچھ بھی فائدہ نہیں جیسا کہ آج کل یہ حالت ہے کہ بعض فخر کرتے ہیں کہ میرے ایک لاکھ مرید ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ گویا ایک فوج جمع کی ہے غرض یہ کہ اگر نذرانہ کی پیری مریدی نہ ہو تو اس میں نفع ہے۔ کلام بہت دور پہنچ گیا' میں بیان کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت اور محبت ایسی چیز ہے کہ جب یہ دل میں جگہ کر لیتی ہے تو سب کوڑا کباڑ دوں دل سے نکل جاتا ہے پس پھر کوئی شبہ نہیں رہتا۔ تو جب یہ تمام وسوسے دور ہو جائیں گے تو کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور معلوم ہو جائے گا کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے کیا تعلق ہے اس کے بعد کوئی حکم نا گوار نہ گذرے گا کیونکہ عاشق کو کوئی حکم محبوب کا نا گوار نہیں ہوتا بلکہ یوں چاہے گا۔ کہ کسی طرح ہر وقت ادھر سے کچھ حکم ہی ہوتا رہے۔

ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ حکیم پر عاشق ہو گیا تھا' آخر بیمار پڑا' لوگ اس حکیم کو علاج کے لیے لائے تو وہ بیمار یہ آرزو کرتا تھا کہ مجھے کبھی آرام نہ ہوتا کہ اسی بہانہ سے روزانہ یہ حکیم

میرے پاس چلا تو آیا کرے۔ صاحبو! واقعی یہ آگ بہت غضب کی چیز ہے کہ عاشق تو عاشق معشوق کو بھی متوجہ کر دیتی ہے۔ دیکھئے اس بیمار کا مرض ہی تو تھا جس نے حکیم کو بھی کھینچ لیا۔ آج کل کے عقلمند اس کو نہ سمجھیں گے کیونکہ یہ ذائقہ بے چکھے ہوئے محض عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ چند ہی روز ہوئے مجھ کو الٰہ آباد کا سفر کرنا پڑا۔ میرے ہمراہ ایک دوست بھی تھے چونکہ وہ شاعر بھی ہیں' اس لیے ایک موقع پر اپنے کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ ان میں یہ شعر بھی پڑھا

کیا بیٹھا ہے سینے پر زانو کو دھرے قاتل
ہاں پھیر بھی دے خنجر کیا دیر لگائی ہے

وہاں پر ایک مولوی صاحب بھی تھے جن کو شعر سے بالکل مناسبت نہ تھی۔ انہوں نے جو یہ شعر سنا تو نہایت تعجب سے کہا کہ اس شعر کا کیا مطلب ہے' یہ تو بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ نہ تو اصلی محبوب (یعنی اللہ میاں) نے کسی کے گلے پر خنجر پھیرا نہ شاعر کے پیر نے کبھی ایسا کیا۔ البتہ طمانچہ شاید کسی کو مار دیا ہو۔ لیکن سینے پر زانو رکھ کر تو کبھی نہیں بیٹھے۔ غرض ان کو ہر چند سمجھایا گیا لیکن آخر تک سمجھ ہی نہ آیا' وہ اس کو برابر غلط ہی کہتے رہے اور لوگ ہنستے تو دیکھئے چونکہ شعر کا ذوق ہی ان کو نہ تھا۔ اس لیے وہ ایک صاف شعر کو بھی نہیں سمجھ سکے۔ تو اسی طرح جن لوگوں کو یہ نسبت حاصل نہیں ہے ان کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ نسبت سے کیا بات پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو اہل محبت پر طعنہ کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ غرض محبت ایک عجیب چیز ہے۔ ذرا غور کر لیجئے کہ اگر ایک مرد کو عورت سے محبت ہو جاتی ہے تو کیا حال ہوتا ہے کہ اس کی سخت اور بیہودہ باتیں بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور بے جا فرمائشیں بھی پوری کی جاتی ہیں اور دل پر ناگواری نہیں ہوتی۔

یہ سب مضامین اس آیت سے مناسبت رکھتے ہیں جس کی اس وقت تلاوت کی گئی تھی کیونکہ اس میں حکم ہے توبہ کا' اور توبہ انسان پر دشوار ہوتی ہے اس لیے کہ گناہ میں لذت ہے۔ لیکن دشواری کی وجہ سے توبہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ دشواری صرف شروع میں ہو گی چند

روز کے بعد عادت ہو جاتی ہے پھر کچھ دشواری نہیں رہتی۔ پس آیت سے مناسبت کی وجہ سے یہ مضامین بیان کیے گئے۔ اور چونکہ یہ مضامین زیادہ ضروری تھے۔ اور اکثر ضروری ضروری مضمون اس میں آ گئے ہیں۔ اور وقت بھی زیادہ گذر گیا ہے اس لیے میں آیت کا ترجمہ کر کے بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اور آیت کا اصلی مضمون یعنی توبہ کا مفصل بیان خدا نے چاہا تو کسی دوسرے موقع پر ہو جائے گا۔ سو آیت میں خدا تعالیٰ نے توبہ کا حکم دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! خدا کی طرف رجوع کرو اور توبہ کرو۔ دیکھئے خدا تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ یوں نہیں فرمایا کہ بالکل گناہ ہی نہ کرو بلکہ یہ فرمایا کہ اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کرو۔ صاحبو! اس میں تو کوئی دقت نہیں ہے اس سے تو ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ دیکھئے شریعت کی آسانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ اول تو یہ حکم ہے کہ بد پرہیزی کر کے بیمار ہی نہ پڑو۔ اور اگر بیمار پڑ جاؤ تو یوں فرماتے ہیں کہ دوا پی لو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ توبہ سے کیا فائدہ کیونکہ ہم سے پھر گناہ ہوگا۔ میں جواب میں کہا کرتا ہوں کہ یہ قانون بدن کے مرضوں سے کیوں نہیں چلایا جاتا کہ علاج سے کیا فائدہ جبکہ اگلے بھادوں میں پھر بخار کی آمد ہوگی۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ عمل کی توفیق دیں۔ آمین۔

تمت

❁❁❁

(۲۰) توبہ کی تفصیل

منتخب از تفصیل التوبہ وعظ ہشتم دعوات عبدیت

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ○

ترجمہ:- اے ایمان والو! توبہ کرو طرف اللہ کے خالص توبہ۔ قریب ہے کہ معاف کر دیں گناہ تمہارے اور داخل کریں تم کو جنتوں میں کہ جاری ہوں ان کے (درختوں کے نیچے نہریں)۔ اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں:

(ا) یہ ایک آیت ہے کہ جس کی صبح بھی تلاوت کی گئی تھی[1] اور اس کے مناسب کچھ مضامین بیان ہوئے تھے۔ اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ دوسرا موقع اتنی جلدی بیان کرنے کو مل جائے گا اس لیے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس آیت کا مقصود پھر کبھی بیان کیا جائے گا مگر یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے اتنی جلدی موقع دے دیا لیکن یہ ضرور ہے کہ چونکہ اس وعظ میں عورتیں بھی جمع ہیں۔ اور یہ وعظ اصل میں عورتوں ہی کو سنانا مقصود ہے اس لیے رنگ بیان کا دوسرا ہوگا۔ اور اس وقت زیادہ مضامین عورتوں کی ضرورت کے لائق ہوں گے اور اس طرز سے بیان ہوں گے کہ عورت کی سمجھ میں آ جائیں۔ پس اگر مردوں کو اس وقت کے بیان میں مزہ نہ آئے

[1] اس صبح کو بھی اسی آیت کے متعلق بیان ہوا تھا۔ ۱۲ منہ

تو تنگ دل نہ ہوں۔ اس لیے کہ اول تو مزہ مقصود نہیں۔ دوسرا کبھی تو عورتوں کو بھی دین کا بیان سننا چاہئے جس کے لیے ان کی سمجھ کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

(۲) اس آیت سے مقصود توبہ کا حکم کرنا ہے، توبہ کی حقیقت:

مقصود اس آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو توبہ کا حکم فرماتے ہیں چنانچہ ترجمہ سے معلوم ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اسی کو توبہ کہتے ہیں کہ بندہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائے یہی توبہ کی حقیقت ہے۔ اور صرف لفظ توبہ زبان سے کہہ لینا کافی نہیں چونکہ توبہ کی حقیقت بیان ہو چکی اس لیے اب میں توبہ ہی کا لفظ کہوں گا۔ سنیے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والے بندو! توبہ کرو خدا کی طرف خالص توبہ اس آیت کا یہ مضمون کوئی نیا مضمون نہیں ہے، بہت دفعہ کانوں میں پڑا ہوگا۔ لیکن شاید کسی کو شبہ یہ ہو کہ جب یہ پرانا مضمون ہے تو اس کے اس وقت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

ایک مضمون کے بار بار بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے:

سو ضرورت یہ ہے کہ وعظ میں جو مضمون بیان کیا جاتا ہے اس سے مقصود یہ ہوتا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ جب کئی مرتبہ سننے کے بعد بھی ایک مضمون پر عمل نہ ہو تو معلوم ہوا کہ ابھی اس کے دہرانے کی ضرورت ہے تاکہ اس طرف توجہ پیدا ہو۔ بلکہ جو مضمون معلوم نہیں ہیں ان سے بھی اس مضمون کی ضرورت زیادہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر خلاف کرنا بہت بڑی مصیبت ہے۔ اس کا علاج نہایت ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص کسی جگہ اکثر وعظ کہا کرتا ہو اسے تو چاہئے کہ ترتیب وار مضمون بیان کرے اور جس کو کبھی کبھی موقع ملے جیسے کہ اس وقت میرا آنا مسافرانہ ہو گیا ہے۔ اس کو چاہئے کہ جو مضمون زیادہ ضروری ہو اسی کو بیان کرے۔

توبہ کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے:

اور ظاہر ہے کہ اس مضمون سے زیادہ ضروری اور کون سا مضمون ہوگا کہ جس کی ہر وقت ہم کو ضرورت ہو تو توبہ کا مضمون ایسا ہے کہ ہر حالت کو عام ہے اور ہر وقت ہم کو اس کی ضرورت

ہے۔ کیونکہ توبہ گناہ سے ہوا کرتی ہے۔

ہم سے ہر وقت گناہ ہوتے ہیں:

اور گناہ ہم سے ہر وقت ہوتے ہیں۔ اس پر شاید کسی کو تعجب ہو کہ ہر وقت تو ہم گناہ نہیں کرتے۔ تو وجہ اس تعجب کی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہ کی حقیقت معلوم نہیں۔ صرف ٹوٹی پھوٹی فہرست گناہوں کی یاد کر رکھی ہے کہ چوری، قتل، بدکاری، جوا وغیرہ ہی گناہ ہیں۔ مگر جب گناہ کی حقیقت معلوم ہوگی تو معلوم ہوگا کہ کوئی وقت بھی ہمارا گناہ سے خالی نہیں اور جب ایسا ہے تو ہر وقت ہم کو توبہ کی ضرورت ہے۔

گناہ کی حقیقت:

گناہ کا خلاصہ یہ ہے خدا کی نافرمانی کرنا۔ تو اول تو یہ معلوم کرو کہ خدا نے کس کس بات کا ہم کو حکم دیا ہے۔ پھر دیکھو کہ ہم ان میں سے کتنے حکموں پر عمل کرتے ہیں اور جن باتوں سے ہم کو روکا گیا ہے ان سے کہاں تک بچتے ہیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ شریعت کا علم سیکھا جائے۔ کیونکہ بدوں علم شریعت کے سیکھے یہ باتیں کیسے معلوم ہو سکتی ہیں۔

آج کل مسلمان شریعت کے حکموں کو بہت کم جانتے ہیں

افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں نے خاص کر عورتوں نے علم دین کی طرف سے بالکل توجہ ہٹالی۔ عورتوں کو اول تو موقع نہیں ملتا کہ علم دین سیکھیں اور نہ ان کی توجہ ہے اور عورتوں کے بارے میں بڑا قصور مردوں کا ہے کہ ان سے صرف کھانے پینے کا کام لیتے ہیں اور علم دین سکھانے کی ذرا کوشش نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ عورتیں مردوں کی طرح باہر پھر کر علم نہیں سیکھ سکتیں اس لیے کہ ان کو پردے سے نکلنا جائز نہیں۔ اب اگر وہ علم سیکھ سکتی ہیں تو اسی طرح کہ مرد توجہ کریں اور اس کام کو اپنے ذمہ لیں۔ آج کل کے عقلمند پردے کے مسئلہ میں بھی بہت کچھ زبان درازیاں کرتے ہیں۔

پردہ کی ضرورت دلیل سے:

میں اس کے لیے مختصر طور پر بیان کرتا ہوں کہ دیکھئے حضور پرنور ﷺ کی بیبیاں تمام

امت کی مائیں ہیں اور ظاہر ہے کہ ماں کے ساتھ بیٹوں کو کسی قسم کے فتنہ کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا۔

عورتوں کے عالم بننے کا طریقہ:

لیکن باوجود اس کے دیکھ لیجئے کہ پردے کے بارہ میں ان کو کیا کیا حکم ہوئے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ گھر میں بیٹھی رہو۔ تو جب ان کو ارشاد ہوا ہے کہ گھر میں بیٹھی رہو اور باہر نہ نکلو تو پھر اور عورتوں کو کیسے حکم نہ ہوگا۔ اور اسی آیت پر بس نہیں' بلکہ دوسری آیات بھی موجود ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کو حکم فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں۔ تو جب پردہ ضروری ہے تو ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسا موقع نہیں مل سکتا کہ وہ باہر پھر کر علم دین سیکھیں۔

مردوں پر ضروری ہے کہ عورتوں کو دین سکھلائیں:

اس لیے مردوں پر واجب ہے کہ عورتوں کو علم دین کے احکام بتلائیں۔ حدیث میں ہے کہ تم سب ذمہ دار ہو۔ اور تم سے قیامت میں تمہاری ذمہ داری کی چیزوں کے متعلق سوال ہو گا۔ قرآن شریف میں ہے کہ اے ایمان والو! بچاؤ تم اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے' تو گھر والوں کو بچانے کے لیے معنی یہی ہیں کہ ان کو تنبیہ کرو۔ اور بتلاؤ۔ بعض لوگ بتلا تو دیتے ہیں مگر پھر ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دس دفعہ تو کہہ دیا نہ مانیں تو ہم کیا کریں۔

صاحبو! سب غور نہ کرنے کی وجہ ہے۔ میں نمونہ کے طور پر ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ اگر کسی دن کھانے میں نمک بہت ہو گیا ہو اور آپ گھر والوں کو بہت سخت سست کہہ لیں۔ لیکن باوجود آپ کے کہنے کے اگلے دن بھی وہی حالت ہو۔ یہاں تک کہ پندرہ روز تک برابر کھانے میں نمک تیز رہے تو اس وقت آپ اپنی عورت کے ساتھ کیسا معاملہ کریں گے۔ کیا وہی برتاؤ کریں گے جو دین کے حکموں میں کرتے ہیں یا کچھ اور' ظاہر ہے کہ یہ برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے گا۔ بلکہ کم از کم اتنا ضرور کیا جائے گا کہ اس کا پکایا ہوا کھانا نہ کھایا جائے گا۔ کیا کوئی صاحب بتلا سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسے موقع پر نہایت نرمی سے کہا ہو کہ بی صاحبہ کھانے میں

نمک تیز نہ کیا کیجئے' اور اگر اس پر نہ مانا ہو تو یہ کہہ کر خاموش ہو رہے ہوں کہ ہم نے تو دس دفعہ کہہ دیا نہ مانے تو ہم کیا کریں۔ تو صاحبو جب اپنے معاملہ میں اس قدر سختی برتی جاتی ہے تو کیا وجہ کہ دین کے معاملہ میں یہ سختی نہیں۔ معلوم ہوا کہ دین کی اس قدر ضرورت خود تمہارے دل میں نہیں ہے۔ اگر نماز روزے کے بارے میں بھی اسی سختی سے کام لیتے جس سے نمک تیز ہونے کے وقت کام لیا تھا تو ضرور اثر ہوتا۔

عورتوں کو شریعت کے تابع بنانے کی تدبیر:

اور میں ایک آسان تدبیر اس کی بتلاتا ہوں کہ اس پر عمل کرنے سے ضرور دین کی پابندی ہو جائے گی۔ وہ یہ ہے کہ جس روز نماز روزہ وغیرہ میں عورتوں کی ذرا سستی دیکھو۔ اسی روز ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ۔ یہ ایسی سخت سزا ہے کہ اس کے بعد بہت جلد اصلاح ہو جائے گی۔ کیونکہ جس روز تم ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ گے اسی روز ضرور ان کا بھی فاقہ ہوگا۔ بس جب دو چار روز ایسا ہوگا خود سنبھل جائیں گی۔ تو طریقہ یہ ہے۔ صاحبو! کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ نری باتوں سے نہیں ہوتا۔ پس زیادہ قصور مردوں کا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عورتوں کو علم دین سیکھنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ جب عورتوں کو کچھ سنایا جائے تو انہیں کی ضرورت کا لحاظ رکھا جائے۔ مردوں کی رعایت نہ کرے۔ اس لیے اس وقت کا بیان بالکل سادہ ہوگا دوسرے اس لیے بھی اس وقت خاص عورتوں کے متعلق مضامین بیان کیے جائیں گے کہ مردوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہم جب عورتوں کو نصیحت کیا کریں تو کیا نصیحت کیا کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مقام پر تو یہ حکم ہے اور توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور گناہ کا علم دین کے جاننے سے ہوتا ہے کہ اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ گناہ کس قدر ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی وقت ایسا گزرتا ہو کہ ہم سے گناہ نہ ہوتے ہوں۔

دل کے گناہ:

دیکھئے ایک دل ہی ہے کہ اس کے گناہ کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا حالانکہ اس کے بہت سے گناہ ہیں۔ اگر کسی شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا یہ بھی گناہ ہے جس کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت غیبت کے بارہ میں:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا جو کہ صحیح وتندرست تھا۔ آپ نے دل میں فرمایا کہ یہ شخص اچھا بھلا ہے اور پھر بھیک مانگتا ہے رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس مردار لایا اور کہا کہ اس کو کھایئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو مردہ ہے کیونکر کھاؤں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ آج صبح تم نے اپنے ایک بھائی کا گوشت کھایا ہے تو اس کے کھانے میں کیوں تامل کرتے ہو۔ انہوں نے کہا میں نے تو کسی کی غیبت نہیں کی۔ اس نے جواب دیا کہ اگرچہ زبان سے غیبت نہیں کی لیکن دل میں تو اس کو حقیر سمجھا۔ اور دل ہی سے تو سب کچھ ہوجاتا ہے۔ آخر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ بہت گھبرائے اور اس فقیر کے پاس پہنچے وہ کوئی کامل شخص تھا ان کو دیکھتے ہی کہا **وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ** یعنی خدا تعالیٰ ہی بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ سو ان گناہوں کی طرف کبھی ہمارا خیال بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی گناہ ہیں۔

اسی طرح زبان کے اکثر گناہ ہیں اور اسی طرح اپنے کو بڑا سمجھنا۔ اس کو بھی ہم لوگ گناہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عزت سمجھتے ہیں اور ضروری جانتے ہیں۔ صاحبو! گناہ کی علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہو تو دیکھ لیجئے ان گناہوں سے کس قدر ممانعت کی ہے اور کیسی کیسی ان کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ غرور اور غیبت پر کیسی سخت سزا مقرر کی ہے اور اسی طرح بلا تحقیق کوئی بات کہہ دینے پر کیسی دھمکی ہے۔ تو جب لوگ علم دین حاصل کریں گے اس طرح کے مرد تو پڑھیں' اور عورتیں یا تو پڑھ لیں اور اگر اس کا موقع نہ ملے تو مولویوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں سن کر یاد کرلیں۔ اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ گناہ کیا کیا ہیں۔ چنانچہ شادی اور غمی میں اس قدر رسمیں شریعت کے خلاف ہوتی ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔

شادی کی رسمیں

اکثر لوگ شادی میں یہ سمجھتے ہیں کہ ناچ گانا نہ ہو تو بس کوئی رسم ہم نے نہیں کی۔ شرع کے موافق نکاح ہوگیا' حالانکہ ناچ اور گانے کے علاوہ اور بہت سی رسمیں ایسی ہیں کہ وہ بدعت

ہیں بلکہ بعض تو شرک کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ رسمیں بہت زیادہ ختم ہو گئی ہیں جیسے دولہا کو اُلو کا گوشت کھلانا یا دامن میں ہلدی باندھنا' میانہ سے اتر کر چار پائی پر نہ بیٹھنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان رسموں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ایسی رسمیں بڑھ گئیں جن میں نام نمود زیادہ ہے کیونکہ بہ نسبت پہلے کے اب مال کی زیادہ کثرت ہے۔ لوگوں میں اس قدر امیری کب تھی ایسا ساز وسامان کہاں تھا۔ یہ رنگ برنگے کپڑوں کے بارے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ چنانچہ اب بھی جو لوگ پرانی وضع کے باقی ہیں ان کی زندگی بالکل سیدھی سادی ہے۔ اور آج کل کے نئے رنگینوں کی تو یہ حالت ہے کہ ایک مقام پر پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ شادی میں ڈیڑھ ہزار کا صرف کپڑا ہی کپڑا دیا گیا۔ شاید اس کو تو ساری عمر میں بھی اس میں سے آدھا کپڑا پہننا نصیب نہ ہو۔ کیونکہ اول تو کپڑا اس قدر' دوسرے عورتوں کا پہننا کہ ایک ایک کپڑے کو دس دس برس تک احتیاط سے رکھ کہ پہنتی ہیں۔ کیونکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اپنے گھر میں تو ایسی حالت میں رہیں گی کہ صورت دیکھ کر بھی نفرت ہو اور دوسری جگہ جائیں گی تو بن سنور کر' خدا جانے دوسری جگہ کس کو دکھلانا مقصود ہوتا ہے۔ اور پھر ان کا دل ہر وقت اس کپڑے ہی میں ہوتا ہے کہ آج دھوپ دکھلائی جا رہی ہے۔ اور کل صاف کیا جا رہا ہے۔ خدا کی پناہ اور تعجب یہ ہے کہ ان کا جی نہیں گھبراتا۔ لیکن جب دوسرا کوئی کام نہیں تو آخر یہ بیچاری دن کس طرح گذارے۔ اسی طرح شادی میں فضولیات ہوتی ہیں۔ دیکھئے ایک کھانا کھلاتا ہے کہ ساری برادری کو نوتا جاتا ہے۔ مشورہ کرنا ہے کہ ایک ایک سے رائے لی جاتی ہے۔ ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہا اور یہ رائے ہوئی کہ اسی خوشی میں ایک ہزار روپیہ کسی اسلامی مدرسہ میں دے دیں۔ ان بے چاروں سے یہ خطا ہوئی کہ برادری کو جمع کر کے رائے لے لی' تمام برادری نے ان کو دق کر دیا اور کہا کہ ہمارا جو کچھ آپ نے کھایا ہے وہ واپس کیجئے۔ آخر مجبور ہو کر بیچاروں کو ساری رسمیں کرنی پڑیں۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ اس رقم کے برباد کرنے سے آپ کا کیا نفع ہوا۔

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ صاحب اس میں کیا گناہ ہے کہ برادری کو کھلا پلا دیا۔ صاحبو! یہ زبانی باتیں تو بہت پیاری ہیں' مگر ذرا اس کی حقیقت کو تو دیکھو۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ

ایک چور نے کہا تھا کہ ہم تو جو کچھ کھاتے ہیں حلال کر کے کھاتے ہیں۔ دیکھئے رات کو نیند برباد کرتے ہیں' محنت کرتے ہیں۔ تب کہیں ہم کو کھانا نصیب ہوتا ہے تو جیسا اس چور نے باتیں بنا کر چوری کو حلال کیا تھا ایسی ہی ہماری حالت ہے کہ ایسے طریقہ سے بات ظاہر کرتے ہیں کہ جس سے گناہ گناہ ہی معلوم نہ ہو کہ اگر برادری کو کھانا کھلا دیا ان کا حق ادا کیا' لڑکی کو دیا اس کے ساتھ سلوک کیا تو اس میں کیا حرج ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر لڑکی کے ساتھ سلوک ہی کرنا ہے تو کیا وجہ کہ برادری کو جمع کر کے ان کو کھلا کر سلوک کیا جاتا ہے اور اگر سلوک کرنے کے لیے برادری کو جمع کرنا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ پندرہ سولہ برس تک جو سلوک لڑکی کے ساتھ کیا گیا ہے اس میں برادری کو کیوں نہیں جمع کیا گیا کہ صاحبو! دیکھ رکھو' میں آج لڑکی کے لیے کپڑا لایا ہوں آج اس کے لیے حلوا تیار کرایا ہے۔ معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر فخر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ سامان دینے کے بعد اس طرف کان جھکتے ہیں کہ دیکھیں لوگ ہماری نسبت کیا کہہ رہے ہیں۔ اگر کسی نے کہہ دیا کہ واقعی حوصلے سے زیادہ کام کیا تو سمجھا جاتا ہے کہ بہت بڑی بڑائی کی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے بہت بڑی بے وقوفی کی کہ اپنی گنجائش سے زیادہ خرچ کر دیا۔ لیکن یہ تعریف بھی کم نصیب ہوئی ہے۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ اس کی یہ نیت بھی پوری نہیں ہوتی' بلکہ جتنا بھی یہ زیادہ خرچ کرتا ہے برادری زیادہ عیب نکالتی ہے اور ظاہر میں ہمدردی بھی کرتی ہے۔ تو دل میں اس کے بگاڑنے اور نقصان پہنچانے کی فکر ہوتی ہے۔

برادری کے کینہ نکالنے کی حکایت

ہمارے نزدیک ایک قصبہ ہے بگھرہ' وہاں ایک رئیس تھے۔ جنہیں مالدار ہوئے زیادہ زمانہ گذرا تھا۔ انہوں نے اپنے لڑکے کی شادی کی۔ برادری کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ موقع بہت اچھا ہے یہ شخص بہت بڑھ گیا ہے اس کو اپنے جیسا مفلس بنانا چاہیے۔ چنانچہ دو چار آدمیوں نے اتفاق کر کے ان کو یہ رائے دی کہ اس شادی میں طائفہ کو ضرور بلانا چاہیے۔ اور کہا کہ میاں کیا روز روز یہ موقع آتا ہے۔ چنانچہ طائفہ کو بلایا گیا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ کما کر جمع کیا تھا سب کھو کر بیٹھ گئے۔ برادری نے جب دیکھا کہ یہ

بھی ہماری طرح کنگال ہو گیا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ واقعی آج کل لوگوں کی وہ حالت ہے کہ کسی کو اچھی حالت میں دیکھ نہیں سکتے۔ کسی کبڑے سے کسی نے پوچھا تھا کہ تیری کیا آرزو ہے اس نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ یہ سب لوگ کبڑے ہو جائیں تا کہ میں بھی ان کو دیکھ کر ہنسوں۔ اور اتفاق سے کسی نے ایسا سامان کر بھی لیا کہ اس میں کوئی عیب نہ نکل سکا تو کہتے ہیں کہ میاں اگر کیا تو کیا بڑی بات ہوئی۔ جن کے پاس ہوتا کرتا ہے وہ کیا ہی کرتے ہیں۔ بتلایئے کہ جب برادری بھی خوش نہ ہوئی اور خرچ بھی کیا تو کیا فائدہ ہوا۔ تو صاحبو! کیا اس ساری کاروائی کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کھلا پلا دینا ہے۔ کیا یہ فضول خرچی اور دکھلاوہ نہیں ہے۔ کیا یہ سارے کام فخر اور نام پیدا کرنے کے لیے نہیں ہیں؟ اور کیا فخر کرنا گناہ نہیں؟ ضرور گناہ ہے بلکہ اس کا گناہ ہونا تو قرآن سے ثابت ہے حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے حدیث میں ہے کہ جو شخص شہرۃ کپڑا پہنے گا خدا تعالیٰ قیامت میں اس کو ذلت کا کپڑا پہنا دیں گے۔ غور کیجئے کہ کپڑے میں خرچ ہی کیا ہوتا ہے۔ جب اس میں بھی اتنی سخت دھمکی ہے تو جن فضول باتوں میں زیادہ خرچ ہوتا ہے ان میں تو اس سے بھی زیادہ خفگی ہوگی اور اسی طرح کے اور بہت سے گناہ ہیں جو سرسری سمجھے جاتے ہیں۔ غرض ہمارے اندر گناہوں کی اس قدر کثرت ہے کہ اگر ان پر خیال کریں تو معلوم ہو کہ ہم ہر وقت گناہ میں پھنسے رہتے ہیں تو ہم کو توبہ کی بھی ہر وقت ضرورت ہے اور توبہ کرنا ہر وقت ہم پر واجب ہے۔ اس لیے اس کا بیان کرنا بھی اس وقت ضروری ہوا۔ لیکن اس بیان میں صرف توبہ کے واجب ہونے کے بیان پر بس نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جو باتیں توبہ کرنے سے روکتی ہیں ان کے دفع کرنے کی تدبیریں بھی بتلائی جائیں گی کیونکہ اگر ان باتوں کا دفعیہ نہ بتلایا جائے تو طبیعت پر گرانی اور ناامیدی ہوتی ہے۔ اس لیے لازمی ہے کہ جو باتیں توبہ سے روکتی ہیں ان کا بیان کیا جائے اور ان کے دفع کرنے کی تدبیریں بھی بتلائی جائیں۔ پس اس کے لیے مختصر بیان تو کافی نہیں ہو سکتا' اور زیادہ تفصیل کرنے کا وقت نہیں۔ اس لیے توبہ سے روکنے والی چیزوں کے ساتھ ان گناہوں کا بھی بیان کرتا ہوں جو اکثر ہوتے رہتے ہیں تا کہ ان سے پرہیز کیا جائے اور چونکہ یہ گناہ اکثر ہوتے رہتے ہیں اس لیے جب یہ گناہ چھوٹ جائیں گے تو گویا سب ہی سے بچ گئے۔ دوسرے یہ

بھی قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی ایک گناہ کو چھوڑتا ہے تو آہستہ آہستہ سب گناہ اس سے چھوٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک گناہ کے چھوڑنے سے دوسرے گناہ چھوڑنے میں مدد ملتی ہے اور اس کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے تو گویا اب دو باتیں بیان کرنا باقی ہیں۔ ایک تو یہ کہ گناہوں کے نام بتلا دیئے جائیں دوسرا توبہ کرنے سے روکنے والی چیزوں کا بیان۔ اور ان کے ساتھ ہی ان کے دفعیہ کی تدبیریں تو سنیئے توبہ سے روکنے والے اسباب یہ ہیں جن کو میں ان کے علاج سمیت بیان کرتا ہوں (اور ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی اسباب توبہ سے روکنے والے ہوں)۔

توبہ نہ کرنے کا پہلا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو دین کا علم نہیں:

پہلا سبب تو یہ ہے کہ ہم کو پوری طرح یہ بھی نہیں معلوم کہ کون سی باتیں گناہ ہیں۔ تو جب انہیں گناہ ہی نہ سمجھو گے تو پھر توبہ کیسے ہوگی' کیونکہ توبہ تو تب ہوتی ہے جب کہ اسے گناہ سمجھو۔ افسوس ہے کہ ہم لوگوں کو علم سے اس قدر ناواقفی ہوگئی ہے کہ اگر کوئی مولوی ہمارے کاموں کا گناہ ہونا بیان کرتا ہے تو سن کر تعجب ہوتا ہے۔ علم سے ناواقفیت ہونے کے متعلق ایک حکایت یاد آ گئی ہے۔

ایک انگریزی فاضل کی حکایت:

ایک معتبر شخص سے معلوم ہوا کہ ایک شخص انگریزی کے بڑے فاضل تھے' انہیں سفر میں پانی نہ ملا تو نماز کے وقت آپ نے تیمم کیا اور مٹی لے کر اس سے کلی بھی کی۔ ملاحظہ کیجئے کہ ناواقفیت کس حد تک پہنچ گئی ہے۔ عورتوں کی یہ حالت ہے کہ اگر دس بیس عورتوں کو جمع کر کے ان کی نمازیں سنی جائیں تو شاید ایک کی بھی نماز صحیح نہ نکلے۔ اور اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ مردوں سے سیکھ کر نماز صحیح کر لو تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہم کو تو شرم آتی ہے۔

عورتوں کی دین سے ناواقف اور سستی:

لیکن انہیں شرم والیوں سے اگر ان کا خاوند کہے کہ میں تم کو ایک ہزار کا زیور بنا دوں گا بشرطیکہ تم نماز صحیح کر لو۔ تو دیکھیں اس وقت ان کی شرم کہاں جاتی ہے خاص کر اگر کسی بوڑھی

عورت سے کہا جاتا ہے تو وہ ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتی اور کہتی ہے کہ اب بوڑھے طوطے کیا پڑھیں گے۔ لیکن اگر انہیں بوڑھے طوطوں کو کوئی دنیا کا لالچ ہو تو دیکھئے پھر کیسے زبان کھلتی ہے۔ افسوس ہے کہ عورتوں کو تو ثواب عذاب کا مردوں سے زیادہ خیال ہوتا ہے کہ وہ عذاب سے زیادہ ڈرتی ہیں۔ اور ثواب سے ان کو زیادہ رغبت ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ اس طرف توجہ نہیں کرتیں۔ ہاں اگر کسی نے قرآن شریف صحیح کرنے میں محنت و مشقت کی اور پھر بھی حروف درست نہ ہوئے تو معذور ہے۔ پھر اس سے جس طرح بھی ادا ہو سکے جائز ہے۔ لیکن محنت کیے بغیر معافی نہیں۔ غرض کوشش کرنا چاہئے کہ نماز صحیح ہو جائے۔ اسی طرح نماز تنگ وقت میں پڑھنا بھی عام عادت ہو گئی ہے خاص کر عورتیں کام کاج میں اس قدر دیر کر دیتی ہیں کہ مکروہ وقت میں نماز پڑھتی ہیں لیکن اس کو ذرا بھی برا نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھنا بھی عادت میں داخل ہے گویا کہ نماز ایک بیکار عمل ہے۔ جس طرح ہو سکے اس سے جان چھڑاؤ۔ اس میں بعض اوقات ایسی صورتیں پیش آ جاتی ہیں کہ نماز بالکل ہی نہیں ہوتی کہ پڑھی بھی اور ثواب بھی نہ ملا بلکہ الٹا گناہ ہوا۔ عورتوں سے تعجب ہے کہ وہ ان باتوں کی طرف ذرا توجہ اور خیال نہیں کرتیں اسی طرح بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ ان کو گناہ ہونے کی خبر بھی نہیں۔

جہالت کا علاج:

سو اس کا علاج یہی ہے کہ علم دین پوری طرح حاصل کیا جائے اور کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم بہشتی زیور کا دسوں حصے ہی پڑھ لیں۔ مرد علماء سے پڑھ لیں۔ پھر جو کچھ پڑھا ہے عورتوں کو پڑھا دیں۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ ان کتابوں کو صرف دیکھ لینا کافی ہوگا۔ عورتیں تو بھولی بھالی ہوتی ہیں۔

بغیر استاد سے پڑھے ہوئے مسئلے سمجھ میں نہیں آتے:

اکثر مسئلے مرد بھی خود دیکھ کر اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ جب تک مولویوں سے اسے نہ سمجھیں۔ پھر عورتیں خود کتاب دیکھ کر کیسے سمجھ سکتی ہیں۔ اور یہ بات علم دین کے ساتھ خاص نہیں۔ ہر علم کی یہی کیفیت ہے۔ مثلاً دیکھئے کسی شخص نے آج تک ایسی جرأت نہیں کی کہ طب

کی کتابیں دیکھ کر اپنا یا اپنی بیوی بچوں کا علاج کر لیا ہو اور منضج اور مسہل کے نسخے تجویز کر لیے ہوں بلکہ ہر مرض میں یہی کہتے ہیں کہ کسی حکیم سے علاج کروایا جائے۔ پس جب دوسرے علموں میں صرف کتابیں دیکھ لینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ ایسے شخص سے حاصل کیا جائے جو اس علم میں استاد ہے تو دین کے علم میں اپنے دیکھ لینے کو کافی کیوں سمجھا جاتا ہے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک شخص مدت سے مجھ سے خط و کتابت کرتے تھے لیکن جب ان کا خط آتا تھا کسی نہ کسی دنیاوی غرض کے لیے آتا تھا۔ میں نے ان کو لکھا کہ تم جب لکھتے ہو دنیا ہی کی باتیں لکھتے ہو کیا تم کو دین کی باتوں میں کبھی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی تو وہ جواب میں لکھتے ہیں کہ میرے پاس بہشتی زیور موجود ہے مجھ کو جو دین کی ضرورت پیش آتی ہے اس میں دیکھ لیتا ہوں گویا ان کے نزدیک سارا دین بہشتی زیور ہی کے اندر آ گیا یا ان کو سوائے بہشتی زیور کے مسئلوں کے اور کسی مسئلہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس میں شک نہیں کہ بہشتی زیور میں ایک بڑی مقدار مسئلوں کی موجود ہے لیکن پھر بھی اس قدر نہیں کہ ان کے بعد دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ دوسرا یہ ممکن نہیں کہ اس کے سارے مسئلے صرف دیکھنے سے ہی حل ہو جائیں اور کسی مسئلہ میں شبہ ہی پیدا نہ ہو۔ غرض ضرورت اس کی ہے کہ اول بہشتی زیور کو کسی مولوی سے سبقاً سبقاً پڑھا جائے' اس کے بعد عورتوں کو پڑھایا جائے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو اوّل خود کتابیں دیکھیں' اور جس مقام پر شبہ ہو وہاں نشان لگائیں۔ اور جب کبھی مولویوں سے ملاقات ہو اس کو سمجھ لیں یا کسی مولوی کے پاس لکھ بھیجیں کہ وہ اس کا مطلب لکھ کر بھیج دیں۔ اگر ایک مدت تک اس طریقہ سے کتابیں دیکھیں تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ بہت کم غلطی ہو گی دوسرا ایک دفعہ دیکھنے پر بس نہ کریں بلکہ دین کی کتابیں روزانہ دیکھا کریں جیسے کھانا پینا روزانہ ہوتا ہے کیونکہ جب جسم کو خوراک کی ضرورت روزانہ ہوتی ہے تو کیا روح کو خوراک کی روزانہ ضرورت نہیں ہے۔ بے شک ضرورت ہے اور میں تجربہ کی بات بتلاتا ہوں کہ ایک دفعہ دیکھ کر کتاب کو اٹھا کر طاق میں رکھ دیا تو اس کے دیکھنے سے کیا نفع ہوا۔ غرض کھانے پینے کی طرح روزانہ اس کا بھی سلسلہ جاری رکھو اگرچہ تھوڑی ہی مقدار میں ہو۔ جب دیکھتے دیکھتے کتاب ختم ہو جائے پھر دوبارہ شروع سے دیکھنا

شروع کردو بس اس طرح کتاب بالکل حفظ ہو جائے گی۔ لیکن پھر بھی بعض صورتیں تم کو ایسی پیش آئیں گی کہ ان کا حکم اس کتاب میں نہیں ملے گا۔ ایسی صورتوں کو کسی سے دریافت کرلو اور ساری عمر اسی شغل میں رہو۔

علم دین سیکھنے کی ترغیب:

میں یہ نہیں کہتا کہ اپنی دنیا کا حرج کرو بلکہ تم کو دنیا کے کاموں سے جو وقت بچے اس میں کچھ دین کا کام بھی کرلو۔ اب یہ تم خود کرلو کہ دنیا کے کاموں میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے اور فضول گپ شپ میں غیبت شکایت میں کتنا وقت جاتا ہے۔ بس اسی سے زائد وقت میں سے کچھ تھوڑا سا دین کے کام میں بھی صرف کردو۔ اگرچہ مناسب تو یہ ہے کہ یہ زائد وقت سارا دین ہی کے کام میں صرف ہونا چاہئے۔

آج کل لوگ بیکار چیز خدا کے لیے دیتے ہیں:

اور زائد وقت کو میں نے دین کے لیے اس لیے کہا کہ آج کل اکثر لوگ خدا کے لیے وہی چیز خرچ کرتے ہیں جو بیکار ہو جائے۔ مثلاً کپڑا جب تک کام کا رہے تو اپنے لیے اور جب بالکل بیکار ہو جائے کہ پیوند بھی اس میں نہ لگ سکے اس وقت وہ خدا کے لیے دیا جاتا ہے۔ مجھے اس کی مناسبت ایک حکایت یاد آئی۔

ایک بزرگ کہتے تھے کہ ایک عورت نے کھیر پکائی اور اس کو ایک رکابی میں نکالا۔ اتفاق سے اس میں کتے نے منہ ڈال دیا اور کچھ اس سے کھا بھی گیا۔ اس عورت نے اپنے لڑکے سے کہا کہ جا اس کو مؤذن[1] کو دے آؤں۔ چنانچہ وہ لے گیا۔ اس بیچارے غریب کو خدا جانے کتنے وقت کے بعد کھانے کو ملا تھا اس لئے فوراً کھانا شروع کر دیا۔ مشہور ہے کہ یہ لوگ حریص ہوتے ہیں۔ صاحبو! کیوں نہ ہوں ان بیچاروں کا رزق تو آپ کے ذریعہ سے ہے اور آپ ان کو غمی کے سوا کسی اور وقت پوچھتے ہی نہیں اگر ہمیشہ ان کا خیال رکھو تو وہ کیوں حریص ہوں۔ واقعی ان لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دعائیں کرتے ہیں کہ کوئی مرے تو ہماری پوچھ ہو۔ ہمارے وطن کے نزدیک ایک قصبہ ہے وہاں ایک شخص کا انتقال ہوا اس کے وارثوں نے کفن

---

[1] جو مسجد میں اذان کہا کرتا ہے۔۱۲

کی چادر ایک غریب آدمی کو دے دی تو وہاں کا تکیہ دار کہتا ہے کہ صاحب یہ تو ہمارا حق ہے یہ آپ نے دوسرے کو کیوں دے دیا۔ انہوں نے کہا' بھائی تم کو ہمیشہ ملتا ہے آج دوسرے کو سہی تو وہ کہتا ہے واہ صاحب' خدا خدا کرے تو یہ دن آتا ہے اس میں بھی آپ نے ہمارا حق دوسرے کو دے دیا۔ غرض کہ اس مؤذن نے وہ کھیر کھانا شروع کر دی اور ادھر ہی سے ہاتھ مارا جدھر سے کتے کا کھایا ہوا تھا۔ لڑکے نے کہا' ملاں جی اوپر سے مت کھاؤ کتے کا کھایا ہوا ہے۔ یہ سن کر ملاں نے رکابی کو اٹھا کر پھینک دیا وہ ٹوٹ گئی۔ رکابی کے ٹوٹنے سے لڑکے نے رونا شروع کیا۔ اس نے کہا' کمبخت ایک تو مجھے کتے کی جوٹھی کھیر کھلا دی پھر روتا ہے۔ کہنے لگا' میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ رکابی میرے بھائی کے پاخانہ اٹھانے کی تھی تو نے وہ توڑ ڈالی۔ مجھے ڈر ہے کہ میری ماں مجھے مارے گی۔

یہ حکایت صحیح ہو یا غلط' لیکن ان لوگوں کے ساتھ ہمارا جو برتاؤ ہے وہ اس سے کچھ کم نہیں۔ تو جیسے ہم لوگ ہر بیکار چیز خدا کے لیے مقرر کرتے ہیں اسی طرح وقت بھی تھوڑا سا نکمے ہی وقت میں سے نکال کر خدا کے کام میں صرف کر لینا چاہئے اور صاحبو! یہ نہ سمجھو کہ اس طرح ہم فاضل تو بن ہی نہ سکیں گے۔ پھر اس وقت کے صرف کرنے سے کیا فائدہ۔ دیکھو جو چیز پوری نہیں حاصل ہوتی وہ بالکل چھوڑ بھی نہیں دی جاتی اگر چہ تم پورے عالم نہ بن سکو گے لیکن جو کچھ علم ہو جائے گا وہ کیا کم ہے۔ بڑا فائدہ اس میں یہ ہے کہ جب چار باتیں آپ کو معلوم ہوں گی تو ان کی وجہ سے اپنے نوکروں چاکروں وغیرہ کو ہر بات سے روکتے ٹوکتے رہو گے۔ اس ٹوکنے سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کے ساتھ بہت ساروں کی حالت درست ہو جائے گی۔ کیونکہ جب انسان ایک بات کو دس دفعہ سنے گا تو ضرور ہے کہ اس پر اثر ہوگا۔ دوسرا جب بڑے آدمی کو کوئی بات معلوم ہوتی ہے تو اس سے اپنے گھر والوں کے سوا اور بھی بہت سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے کیونکہ وہ جس طرح اپنے چھوٹوں کو کہہ سکتا ہے بڑوں کو بھی کہہ سکتا ہے۔ اور غریب ادنیٰ درجہ کا آدمی اگر کہے گا بھی تو صرف اپنے سے چھوٹے یا اپنے برابر کے لوگوں کو کہے گا۔ اس کی اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ بڑے لوگوں کو کچھ کہہ سکے۔

عوام کے عالم بننے کا طریقہ:

اسی طرح ایک یہ انتظام کیا جائے کہ عوام الناس کے لیے ایک وقت مقرر کیا جائے اگر چہ دن میں ایک ہی گھنٹہ ہو بلکہ خواہ ہفتہ میں ایک ہی گھنٹہ ہو کہ اس وقت میں سب کو ایک جگہ جمع کر کے احکام سنائے جائیں۔ اور اگر سننے والوں کی زیادہ تعداد ہو تو ایک ایک سکھانے والے کو چالیس چالیس پچاس پچاس آدمی دے دیئے جائیں یا یہ کہا جائے کہ ایک محلہ کے لیے ایک آدمی مقرر کیا جائے۔ دوسرے محلے کے لیے دوسرا آدمی' اور اگر اتنے آدمی نہ مل سکیں تو ایک ہی آدمی نمبروار ہر محلے میں جایا کرے اور جس قدر لوگ جمع ہو جائیں ان کو احکام سنا دیا کرے' لیکن احکام کتاب سے دیکھ کر سنائیں۔ اس طرح سے اگر ایک سال بھی سلسلہ رہے تو تمام مسلمان دین کے عالم ہو جائیں مگر غرض ضرورت اس کی ہے کہ تعلیم دین کی بالکل عام ہو۔ اور جب تک تعلیم عام نہ ہو احکام کی خبر ہی نہیں ہوگی تو پھر توبہ کیونکر ہوگی۔

دوسرا سبب توبہ نہ کرنے کا گناہوں کو ہلکا سمجھنا ہے:

دوسرا سبب توبہ سے محروم ہونے کا یہ ہے کہ بعض لوگ گناہ کو گناہ ہونا تو جانتے ہیں لیکن اس کو کوئی بڑی چیز نہیں سمجھتے' بلکہ ایک ہلکی سی بات سمجھتے ہیں۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ کبھی گناہ کر کے ان لوگوں کا جی برا نہیں ہوتا اور توبہ بھی نہیں کرتے۔ دیکھیے اگر ایسے شخص کو جو کبھی شراب نہ پیتا ہو' دھوکے میں کوئی شراب پلا دے تو اس کے دل پر کتنا صدمہ ہوگا۔ لیکن جن گناہوں کی عادت ہوگی اور عادت کی وجہ ان کو معمولی سمجھ لیا ہے جیسے غیبت وغیرہ ان گناہوں کے کرنے سے ذرا بھی دل برا نہیں ہوتا۔

گناہ کے ہلکا سمجھنے کا سبب کیا ہے؟

اور گناہ کو ہلکا سمجھنے کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس گناہ کے کرنے سے ہم کو کیا سزا ملے گی اور کتنا عذاب ہوگا۔

گناہ کو ہلکا سمجھنے کا علاج:

اس کا علاج یہ ہے کہ جن حدیثوں میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے اور نیک کاموں کی رغبت دلائی گئی اور برے کاموں سے ڈرایا گیا ہو۔ ایسی حدیثوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کا ترجمہ کر

دیا جائے اور ایسے لوگ ان کو دیکھتے رہا کریں۔ اور بہشتی زیور میں میں نے سو حدیثوں[1] کا ترجمہ کر دیا ہے۔ ان کا دیکھنا بھی بہت مفید ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ فلاں فلاں گناہ ہیں یہ عذاب ہے۔ اس لیے اس گناہ سے بچنا چاہیے۔

گناہ کے ہلکا سمجھنے کا دوسرا سبب:

دوسرا سبب گناہ کے ہلکا سمجھنے کا یہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے ہماری عادت ہوگئی ہے اس لیے اس سے ذرا بھی طبیعت میلی نہیں ہوتی' بلکہ اس کی طرف خیال بھی نہیں جاتا کہ ہم نے فلاں گناہ کیا ہے۔ چنانچہ بعض وقت اگر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو تعجب سے کہا جاتا ہے کہ خدا جانے ہم نے کون سا گناہ کیا تھا جس کی سزا میں یہ مصیبت ہم پر نازل کی گئی۔ میں اس تعجب پر تعجب کرتا ہوں۔

صاحبو! کیا کوئی وقت ہمارا گناہوں سے خالی بھی ہے ہرگز نہیں۔ پھر یہ کہنا کس وجہ سے ہے کہ جانے کون سا گناہ ہوگیا ہے۔ بلکہ انصاف اور عقل کی رو سے تو یوں چاہیے تھا کہ اگر کسی وقت ہم پر خدا تعالیٰ کا کوئی انعام ہو تو تعجب کریں کہ ہم گناہ گاروں سے کون سی نیکی ہوگی جس پر یہ انعام ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عادت ایسی بری چیز ہے کہ اس کی بدولت گناہ کا گناہ ہونا بھی ذہن سے نکل جاتا ہے۔

گناہ کے عادی بن جانے کا علاج:

اس کا علاج یہ ہے کہ گناہ کی عادت چھوڑ دی جائے اور اپنے اوپر زبردستی کر کے گناہ کو چھوڑا جائے۔ دیکھئے ایک غیبت ہی کا گناہ ہے کہ اس میں لوگ عام طور پر مبتلا ہیں اس کے چھوٹ جانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمت کر کے ایک ہفتہ تک زبان کو غیبت کرنے سے اور کان کو غیبت سننے سے بند رکھا جائے۔ جب ایک ہفتہ اس طرح گذر جائے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ دیکھو گے کہ غیبت کرنا تو کیا غیبت سننا بھی گوارا نہ ہوگا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوگا جیسا کسی نے ایک پہاڑ تم پر رکھ دیا ہے۔

---

[1] بعد میں ایک ضمیمہ ہر حصے کے بعد لگا دیا گیا ہے جس میں ہر ہر مضمون کے متعلق بہت سی احادیث کا ترجمہ بڑھایا گیا ہے۔۱۲

توبہ نہ کرنے کا تیسرا اور چوتھا سبب:

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ انسان گناہ کو بہت ہی بڑی چیز سمجھ لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اتنے بڑے گناہ کے مقابلہ میں توبہ سے کیا کام نکل سکے گا۔ اسی طرح بعض کو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ ہمارے گناہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی معافی ممکن ہی نہیں اگرچہ ہم کتنی ہی توبہ کریں۔ ان دونوں غلطیوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی معافی کو بندوں کی معافی کی طرح سمجھتے ہیں کہ جیسے دنیا میں عادت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا بہت بڑا جرم کرے یا کوئی شخص معمولی باتوں میں ہمیشہ نافرمانی اور مخالفت کرے تو ان دونوں کے قصور کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی معافی کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ بھلا کہاں اللہ تعالیٰ! کہاں عاجز بندہ۔ بندہ تو محتاج ہے۔ اسے اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی بھی ضرورت ہے اور دوسرے کے مقابلے میں اپنی بات رکھنے کی بھی ضرورت ہے اور اللہ پاک کو کچھ بھی ضرورت نہیں۔ پس مرض کا علاج یہ ہے کہ اس غلط خیال سے توبہ کرے اور رحمت الٰہی کی حدیثیں ہمیشہ دیکھتا رہے۔ یقین ہے کہ ان کے دیکھنے سے یہ ناامیدی ختم ہو جائے گی اور امید پیدا ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی شخص نے اتنے گناہ کیے ہوں جن سے زمین بھر جائے اور وہ توبہ کرے تو خدا تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں کے زیادہ ہو جانے سے خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح اگر کسی نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہو اسے بھی ناامید نہیں ہونا چاہئے دیکھو گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کفر ہے کہ اس کے برابر کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے۔ پھر غور کرو کہ جس وقت حضور پر نور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو دنیا کا کیا حال تھا سوائے چند آدمیوں کے تمام دنیا کفر سے بھری ہوئی تھی خاص کر قریش کہ انہوں نے تو تین سو ساٹھ بت اپنے لیے تیار کر رکھے تھے۔ گویا ہر دن ایک نیا خدا (ان کے گمان میں) ان سے سجدہ کراتا تھا۔ لیکن پھر دیکھ لیجئے خدا تعالیٰ نے اسی قبیلہ قریش سے کیسے کیسے حضرات پیدا کیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ کے ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ کے ہیں۔ پھر یہ دیکھو کہ یہ حضرات کس مرتبہ کے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑا گناہ کرنے کے بعد انسان توبہ کر کے خدا کا مقرب و مقبول بندہ ہو سکتا ہے۔ غرض یہ سمجھنا کہ ہمارے گناہ معاف نہ ہوں گے بڑی غلطی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بغیر توبہ کیے مر جاتا ہے۔

توبہ نہ کرنے کا پانچواں سبب:

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ مجھ سے پھر گناہ ہو جائے گا۔ اور جب پھر گناہ ہو جانے کا احتمال ہے تو توبہ سے کیا فائدہ ہوگا اس لیے توبہ اس وقت کرنی چاہئے کہ اس کے بعد پھر گناہ نہ ہو۔ صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ زندگی کا وہ کون سا حصہ ہے جس میں گناہ نہ ہونے کا یقین کر سکیں۔ جوانی میں اگر چالاکی اور عیاری نہیں ہوتی تو بدمستی اور بے پروائی ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں اگر آوارگی بدمستی نہیں ہوتی تو حرص' مکر و فریب' حسد وغیرہ۔ غرض بیسیوں باطنی امراض پیدا ہو جاتے ہیں تو حاصل اس عذر کا یہ ہوا کہ مر کر توبہ کریں گے۔ مگر خوب سمجھ لو کہ ہر شخص کی موت اس کے حق میں تو قیامت ہی ہے۔ پھر قیامت میں کہیں توبہ قبول ہوتی ہے ہرگز نہیں۔ توبہ تو صرف زندگی کی حالت میں قبول ہوتی ہے۔

پانچویں سبب کی وجہ:

اور سبب اس خیال کے پیدا ہونے کا یہ ہوتا ہے کہ بہت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب توبہ کے بعد بھی گناہ ہوا تو وہ توبہ بالکل بے کار ہوئی۔ حالانکہ یہ غلط خیال ہے بلکہ اس توبہ سے پچھلے گناہ جو صاف ہو چکے ہیں وہ معاف ہو چکے ہیں ان پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی' اسی طرح جس جس گناہ سے توبہ کرتے جاؤ گے وہ مٹتا جائے گا لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تو بہت آسان ترکیب نکل آئی۔ بس آئندہ سے یہی کیا کریں گے کہ خوب جی بھر کے گناہ کیے پھر توبہ کر لی پھر گناہ کیے پھر توبہ کر لی کیونکہ توبہ کی قبولیت کے لیے شرط یہ ہے کہ اس وقت ہمیشہ کے لیے اس گناہ کو چھوڑنے کا پکا ارادہ ہو۔ جس توبہ کے ساتھ آئندہ گناہ کرنے کا قصد بھی ہو وہ توبہ قبول نہیں اور توبہ کی یہ خاصیت سن کر کہ اس سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ یہ غلط خیال کہ لاؤ خوب گناہ

کریں اسی کو پیدا ہوگا جو نہایت بھدی طبیعت کا ہو۔ اور بالکل ہی گیا گذرا ہو ورنہ جس کی طبیعت میں ذرا بھر سلامتی ہوگی اس کو اس سے تابعداری کا زیادہ جوش ہوگا کہ اللہ اکبر جب خداوند تعالیٰ کا اس قدر رحم وکرم ہے تو ہم کو ہرگز مناسب نہیں کہ اس کی مخالفت کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں ما اَصَرَّ من استَغفَرَ یعنی جس شخص نے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ گناہ پر ہٹ کرنے والوں میں نہیں ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ گنہگار تو سب ہیں مگر ان میں اچھے وہ ہیں جو کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں۔ پس اگر اتنی ہمت نہ ہو کہ ایک دم سے سب گناہ چھوڑ دو تو توبہ کرنے سے تو ہرگز ہمت نہ ہارو۔ بلکہ جو گناہ ہو جائیں ان سے فوراً توبہ کرلیا کرو۔ اگر پھر ہو جائے پھر توبہ کرلو۔ دیکھو ایک شخص بیمار ہو جائے اور اس کو کوئی یہ رائے دے کہ میاں علاج سے کیا فائدہ۔ آخر اس کے بعد پھر بھی تو یہ احتمال ہے کہ بیمار ہو جاؤ گے تو وہ اس کا یہی جواب دیتا ہے کہ میاں اگر پھر بیمار ہوں گے تو پھر علاج کروالیں گے آئندہ کی بیماری کے اندیشہ سے موجودہ بیماری کا علاج کیوں نہ کروائیں۔ تو جو فتویٰ آپ کی عقل نے جسمانی مرض میں دیا ہے وہ فتویٰ روحانی مرض میں کیوں نہیں ہوتا۔ پہلی حدیث میں حضرت محمد ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ (جس نے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ گناہ پر ہٹ کرنے والوں میں نہیں) اگرچہ ایک دن میں ستر دفعہ توبہ ٹوٹ جائے۔ اس نے تو بالکل ہی ناامیدی کی جڑ کاٹ دی کہ توبہ کے ٹوٹنے سے پہلی توبہ بیکار نہیں ہوئی۔ اب پھر توبہ کرلو۔

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ خیال ہے کہ خداوند تعالیٰ بخش دیں گے:

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہے کہ بندہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہیں (یعنی مہربان بخشنے والے ہیں) ان کو ہمارے گناہ بخش دینے میں کیا مشکل ہیں۔ لیکن صاحبو! یہ جواب بدن کی بیماری میں کیوں نہیں دیا جاتا اور ان میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ اس خیال سے (کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ہم کو تندرست کر دے گا) جسمانی بیماریوں کا علاج نہ کیا ہو یا کوئی شخص بتلا سکتا ہے کہ اس نے خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے زہر کھالیا ہو کبھی نہیں۔ بلکہ اگر کوئی دوسرا یوں کہے کہ میاں خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے سنکھیا کھالو۔ تو اس کو دیوانہ بتلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ خدا کے غفور رحیم ہونے کے یہ معنی

نہیں کہ سنکھیا کھاؤ تو نقصان نہیں ہوگا بلکہ سنکھیا نقصان بھی کرے گا اور خدا غفور رحیم بھی رہے گا۔ اسی طرح گناہ سے نقصان پہنچتا ہے لیکن اس سے خدا تعالیٰ کے غفور رحیم رہنے میں کوئی کمی نہیں آتی۔

خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کے کیا معنی ہیں:

صاحبو! خدا تعالیٰ کا اس خبر دینے سے کہ ہم غفور رحیم ہیں مقصود یہ ہے کہ جو گناہ تم سے ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے پریشان مت ہو اور توبہ کو بے کار نہ سمجھو۔ ہم ان سب کو معاف کر دیں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب حضور پر نور ﷺ رسول بنائے گئے تو آپ ﷺ نے اول مکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تو لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان تو لے آئیں۔ لیکن جو گناہ ہم نے اس سے پہلے کیے ہیں ان پر تو ہم کو ضرور سزا ملے گی۔ پس جب باپ دادا کا دین چھوڑا' بدنامی بھی اٹھائی اور آخرت کا عذاب بھی باقی رہا تو ہم کو فائدہ ہی کیا ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ الایۃ یعنی تم لوگ پچھلے گناہوں کا اندیشہ نہ کرو۔ ہم غفور رحیم ہیں پچھلے گناہ بھی معاف کر دیں گے اور اگلے بھی۔ پس معلوم ہوا کہ مقصود اس آیت سے لوگوں کی ناامیدی کو دور کرنا ہے جو اسلام اور توبہ سے اس لیے دور ہیں کہ جب پہلے گناہوں پر عذاب ہوا تو اسلام اور توبہ سے کیا فائدہ وہ مقصود نہیں ہے جو ہم لوگوں نے سمجھا۔

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا۔ مع جواب کے

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ ہے کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں بلکہ زبان سے بھی کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے جنت یا دوزخ' وہ ضرور مل کر رہے گی پھر نہ عبادت سے کچھ فائدہ اور گناہ سے کوئی نقصان' مگر تعجب یہ ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ خیال کیوں نہیں آتا جیسے کھانا' کمانا۔ مال و دولت جمع کرنا۔ ان کاموں میں تقدیر کہاں چلی جاتی ہے۔ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے تقدیر کے بھروسہ پر کمانا چھوڑ دیا ہو یا کھانا نہ کھایا ہو یا کھیتی باڑی چھوڑ دی ہو اور زمین میں

بیج نہ بویا ہو کہ اگر تقدیر میں ہے تو خود یہ سب کام ہو جائیں گے۔ بلکہ اس موقع پر تو یوں کہتے ہیں کہ صاحب تقدیر حق ہے لیکن تدبیر بھی تو کرنا چاہئے۔ بدون تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ افسوس دنیا کے کاموں میں تو تدبیر کی ضرورت ہے اور دین کے کاموں کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ قرآن شریف کی آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ضرورتوں کی خدا تعالیٰ نے ایک حد تک ذمہ داری بھی لی ہے۔ فرماتے ہیں کہ زمین پر جتنی چلنے پھرنے والی چیزیں ہیں ان سب کی روزی خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے اور آخرت کے بارہ میں ذرا بھی ذمہ داری نہیں فرمائی' بلکہ صاف ارشاد ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی انسان کو صرف وہی ملے گا جو کچھ وہ کرے گا۔ اور فرماتے ہیں کہ جو شخص اچھے کام کرے گا اسی کو نفع دیں گے اور جو برے کام کرے گا وہ اسی کو نقصان پہنچائیں گے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ہم بالکل وعدہ نہیں کرتے۔ جو جیسا کرے گا۔ ویسا بھرے گا۔

دنیا کے کاموں کے لیے تدبر کرنا اور آخرت کے کاموں کو تقدیر پر چھوڑ دینا بڑی غلطی ہے:

غرض دنیا کے کام کو تدبیر پر رکھنا اور آخرت کے کاموں کو تقدیر پر چھوڑ دینا سخت غلطی ہے کیونکہ آخرت کے کاموں کی تدبریں تو خدا تعالیٰ ہی نے بیان کی ہیں۔ اگر وہ صرف تقدیر سے ہو جائیں اور تدبیر کو اس میں دخل نہ ہوتا تو تدبیریں بتلانے کی ضرورت کیا تھی اور دنیا کے کاموں کی تدبیر بندے خود کرتے ہیں قرآن و حدیث میں ان کے طریقے نہیں بتلائے گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ایک حد تک بدون تدبیر کے بھی ہو سکتے ہیں اسی طرح اور بہت سی باتیں توبہ سے روکنے والی ہیں۔ گو یہاں سب بیان نہیں ہوئیں مگر اتنی ہی باتوں میں غور کرنے کے بعد وہ بھی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ پس جبکہ توبہ سے روکنے والی چیزیں معلوم ہو گئیں اور ان کے علاج بھی معلوم ہو گئے تو جلدی سے ان کو دور کرنا چاہئے اور توبہ کر لینا چاہئے۔

توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہئے اور دیر کرنے کے نقصان:

دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ دیر کرنے میں اثر یہ ہے کہ پھر اکثر توبہ میسر ہی نہیں ہوتی۔

یہ حالت بڑھتی چلی جاتی ہے کہ آج ارادہ کرتا ہے کہ کل توبہ کروں گا اور جب کل ہوتی ہے تو پھر یہی ارادہ ہوتا ہے کہ کل کو کرلوں گا۔ اسی طرح کرتے کرتے توبہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ کیونکہ توبہ ندامت کا نام ہے اور ندامت کہتے ہیں جی برا ہونے اور قصور پر شرمندہ ہونے کو اور شرمندگی اس وقت ہوتی ہے جبکہ طبیعت پر اثر باقی رہے اور اثر تھوڑے دنوں کے بعد جاتا رہتا ہیں تو جب شرمندگی ہی نہ رہی تو توبہ کیونکر نصیب ہو سکے گی۔ غرض کبھی توبہ کرنے میں دیر نہ کرے بلکہ دن کے گناہوں سے رات آنے سے پہلے پہلے توبہ کرے اور رات کے گناہوں سے دن ہونے سے پہلے۔

(۳) توبہ نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سمجھتے ہیں کہ گناہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتا۔ مع جواب اور طریقہ کے:

بعض باتیں توبہ سے روکنے والی اور بھی ذکر کر دینے کے لائق ہیں۔ چنانچہ ایک سبب حرام کمائی سے توبہ نہ کرنے کا یہ بھی ہے کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ گناہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتا۔ کیونکہ ہم کھانے کمانے کی طرح طرح کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں حلال وحرام کی تمیز بہت مشکل ہے ہاں مولویوں کو گناہ چھوڑ دینا بہت آسان ہے کیونکہ ان لوگوں کو مفت کا مال ملتا ہے اس لیے یہ گناہ کو آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو میں آپ سے اس وقت سب گناہوں کو بالکل چھوڑ دینے کے لیے کہہ نہیں رہا کہ آپ سے کوئی گناہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جب گناہ ہو جائے تو توبہ کرلیا کرو۔ دوسرا اگر غور کر کے دیکھو کوئی ناجائز کمائی ایسی نہیں جس کو چھوڑ نہ سکو۔ اور یہ جو چھوڑنا ہم کو دشوار معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے روزمرہ کے اخراجات میں بعض ایسی چیزیں بڑھالی ہیں جن کی ہم کو ضرورت نہیں۔ لیکن ہم ان کو ضروری سمجھ رہے ہیں۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو کسی شخص نے ایک شاعر کو دیا تھا۔ وہ یہ کہ ایک ادھورے شاعر نے ایک لفظ کو بگاڑ کر شعر بنایا اور اس کا یہ عذر کیا کہ بغیر اس لفظ کے بگاڑے شعر کا وزن ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ شعر کی ضرورت سے میں نے اس لفظ کو بگاڑا تو اس نے اس کو جواب دیا کہ شعر گفتن چہ ضرور یعنی شعر ہی کہنے کی

کون سی ضرورت ہے۔ تو اگر تعلقات بڑھانے کی ضرورت سے گناہ ہوتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ تعلقات بڑھانے کی کون سی ضرورت ہے۔ اصل جواب تو یہی ہے لیکن یہ جواب ان لوگوں کے لیے ہے جو کہ بلند ہمت ہوں اور دین کے مقابلہ میں دنیا کو فضیلت نہ دیتے ہوں اور کم ہمتوں کے لیے دوسرا جواب بھی ہے' مگر میں اس جواب کو زبان پر لاتے ہوئے ڈرتا ہوں اس خیال سے کہ کہیں کم عقل لوگ اس سے گناہ کی اجازت نہ سمجھ جائیں۔ خوب سمجھ لو گناہ کی اجازت دینا ہرگز مقصود نہیں بلکہ گناہوں کو کم کرنا مقصود ہے۔ حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ اگر ان کو نہ کیا جائے تو دنیا کا کوئی کام اٹکتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو دنیا کا کوئی بھی نقصان نہیں ہے۔ مثلاً اسلامی وضع کے خلاف لباس پہننا۔ اگر اس کو ترک کر دیا جائے تو دنیا کا کوئی بھی نقصان نہیں۔ اسی طرح ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننا کہ اس کے چھوڑنے سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہے یا جیسے عورتیں اس قدر باریک لباس پہنتی ہیں کہ اس میں پورے طور پر بدن نہیں ڈھکتا۔ تو ان باتوں کو اگر چھوڑ دیا جائے تو کوئی بھی نقصان نہیں ہے۔ رشوت وغیرہ میں تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بغیر ان کے ہمارے کام چلنے دشوار ہیں۔ لیکن ان بے لذت گناہوں میں کیا نفع ہے اور ان کے چھوڑنے میں کیا نقصان ہے۔ اسی طرح کسی لڑکے یا غیر عورت کو بری نظر سے دیکھنا کہ اس میں کچھ بھی نفع نہیں نہ اس کے چھوڑ دینے میں کوئی حرج۔ اگر کہو کہ صاحب نہ دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے تو یہ بالکل غلط ہے بلکہ دیکھنے سے ہوتی ہے کہ اول نظر پڑتے ہی دل میں ایک جلن پیدا ہوتی ہے اس کے بعد جب وہ نظر سے غائب ہو گیا تو اس جلن میں زیادتی شروع ہوئی یہاں تک کہ بعض لوگوں کا اس میں خاتمہ ہو گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نہ دیکھنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے تو تھوڑی سی تکلیف کا چند دنوں کے لیے برداشت کر لینا کیا دشوار ہے۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ بہت ہی تکلیف ہوتی ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر نقصان کیا ہوا؟ کیا اس سے تنخواہ بند ہو گئی یا کھانا بند ہو گیا۔ کچھ بھی نہیں۔ غرض ان گناہوں کو تو فوراً چھوڑ دیں۔ اور جن گناہوں کی نسبت اپنے خیال میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ بغیر ان کے دنیا کی حاجتیں پوری نہیں ہوں گی۔ ان کو اگر نہ چھوڑ سکیں تو روزانہ شرمندگی کے ساتھ گناہوں کے معاف

ہونے کی دعا کیا کریں اور یہ دعا بھی کیا کریں کہ اے اللہ ہم کو اس سے نجات دے۔ یہ تو ممکن ہے اتنا ہی کر لیا کرو۔ یہ بے فکری و بے پروائی تو بہت بری چیز ہے کہ کچھ بھی نہ کیا جائے۔

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا گناہ کی لذت ہے۔ مع جواب اور اس کا بیان کہ گناہ کے نقصان دنیا میں بھی پہنچتے ہیں

ایک سبب توبہ نہ کرنے کا یہ بھی ہوتا ہے کہ گناہ کو لذیذ سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کا ایک علاج تو یہ ہے کہ انجام پر نظر کرے اور سوچے کہ یہ ساری لذت ایک دن ناک کے رستے نکلے گی۔ دوسرے سمجھداروں کے لیے اس کا یہ جواب ہے کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ گناہ میں لذت ہوتی ہے' لیکن اس لذت کے ساتھ جلن ایسی ہوگی کہ اس کے سامنے لذت کچھ بھی معلوم نہ ہوگی۔ اور اگر کسی قدر لذت معلوم بھی ہو تو لذت تو بہت تھوڑی دیر رہے گی جلن بہت دیر تک باقی رہے گی۔ اسی طرح گناہ کرنے میں گو وہ کچھ لذت بھی ہو۔ لیکن جو پریشانی اور روحانی تکلیف گناہ میں ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ لذت کچھ بھی نہیں۔ دوسرا اس لذت کا خاتمہ تو فوراً ہی ہو جاتا ہے۔ اور اس روحانی تکلیف کا اثر مدت تک باقی رہتا ہے ہم کو اس کی طرف توجہ نہیں ورنہ معلوم...... ہوسکتا ہے کہ گناہ کر کے کس قدر طبیعت گندی ہو جاتی ہے اور کیسی وحشت پیدا ہوتی ہے کہ فوراً ہی گناہ کرنے والے کی طبیعت یہ فتویٰ دیتی ہے کہ تم نے بہت برا کام کیا کبھی اس کو وہ خوشی نصیب نہیں ہوتی جو نیکی کر کے ہوتی ہے۔ مثلاً نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر اس سے دل میں ایک اطمینان اور نور سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر گناہ کا اثر بالکل اس کے خلاف ہے کہ اس کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سر پر جوتیاں ماری ہوں مگر افسوس ہے کہ ہم پھر بھی باز نہیں آتے گویا جوتیاں کھانے کی عادت ہوگئی۔ جیسے چماروں کی عادت ہوتی ہے۔ اور یہ تکلیف تو اسی وقت ہوتی ہے پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتیں مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اکثر رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم بھی ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں گناہ کی سزا ہے۔ ابن ماجہ شریف میں حدیث موجود ہے کہ بندہ اپنے کیے ہوئے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور

کھانے کو ملے بھی تو اس کی برکت بالکل جاتی رہتی ہے۔ اس کے امتحان کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ دو مہینے کی رخصت لے کر ان میں سے ایک مہینے کو کسی ایسے شخص کے پاس گزاریئے جو نہایت عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہو۔ اور کسی گناہ سے نہ بچتا ہو اور دیکھئے ان گناہوں کی بدولت اس کے قلب کی کیا حالت ہے آخر بات چیت سے اس کی حالت کا پتہ لگ ہی جائے گا۔ خاص کر اس وقت جب کہ اس پر کوئی مصیبت آئے۔ مثلاً بیمار ہو جائے یا کسی دشمن کی عداوت کا اندیشہ ہو۔ ایسے وقت میں اس کی حالت کا اندازہ کیجئے۔ اس کے بعد ایسے شخص کے پاس رہئے جسے اچھی طرح کھانے...... کو بھی میسر نہ ہو مگر خدا کا مطیع اور تابعدار ہو۔ اس کے دل کی حالت دیکھئے۔ خاص کر کسی مصیبت کے وقت اس کے بعد ان دونوں کی حالت کو ملا کر دیکھئے کہ خوشی کس کے دل میں ہے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ فاقہ مست تو ہر وقت خوش رہتا ہے۔ اور یہ عیش والے ہر وقت رنج و غم میں رہتے ہیں اور یہ ایسا یقینی فرق ہے کہ جب چاہے اور جس کا جی چاہے امتحان کر دیکھے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ پریشانی کس چیز کی ہے اور وہ خوشی کس چیز کی۔ ظاہر ہے کہ پریشانی گناہوں کی ہے اور وہ خوشی تابعداری کی ہے۔ بس یہ کہنا غلط ہوا کہ نافرمانی میں لذت ہے۔ اور فرمانبرداری میں دقت ہے بلکہ معاملہ اس کے برخلاف ہیں یعنی فرمانبرداری میں لذت ہے اور نافرمانی میں دقت ہے۔ قرآن شریف میں فرمانبردار کے حق میں فرماتے ہیں کہ اس کو پاکیزہ زندگی عنایت کریں گے اور نافرمان کے حق میں فرماتے ہیں کہ اس کے لیے تنگ زندگی ہوگی۔ غرض تابعداری میں پوری راحت ہے اور راحت ہی کا نام عیش ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر بڑے امیر کو پھانسی کا حکم ہو جائے اور اس سے کہا جائے کہ تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری یہ تمام دولت اس غریب کو دے دیں اور یہ تمہاری عوض پھانسی لے لے۔ تو وہ ضرور قبول کر لے گا۔ اب بتلایئے کہ یہ قبول کیوں ہوا۔ فقط اس لیے کہ دولت کے بدلہ میں ایک بڑی مصیبت سے نجات ہوئی اور دل کو راحت نصیب ہوئی۔ معلوم ہوا کہ عیش نام ہے راحت کا اور راحت خدا تعالیٰ کی تابعداری میں ہے نہ کہ گناہ میں پس یہ کہنا کہ لذت کی وجہ سے گناہ نہیں چھوٹ سکتے غلط ہوا یہاں تک تو توبہ سے روکنے والی چیزوں کا بیان تھا اور ان کے علاج وغیرہ کا ذکر تھا۔ اب ایک مختصری فہرست ان

گناہوں کی جن میں سب مبتلا ہیں۔

دین کے پانچ حصے ہیں:

سو اول یہ سمجھئے کہ دین کے پانچ حصے ہیں۔ پہلا حصہ عبادات جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہ دوسرا معاملات' جیسے بیچنا خریدنا۔ روپے کے عوض پیسے لینا یا گوٹہ ٹھپہ خریدنا یا نوکر رکھنا۔ رشوت لینا سود وغیرہ۔ تیسرے عقیدے کو خدا کو ایک جاننا اور اس کو پوری قدرت والا ماننا۔ ستیلا وغیرہ کے وہموں کو بے ہودہ سمجھنا۔ چوتھے معاشرت کہ عادتیں کیسی رکھیں جو شریعت کے موافق ہیں جیسے جب ملیں سلام کریں مصافحہ کریں۔ پانچویں اخلاق یعنی باطنی حالتوں کا درست رکھنا۔ حسد' بغض' کینہ' عداوت وغیرہ سے دل کو پاک کرنا بردباری نرمی' خوش کلامی اپنے اندر پیدا کرنا۔ یہ پانچ حصے دین کے ہیں۔

ہمارے بھائیوں نے دین کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ لے لیا ہے:

ہمارے بھائیوں نے دین صرف عبادات کا نام رکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ چاروں حصوں کو دین سے باہر سمجھتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک بہت سی نفل نمازیں پڑھ لینا گلے میں تسبیح ڈال لینا' روزہ رکھ لینا بس اسی کا نام دین ہے۔ بعض عبادات کے ساتھ عقیدے صحیح کرنے کو بھی دین سمجھتے ہیں۔ باقی معاملات اور عادات اور اخلاق کو کوئی شخص دین کے حصے سمجھتا ہی نہیں مگر خاص خاص لوگ جنہیں خدا تعالیٰ نے اس غلطی سے بچا رکھا ہے وہ مستثنیٰ ہیں۔ ورنہ اکثر لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دنیا کے کام ہیں ان میں ہم جس طرح چاہیں کریں شریعت کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ یہ سب شریعت کے حصے ہیں۔ اسی طرح عقیدے بھی بہت لوگوں کے درست نہیں۔ ان پانچوں حصوں میں سے ہر حصہ کے بہت سے حکم ہیں مگر میں ہر ایک میں سے بطور نمونہ کے دو چار حکم بیان کر کے وعظ ختم کر دوں گا۔ اول عقیدے ہی کو لیجئے کہ ان میں سے بعض عقیدے عام لوگوں کے بالکل غلط ہیں۔ جیسے عورتیں بہت سی اچھی چیزوں کو برا سمجھتی ہیں۔ مثلاً دنوں کو منحوس کہنا' چنانچہ اکثر عورتیں بدھ کے دن کو منحوس سمجھتی ہیں اور غضب ہے کہ بعض مرد بھی اس عقیدے میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ایسا ہی عورتوں کا

ے ستیلا یہ ہے کہ چیچک کی بیماری کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھوت پلید کے اثر سے ہے۔۱۲

یہ عقیدہ بھی ہے کہ کسی دن کوا گھر میں بولے اس دن مہمان ضرور آتے ہیں۔ اسی طرح آٹے میں اگر پانی زیادہ ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ آج کوئی مہمان آنے والا ہے۔ اکثر جانوروں کو منحوس سمجھ رکھا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ قمری منحوس ہے اس کو گھر میں نہ پالو۔ بلکہ اگر شوق ہو تو مسجد میں پالنا چاہئے شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ اگر اجڑے تو اللہ ہی کا گھر اجڑے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ غرض جتنی چیزیں اپنے سے نکمی ہوں وہ سب خدا کے لیے رکھی جاتی ہیں۔

کسی چیز کو منحوس سمجھنا مع جواب:

بعض عورتیں کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتی ہیں۔ کہتی ہیں یہ درخت مردے کے کام آتا ہے اس لیے اس کو گھر میں نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ بدشگونی ہے اور مردے کی چارپائی کو اور اس کے کپڑوں کو منحوس سمجھتی ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اس کے معمولی کپڑوں کو تو منحوس سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا قیمتی دوشالہ ہو یا اس کی جائیداد اور رقم ہو تو اس کو منحوس نہیں سمجھتے حالانکہ اگر مردہ کے پہنے ہوئے کپڑے ہونے کی وجہ سے نحوست آئی ہے تو قیمتی کپڑوں میں بھی نحوست آنی چاہئے اگر نحوست کی وجہ یہ ہے کہ یہ مردہ کا مال ہے تو اس کی جائیداد میں بھی نحوست آنی چاہئے وہ بھی تو مردہ ہی کا مال ہے یہ عقیدہ بالکل غلط ہے مسلمانوں میں اس کا رواج ہندوؤں سے آیا اور بعض چیزوں کو منحوس سمجھتے ہیں جیسے اُلو کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مکان پر بولتا ہے وہ اجڑ جاتا ہے اس لیے وہ منحوس ہے حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے نہ اُلو منحوس ہے نہ اس کے بولنے سے کوئی جگہ اجڑتی ہے۔ یاد رکھو وہ جو بولتا ہے خدا کی یاد کرتا ہے۔ تو کیا خدا کی یاد کرنے سے یہ نحوست آتی۔ لاحول ولا قوۃ۔ ہاں یہ ضرور ہے الو ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جہاں تنہائی ہو اور اس کو اندیشہ نہ رہے اس لیے وہ ویرانوں یعنی اجڑی ہوئی جگہوں میں بیٹھتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ وہ اجڑی ہوئی جگہ کس وجہ سے اجاڑ ہوئی۔ اُلو تو اجڑنے کے بعد ہی آیا ہے۔ اس لیے اس کی وجہ سے تو وہ جگہ اجاڑ ہوئی نہیں۔ پس وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے اجڑی ہوئی ہے۔ پس اجاڑنے والے ہم اور ہمارے گناہ ہوئے نہ کہ الو۔ اور جب یہ ہے تو منحوس ہم گنہگار ہوئے الو کیوں منحوس ہوا غرض یہ اعتقاد کہ بعض چیزوں میں نحوست ہے یہ بات غلط ہے۔ ایک ہندو کا قصہ یاد آ گیا جو مجھ سے ایک معتبر شخص نے بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک ہندو تھا اس کی یہ عادت

تھی کہ جن گھوڑوں کو ان کے مالک منحوس سمجھ کر بیچتے وہ ان کو سستا خرید لیا کرتا اور ان کو خوب نفع سے بیچتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ مجھ کو نحوست نہیں لگتی۔ بعض لوگ ایسی عورت کو جس کی زبان کالی ہو منحوس سمجھتے ہیں اور اس کا نام رکھا ہے کالی زبان والی۔ یہ بھی غلط بات ہے۔ صاحبو! یہ جو کچھ نحوست ہے گناہوں کی بدولت ہمارے اندر ہے' مگر افسوس کہ ہم کو اپنے اندر نحوست نظر نہیں آتی دوسری چیزوں میں نظر آتی ہے ہماری وہ حالت ہے جیسے ایک حبشی چلا جارہا تھا راستہ میں دیکھا کہ ایک آئینہ پڑا ہوا ہے۔ اٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنی ڈراؤنی صورت نظر آئی' بہت خفا ہوا اور غصہ میں آ کر آئینہ کو زمین پر ٹپک دیا اور کہنے لگا ایسا بدصورت تھا جبھی تو کسی نے یہاں پھینک دیا۔ اس کو اپنی بابت یہ بدگمانی نہ ہوئی کہ شاید میں ہی بدصورت ہوں۔ اس نے آئینہ کو بدصورت سمجھا۔ ایک اور دیہاتی کی حکایت ہے کہ اس کا بچہ روٹی کھا رہا تھا اتفاق سے ایک ٹکڑا پانی کے لوٹے میں گر گیا۔ لڑکے نے جھانک کر دیکھا تو اس میں اپنی شکل نظر آئی۔ باپ سے کہنے لگا کہ ابا جان! اس نے ہمارا ٹکڑا لے لیا۔ ابا جان نے جو لوٹے میں جھانک کر دیکھا تو ان کو بھی اپنی صورت نظر آئی تو آپ فرماتے ہیں کہ سفید داڑھی منہ پر لگا کر بچے کا ٹکڑا چھینتے ہوئے شرم تو نہ آئی۔ آخر غصے میں آ کر لوٹے کا پانی گرا دیا۔ پھر جب دیکھا تو ٹکڑا موجود ہے مگر صورت کا پتہ نہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ ٹکڑا چھینتا پھرتا ہے مگر ہے حیا شرم والا۔ دیکھو ٹکڑا ڈال کر غائب ہو گیا بالکل یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ ہم کو اپنے عیب دوسروں میں نظر آتے ہیں۔ صاحبو! نحوست اپنے اندر ہے کہ ہم گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ الو منحوس ہے قمری منحوس ہے۔

ٹوٹکے:

ایک گناہ بداعتقادی ہونے کی وجہ سے عورتیں یہ کرتی ہیں کہ ٹوٹنے ٹوٹکے کرتی ہیں افسوس ہے کہ نہ شریعت کا لحاظ ہے نہ خدا کا خوف ہے اور ایک گناہ بداعتقادی ہونے کی وجہ سے یہ کرتی ہیں کہ اکثر عورتیں منت مانتی ہیں کہ اگر ہمارا یہ کام ہو جائے تو ہم فلاں بزرگ کی نیاز دیں گے اور کہتی ہیں کہ ہم تو ثواب پہنچاتے ہیں اور ثواب پہنچانے میں کیا حرج ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ان کا مقصود صرف ثواب پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اس کام

سے یہ بزرگ خوش ہوں گے اور چونکہ خدائی کارخانہ میں ان کا بڑا عمل دخل ہے۔ اس لیے ان کی خوشی سے ہمارا کام پورا ہو جائے گا۔ سو بیبیو! یاد رکھو کہ خدائی کارخانہ میں کسی کا کچھ عمل دخل نہیں نہ وہاں کسی کا کچھ اثر ہے۔

ایک گناہ براعقیدہ ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ قریب قریب تمام عورتیں اور اکثر مرد بھی عورتوں کے دوسرے نکاح کو برا سمجھتے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ بعض پڑھے لکھے لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب دوسرا نکاح فرض تو نہیں پھر اگر نہ کیا تو کیا حرج ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر دوسرا نکاح فرض نہیں تو پہلا نکاح کون سا فرض ہے۔ پس پہلا نکاح بھی فرض نہیں تو اس کے ساتھ بھی معاملہ کیوں نہیں کرتے جو دوسرے نکاح کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیا وجہ کہ پہلے نکاح کے لیے تو اس قدر کوشش کی جاتی ہے کہ اگر لڑکی کی عمر چودہ پندرہ برس کی ہو جائے اور کہیں سے پیام نہ آئے تو فکر پڑ جاتی ہے اور اسکے تذکرے کیے جاتے ہیں اور دوسرے نکاح کو عیب سمجھا جاتا ہیں ہاں اگر کسی عورت پر پہلے خاوند کا بہت ہی رنج غالب ہو اور اس کو مرد کی بالکل خواہش نہ ہو تو اس کو اجازت ہے کہ وہ نکاح نہ کرے۔ اسی طرح سے جس عورت کے پاس چھوٹے چھوٹے بچے ہوں کہ ان کی پرورش کا انتظام نکاح کے بعد دشوار ہو۔ یا بچوں کی جائیداد وغیرہ موجود ہو کہ اس کا انتظام اس کے سپرد ہو تو ایسی عورت کو بھی اجازت ہے کہ نکاح نہ کرے۔ مگر یہ اجازت اسی وقت ہے جب کہ مرد کی اس کو بالکل خواہش نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی مجبوری نہ ہو اور پھر بھی عرف کی شرم کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے اور اس کو عیب سمجھے تو سخت گناہ ہے بعض جگہ اس قدر جہالت ہے کہ اگر منگنی کے بعد لڑکے کا انتقال ہو جائے تب بھی نکاح نہیں کرتے اور لڑکی کو بٹھائے رکھتے ہیں۔ یہ بہت بڑی جہالت اور بیوقوفی ہے اور عورتوں سے زیادہ مردوں کی جہالت پر افسوس ہے کیونکہ مرد تو عقلمند ہوا کرتے ہیں پھر عقلمند ہو کر بھی اس کو عیب سمجھتے ہیں۔ اور بعض مرد اگرچہ زبان سے اس کو برا نہیں کہتے لیکن جس عورت نے اپنا دوسرا نکاح کرا لیا ہو اس کو ذلیل سمجھتے ہیں اور ان کے دل میں اس کی اتنی عزت نہیں ہوتی جتنی اس عورت کی ہوتی ہے جو ساری عمر بیوہ رہتی ہے۔ مولوی اس بارے میں جتنی کچھ کوشش کرتے ہیں ان کا مقصود صرف یہ ہے کہ لوگوں کے دل سے اس کے عیب سمجھنے کا خیال نکل جائے۔ یہ تو چھوٹی سی

فہرست عقیدوں کے متعلق تھی۔ اب عبادات کو لیجئے کہ ان میں بھی بہت سی باتوں میں کمی کر رکھی ہے۔

نماز کے اندر کمی:

جیسے عورتیں اکثر نماز ہی نہیں پڑھتیں اور یہ عذر کرتی ہیں کہ ہم کو گھر کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ میں کہتا ہوں کہ ان عذر کرنے والوں کو اگر ٹھیک کام کے اندر پیشاب کی ضرورت اس زور سے ہو کہ روک ہی نہ سکیں۔ اور اتفاق سے پاخانہ میں جانے کے بعد بند پڑ جائے تو اس صورت میں کیا کریں گی۔ آخر جس وقت تک پیشاب سے فراغت نہ ہو جائے اس وقت تک کام کا حرج کریں گی یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ضرور کام کا حرج کرنا پڑے گا۔ تو کیا خدائی حکم اتنی بھی ضرورت نہیں جتنی پیشاب وغیرہ کی ہے۔ اور بعض عورتیں اگر نماز پڑھتی بھی ہیں تو بہت ہی دیر کر کے اور مکروہ وقت میں' اور پھر اس قدر جلدی کہ نماز میں جہاں کھڑی ہوئیں فوراً رکوع میں بھی چلی گئیں۔ رکوع میں جانا تھا کہ فوراً سجدہ میں پہنچ گئیں۔ گویا نماز ایک قید ہے کہ جس طرح ہو سکے اس سے جان چھوٹے۔

بیبیو! اگر زیادہ ہمت نہیں ہے تو خیر نفل نہ پڑھا کرو۔ لیکن فرض اور سنتوں میں کتر بیونت نہ کیا کرو۔ انہیں تو ٹھیک ٹھیک پڑھ لیا کرو۔

زکوٰۃ اور حج میں سستی:

اسی طرح زکوٰۃ دینا حج کرنا۔ اس میں عورتیں بہت سستی کرتی ہیں۔ یاد رکھو کہ جس مال پر زکوٰۃ نہیں دی جاتی۔ وہ قیامت کے دن سانپ کی شکل بن کر ڈسے گا۔

معاملات میں بہت زیادہ گڑ بڑ ہے:

اب معاملات کو سنئے۔ ان میں بھی بہت زیادہ گڑ بڑ کر رکھی ہے۔ دیکھئے عورتیں اکثر گیہوں کے آٹے سے چنے یا مکئی کا آٹا بدلتی ہیں' مگر ان کو کچھ خبر نہیں کہ اس کے بدلنے کا کیا طریقہ ہے۔ اس میں بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی بدولت یہ لین دین سود کا لین دین ہو جاتا ہے اور اس سے سود کا گناہ ہوتا ہے۔ یہ مثال میں نے اس لیے بیان کی تا کہ ہم کو معلوم

ہو جائے کہ کھانے پینے میں بھی ہم کو شریعت کے مسئلے جاننے کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ مردوں کو بھی ان مسئلوں سے آگاہی نہیں۔ اور لیجئے عورتیں زیور بنواتی ہیں اور خریدتی ہیں اس میں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پرانے زیور سے نیا زیور بدلا جاتا ہے۔ اور پرانے زیور کا وزن اس نئے زیور سے زیادہ ہوتا ہے تو یہ سود کا معاملہ ہو گیا۔ اسی طرح اکثر چاندی کا زیور روپیہ سے خریدا جاتا ہے' اس میں بھی بہت گڑبڑ کی جاتی ہے۔ صاحبو! ان میں نہایت ضرورت ہے۔ دین کے مسئلہ سیکھنے اور معلوم کرنے کی۔ اب بتلایئے جب بدن پر ناجائز مال لپٹا ہوا ہو گا تو نماز روزہ کی توفیق کیونکر ہو اور نیک کاموں کی ہمت کیسے ہو۔

ریل کے سفر میں عورتوں کی بے احتیاطی:

اسی طرح ریل کے سفر میں اکثر عورتیں اور بعض مرد بھی اس قدر اسباب لے جاتے ہیں کہ اس پر ریلوے کے قاعدے سے محصول دینا ہوتا ہے اور یہ نہ اس کا محصول دیتے ہیں نہ اس کو وزن کراتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خود تو تیسرے درجہ کا ٹکٹ لیا تھا لیکن اتفاق سے درمیانے درجہ میں کوئی دوست بیٹھا تھا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور دو تین اسٹیشن اس میں بیٹھے چلے گئے یا ٹکٹ لیا دو تین اسٹیشن کا اور چلے گئے بہت دور تک۔ ان سب صورتوں میں شخص ریلوے کمپنی کا قرضدار رہتا ہے۔ اور قیامت کے دن اس سے وصول کیا جائے گا۔ اگر یہ کبھی ایسی غلطی ہو گئی تو اس کا آسان طریقہ ادا کرنے کا یہ ہے کہ حساب کر کے دیکھو جس قدر قیمت ریلوے کی اپنے ذمہ نکلے اس قیمت کا اسی کمپنی کا ایک ٹکٹ خرید لے مگر اس ٹکٹ سے کام سفر نہ کرے۔ اس سے ریلوے کا روپیہ بھی ادا ہو جائے گا اور اس شخص پر کوئی الزام بھی نہیں آئے گا۔

اب معاشرت یعنی عادات کو لیجئے: اس میں لوگوں سے بہت گناہ ہو جاتے ہیں آج کل نوجوانوں نے انگریزوں کے طریقہ پر چلنے کو تہذیب اور انسانیت سمجھ رکھا ہے۔ صاحبو! قرآن وحدیث کو دیکھو تو معلوم ہو کہ تمہارے مذہب کے برابر تہذیب اور تمیز دنیا کے کسی فرقہ اور کسی مذہب میں بھی نہیں ہے۔ اسی طرح عورتوں کی حالت بالکل خراب ہے۔ اکثر عورتوں میں پردہ بہت ہی کم ہے۔ اور سر تو ان کا ہمیشہ کھلا ہی رہتا ہے خاص کر آدھا سر تو گویا ڈھانپنا ان

کو ضروری ہی نہیں۔ اکثر عورتیں زیور ایسا پہنتی ہیں جس میں آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو ایسا زیور پہننا جائز نہیں' ہاں اگر زیور میں باجا نہ ہو اور آپس میں لگ کر بجے تو اس کو پہن کر اگر قدم آہستہ سے رکھا جائے کہ زیادہ آواز پیدا نہ ہو تو جائز ہے۔ عورتوں میں ایک مرض یہ بھی ہے کہ اپنے گھر میں تو بالکل میلی کچیلی اور گندی حالت میں رہیں گی اور جب برادری میں جائیں گی تو خوب بن سنور کر بلکہ پڑوس تک کا زیور بھی مانگ لے جائیں گی اور بجتا ہوا زیور ضرور پہنیں گی۔ اور پھر اس کی اس قدر دیکھ بھال رکھتی ہیں کہ ہر عورت سے ساری برادری کی عورتوں کا زیور اور کپڑے ایک ایک کر کے دریافت کر لیجئے۔ سب بتلا دیں گی شاید برادری میں اسی غرض سے گئی تھیں۔ اسی طرح کپڑے ایسے بیہودہ پہنتی ہیں کہ اس میں ذرا بھی پردہ نہیں ہوتا اور سارا بدن جھلکتا ہے۔ اسی طرح اسلام شریعت کے قاعدہ کی بالکل مخالفت کرتی ہیں۔ بعض عورتیں تو سلام کو صرف سام کہتی ہیں۔ چار حرف بھی پورے ان کی زبان سے نہیں نکلتے اور اس سے بھی زیادہ تعجب یہ ہے کہ جواب دینے والی سارے کنبے کے نام گنوا دیتی ہے کہ بھائی جیتا رہے اور بیٹا زندہ رہے اور شوہر خوش رہیں لیکن ایک لفظ وعلیکم السلام نہ کہا جائے گا۔

اب رہے اخلاق۔ ان کو تو کوئی جانتا بھی نہیں۔ بس یہ سمجھتے ہیں کہ نرمی سے باتیں کر لینا بھی اخلاق ہے۔ صاحبو! اخلاق کہتے ہیں باطنی حالتوں کے سنوارنے کو۔ جیسے اپنے کو سب سے کم سمجھنا' کسی کام میں دکھلاوا نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل تواضع کی شکل میں تکبر ہوتا ہے یعنی بہت لوگ تواضع کی صورت اس لیے بناتے ہیں کہ لوگ ان کی اور زیادہ تعریف کریں چنانچہ کہتے ہیں کہ صاحب میں تو کوئی چیز نہیں ہوں اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ میں سب ہوں مگر یہ بات زبان سے صرف اس لیے کہہ رہا ہے تا کہ سننے والے زیادہ تعریف کریں اور اس کا امتحان یہ ہے کہ جب یہ اپنے لیے کہیں کہ میں نالائق ہوں تو سننے والا بھی یہی کہے کہ واقعی آپ نالائق ہیں تو دیکھئے ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ یہ سن کر بگڑ ہی تو جائیں۔ غرض اخلاق کی درستگی کی بھی زیادہ ضرورت ہے۔ پس یہ پانچ قسم کے گناہ ہیں جن کی اصلاح ہم کو ضروری ہے۔ ان کے علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو شریعت کے حکم معلوم کرو۔ دوسرا عمل کا پکا ارادہ کرو۔ تیسرا

ارادہ پکا کرنے کے لیے بزرگوں کی صحبت اختیار کرو۔ لیکن عورتیں چونکہ پردہ نشین ہیں اس لیے وہ اس کے بدلے بزرگوں کے قصے سنا کریں۔ خاص کر بزرگ عورتوں کی حکایتیں۔ ان سے بہت کچھ اثر ہوگا اور ہمت بڑھے گی پھر اس سے تمام گناہ چھوٹ جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف پوری توجہ ہو جائے گی، پھر تم اس کے لائق ہو جاؤ گی کہ تمہارے تمام گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں اور جنت میں تم کو پہنچا دیں۔ اب خدا سے دعا کرو کہ وہ عمل کرنے کی توفیق دیں۔ (آمین)

تمت

ماتم کا دن

مضمون

حضرت جیسی حالت ہونی چاہیے تھی ویسی بالکل نہیں ہے۔

جواب: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

وہ دن ماتم کا ہوگا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی حالت چاہیے تھی ویسی ہوگئی،

کیونکہ اس درگاہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فیصلہ کرتے آئے ہیں کہ جیسی حالت چاہیے ویسی نہیں ہے۔

(از مکتوبات اشرفیہ رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۱) اسلام کی تکمیل

منتخب از تکمیل الاسلام وعظ نہم دعوات عبدیت

حصہ سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ، تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُo

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ آپس میں سب اتفاق سے رہو اور آپس میں نااتفاقی مت

کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تا کہ تم راہ پر رہو اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ بھلائی کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کا حکم کیا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ اپنی مرادیں پوری پائیں گے اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے آپس میں جدائی کر لی اور آپس میں اختلاف کر لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس بہت کھلے ہوئے صاف صاف احکام پہنچ چکے تھے اور ان لوگوں کے لیے بڑی بھاری سزا ہو گی اس روز کہ بعض چہرے اس میں سفید ہو جائیں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے سو جن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم کافر ہوئے تھے ایمان لانے کے بعد' اب مزا چکھو بسبب اپنے کفر کے اور جن کے چہرے سفید ہو گئے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم نہیں کرنا چاہتے اور اللہ ہی کی چیز ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کی طرف سب مقدمے لوٹائے جائیں گے۔

ان آیتوں کے متعلق یہ مضامین ہیں:

(۱) صاحبو! اس سے پہلے کہ میں ان آیتوں کے بارے میں کچھ بیان کروں دو باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں' ایک تو یہ کہ اگرچہ میں نے اس وقت پورا رکوع پڑھا ہے' مگر میں بیان مختصر ہی کروں گا' کیونکہ زیادہ بیان کرنے سے لوگوں کا حرج ہو گا اور خاص کر ان لوگوں کا جن کے تمام وقت کاموں میں گھرے ہوئے ہیں اس لیے مختصر بیان کروں گا۔

وعظ ایک روحانی علاج ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ وعظ اصل میں روح کی بیماریوں کا علاج ہے' کیونکہ اس کا خلاصہ

یہی ہے کہ روحانی بیماریوں کو پہچان کر ان کا علاج بتلا دیا جائے‘ یہ بات میں نے اس لیے عرض کر دی تا کہ وعظ سننے والوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وعظ سننے کے وقت کیا نیت رکھیں اور وجہ اس عرض کرنے کی یہ ہوئی کہ لوگوں کی حالت دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ سننے والوں کی وعظ سننے سے طرح طرح کی غرضیں ہوتی ہیں۔

وعظ سننے سے بعض لوگوں کی غرض اعتراض کرنے کی ہوتی ہے:

بعض لوگوں کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ وعظ کرنے والے کی جن جن باتوں پر اعتراض ہو سکے انہیں چھانٹ لیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

بعضوں کی غرض لذت ہوتی ہے:

بعضوں کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وعظ سننے میں مزہ آئے گا‘ صاحبو! اس میں شک نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کے ذکر میں مزہ ضرور ہے لیکن ہر چیز کی ایک اصلی غرض ہوتی ہے‘ سو وعظ سننے کی اصلی غرض تو یہ ہے کہ اپنے عیبوں کو معلوم کرے اور ان کے دور کرنے کی فکر میں لگے۔

بعضوں کی غرض ثواب کی ہوتی ہے:

بعض لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہم کو وعظ میں شریک ہونے سے ثواب ہوگا سو خوب سمجھ لو کہ اگرچہ اس میں شریک ہونے سے ثواب ضرور ہوتا ہے۔ اصلی غرض یہ بھی نہیں کیونکہ ثواب کے لیے تو اور بہت سے کام ہیں‘ نماز‘ روزہ‘ قرآن شریف کی تلاوت اگرچہ اس کے معنی نہ سمجھتا ہو‘ یہ سب کام ثواب کے ہیں‘ ثواب کچھ اس پر موقوف نہیں کہ راستہ طے کر کے وعظ میں شریک ہو اور اپنا وقت صرف کرے۔ بلکہ گھر بیٹھے عبادت کرنے سے بھی ثواب مل جاتا ہے۔

وعظ کی اصلی غرض اپنے مرضوں کا علاج:

پس معلوم ہوا کہ وعظ سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان یہ دیکھے کہ مجھ میں کیا کیا مرض ہیں اور جتنے مرض وعظ میں بیان کیے گئے ہیں ان میں سے میرے اندر کون کون سے پائے جاتے ہیں اور جو پائے جاتے ہیں ان کا علاج کیا ہے اصلی غرض تو بس یہی ہے اور اس غرض کے سوا جتنی غرضیں ہیں وہ اصلی غرض نہیں اور جب یہ ہے تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر کسی وعظ میں ذرا

بھی لذت نہ آئے تو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے' دیکھئے آپ نے کبھی حکیم سے نسخہ لکھوا کر یہ انتظار نہ کیا ہوگا کہ آپ کو اس میں لذت بھی آئے کیونکہ اصلی غرض نسخہ سے یہی ہوتی ہے کہ مرض پہچان میں آ جائے کہ کیا ہے اور علاج کرنے سے وہ بالکل جاتا رہے' پس یہی غرض وعظ میں بھی ہونی چاہئے کہ ہم میں کیا کیا مرض ہیں اس کے سوا ساری غرضوں کو بھلا دینا چاہئے اور اصل میں بڑی بات یہی ہے اور قرآن مجید میں جتنے قصے آئے ہیں ان سے یہی غرض ہے کہ ہم لوگ اپنی حالت کو پہلے لوگوں کی حالت سے ملائیں اور دیکھیں کہ انہوں نے کیا کیا اور اس کا ان کو کیا پھل ملا اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم کو بھی وہی پھل ملے گا' تو اب معلوم ہو گیا ہوگا کہ وعظ کی اصلی غرض یہی ہے جو کچھ بیان ہو اس کو اپنی حالت سے ملا کر دیکھا جائے' پس میں آپ سے یہی چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں بیان کروں اسے اپنی حالت سے ملا کر دیکھئے' اس وقت جو خرابیاں ہو رہی ہیں وہ اسی سبب سے ہیں کہ ہم اپنی حالت کو نہیں دیکھتے بلکہ جو کچھ سنتے ہیں اسے یوں سمجھتے ہیں کہ دوسروں کے حق میں کہا جا رہا ہے یہ کبھی شبہ بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے اندر بھی یہ مرض ہے...... بس اب میں بیان شروع کرتا ہوں اور اول مختصر طور پر یہ بتلائے دیتا ہوں کہ اس وقت جو مضمون میں بیان کروں گا وہ کیا ہے۔

اس وقت یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اسلام اصل میں کس چیز کا نام ہے:

سو وہ یہ ہے کہ اسلام اصل میں کس چیز کا نام ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ ہم جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں آیا یہ سچ ہے یا نہیں کیونکہ صرف زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کر لینے سے آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

صرف توجہ سے کام نہیں چلتا:

اس میں نہیں کہ آج کل مسلمان ہوش میں آ گئے ہیں' اکثر لوگوں کو اپنے اسلام کی طرف توجہ ہو رہی ہے' غفلت کی شکایت اب بہت کچھ دور ہو گئی ہے لیکن صرف ہوشیاری سے کام نہیں چلتا جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ اسلام ہے کیا چیز' دیکھو اگر ایک شخص کو یہ معلوم ہو کہ مال کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ مال ہے کیا چیز اور نہ اسے مال کے

کمانے کا طریقہ معلوم ہو تو اس شخص کا یہ جان لینے سے کیا کام چلتا ہے کہ مال ضرورت کی شے ہے کچھ بھی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ اسے بتلایا جائے کہ مال اسے کہتے ہیں کیونکہ شاید یہ شخص ایک پیسہ کو بھی مال سمجھتا ہو اور ایک پیسہ کما کر اپنے آپ کو مالدار سمجھنے لگے تو کیا کوئی شخص اس کو مالدار سمجھے گا' ہرگز نہیں بلکہ اسے پاگل کہے گا کیونکہ ایک پیسہ بھی کوئی مال ہے' یوں ہر شخص اپنے کو مال دار سمجھ سکتا ہے۔

ہمارا اسلام کا دعویٰ کیا ہے:

ہم دین کے بہت سے کام چھوڑے ہوئے ہیں تو اس حالت میں ہمارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم مسلمان ہیں ایسا ہی دعویٰ ہے جیسا اس شخص کا دعویٰ تھا جس نے ایک پیسہ کما کر مال دار ہونے کا دعویٰ کیا تھا' اور جس طرح اسے پاگل کہا گیا یوں ہی ہم کو بھی پاگل کہا جائے گا' البتہ ہمارا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسے اس ایک پیسہ والے کا مالدار ہونے کا دعویٰ تھا' اور مثال لیجئے خوبصورت اس کو کہیں گے جس کی آنکھ ناک سب درست ہوں ورنہ اگر کسی خوبصورت کی ناک کاٹ لی جائے اور وہ ناک پر ہاتھ رکھ کر آئے تو اس وقت ظاہر میں تو خوبصورت معلوم ہوگا لیکن اگر کوئی ہاتھ ہٹا دے تو پھر دیکھئے کہ ساری خوبصورتی کرکری ہو جائے گی تو صاحبو! جیسے ظاہر کی خوبصورتی ہے ایسے ہی باطن کی بھی خوبصورتی ہے' جب ہر بات کمال کے ساتھ ہوگی تب کہیں باطن کے اعتبار سے خوبصورت کہہ سکتے ہیں اور باطن کی خوبصورتی ہی کا نام مسلمانی ہے' پس معلوم ہو گیا کہ مسلمان اور باطن کے اعتبار سے خوبصورت وہی ہے جس کی ہر بات کمال کے ساتھ ہو ورنہ اس کا اسلام اور باطنی خوبصورتی ایسی ہی ہے جیسے آپ کسی دوست سے کہیں کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے اور وہ شخص ایک مدت کے بعد آپ کے پاس ایک ایسے آدمی کو چارپائی پر ڈال کر لائے جس کے اندر تمام بیماریاں موجود ہیں آنکھیں بھی نہیں کان بھی نہیں ہاتھ پیر بھی بیکار ہیں عقل بھی درست نہیں البتہ جاندار ہے کہ اگر اس کو کوئی مار ڈالے تو قانون کے حکم سے اس کو پھانسی ہو جائے۔ مگر کیا اس آدمی سے آپ کی کوئی غرض پوری ہو سکتی ہے ہرگز نہیں اور کیا آپ تعجب کے ساتھ اس دوست سے نہیں پوچھیں گے کہ اس گوشت کے لوتھڑے کو کیوں لائے ہو' اب اگر وہ دوست یہ کہے کہ میں آپ کے لیے آدمی لایا ہوں کیونکہ آپ نے

فرمائش کی تھی کہ ہم کو ایک آدمی لا دو تو آپ یقیناً اس جواب پر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ اگرچہ یہ قانون کی رو سے آدمی ہے اور آدمی کا نام اس پر صادق آتا ہے لیکن جب اس سے میری غرض حاصل نہیں تو یہ میرے لیے تو آدمی نہیں ہے۔

اسلام کا مقصود کیا ہے:

جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھئے کہ اسلام سے مقصود یہ ہے کہ پوری طرح نجات حاصل ہو جائے مگر آج کل کے عقلمندوں نے سمجھ رکھا ہے کہ مذہب سے غرض صرف یہ ہے کہ اس سے ہماری ایک قوم بن جائے اور ہمارے اندر اس سے اتفاق کی شان پیدا ہو جائے' اس وقت اکثر لوگوں نے اسلام کی یہی غرض سمجھی ہے اسی وجہ سے اکثر لوگ اسلام کی طرف قومیت سے توجہ کرتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں مذہبی رنگ نہیں' ورنہ اگر مذہب کے لحاظ سے توجہ کرتے تو مذہبی رنگ بھی ان میں ضرور پیدا ہوتا' مجھے ایک انجمن[ل] میں بلایا گیا اس کی حالت پر جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے ممبروں کی آمدنی شریعت کے موافق ہے نہ ان کے چال چلن درست ہیں' میں نے بلانے والے سے کہا کہ آپ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ انجمن والوں کی غرض قوم کی خیر خواہی ہے لیکن اگر قوم کے خیر خواہ ہیں تو اپنے خیر خواہی کیوں نہیں' اور جب انہوں نے اپنے ساتھ خیر خواہی نہیں کی اور اپنی حالت درست نہیں کی تو کیسے مان لیا جائے کہ ان کو قوم سے خیر خواہی اور اس کے حال پر توجہ ہے۔

جو لوگ قوم کی خیر خواہی کا دعویٰ کرتے ہیں اوّل ان کی اصلاح ضروری ہے:

صاحبو! میں قوم کے خیر خواہوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جب تک وہ اپنی درستگی نہیں کریں گے اس وقت تک ان کی خیر خواہی کچھ بھی اثر نہیں کرے گی اور نہ ان کی خیر خواہی کوئی تسلیم کرے گا' اسی لیے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اور لوگوں کو تو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے نفسوں کو بھولے ہوئے ہو یعنی خود آپ تو بھلے کام کرتے نہیں اور دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہیں' تو ان حالتوں ہی کو دیکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کی طرف توجہ مذہب کے

ل انجمن اس جلسہ کو کہتے ہیں جس میں لوگ مشورہ کسی اور غرض کے لیے جمع ہوتے ہیں۔۱۲

خیال سے بہت کم لوگوں کو ہے بلکہ اسلام کی طرف توجہ صرف قوم کے لحاظ سے رہ گئی ہے جیسے اپنے زمانہ کی دوسری قوموں کو دیکھئے کہ وہ مذہب کے ذریعہ سے اپنی جماعت تیار کر رہے ہیں اسی طرح ہم خود بھی ان کے قدم بقدم چلتے ہیں اور بڑی علامت اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اصلاح کچھ بھی نہیں کرتے اور میں ان لوگوں کی شکایت نہیں کرتا بلکہ اپنی بھی شکایت کرتا ہوں کہ ہم بھی درستگی کی فکر سے خالی ہیں چنانچہ ہم لوگ اگرچہ شراب نہیں پیتے زنا نہیں کرتے لیکن غیبت میں ہم بھی پھنسے ہوئے ہیں اگر ہم نے زنا کو خدا کا گناہ سمجھ کر چھوڑا ہے تو دوسرے گناہوں کو کیوں نہیں چھوڑتے معلوم ہوا کہ شراب وغیرہ کو ہم نے گناہ ہونے کی وجہ سے نہیں چھوڑا بلکہ خاندان اور وضع کے خلاف ہونے سے چھوڑا ہے کہ شراب کبھی ہمارے باپ دادا نے بھی نہیں پی تھی اگر ہم پئیں گے تو سخت رسوائی ہوگی تو شراب کو رسوائی سے بچنے کی غرض سے چھوڑا نہ کہ شریعت کی ممانعت کی وجہ سے لیکن غیبت چونکہ باپ دادا سب کرتے چلے آئے ہیں ہم اس کو عیب نہیں سمجھتے اس لیے اس کے چھوڑنے پر کبھی توجہ نہیں دی ورنہ گناہ ہونے میں تو شراب پینا اور غیبت کرنا دونوں برابر ہیں' غرض کہ گناہ کو گناہ ہونے کی وجہ سے چھوڑنا چاہئے اور چونکہ گناہ ہونے میں غیبت کرنا اور شراب پینا اور سارے گناہ برابر ہیں اس لیے سب ہی کو چھوڑ دینا چاہئے اور ایسا نہیں کرنا چاہئے جیسے بعض لوگ اپنی بزرگی میں بٹہ لگنے کے خیال سے شراب تو چھوڑ دیتے ہیں مگر غیبت نہیں چھوڑتے کیونکہ اس سے عوام کی نظروں میں بزرگی کم نہیں ہوتی' اس بزرگی پر جو گناہ سے بھی نہیں جاتی مجھے ایک حکایت یاد آئی' حکایت تو بے تمیزی کی ہے لیکن آج کل کی بزرگی کی پوری تصویر ہے۔

بی بی تمیزہ کے وضو کا قصہ:

مشہور ہے کہ ایک آوارہ عورت بی بی تمیزہ تھی اس کو کسی بزرگ نے نماز کا پابند کر دیا تھا اور وضو بھی سکھلا دیا وہ سمجھتے تھے کہ نماز کی بدولت یہ بدکاری بھی چھوڑ دے گی پانچ چھ مہینے کے بعد اس بزرگ کو دوبارہ ادھر آنے کا اتفاق ہوا تو پوچھا بی بی نماز پڑھا کرتی ہو' کہنے لگی جی ہاں' انہوں نے کہا وضو بھی کیا کرتی ہو کہنے لگی آپ وضو کروا کر تو گئے تھے بس اسی وضو سے نماز پڑھ لیتی ہوں تو جیسے اس بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ وہ نہ سونے سے ٹوٹتا تھا نہ بدکاری سے' ایسی ہی آج

کل بزرگی بھی ہے کہ کسی طرح ٹوٹتی ہی نہیں، پس عوام بزرگی اسی کو سمجھتے ہیں کہ ظاہری حالت کو درست کرلیں، رہا باطن اس کی جو حالت بھی ہو۔

نئی وضع والوں نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں:

اور جیسے یہ پرانے لوگوں کی شکایت تھی ایسی ہی مجھے نئی وضع کے لوگوں سے یہ شکایت ہے کہ انہوں نے اسلام کو بالکل ہی نہیں سمجھا کیونکہ اسلام سے مقصود نجات کامل ہے اور وہ حاصل ہوتی ہے کامل اسلام سے جیسے مالداری سے مقصود عیش و آرام تھا اور وہ حاصل ہوتا ہے خوب مالدار ہونے سے نہ کہ پیسہ دو پیسہ سے، پس اب معلوم کرنا چاہئے اسلام کامل کیا ہے، میں اس کے متعلق مختصر بیان کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے مسلمانو! خدا سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو سوائے اسلام کے کسی حالت پر موت نہیں آنی چاہئے یہ ایک آیت کا ترجمہ ہے اس ترجمہ سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس میں خدا تعالیٰ نے ایمان والوں کو ایک کام کا حکم کیا ہے اور ایک کام سے ممانعت کی ہے حکم تو یہ ہے کہ خدا سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور ممانعت کا حاصل یہ ہے کہ سوائے اسلام کے کسی حالت پر مت مرو اور چونکہ یہ دونوں باتیں ایک ہی آیت میں بیان کی ہیں اس لیے ان دونوں میں کچھ نسبت ضرور ہوگی ورنہ ان دونوں باتوں کو ایک آیت میں جمع نہ فرماتے، پس یہ صاف دلیل ہے اس کی کہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور مسلمان رہنا دونوں کا خلاصہ ایک ہی ہے پس معلوم ہوا کہ مسلمان وہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرے جیسا کہ ڈرنا چاہئے اور اسی پر جمار ہے ورنہ وہ مسلمان کامل نہیں اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ سے پوری طرح ڈرنے ہی کا نام اسلام کامل ہے اور جب اسلام کامل یہ ہے تو اب دیکھئے کہ آپ میں یہ اسلام ہے یا نہیں سو اس لیے اول آپ پوری طرح ڈرنے کی تفسیر دیکھ لیجئے اگر وہ حاصل ہے تو ایمان کامل حاصل ہے ورنہ نہیں تو بعض نے تو اس کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ تابعداری کی جائے اور خلاف حکم نہ کیا جائے اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ شکر کیا جائے اور ناشکری نہ کی جائے اسی طرح اور بھی مطلب بیان کیے ہیں مگر خلاصہ سب کا یہ ہے کہ اسلام کے تمام حکموں پر عمل کیا جائے، جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے ان کو کریں اور جن سے بچنے کا حکم ہے ان سے بچیں اور دوسری تفسیر میں شکر کرنے اور ناشکری

نہ کرنے کا ذکر مثال کے طور پر ہے' مقصود یہی ہے کہ سب حکموں پر عمل کیا جائے پس اسلام کامل تو یہ ہے۔

لوگوں نے اسلام کچھ اور ہی چیز کو سمجھ رکھا ہے:

مگر آج کل لوگوں نے اسلام کی حقیقت اور ہی کچھ سمجھ رکھی ہے' ڈاکٹروں نے دواؤں کا ست نکالا تھا مگر اس وقت کے عقلمندوں نے اسلام کا ست نکالا ہے کہ اپنے خیال کے موافق کچھ چیزیں تو اسلام میں داخل سمجھ لیں اور کچھ چیزیں اسلام سے نکال دیں مگر صاحبو! ست اس چیز کا نکلا کرتا ہے جس میں کوئی فضول چیز بھی شامل ہو اگر کسی کا یہ خیال ہے تو خدا تعالیٰ پر اعتراض ہے' صاحبو! اسلام کی کوئی بات بھی چھوڑنے کے قابل نہیں' دیکھئے حضرت عبداللہ بن سلام کو ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ اگر میں اونٹ کا گوشت نہ کھاؤں تو یہ اسلام کے خلاف تو نہیں ہوگا' کیونکہ اونٹ کا گوشت کھانا اسلام میں فرض نہیں ہے اور اس سے توریت[۲] پر عمل ہو جائے گا' کیونکہ توریت میں اونٹ کے گوشت کھانے کی ممانعت تھی اس پر یہ آیت نہایت زور شور کے ساتھ اتری یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً (ترجمہ) اے ایمان والو! تم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ ادھورے مسلمان نہ بنو جس میں عبداللہ بن سلام کو بتلایا گیا کہ اسلام کے بعد کسی حلال چیز سے پرہیز کرنا ایمان کو خطرہ ہے۔ خیال کیجئے کہ گوشت کھانا بھی کیا ضروری بات تھی مگر جب اس کے چھوڑ دینے کو ثواب کی بات سمجھا تو کس قدر زور شور کے ساتھ اس خیال سے روکا گیا' تو اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی ہلکی پھلکی سی بات بھی چھوڑ دینے کے قابل نہیں پھر ست کیسے نکل سکتا ہے اور آج کل ست اسلام کا اس طرح نکالا گیا ہے کہ بعض نے صرف عقیدوں کی ضرورت سمجھی اور نیک کاموں کی مثل نماز' روزہ کی کچھ ضرورت نہ سمجھی۔

بعض لوگوں نے عقیدوں میں بھی کانٹ چھانٹ کی ہے:

اگرچہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے عقیدوں کی کانٹ چھانٹ کی لیکن ایسے

ـــ تفسیر اس علم کا نام جس میں قرآن شریف کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ۱۲

۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب خدا کی طرف سے ملی تھی اس کا نام توریت ہے۔ ۱۲

لوگ بہت کم ہیں گو ہیں ضرور چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کی اب ضرورت نہیں رہی یہ عرب کے لوگوں کے لیے مقرر ہوئی تھی کیونکہ وہ لوگ وحشی تھے اب ہم کو تہذیب و تمیز حاصل ہے ہم میں وحشی پن نام کو بھی نہیں رہا۔ اس لیے (توبہ توبہ) نماز کو اسلام سے نکال دیا جائے لاحول ولاقوۃ' اس مشورہ کا سیدھا اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ قرآن شریف اور خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہے' افسوس ہے کہ لوگ آج کل اس جواب کی قدر نہیں کرتے اور اس کو عاجزی کا جواب سمجھتے ہیں اور مولویوں سے چاہتے ہیں کہ وہ ہر سوال کے جواب میں قرآن و حدیث کا حوالہ دینے کے ساتھ ہر قانون کی عقلی وجہ بھی بتلایا کریں۔ صاحبو! سرکاری قانون بہت سے ایسے ہیں جو عوام کی عقل میں نہیں آتے پھر ان کی کیوں وجہ نہیں پوچھتے آخر دونوں میں کیا فرق ہے۔

اسلام کے قانون کی دلوں میں عزت نہیں ہے اسی واسطے اس کی دلیلیں پوچھتے ہیں اور حاکموں کے قانون کی عزت ہے

بس فرق کی صرف یہ وجہ ہے کہ اس قانون کی دلوں میں عزت ہے اور اسلامی قانون کی عزت نہیں ورنہ اگر اس کی بھی دلوں میں عزت ہوتی تو ہرگز اس کی مصلحتیں نہ دریافت کرتے دیکھئے انسان کو اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے سامنے کیسا سر جھکا دیتا ہے اور اس کے کسی حکم کی وجہ نہیں پوچھتا' مجنوں کی لیلیٰ کے عشق میں کیا حالت ہوگئی تھی تو کیا خدا کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہوگئی' غور کیجئے محبوب اگر عاشق سے دس روپیہ مانگے تو عاشق کبھی یہ نہیں پوچھتا کہ دس ہی روپے کی کیا خصوصیت ہے اس سے زیادہ یا کم کیوں نہیں مانگتے بلکہ عاشق تو اس کو غنیمت سمجھتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ مجھ سے فرمائش کی گئی۔ افسوس ایک مردار کی تو فرمائش ہی پر خوش ہو اور کسی وجہ سے معلوم ہونے کا انتظار نہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم کی وجہ تلاش کی جائے اور میں مولویوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ ان عقلی مصلحتوں کے دریافت کرنے والوں پر اتنی شفقت نہ کیا کریں اور خواہ مخواہ عوام کو دلیر نہ بنائیں۔ رہا یہ ڈر کہ بعض لوگ مصلحتیں نہ معلوم ہونے سے اسلام ہی سے نکل جائیں گے۔ تو میں کہتا ہوں کہ بلا سے نکل جائیں' اسلام کو

ایسوں کی ضرورت نہیں۔

بعض لوگ دلیلیں دوسروں کو بتلانے کی غرض سے پوچھتے ہیں:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس لئے پوچھتے ہیں تاکہ دوسروں کو بتلائیں' مخالفوں کو جواب دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت اپنے اندازہ کے موافق کرو' اپنے اندازہ سے آگے نہ بڑھو' اگر تم نے دو چار باتیں معلوم کر کے مخالفوں کے ایک دو اعتراضات کا جواب دے بھی دیا تو ان کے سوا اور اعتراضات کا جواب کیسے دو گے۔ بس تم تو مخالفوں کو یہ جواب دے دیا کرو کہ چلو اس اعتراض کا جواب ہمارے علماء سے سن لو' عوام کو چاہئے کہ وہ اپنے درجہ پر رہیں اس سے آگے نہ بڑھیں' یہ ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے عقائد میں کانٹ چھانٹ کی ہے اور یہ کم ہیں۔

بعض نے اعمال میں کانٹ چھانٹ کی ہے:

باقی نیک کاموں میں کانٹ چھانٹ کرنے والے تو بہت ہی ہیں اور گو بعض نے عقیدوں کے ساتھ اعمال کو بھی ضروری سمجھا مگر کسی نے تو صرف نماز ہی کو اختیار کیا۔

بعض نے زکوٰۃ چھوڑ دی:

اور زکوٰۃ کو چھوڑ دیا کیونکہ اس نے دیکھا کہ اگر میرے پاس چار ہزار روپیہ ہوگا تو اس میں سے سو روپیہ دینا پڑے گا اس لئے اس کو بالکل ہی چھوڑ دیا' ان کی وہ حالت ہے جیسے کسی بخیل سے اس کے دوست نے انگوٹھی مانگی تھی تاکہ نشانی کے طور پر پاس رہے اس نے کہا کہ جب اپنا ہاتھ خالی دیکھا کرو گے تو مجھے یاد کر لیا کرو کہ ہم نے ایک دوست سے انگوٹھی مانگی تھی مگر اس نے نہیں دی' تو مسلمان کیا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بھی صرف ایسی ہی محبت رکھیں کہ صرف نماز تو پڑھ لیا کریں تاکہ اس کے ذریعہ سے بزرگوں میں سمجھے جائیں باقی اور اعمال کو چھوڑ دیں ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

بعض نے حج چھوڑ دیا:

بعض نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی ملا لیا لیکن حج کو چھوڑ دیا کہ اتنے دن تک دوکان بند

کرنا پڑے گی نقصان ہوگا سفر میں تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی۔

بعض نے ناجائز آمدنی کو نہ چھوڑا:

بعض نے اس کو بھی کیا لیکن ناجائز آمدنی کو نہ چھوڑا پھر ان میں سے بعض نے تو رشوت لینا شروع کر دی بعض نے سود کھانا شروع کر دیا اور کہتے ہیں کہ اگر رشوت لینا یا سود لینا چھوڑ دیں تو آمدنی ہی بند ہو جائے گی' یہ تو وہ خرابیاں تھیں جن میں اکثر دنیادار پھنسے ہیں۔

دیندار بھی بعض خرابیوں میں پھنسے ہوئے ہیں

ریل کے سفر میں اسباب زیادہ لے جاتے ہیں

ڈاکخانہ کے بعض قاعدوں پر عمل نہیں کرتے:

اور بعض خرابیاں وہ ہیں کہ ان میں دیندار بھی پھنسے ہوئے ہیں' دیکھئے اکثر لوگ جن میں دیندار بھی ہیں ریل کے سفر میں اسباب زیادہ لے جاتے ہیں اور اس کا کرایہ دیتے نہیں حالانکہ یہ بالکل ناجائز ہے' خوب سمجھ لیجئے کہ قیامت میں یہ سب دینا پڑے گا۔ اسی طرح ڈاکخانہ کے بعض قاعدے ہیں جیسے ایک ٹکٹ سے جب ایک مرتبہ سفر کر لیں تو پھر دوبارہ اس سے سفر نہ کریں' پس اگر کسی ٹکٹ سے کام لے لیا ہو اور کسی وجہ سے اس پر مہر نہ لگی ہو تو اس کو دوسری دفعہ کام میں لانا جائز نہیں۔ مجھے ایک قصہ یاد آیا کہ میرے ایک عزیز سے کسی نے پوچھا کہ دینداری کیا ہے' انہوں نے کہا دینداری یہ ہے کہ ڈاکیا ایک لفافہ دے کر جائے اور اس کا ٹکٹ مہر سے بچا ہوا نظر آئے اور اس وقت کوئی شخص اس کے پاس نہ ہو نہ کسی کو خبر ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ ٹکٹ صحیح سالم اتار کر کام میں لا سکتا ہو اور وہ شخص اس وقت میں صرف خدا کا خوف کر کے لفافہ کھولنے سے پہلے اس ٹکٹ کو اتار کر پھاڑ ڈالے اگر کوئی ایسا کرے تو سمجھا جائے گا کہ یہ پورا دیندار ہے' مقصود اس سے دینداری کی ایک مثال دینا ہے' یہ مقصود نہیں ہے کہ دینداری کی بس ایک یہی بات ہے' اور اس سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ اسلام کیسی خوبیوں کا مالک ہے۔

اسلام کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا:

خدا کی قسم اسلام چالاکیوں اور مکاریوں کی ہرگز اجازت نہیں دیتا' حدیث شریف میں ہے کہ کسی کو تکلیف دینا اسلام میں نہیں ہے' کسی کو ذرا سی تکلیف پہنچانا بھی اسلام کے خلاف ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ جانور کو اگر ذبح کرو تو اس کو آرام پہنچاؤ یعنی چھری کو خوب تیز کرلیا کرو کیا انتہا ہے رحمت کی کہ ذبح جو کہ ظاہر میں تکلیف ہے مگر انسان کی شرافت کی وجہ سے اس کی اجازت دے دی گئی ہے اس میں بھی آرام پہنچانے کا کتنا بڑا خیال ہے' رہا یہ شبہ کہ تکلیف تو ذبح کرنے سے ہر حالت میں ہوگی چاہے چھری تیز کریں یا نہ کریں پھر ذبح کرنا کیوں جائز ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو کیا خبر ہے کہ جانور کو خود مرنے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے یا ذبح ہونے میں زیادہ ہوتی ہے' اگر تکلیف کی وجہ سے ذبح پر شبہ ہے تو جانوروں کے خود مرنے پر بھی شبہ ہونا چاہیے کہ خدا ان کو موت ہی کیوں دیتا ہے' کیونکہ جس نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے اسی کے حکم سے موت بھی آتی ہے' غرض جس نے جانوروں پر رحمت کا حکم کیا ہے وہ انسان کے لیے رحم کیوں نہ واجب کرے گا' پھر دھوکہ بازی خیانت کو کیسے جائز رکھے گا' مگر افسوس ہے کہ ہم نے اس کی ذرا بھی رعایت نہیں کی کیونکہ ہم دن رات اپنے بھائیوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں خاص کر جو لوگ بڑے کہلاتے ہیں ان کا تو مخلوق کے ساتھ برتاؤ بہت ہی خراب ہے۔ میں نے ایک لیڈر صاحب کو دیکھا کہ وہ ریل میں سوار ہوئے ایک کے سر پر ان کا اسباب تھا' اسباب رکھوا کر انہوں نے قلی کو ایک گھسی ہوئی دونی دی اس نے کہا حضور یہ تو خراب ہے کہنے لگے ہم کیا کریں اس نے کہا بدل دیجئے کہنے لگے ہم نہیں بدلتے اس نے کہا صاحب میں اسے لے کر کیا کروں گا' کہنے لگے چلا دینا اس نے کہا میں کیسے چلا دوں گا تو کہتے ہیں جیسے ہم نے چلا دی' بھائی تم نے تو اس لیے چلا دی کہ تم بڑے شخص ہو تم سے دب کر قلی نے لے لی اس قلی بیچارے کا دباؤ کس پر ہے تاکہ وہ بھی اپنے دباؤ سے چلا دے آخر وہ قلی روتا ہوا لوٹا اور گاڑی چھوٹ گئی' مجھے ایسا افسوس ہوا کہ جب یہ عام جلسہ میں کھڑے ہو کر ہمدردی کے لیکچر دیتے ہیں اس وقت ان کی زبان کیسے چلتی ہے اور کس قدر زور ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے برابر دنیا بھر میں کوئی ہمدرد نہیں اور برتاؤ ان کے اس قسم کے ہیں کہ غریبوں پر ذرا

رحم نہیں۔ صاحبو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں آپ مذہب کے پابند ہو کر تو ہمدردی کر سکتے ہیں ورنہ ہر گز نہیں کر سکتے اور یہ بات ان لوگوں کی حالت دیکھنے سے بالکل ظاہر ہے جو قومی ہمدردی کا دعویٰ کرتے ہیں اور دین کے پابند نہیں۔ آپ تجربہ سے آزمائیں گے کہ ان میں ہمدردی خاک بھی نہیں۔ افسوس اس وقت لوگوں نے مذہب کو بالکل چھوڑ دیا ہے اگر لوگ مذہب کے پورے پابند ہو جائیں تو ہر گز کبھی کسی سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے امن و امان کی کس قدر حفاظت کی ہے کہ کسی کو تھوڑی سی تکلیف پہنچانے کی بھی اجازت نہیں دی۔

اسلام کے امن کی دوسری مثال:

دیکھئے میں اسلام کے امن و امان کی دوسری مثال دکھلاتا ہوں حدیث کے ایک امام کی جن کا نام ابن ابی الدنیا ہے۔ حدیث بیان کی ہے کہ بادشاہوں کو برا نہ کہو کیونکہ ان کے دل تو میرے اختیار میں ہیں۔ بلکہ مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو میں ان کے دلوں کو نرم کر دوں گا۔ اللہ اکبر! کس قدر امن کا لحاظ رکھا ہے کہ حاکموں کو زبان سے کہنے کی بھی اجازت نہیں اگرچہ ان سے کوئی تکلیف ہی پہنچی ہو کیونکہ حاکموں کو برا کہنے سے حکومت کا رعب اور خوف دلوں سے نکل جاتا ہے جس سے بدمعاش اور چوری کرنے والے بے خوف ہو کر جو چاہے کرتے ہیں بلکہ اس صورت میں بجائے حاکموں کو برا کہنے کے یہ حکم ہے کہ میری تابعداری کرو غرض معاملات کے متعلق شریعت نے یہاں تک امن و امان کی تعلیم دی ہے، مگر لوگوں کے معاملات کی حالت دیکھ لیجئے کہ کیا ہے۔

بعض نے اپنے طرزِ زندگی کو بگاڑ رکھا ہے:

اور بعض نے معاملات کو بھی لیا لیکن عادتیں خراب کر لیں حالانکہ شریعت نے اس کا بھی اسی قدر انتظام کیا ہے جس قدر معاملات وغیرہ کا میں اس کے سمجھانے کے لیے ایک مثال دکھلاتا ہوں۔

دوسرے کے گھر اجازت لے کر داخل ہونا:

قرآن شریف میں حکم ہے کہ دوسروں کے گھروں میں جب تک ان سے اجازت نہ

لے لو داخل مت ہو، حدیث میں اس اجازت لینے کی حد بتلا دی ہے کہ تین مرتب اجازت چاہو اگر اجازت نہیں ملتی تو واپس چلے جاؤ، چوتھی بار مت پوچھو کیونکہ اس سے گھر والا تنگ ہو گا اور یہ حکم مردانہ مکان اور زنانہ مکان دونوں کے لیے ہے لیکن مردانہ مکان کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ وہاں آنے کی ہر شخص کو اجازت ہوتی ہے جیسے حاکموں کی عدالتیں، یا ایسی بیٹھک جس میں سب کو آنے کی عام طور پر اجازت ہو اور بعض مردانے مکان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اس میں رہنے والے کو تنہائی مقصود ہوتی ہے اور یہ بات قرینہ سے معلوم ہو جاتی ہے تو وہاں بلا اجازت ہرگز نہ جاؤ۔ دیکھئے شریعت کا حکم تو یہ ہے پھر کیا کوئی صاحب اس پر عمل کرتے ہیں اور اگر کوئی ایسا کرنے کو کہتا ہے تو اس پر لعن طعن کیا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی شریعت کا حکم ہے کہ اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ آج یہ حالت ہے کہ ایک مرتبہ کوئی اجازت نہ دے پھر دیکھئے اس سے ایسے خفا ہوں گے کہ عمر بھر بھی وہاں نہ جائیں گے۔

بلاضرورت جمع ہونے سے ممانعت:

اور اس سے بھی بڑھ کر تعلیم امن سامان کی دوسری مثال لیجئے حکم ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ اور کوئی دوسرا جلسہ بھی مثل وعظ وغیرہ کے نہ ہو تو سب جدا جدا ہو جاؤ اور کماؤ کھاؤ لیکن اس طرح کہ ہاتھ کام میں اور دل یاد میں ہو یعنی خدا کو نہ بھولو حاصل اس کا یہ ہے کہ جس کام کے لیے جمع ہوئے تھے جب وہ کام ختم ہو جائے تو پھر ایک جگہ جمع نہ ہوں کیونکہ بیکار جمع ہونے سے شاید کوئی فتنہ فساد کھڑا ہو جائے۔

اگر تین آدمی ایک جگہ ہوں تو دو آدمی تیسرے سے چھپا کر باتیں نہ کریں:

اسی طرح حدیث میں ہے کہ اگر تین آدمی جمع ہوں تو ان میں سے دو کو یہ جائز نہیں کہ ایک کو تنہا چھوڑ کر آپس میں آہستہ آہستہ مشورہ کی باتیں کرنے لگیں اور تجھ سے ان باتوں کو چھپائیں جب تک کہ تیسرا چلا نہ جائے یا کوئی چوتھا نہ آ جائے کیونکہ تیسرے سے چھپا کر اگر دو آپس میں باتیں کریں گے تو اس کو ناگوار ہو گا اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ انہوں نے مجھ کو غیر سمجھا اور مجھ سے پردہ رکھا اور جب چوتھا آ جائے گا تو اس تیسرے کو اب رنج نہ ہو گا

کہ اسے یہ خیال ہوگا کہ شاید چوتھے سے بھید چھپانا مقصود ہوگا اور چوتھے کو اس تیسرے کی نسبت یہی گمان ہوگا کہ شاید اس سے چھپانا مقصود ہوگا اس لیے کسی کو تکلیف نہیں ہوگی، غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے لیے ایک نہایت مناسب قانون مقرر فرما دیا ہے مگر افسوس ہے ہمارے بھائیوں نے ان قوانین کو کبھی دیکھا بھی تو نہیں۔

بعض نے اخلاق کو چھوڑ دیا:

بعض لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے عادتیں ظاہری بھی کچھ درست کیں مگر باطنی اخلاق کو بالکل چھوڑ دیا اور ایسے لوگ بہت ہیں جن کو اخلاق کے صحیح معنی بھی معلوم نہیں تو سمجھ لیجئے اخلاق کی درستگی ہی وہ چیز ہے جس کو تصوف کہتے ہیں اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ ہم کو جس طرح ظاہری اعمال کا حکم ہے مثل نماز روزے کے اسی طرح باطنی اعمال کا بھی حکم ہے، ہم کو حکم ہے کہ غرور نہ کریں، ہم کو حکم ہے کہ خدا کی محبت پر کسی کی محبت غالب نہ کریں ہم کو حکم ہے کہ دل میں کینہ نہ رکھیں، پھر بتلائیے کہ ہم نے اس کی کیا فکر کی اور جو لوگ کچھ کر بھی رہے ہیں وہ صرف رسم کے طور پر کر رہے ہیں، اصل حقیقت کی طرف بجز تھوڑے آدمیوں کے کسی کو بھی توجہ نہیں۔

اسلام کامل میں کتنی چیزیں ضروری ہیں؟

تو اسلام کامل یہ ہوا کہ عقیدے بھی درست ہوں کہ قرآن وحدیث کے موافق ہوں اور عبادت یعنی نماز، روزہ بھی درست ہوں اور معاملات، گواہی، تجارت، کھیتی وغیرہ بھی شریعت کے موافق ہوں اور ظاہری عادتیں بھی درست ہوں جیسے کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا اور اخلاق باطنی صبر وشکر وغیرہ یہ سب کے سب بھی موافق شریعت کے ہوں اور یہ پانچ چیزیں ہیں ان سب کو جمع کر لینے کا نام اسلام کامل ہے اگر ان میں سے ایک جز بھی کم ہو جائے تو اسلام ایسا ہے جیسا کوئی شخص خوبصورت تو ہو لیکن اس کی ناک نہ ہو، اس بیان سے آپ کو اسلام کی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی۔

ہمیں مسلمان کہلانے کا کتنا حق ہے:

اب غور کیجئے کہ ہم نے مسلمان کہنے کی کتنی لیاقت پیدا کی۔ اے مسلمانو! اگر تمہیں کسی

نے مولوی کہہ دیا یا شاہ صاحب کہہ دیا تو اس سے غرور میں نہ آجانا کہ ہم کچھ تو ہوں گے جو دوسرے ہم کو بزرگ سمجھتے ہیں۔ صاحبو! خود بھی تو اپنی حالت دیکھو کہ ہم حقیقت میں کیا ہیں ہماری وہ حالت ہے جیسے ایک قصہ ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک عیب دار گھوڑا تھا اس نے ایک چابک سوار سے کہا کہ میرا گھوڑا بیچ دو اس نے بازار میں کھڑا کر کے بیچنے کے لیے اس گھوڑے کی بہت کچھ جھوٹی تعریفیں کرنا شروع کیں۔ مالک نے جو یہ تعریفیں سنیں تو کہنے لگا جب یہ گھوڑا ایسا ہے تو لاؤ مجھ کو ہی دے دو اس بے وقوف نے چابک سوار کی تعریفوں کو تو سچا سمجھا اور اس سے دھوکہ کھالیا اور اپنے تجربہ کو جھوٹا سمجھا۔ یہ خیال نہ کیا کہ گھوڑا تو میرا ہی ہے میں نے پانچ برس تک اس کو اپنے پاس رکھ کر دیکھا ہے اور خود اس کے عیب سے تنگ آ کر بیچ رہا ہوں۔ صاحبو! اسی طرح ہم کو کوئی بزرگ مولوی یا خیر خواہ قوم کہتا ہے تو وہ ہماری ہی بناوٹ سے تو دھوکہ کھا کر ایسا کہتا ہے۔ تو پھر اپنی اصلی حالت کو جسے کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں غلط سمجھنا اور خوشامدیوں کی تعریفوں کو صحیح سمجھنا عجیب بات ہے۔

ہمارے مرضوں کا علاج ان مرضوں کا سبب علم کی کمی اور ہمت کی کمزوری ہے:

اب میں مختصر مختصر ان امراض کا بیان کرتا ہوں۔ تو سنیے ہمارے ان امراض کے دو سبب ہیں ایک تو علم کی کمی دوسرے ہمت کی کمزوری، یعنی بعض خرابیاں تو علم کی کمی سے پیدا ہوئی ہیں اور کچھ خرابیاں ہمت کی کمزوری سے پیدا ہوئی ہیں کہ ہم ان خرابیوں کو جانتے ہیں لیکن کم ہمتی سے ان کی اصلاح نہیں کرتے اور کم ہمتی خوف خداوندی کی کمی سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے سردی کے وقت نماز کا قضا کر دینا اس کا سبب کم ہمتی اور خوف کی کمی ہے۔ نفس کہتا ہے کہ اس وقت سردی میں تکلیف ہوگی صبح کو قضا بھی تو پڑھ سکتے ہیں۔ پس سب سے پہلے ان خرابیوں کے اسباب کو دور کرنا چاہئے۔

علم دین حاصل کرنے کی ضرورت:

یعنی اول تو ضرورت کے لائق علم دین پڑھنا چاہئے گو مولوی نہ بنے اور اگر مولوی بن جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔

ایک شبہ اوراس کا جواب:

رہا دنیاداروں کا یہ شبہ کہ مولوی بن کر پھر یہ لوگ کھائیں گے کہاں سے' یہ حقیقت میں اپنے اوپر اعتراض کرنا ہے' کیونکہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جو شخص کسی خاص جماعت کی خدمت میں لگا ہوا ہو اس کا سارا خرچ اس جماعت کے ذمہ ہے اور جب یہ بات ہے تو یہ کہنا کہ کہاں سے کھاؤ گے حقیقت میں اپنے اوپر اعتراض کرنا ہے' یہ سوال تو مولوی آپ سے کر سکتے تھے کہ یہ ہزاروں طالب علم مولوی ہو کر کہاں سے کھائیں گے۔ مگر وہ تو خدا پر نظر کر کے بیٹھے رہے اور آپ سے کچھ نہیں کہتے مگر اب یہ سوال کر کے آپ خود ہی اپنا عیب یاد دلاتے ہیں کہ ہم میں یہ بھی ایک عیب ہے کہ جن لوگوں کا سارا خرچ ہمارے ذمہ ہے' ہم ان کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کرتے خلاصہ اس جواب کا یہ ہے کہ قوم کے ذمہ ہے کہ ان لوگوں کے سارے اخراجات اپنے ذمہ لے' مگر مولویوں کو چاہئے کہ قوم پر ہرگز نظر نہ کریں اور ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں' اللہ پاک خود ان کی ضرورتیں پورا کرنے کا انتظام کر دیں گے۔

اکبر شاہ کی حکایت:

اکبر شاہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ وہ شکار میں گئے اور ساتھیوں سے بچھڑ کر کہیں دور نکل گئے ایک دیہاتی نے ان کو مہمان رکھا اکبر اس سے بہت خوش ہوئے اور کہا کہ تم شہر میں ہمارے پاس آنا چنانچہ وہ دہلی آیا اکبر اس وقت نماز پڑھ رہے تھے نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگی' دیہاتی نے یہ حالت دیکھی' جب اکبر شاہ دعا سے فارغ ہوئے تو دیہاتی نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے اکبر نے کہا خدا تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا اور اپنی مرادیں مانگ رہا تھا' کہنے لگا کیا تم کو بھی خدا تعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکبر نے کہا بے شک' کہنے لگا پھر میں اس سے کیوں نہ مانگوں جس سے مانگنے کی تم کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔

عالموں کو چاہئے کہ اپنی نیت خالص رکھیں:

پس اہل علم کو چاہئے کہ اگر دین کی خدمت کریں تو نہ اس لیے کہ ہم کو نذرانہ ملے گا' خدا

کی قسم! خدا کا نام دونوں جہاں سے بھی قیمتی ہے۔

ضرورت کے لائق علم دین پڑھنا ضروری ہے:

غرض مولوی اگر بن جائیں تو بہت ہی اچھا ہے لیکن اگر کوئی مولوی نہ بنے تو ضرورت کے لائق دین کا علم ضرور حاصل کر لینا چاہئے اور وہ ضرریات یہ ہیں۔ عقیدے' عبادات' معاملات اچھی عادتیں اخلاق' اس کے بعد خواہ انگریزی پڑھو یا تجارت کا کوئی کام سیکھو جو چاہو کرو اور اگر کوئی صاحب ایسے ہوں جن کی لیاقت بہت اچھی ہو' ان کو جہاں یہ ضروری علم سکھائے جائیں ان کے ساتھ ہی وہ کتابیں بھی پڑھا دی جائیں جن میں بددینوں کے اعتراضات کا جواب جوانہوں نے اسلام پر کیے ہیں خوب دیا گیا ہے' علم دین حاصل کرنے کا یہ طریقہ گو وہ لکھے پڑھے لوگوں کے لیے ہے۔

ان پڑھوں کو مسئلے سیکھانے کا طریقہ:

رہے ان پڑھ لوگ ان کے لیے علم دین حاصل کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ کوئی مولوی ہفتہ میں ایک دو بار عام لوگوں کو کسی مسجد وغیرہ یں جمع کر کے دین کے احکام سنا دیا کرے اور سمجھا دیا کرے اور عورتوں کو سکھانے کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے گھروں کے لوگ روزمرہ دینی کتابیں ان کو پڑھ پڑھ کر سنا دیا کریں اور جو باتیں مولویوں سے سنیں' وہ ان کے کان میں ڈالتے رہیں۔ اگر محلہ میں کوئی پڑھی لکھی عورت ہو تو کبھی کبھی اس سے کتاب پڑھوا کر سن لیا کریں یہ وہ طریقہ ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ساری کی ساری عالم ہو سکتی ہے۔

ہمت کی کمزوری اور خوف کی کمی کا علاج:

رہی ہمت کی کمزوری اور خوف کی کمی سو اس کا علاج یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے اس میں یہ سوچا کرو کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں دی ہیں اور ہم نے کیا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے' پھر یہ سوچو کہ قیامت کا میدان ہو گا اور ہم خدا تعالیٰ کے سامنے ہوں گے اور ہم سے ان سب نعمتوں کا سوال ہو گا کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دی تھیں اور تم نے اس پر بھی یہ گناہ کیے۔

پھر خدا تعالیٰ کے عذابوں کو یاد کرو اس وقت خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر کر خوب

گڑگڑا کر دعا کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اگر اس کو نباہ کر کرو گے تو ایک ہفتہ میں خدا نے چاہا تو حالت میں بہت بڑا فرق پیدا ہوگا اور اس سے ہر وقت یہ فکر رہا کرے گی کی کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ جائز ہیں یا ناجائز۔

اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنی ضروری ہے:

اور ایک کام یہ کرو کہ اللہ والوں کی خدمت میں کبھی کبھی جایا کرو لیکن کسی ایسے کے پاس جاؤ جو ضرورت کے لائق دین کا علم بھی رکھتا ہو اور اگر ایسا میسر نہ ہو تو بزرگوں کی حکایتیں اور نصیحتیں دیکھا کرو یہ علاج ہے علم کی کمی اور ہمت کی کمزوری کا اور پھر اس حالت پر پابندی رکھو گے تو اس آیت پر پورا عمل ہو جائے گا **ولا تموتن الا وانتم مسلمون** کہ اسلام کے سوا کسی حالت پر نہ مرنا۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ عمل کی توفیق دیں۔

(آمین)

تمت

❁❁❁

(۲۲) معاصی کا ترک کرنا

منتخب از ترک المعاصی وعظ دہم دعوت عبدیت حصہ سوم

خطبہ ماثورہ

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ○

ترجمہ: ''اور چھوڑ دو تم ظاہر گناہ اور باطنی گناہ بیشک جو لوگ گناہ کرتے ہیں سزا دیئے جائیں گے بسبب ان کاموں کے جن کو وہ اختیار کرتے ہیں۔''

اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں

(ا) مقصود وعظ کا ایک بڑے نقصان کا بیان اور اس کے بچاؤ کا طریقہ ہے:

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں کو ایک بڑی بھاری نقصان کی چیز سے بچایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر کس قدر ہے۔

خدا تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں:

کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ محتاج نہیں ہیں خدا تعالیٰ کا کوئی کام بندوں کی درستی پر موقوف نہیں ہے اس کی بادشاہی ایسی نہیں ہے جیسی دنیا کے بادشاہوں کی ہے کہ اگر رعایا تابعدار اور فرمانبردار ہے تو وہ بادشاہ ہیں اور اگر رعایا بگڑ جائے تو بادشاہت کچھ بھی نہیں، دنیا کے بادشاہوں کی سلطنت کا سب دارومدار رعایا کی تابعداری پر ہے اس لیے اگر کوئی دنیا کا بادشاہ رعایا کو کچھ مصلحت کی بات بتلائے تو اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اپنی

مصلحت کے لیے بتلا رہا ہے تاکہ بغاوت نہ ہو رعایا بگڑ نہ جائے ہمارے ملک میں کمزوری نہ آ جائے لیکن خدا تعالیٰ کی وہ سلطنت ہے کہ اگر سب کے سب مل کر بھی بغاوت کریں اور اس سے پھر جائیں تو اس کی سلطنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آ سکتی۔

خدا تعالیٰ کا نفع پہنچانا بے غرض ہے اور مخلوق کا نفع پہنچانا غرض سے ہے:

تو اس حالت میں اگر خدائے تعالیٰ کوئی بات مصلحت کی بتلائیں گے تو وہ بالکل ہماری ہی مصلحت کے لیے ہوگی' اس میں یہ شبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اپنے نفع کے لیے بتلایا ہو گا' پس اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی کہ بلاغرض کے نفع پہنچاتے ہیں' دنیا میں اگر کوئی کسی کو نفع پہنچاتا ہے تو اس میں اپنا نفع بھی مقصود ہوتا ہے جیسے دنیا کے بادشاہوں کی حالت بیان ہوئی اور بعضے نفع پہنچانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ نفع پہنچانے میں ان کی کوئی ظاہری مصلحت نہیں معلوم ہوتی، لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس میں بھی ان کی کوئی غرض چھپی ہوئی ہے' جیسے حکیم کا نسخہ لکھ دینا اس میں ان کی یہ مصلحت ہوتی ہے کہ اس شخص سے ہم کو مال حاصل ہوگا' یا اس کے ذریعہ سے ہماری شہرت ہوگی' اور اگر کچھ بھی توقع نہ ہو اور کوئی بہت ہی بڑا دیندار ہو تو کم سے کم اس حکیم کو ثواب کی توقع تو ضرور ہوگی اور یہ بہت ہی بڑی غرض ہے کہ اور ساری غرضیں اس کے سامنے گرتی ہیں' اگرچہ یہ غرض بری نہیں بلکہ ضروری ہے' لیکن غرض تو ہے اور غرض بھی بہت بڑی' کیونکہ ثواب کی نیت رکھنے والے کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے بے غرض نفع پہنچایا اور اگر کوئی شخص ایسا رحمدل ہے کہ اس کی نیت ثواب کی بھی نہ ہو جیسے ماں باپ کا اپنی اولاد کو پالنا کہ اس میں ان کی نیت ثواب کی بھی نہیں ہوتی چاہے اس کا ثواب بھی مل جائے' مگر اس کی نیت نہیں ہوتی' اسی طرح حکیم کو اپنے بچہ کو دوا پلانا کہ اس میں بھی ثواب کی نیت نہیں ہوتی مگر پھر بھی غرض سے خالی نہیں کم از کم اپنے نفس کو آرام پہنچانا تو ضرور مقصود ہوتا ہے یعنی بچہ کی تکلیف دیکھ کر جو اپنے کو تکلیف ہوتی ہے علاج کرنے سے اپنی اس تکلیف کا دفع کرنا اور اپنے نفس کو چین اور آرام دینا مقصود ہے' اسی طرح اگر کسی اجنبی کے ساتھ رحمدلی کی وجہ سے ہمدردی کی تو وہاں بھی اپنی اس تکلیف کو دفع کرنا مقصود ہے جو کہ اپنے ہم جنس کو تکلیف میں دیکھنے

سے ہوتی ہے' غرض کوئی سمجھ دار سینکڑوں برس تک بھی سوچے تو وہ ایسی مثال نہیں بتلا سکتا جس میں کسی شخص نے دوسرے کو بلا اپنی کسی غرض سے نفع پہنچایا ہو سوائے خدائے تعالیٰ کے کہ ان کو کسی کی احتیاج نہیں نہ مال کی ضرورت نہ شہرت کی نہ مثل ماں باپ کے وہاں طبیعت کا جوش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے یہ معنی نہیں کہ ان کو جوش ہوتا ہے جیسے ماں باپ کو بلکہ وہ مہربانی صرف اپنے ارادہ سے کرتے ہیں نہ طبیعت کہ جوش سے مجبور ہو کر اور جب ایسا ہے تو وہاں یہ نفع بھی مقصود نہیں کہ مخلوق کو نفع پہنچانے سے ہماری طبیعت کا جوش پور ہو جائے گا اور اس سے ہم کو آرام پہنچ گا پس وہ جو ہمارے حال پر شفقت کریں گے تو بالکل بے غرض شفقت ہوگی اور وہ ہر طرح بے احتیاج ہیں اور ہم ہر طرح محتاج ہیں اب دیکھیے اگر دنیا میں کوئی شخص دوسرے کا محتاج ہو اور دوسرے کو اس شخص کی حاجت بالکل نہ ہو تو حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسرا شخص اپنی احتیاج کے نہ ہونے کی وجہ سے اس حاجتمند کو منہ بھی نہیں لگایا کرتا اور حاجتمند اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتا ہے تو چاہیے تھا کہ خدا تعالیٰ بھی اپنے بے احتیاج ہونے کی وجہ سے اور مخلوق کے محتاج ہونے کی وجہ سے اسی طرح ہمارے ساتھ معاملہ کرتے اور وہ بھی ہم پر توجہ نہ کرتے کیونکہ خدا کی شان ایسی بے پرواہ ہے کہ کسی کی حاجت ان کو نہیں مگر پھر اتنی بڑی رحمت ہے کہ ہم کو تکلیف دینے والی چیزوں سے خبردار کرتے ہیں' نقصان سے بچنے کی تدبیریں بتلاتے ہیں اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی چنانچہ اس آیت میں بھی ایک بڑی رحمت ہم پر کی گئی کہ ہم کو ہماری ضرورت پر خبردار کیا ہے جس سے ہم کو اس کی رحمت کا احسان ماننا چاہیے' کیونکہ شریف طبیعت والوں کا قاعدہ ہے کہ جس قدر کسی کی عنایت اپنے اوپر دیکھتے ہیں اسی قدر اس کے سامنے پگھل جاتے ہیں چنانچہ مشہور کہاوت ہے کہ..... **الانسان عبید الاحسان** یعنی آدمی احسان کا غلام ہے' مگر عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کو سن کر ہماری سرکشی اور مخالفت اور زیادہ بڑھتی ہے اور لوگ اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں' چاہیے تو یہ تھا کہ رحمت اور بخشش کی آیتوں کو سن کر اور زیادہ تابعداری کرتے اور گناہوں پر دلیر نہ کرتے کیونکہ رحمت اور بخشش کی آیتیں اس لیے نہیں فرمائی گئیں کہ سب بے فکر ہو جائیں

بلکہ سبب اس کا یہ ہے کہ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو تمام جہان جہالت سے بھرا ہوا تھا جب حضور ﷺ نے نجات کا طریقہ بتلایا تو سمجھ دار لوگوں نے اس کو سمجھا اور مانا' لیکن یہ شبہ ہوا (جس کو بعض نے خود آ کر بیان بھی کیا) کہ ہماری تمام عمر تو گناہوں میں گزری اب توبہ کر لینے سے اور تابعداری کرنے سے وہ گناہ کیونکہ دھل جائیں گے اور ان کا اثر کیسے جاتا رہے گا' پھر باپ دادا کے مذہب کو بھی کیوں چھوڑا کیونکہ اس کے چھوڑنے سے کچھ گناہ تو معاف نہ ہو جائیں گے پھر مذہب چھوڑنا بیکار ہے' تو ان لوگوں کو یہ شبہ ہوا اور اس شبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے معاملہ کو دنیا والوں کے معاملہ کی طرح سمجھا' جیسے کوئی شخص اگر کسی کے باپ کو قتل کر دے اور پھر بیٹے سے معاف کرائے تو گو وہ معاف کر دے مگر دل کا میل نہیں جاسکتا' تو انہوں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نسبت بھی یہی سمجھا کہ وہ بھی ہمارے پچھلے گناہ معاف نہ کریں اور اگر معاف بھی کر دیئے تو خوش تو ہرگز نہ ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت ان کو معلوم نہ تھی وہ خدا کو اچھی طرح پہنچانتے نہ تھے اور یہی وجہ تھی ان کے شرک میں پھنس جانے کی کہ وہ یوں سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ بھی دنیا کے بادشاہوں کی طرح ہوں گے کہ جس طرح دنیا کے بادشاہ اکیلے سلطنت کے کام کو نہیں سنبھال سکتے بلکہ ہر ہر کام کا ایک عملہ الگ ہوتا ہے اور ہر ہر کام کے لیے جدا جدا لوگ مقرر ہوتے ہیں ایسے ہی وہ سمجھے کہ خدا تو ایک ہے وہ دنیا کے سارے کام کیسے کرے گا'' یہ سمجھ کر ان لوگوں نے ایک عملہ گھڑا اور خدا تعالیٰ کے کچھ نائب مقرر کر لیے کہ چھوٹے چھوٹے کام ان سے نکال لیں گے اور بڑے بڑے کام خدا تعالیٰ سے چنانچہ ان کے اس خیال کو قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے **واذا رکبوا فی الفلك دعوا الله مخلصین له الدین** یعنی جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص خدا تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں (بتوں کو نہیں پکارتے کیونکہ جانتے ہیں کہ دریا کی مصیبتوں کو خدا کے سوا کوئی دفع نہیں کر سکتا) اور وہ لوگ خود بھی اس خیال کو ظاہر کیا کرتے تھے' چنانچہ حضور ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا سات ہیں ایک آسمان میں اور چھ زمین میں' آپ نے پوچھا بڑے کاموں کے لیے کس کو رکھا ہے اس نے

کہا آسمان والے کو' غرض وہ لوگ چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ ایسے ہی ہیں جیسے دنیا کے بادشاہ اور ان کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا دنیا والوں کا اس لیے ان کو یہ شبہ ہوا کہ خدا تعالیٰ ہمارے گناہ کسی طرح معاف نہ کریں گے'' گو ہم مسلمان ہی ہو جائیں اور یہی شبہ حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر ظاہر کیا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہمارے پچھلے گناہ کیسے معاف ہوں گے اور اگر وہ معاف نہ ہوئے تو مسلمان ہونے کا فائدہ ہی کیا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے محمد (ﷺ) میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں وہ سب گناہ معاف کر دے گا تم توبہ کر لو' توبہ میں خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں گو ہر گناہ کی معافی کا قاعدہ الگ الگ ہے (جو کہ دینی کتابوں میں پوری طرح بیان کیا گیا ہے) پس رحمت کی آیتوں سے مقصود یہ ہوا کہ جو لوگ پچھلے گناہوں سے گھبرا گئے ہیں ان کی تسلی تسکین ہو نہ یہ کہ سب کو اگلے گناہوں پر دلیر کر دیا جائے' غرض رحمت کے ذکر سے اور زیادہ تابعدار ہونا چاہیے' لوگوں نے صرف اس آیت کو رحمت کی آیت سمجھ رکھا ہے جس میں ناامیدی سے منع کیا گیا ہے' حالانکہ قرآن کی ہر آیت میں رحمت ہی رحمت ہے' چنانچہ اس آیت سے بھی ایک بڑی رحمت ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو ایک تکلیف کی چیز سے بچنے کا حکم دیا ہے' پس ہم کو چاہیے کہ اس رحمت کو دیکھ کر اور زیادہ تابعدار ہو جائیں اور اس تکلیف سے بچنے کی کوشش کریں۔

وہ نقصان گناہ ہے:

اس سمجھے کہ وہ تکلیف کی چیز کیا ہے سو وہ آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہو جائے گی' ترجمہ یہ ہے: ''کہ اے مسلمانو چھوڑ دو ظاہر گناہ کو اور باطن گناہ کو' یعنی ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو' اس سے معلوم ہوا کہ وہ تکلیف کی چیز گناہ ہے' رہا یہ شبہ کہ ہم کو تو گناہ کرنے سے کوئی تکلیف نہیں معلوم ہوتی نہ کبھی کوئی سزا ہوتی ہے تو سمجھئے کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف کا پتہ ہی نہیں لگتا' ان کے حواس ہی بگڑے ہوئے ہیں تو ان کے لیے تو یہ جواب ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کے کلام میں دیکھ لو کہ گناہ سے آخرت

میں کیا کیا سزائیں ملیں گی' چنانچہ فرماتے ہیں ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون' یعنی جو لوگ گناہ کرتے ہیں اور کو آخرت میں بہت جلد سزا ہوگی' تو کیا یہ سزا کوئی معمولی تکلیف ہے ہرگز نہیں' دیکھئے اگر دنیا کی کوئی سزا آپ کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ گناہ سے دنیا میں یہ تکلیف پہنچے گی مثلاً وبا اور طاعون پھیلے گا تو اس کو آپ بھی تکلیف سمجھتے اور گناہ سے ڈر جاتے تو آخرت کی سزا تو اس سے بہت زیادہ ہے۔

دنیا کی تکلیف خواہ کتنی ہی بڑی ہو اس میں نفع بھی ہے:

کیونکہ دنیا کی تکلیف میں اور آخرت کی تکلیف میں فرق یہ ہے کہ دنیا کی کیسی ہی تکلیف ہو اس میں نفع بھی ضرور ہوتا ہے' دیکھئے اگر سر میں درد ہے تو یہ کیسی بڑی بات ہے کہ پیٹ میں نہیں ڈ' اگر مال جاتا رہا تو یہ کتنا بڑا نفع ہے کہ آبرو نہیں گئی اور ساتھ میں یہ بھی ہے کہ ایک درد کے دس دردمند ہیں باپ بیٹے یا دوست وغیرہ تو کیا اس سے تسلی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے اور اس سے دکھ درد بہت ہلکا ہو جاتا ہے پس دنیا میں ہر تکلیف کے ساتھ ایک نفع بھی ضرور ہوتا ہے اور ایک بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ آدمی دنیا میں اس تکلیف کے اندر اور بہت سے لوگوں کو مبتلا دیکھتا ہے اور آدمی کی طبیعت اس قسم کی ہے کہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بعض وقت درد اور تکلیف میں بھی اسے لذت معلوم ہوتی ہے'' مرگ انبوہ جشنے دارد) کی' بہت سے آدمیوں کے ساتھ مرنا بھی تماشا ہے۔ چنانچہ لڑائی اور دنگے فساد میں چوٹ لگنے اور مرنے سے خوف نہیں ہوتا' کیونکہ اس مصیبت میں بہت سے بھائی شریک ہیں پھر بعض وقت اس تکلیف کے دور کرنے کی تدبیریں بھی کر سکتے ہیں اور ان تدبیروں سے اگر بالکل آرام نہیں ہوتا تو بعض وقت کسی قدر چین ہی پڑ جاتا ہے کہ اگر تکلیف کی شدت بھی ہوتی ہے تو اتنی جس کی سہار ہو سکے ورنہ ایسی حالت میں نیند کبھی نہ آتی' تکلیف میں نیند کا آنا چین کی علامت ہے اور بعض اوقات باتوں میں بھی دل بٹ جاتا ہے' غرض دنیا کی تکلیف کی تو یہ حالت ہے:

آخرت کے عذاب میں راحت اور نفع بالکل نہیں:

اب آخرت کے عذاب کو دیکھئے کہ اس میں راحت کا نام ہی نہیں سر سے پاؤں تک

تکلیف ہی تکلیف ہوگی کہ نہ سر کو چین نہ پیر کو نہ ہاتھ کو' ایک شخص جس کو سب سے کم عذاب ہوگا اس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اس کو آگ کی جوتیاں پہنادی جائیں گی مگر تکلیف کی یہ حالت ہوگی کہ اس کا سر مثل دیگ کے پکتا ہوگا اور وہ یہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کوئی عذاب میں نہیں عزیز بھائیو! یہ تکلیف کیا کچھ کم ہے اور اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا تو امتحان کے لیے اپنی انگلی آگ کے اندر رکھ کر دیکھ لیجیے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ اس عذاب کیا حالت ہوگی جو دنیا کی آگ سے ستر درجہ زیادہ ہے کیونکہ جب اس آگ میں ایک منٹ بھی انگلی نہیں رکھی جا سکتی تو اس آگ کی برسوں تک کیسے برداشت ہوگی بلکہ اگر تھوڑی ہی مدت تک مثلاً ایک ہی دن کی اس میں قید ہوگئی تو اس کی بھی برداشت کیسے ہوگی خاص کر جبکہ وہ ایک دن بھی ہزار برس کے برابر ہو جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے' اس پر شاید لوگوں کو تعجب ہو۔

آخرت میں ہزار برس کا دن ہونے پر شبہ' اس کا جواب:

بلکہ عجب نہیں کہ نئی تعلیم پائے ہوئے نوجوانوں کو اس پر ہنسی آئے کہ ایک دن ہزار برس کا کیسا ہوگا لیکن واقع میں ی کوئی ہنسی کی بات نہیں' دیکھو دنیا میں بھی عرض تسعین[1] میں چھ مہینہ کا ایک دن ہوتا ہے تو جبکہ دنیا میں اتنا بڑا دن موجود ہے تو اگر اس عالم کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہو تو کیا تعجب ہے کیونکہ عرض تسعین تو اسی جہان میں ہے پھر بھی یہاں وہاں میں اتنا بڑا فرق ہے او آخرت کا تو جہاں ہی دوسرا ہے وہاں اگر اس سے زیادہ فرق ہو جائے تو کیا تعجب ہے تو اگر وہاں ایک دن کی بھی سزا ہوگئی تو یہاں کے ہزار برس کی سزا کے برابر ہ اور شدت و سختی میں اس سے بھی زیادہ' دوسری دنیا میں یہ راحت تھی کہ ہمدرد و غمخوار موجود تھے' وہاں یہ حالت ہوگی کہ کوئی بھی نہ پوچھے گا' پھر یہ کہ یہاں تو دوسرے کو اپنے سے زیادہ تکلیف میں دیکھ کر تسلی بھی کر لیتا ہے اور وہاں ہر شخص کو یہ خیال ہوگا کہ مجھ سے زیادہ کوئی تکلیف میں دیکھ کر تسلی بھی کر لیتا ہے اور وہاں ہر شخص کو یہ خیال ہوگا کہ مجھ سے زیادہ کوئی تکلیف میں نہیں اور اگر خدانخواستہ ہمیشہ کا عذاب ہوا تو غضب ہی ہے'

---

[1] زمین کے ایک حصہ کا نام ہے ۱۲ منہ

کیونکہ وہاں کبھی موت بھی نہ آئے گی بلکہ یہ حالت ہوگی کہ جب پہلی کھال گل کر خراب ہو جائے گی فوراً نئی کھال بدل دی جائے گی تاکہ عذاب کا مزہ چکھیں تو مسلمانوں پر تعجب ہے دنیا کی اتنی ہلکی تکلیف کو تو تکلیف سمجھے اور اتنی بڑی تکلیف پر نظر نہ کرے' یہ جواب تو ان لوگوں کے لیے تھا جن کی سمجھ ٹھیک نہیں کہ ان کو گناہ کی وجہ سے دنیا میں کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی بلکہ گناہ کر کے مزہ آتا ہے تو وہ آخرت کی تکلیفیں یاد کر کے گناہ سے ڈریں۔

گناہ کی خاصیت عقل کھودینا ہے:

اور سمجھ کے درست نہ رہنے کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ گناہ کا یہ بھی خاصہ ہے کہ انسان کو سمجھ اور طبیعت کی سلامتی اس سے بالکل برباد ہو جاتی ہے لیکن جن لوگوں کی سمجھ اور عقل صحیح ہے ان کے لیے جیسا کہ یہ جواب تھا ایسا ہی ایک جواب اور بھی ہے۔

گناہ میں دنیا کی تکلیف بھی ہے:

وہ یہ کہ گناہ سے دنیا کی تکلیف بھی ہوتی ہے لیکن ہم اپنی بے تمیزی سے اس تکلیف کو لذت سمجھتے ہیں' میں ابھی اس کو عرض کروں گا' لیکن اول ایک مثال عرض کرتا ہوں' مشہور ہے کہ غیر ملک کا ایک وحشی آدمی ہندوستان میں آیا تھا اتفاق سے آپ ایک حلوائی کی دوکان سے گزرے وہاں گرم گرم حلوا رکھا ہوا تھا خوشبو سونگھ کر طبیعت للچائی' دام دمڑی کچھ پاس نہ تھے آپ نے ان میں سے ایک دو ہتھڑ بھر کر حلوا اٹھالیا اور کھا گئے حلوائی نے رپٹ لکھوائی' افسر نے چالان کرنا تو مناسب نہ سمجھا بس تنبیہ کے لیے یہ حکم دے دیا کہ اس کو گدھے پر سوار کریں اور پیچھے پیچھے لڑکے ڈفلی بجاتے ہوئے چلیں اس شکل سے بازار میں گھما کر شہر بدر کریں' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' جب یہ اپنے ملک کو واپس ہوا تو لوگوں نے ہندوستان کا حال پوچھا' آپ فرماتے ہیں کہ ہندوستان خوب ملک ہے حلوا کھانا مفت ہے گدھے کی سواری مفت ہے لڑکوں کی فوج مفت ہے ڈم ڈم مفت ہے ہندوستان خوب ملک ہے تو جیسا اس وحشی نے بے وقوفی سے اس ذلت کے سامان کو عزت کا سامان سمجھا تھا' ایسا ہی ہم بھی اپنی تکلیف کے سامان کو لذت کا سامان سمجھتے ہیں۔

گناہ کی تکلیف اور عبادت کی راحت معلوم کرنے کا طریقہ:

یہ تو مثال تھی مگر میں مثال پر بس نہیں کروں گا بلکہ اس کی حقیقت بتلاتا ہوں غور کیجئے! اور غور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو آپ نے لذت کا سامان سمجھ رکھا ہے کبھی اس سے گزر کر اس کے دوسرے پہلو پر بھی نظر کیجئے تب آپ کو معلوم ہو کہ یہ ظاہری لذت اصل میں تکلیف ہے کیونکہ سمجھ کی غلطی کی یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس سامان کے مقابل دوسرے پہلو کو نہیں دیکھا مشہور قاعدہ ہے کہ ہر چیز کی پہچان اس کی ضد کو دیکھ کر ہوتی ہے' دیکھو جو مینڈک کیچڑ میں رہتا ہو اور اسی میں پیدا ہوا ہو وہ چونکہ صاف شفاف پانی سے واقف نہیں اس لیے اس کے نزدیک وہ سڑا ہوا کیچڑ ہی صاف شفاف پانی ہے لیکن اگر کبھی شفاف پانی پر اس کا گزر ہو جائے تو اس وقت اس کو اس کیچڑ کی حقیقت فوراً معلوم ہو جائے گی' اِسی طرح ہم نے چونکہ گندی حالت میں ہوش سنبھالا ہے ہم کو اس کی برائی یا اچھائی کی خبر نہیں' امتحان کے لیے یہ کیجئے کہ ایک ہفتہ بھر کے لیے گناہ کو چھوڑ دیجئے اور اپنے دنیوی کاموں کا کوئی بندوبست کر کے اس زمانہ میں تلاوت اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہیے اور کسی قسم کا گناہ اس زمانہ میں نہ کیجئے' صرف ایک ہفتہ بھر ایسا کر لیجیے اس کے بعد اپنے دل کو دیکھئے کہ کیا حالت ہے' میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ اپنے قلب میں بہار اور چین پائیں گے اور اس کے بعد گناہوں کی پہلی حالت پر تو آپ خود بخود آ ہی جائیں گے' جب ایک دو دن گناہوں میں گزر چکیں پھر دیکھیے اب دل کی کیا حالت ہے اور اس پہلی حالت سے اس کو ملایئے خدا کی قسم آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اطمینان تھا اور یہ پریشانی ہے وہ راحت تھی یہ تکلف ہے وہ لذت تھی یہ مصیبت ہے اس وقت آپ کو گناہ کر کے ایسی تکلیف ہوگی جیسے کسی کانٹے کے لگ جانے سے ہوتی ہے' خدا کی قسم جو لوگ گناہ سے بچتے ہیں ان کو گناہ سے ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے' بلکہ اگر بلاضرورت گنہگار کے پاس بھی بیٹھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی کم ہمتی سے یہ امتحان بھی نہ کرنا چاہے کیونکہ اس میں بھی چند دن کے لیے نیک فرمانبردار بننا پڑتا ہے تو میں اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اپنی موجودہ حالت میں ہی غور کر لیجیکہ آپ کو کبھی اطمینان نصیب ہوتا

ہے یا ہر وقت تکلیف اور پریشانی ہی میں گزرتی ہے' ظاہر ہے کہ کبھی نہ کبھی تو راحت واطمینان میسر ہوتا ہی ہے' اب غور کر کے دیکھئے کہ وہ اطمینان وراحت عبادت وطاعت کے زمانہ میں تھا یا گناہ کے وقت میں' یقیناً آپ اقرار کریں گے کہ جس زمانہ میں آپ کے دل کو چین تھا اس وقت آپ کسی نیک کام میں لگے ہوئے تھے' اگر اس کا بھی اندازہ نہ ہو سکے تو ایک اور آسان طریقہ بتاتا ہوں کہ اللہ والوں کے پاس جایئے اور اللہ والوں سے مراد وہ نہیں ہیں جن کے بیوی بچے کچھ بھی نہ ہوں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کو اصلی محبت صرف خدا سے ہے اگر چہ بیوی بچے ان کے ہیں تو ایسوں کے پاس جایئے اور دیکھئے کہ مصیبت میں ان کی کیا حالت ہوتی ہے' تو آپ دیکھیں گے کہ وہ مصیبت اور راحت دونوں میں خوش ہیں کیونکہ ان کا مذاق یہ ہے کہ دوست کی طرف سے جو کچھ بھی اپنے اوپر گزرے وہ بہتر ہی ہے۔

ایک بزرگ کا حکایت:

چنانچہ ایک بزرگ کی خدمت میں کسی نے ایک نہایت قیمتی موتی بھیجا تھا' جب وہ ان کے پاس پہنچا تو فرمایا خدا کا شکر ہے' اس کے بعد وہ موتی گم ہو گیا' آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا خدا کا شکر ہے' خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ موتی کے آنے پر بھی خوشی تھی اور گم ہونے پر بھی خوشی ہے' فرمایا کہ مجھے خوشی اس کے آنے یا جانے پر نہیں ہوئی بلکہ ایک دوسری بات پر ہوئی ہے' وہ یہ کہ جب یہ موتی آیا تھا تو میں نے اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھا کہ اس موتی کے ساتھ دل کا زیادہ تعلق تو نہیں ہوا معلوم ہوا کہ نہیں تو میں نے اس حالت پر خدا کا شکر کیا اس کے بعد جب وہ گم ہو گیا تو میں نے پھر دل کو کہا کہ اب غم کا اثر تو نہیں ہوا' دل کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ نہیں اس پر میں نے پھر خدا کا شکر کیا تو یہ شکر اس پر تھا کہ خدا کے سوا مجھے کسی سے تعلق نہیں کہ موتی کے آنے سے نہ خوشی ہوئی نہ جانے سے کچھ غم ہوا۔

حضرت بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

اسی طرح حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملک چین کا آئینہ کوئی شخص لایا آپ

نے خادم کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ جب ہم طلب کیا کریں ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا کرو' اتفاق سے وہ آئینہ ایک دن خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا وہ مارے خوف کے گھبرا گیا اور عرض کیا کہ ''از قضا آئینہ چینی شکست'' کہ قسمت کی بات وہ آئینہ ٹوٹ گیا' آپ نے فرمایا: ''خوب شد اسباب خود بینی شکست'' کو چلو اچھا ہوا اپنی خوبیوں پر نظر کرنے کا سامان تھا ٹوٹ گیا آپ نے ہنسی ہی میں اس کو اڑا دیا اور کچھ بھی اثر یا غصہ مزاج مبارک پر نہ ہوا۔

پریشانی کا اصلی سبب خدا کے غیر سے تعلق رکھنا ہے:

سبب اس کا یہ ہے کہ جتنی پریشانی ہوتی ہے خدا کے غیر کے ساتھ تعلق رکھنے سے ہوتی ہے جن لوگوں کو خدا سے تعلق نہیں ہے وہ ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور وجہ ان کی اس پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر کام کی نسبت ایک رائے اپنے ذہن میں تراش لیتے ہیں کہ یہ کام اس طرح ہوگا' جب شیخ چلی نے اپنے ذہن میں یہ خیال چکا لیا تھا کہ یہ تیل کا گھڑا جو مزدوری پر لے جا رہا ہوں اس کو پہنچا کر مجھے پیسے ملیں گے' ان پیسوں سے یوں مالدار ہو جاؤں گا پھر بیاہ کرلوں گا' پھر خوب اولاد ہوگی وہ مجھ سے پیسے مانگیں گے میں کہوں گا ہشت اس کہنے سے آپ کا سر ہل گیا اور گھڑا گر گیا مالک بہت چلایا تو آپ کہتے ہیں کہ تیرا تو ایک گھڑا ہی گیا میرا تو سارا کنبہ برباد ہوگیا' صاحبو اس قصہ پر تو ہم ہنستے ہی مگر درحقیقت ہم خود اپنے اوپر ہنستے ہیں کیونکہ ہم سب اسی بلا میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ہر وقت یہ دھن لگایا کرتے ہیں کہ اس روپے سے یوں تجارت ہوگی اتنا نفع اس میں ہوگا' یوں ہم بنک میں روپیہ داخل کریں گے اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ ہر تمنا پوری ہوتی نہیں خیر میں شیخ چلی کی طرح ہر شخص کا گھڑا پھوٹ جاتا ہے' تو سارے رنج کی بات یہ ہے کہ آدمی امیدیں قائم کرتا ہے اور طرح طرح کی آرزو کرتا ہے اور وہ پوری نہیں ہوتی' چنانچہ کوئی دنیا دار کا وقت آرزو سے خالی نہیں ہے ہر وقت کسی نہ کسی تمنا میں رہتا ہے اور ہر تمنا کا پورا ہونا ضروری نہیں اس سے پریشانی ہوتی ہے تو کوئی دنیا دار پریشانی سے خالی نہیں۔

راحت' تمام کام خدا کو سونپ دینے میں ہے:

اور راحت واطمینان کا راز یہ ہے کہ اپنا ہر کام انہوں نے حق تعالیٰ کو سونپ دیا ہے'

اپنی کوئی رائے نہیں لگاتے اس لیے جو کچھ ہوتا ہے اس سے ان کو تکلیف نہیں ہوتی۔

حکایت حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ اور ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی:

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا کیسا مزاج ہے کہنے لگے کہ اس شخص کے مزاج کی کیا کیفیت پوچھتے ہو کہ دنیا کا ہر کام اس کو خواہش کے موافق ہوتا ہے، کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے' فرمایا اس لیے کہ دنیا کا کوئی کام خدا کی خواہش کے خلاف نہیں ہوتا، اور میں نے اپنی خواہش کو بالکل خدا تعالیٰ کی خواہش میں فنا کر دیا ہے، تو میری خواہش کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا'' کیونکہ جو کام خدا کی خواہش کے موافق ہوگا وہ میری خواہش کے موافق ہوگا' پس کوئی بات اللہ والوں کی خواہش کے خلاف نہ ہوگی پھر ان کو رنج نہیں ہوتا۔

اللہ والوں کی راحت واطمینان پر شبہ مع جواب کے:

اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو اللہ والوں کو بیمار ہوتے ہوئے بھی دیکھا' ان پر طرح طرح کی تکلیفیں بھی ہوتی ہیں' تو صاحبو! میں نے دکھ کا انکار نہیں کیا' ان کو دکھ ہوتا ہے لیکن پریشانی نہیں ہوتی' اس دکھ کی ایسی مثال ہے جیسے فرض کرو ایک شخص کسی پر عاشق ہے اور ایک مدت کے بعد محبوب کی زیارت اس کی نصیب ہوئی اور اس کو دیکھ کر مدہوش ہوگیا' اسی حالت میں محبوب کو سلام کیا اس نے بجائے جواب دینے کے دوڑ کر اس کو گلے سے لگا لیا اور خوب زور سے دبایا کہ اس کا ارمان پورا ہوگیا' عاشق چونکہ جدائی کی تکلیفوں میں بالکل گھل چکا تھا اس لیے محبوب کے دبانے پر لگیں اس کی ہڈیاں ٹوٹنے' پھر عین اسی دبانے کی حالت میں اتفاقاً سامنے سے ایک رقیب آ گیا اس کو دیکھ کر محبوب نے کہا کہ اگر میرے دبانے سے تم کو تکلیف ہوتی ہو تو تم کو چھوڑ کر اس کو دبالوں' اب غور کیجیے کہ وہ عاشق اس کا کیا جواب دے گا' ظاہر ہے کہ وہ یہ کہے گا کہ اس تکلیف پر تو ہزار جانیں قربان ہیں' خدا دشمن کو یہ بات کبھی نصیب نہ کرے اور کیا وہ عاشق اس قید کو بھاری سمجھے گا ہرگز نہیں' ہاں جسمانی تکلیف ضرور ہوگی مگر دل کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس میں راحت بھری ہوگی بلکہ زبان سے یہ نکلتا ہوگا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اسی طرح اللہ والوں کو جسمانی تکلیف پہنچتی ہے مگر دل ان کا راحت میں ہے اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ گناہ کرنے والے کیسی تکلیف میں ہیں کہ کسی وقت راحت نصیب نہیں تو گناہ سے دنیا ہی کے اندر یہ تکلیف ہوتی ہے۔

گناہ کرنے والے ہمیشہ مصیبتوں میں پھنسے رہتے ہیں:

اور اس کے سوا ایک اور بھی تکلیف دنیا میں ہوتی ہے مگر وہ گناہ کرنے کے بعد ہوتی ہے اور جس کا پہلے ذکر ہوا وہ گناہ کرنے کے ساتھ تھی وہ یہ ہے کہ جتنے گناہ کرنے والے ہیں وہ ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسے رہتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت ان پر آتی ہی رہتی ہے مگر لوگ اس قسم کی مصیبتوں کو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ فلاں گناہ کی سزا ہے چنانچہ اکثر ایسے وقت کہا کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کونسا گناہ ہوا تھا جس کے سبب یہ تکلیف جھیلنی پڑی اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ تکلیف گناہ کے سبب ہوا کرتی ہے مگر تعجب صرف اس پر ہے کہ کونسا گناہ ہم سے ہو گیا تھا' مجھے لوگوں کے اس تعجب ہی پر تعجب ہے کیونکہ ہم میں وہ ایسا کون ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں اور جب ہر وقت گناہ میں مبتلا ہیں تو پھر تعجب مصیبت نہ ہونے پر کرنا چاہیے تھا' بہرحال ثابت ہو گیا کہ گناہ کرنے سے دنیا کی بھی پریشانی ہوتی ہے اور آخرت کی الگ رہی کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کو دیکھیے کہ فرماتے ہیں کہ اس نقصان سے بچو ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی' آپ نے دیکھا کہ کتنے بڑے نقصان سے خدا تعالیٰ نے بچایا ہے اور میں نے اس کے بیان کو اسلیے اختیار کیا ہے کہ اس کے متعلق ہم میں کئی طرح کی کوتاہیاں ہو رہی ہیں۔

آخرت کی فکر رکھنی چاہیے:

ایک تو ہم میں اکثر آدمیوں کو تو دین کی خبر نہیں' ان کا تو یہ مذہب ہے کہ

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے!

کیوں صاحب اگر کوئی شخص آپ کو زہر بھرا لڈو لا کر دے تو کیا اسی اپنے قول کے موافق وہاں بھی عمل کرو گے کہ کل کے دن کی کیا خبر کیا گزرے گی اب تو لڈو کھانے کو ملتا ہے' یا کہ اس کے برے انجام پر نظر کر کے اس کو واپس کر دو گے تو کیا قیامت آپ کے نزدیک کل سے کچھ زیادہ دور ہے صاحبو! کل آنے تک تو ۲۴ گھنٹے یقینی ہیں اور موت کے متعلق تو ۲۴ منٹ کی بھی خبر نہیں کہ شاید یہی سانس آخری سانس ہو' موت کا کوئی مقرر وقت معلوم نہیں لوگ اس دھوکہ میں ہیں کہ ابھی تو ہم جوان ہیں' صاحبو بعض لوگوں کو کس طرح موت آ گئی کہ خود ان کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ اب ہم مر جائیں گے' کانپور میں ایک صاحب گھر میں آئے کھانا مانگا کھانا اتار کر لائی' دیکھا تو آقا صاحب ختم ہو چکے غرض موت کا کوئی قاعدہ اور وقت مقرر نہیں ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر آپ سو برس کے ہو گئے تو یا ہو گا وہ سو برس بھی جب گزر جائیں گے تو ایک دن کے بھی برابر معلوم نہیں ہوں گے حضرت نوح علیہ السلام جن کی عمر ڈیڑھ ہزار برس کو ہوئی' عزرائیل نے پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کیسے پایا فرمایا جیسا کہ ایک گھر کے دو دروازے ہوں ایک دروازے سے داخل ہوا اور گزرتا ہوا دوسرے دروازے سے نکل گیا' اور اگر یہ سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھو کہ آپ کی عمر کے مثلاً چالیس یا پچاس برس گزر گئے ہیں مگر غور کر کے دیکھو کہ یہ اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسے کل کا دن آنے والا' تو موت کو دور سمجھنا بڑی غلطی کی بات ہے جب وہ آئے گا تو یہ حالت ہو گی جیسے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار سے پوچھا جائے گا کہ تم زمین پر کتنے برس رہے جواب دیں گے کہ ایک دن یا کچھ کم' خیال کیجئے کہ ان لوگوں کی کتنی بڑی بڑی عمریں ہوئیں مگر جب پوچھا جائے گا تو ایک دن سے بھی کم معلوم ہو گی' تو جب یہ حالت ہے تو پھر کاہے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو عزیز بھائیو! جس وقت ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے تو جیل خانہ کو بہت دور سمجھتا ہے لیکن جب سزا کا وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو بہت ہی قریب تھا' تو یہ کہنا کہ ''اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے'' کتنی بڑی غلطی کی بات ہے حضرت خداوند تعالیٰ تو عاقبت کی خبر جانتا ہی ہے لیکن جس کو خدا بتلا دے وہ بھی تو جانتا ہے' اگر کوئی بیمار کہے کہ حکیم جانے کہ اس غذا میں کیا نقصان ہے تو اس سے کیا کہو گے' یہی

کہ بھائی حکیم تو بے شک جانتا ہے لیکن جب اس نے تمہیں بتلا دیا تو اب تو تم بھی جانتے ہو اسی طرح عاقبت کی حالت جب خدا تعالیٰ نے تم کو بتلا دی تو تم بھی جان گئے پھر غفلت اور دلیری کیسی اور بہت لوگ جو دنیا کے پیچھے پڑے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ موت اور عاقبت کو بھول گئے ہیں' اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ موت جو کہ لذتوں کو کھود ینے والی ہے اس کا ذکر کثرت سے کیا کرو' ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس کا ہمیشہ مراقبہ کیا کرے اور سوتے وقت اس طرح غور کرے کہ مرنے کے بعد یہ سب لاؤ لشکر چھوٹ جائے گا اور میں اکیلا رہ جاؤں گا' مجھ سے پوچھ گچھ کی جائے گی اور سوچے کہ حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ہزار تلواریں لگیں تو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی جان نکلنے میں ہوتی ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کیونکہ ذرا آدمی اپنے بدن کا ایک روّاں توڑ کر دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر تکلیف ہوتی ہے' تو جب فرشتہ پوری جان نکال لے گا اس وقت کیا حالت ہوگی' اسی طرح سوچو کہ پھر قیامت کے وقت کیا حالت ہوگی' جب اسی طرح سوچو گے دنیا سے دل بھر جائیگا میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم سوداگری' کھیتی باڑی کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کسی کام میں دل نہ لگاؤ' ایک نصیحت کرنے والے کے کچھ شعر مجھے اس مضمون کے یاد آئے' فرماتے ہیں ۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملک رُوس ہے اور سر زمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اس طرف آواز طبل ادھر صدائے کوس ہے
صبح سے تاشام یوں چلتا ہو مئے کلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کناروبوس ہے

یہ تو ہوس نے حکم دیا تھا آگے کہتے ہیں کہ ۔

سنتے ہی عبرت یہ بولی ایک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قید آز کا محبوس ہے

اور کیا تماشا دکھلایا کہ ۔

لے گئی یکبار گی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح محبوس ہے
مرقدیں دوتیں دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیگاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ وحشمت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے ساتھ غیراز حسرت وافسوس ہے

خیال فرمایئے بڑے بڑے بادشاہ گزر گئے مگر ان کا کہیں بھی نشان باقی نہیں ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ بادشاہوں کا تو کہیں تاج بھی باقی نہیں لیکن بزرگوں کی جوتیاں تک بھی تبرک کے طور پر باقی ہیں اس سے معلوم کر لینا چاہیے کہ دنیا کی طلب کا اور اثر ہے اور حق تعالیٰ کا طلب کا اور اثر ہے غرض ایک کوتاہی تو ہم میں یہ تھی کہ دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

اگر ہم توجہ کرتے ہیں تو وظیفوں کی طرف

اور دوسری کوتاہی یہ ہے کہ اگر توجہ کرتے ہیں تو بے ترتیبی سے کرتے ہیں' عقل اور شروع کے موافق ترتیب یہ ہے کہ بہ نسبت نفع حاصل کرنے کے نقصان سے بچنا زیادہ ضروری ہے' چنانچہ حکیموں کا اتفاق ہے کہ علاج سے زیادہ ضروری پرہیز ہے تو اس وقت اگر توجہ بھی ہوتی ہے تو وظیفوں کی طرف جس سے کہ ثواب کا نفع حاصل ہوتا ہے۔

آج کل بزرگی صرف وظیفوں کے اندر سمجھتے ہیں:

اور آج کل اسی کا نام لوگوں نے بزرگی رکھا ہے کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا دیندار ہے کہ ایک قرآن روز پڑھتا ہے رات بھر جاگتا ہے' میں یہ نہیں کہتا کہ یہ دین نہیں اپنے مرتبے میں یہ بھی دین ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری ایک اور چیز ہے وہ یہ ہے کہ گناہ کی چیزوں سے بچے تاکہ نقصان سے بچا رہے اس وقت اس کا بالکل خیال نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک تسبیح بھی نہ پڑھے مگر گناہ چھوڑ دے غیبت نہ کرے' جھوٹ نہ

بولے اور خدا کے سوا سب کی محبت سے دل کو خالی کردے اور ایک نفل بھی نہ پڑھے ایک تو ایسا ہو' اور دوسرا ایسا ہو کہ ساری رات جاگے عبادت کرے قرآن شریف پڑھے لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حقیر سمجھے ان کو تکلیف پہنچائے اور بھی گناہ کرے تو خوب سمجھ لو کہ پہلا جنتی ہے اور دوسرا دوزخی' خدا تعالیٰ نفلوں کو نہیں دیکھتے' حدیث میں ہے کہ گناہوں سے پرہیز رکھنے کے برابر کسی عبادت کو نہ سمجھو' ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں عورت بہت روزے رکھتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے' فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی' پھر ایک دوسری عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ بہت زیادہ عبادت (نفل وغیرہ) نہیں کرتی لیکن اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی' فرمایا کہ وہ جنت میں جائے گی۔

آج کل ہمارے دنیدار بھی دین کی وہ چیزیں لیتے ہیں جن کی ظاہری صورت نظر آتی ہو یعنی جن عبادتوں میں کچھ کام کیا جاتا ہے اور جس کی ظاہری صورت نظر نہیں آتی جیسے گناہوں کا چھوڑنا تو اس کا خیال کم کرتے ہیں حالانکہ اس میں نفس کا مکر ہے کیونکہ جن عبادتوں میں کچھ کام کیا جاتا ہے اس سے لوگوں کی نظروں میں ان کی عزت ہوتی ہے' لوگ کہتے ہیں کہ یہ بہت کام کرتے ہیں اور گناہ چھوڑنے میں کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا' مثلاً اگر ایک شخص ساری عمر کسی کی غیبت نہ کرے تو دوسروں کو پتہ بھی نہیں چل سکتا کہ اس نے کیا کام کیا یہی وجہ ہے کہ آج کل وہ عبادتیں تو کرتے ہیں جن میں کچھ کرنا پڑتا ہے' مگر گناہ کو نہیں چھوڑتے اور اگر چھوڑا بھی تو بعض گناہوں کو اور یہ بھی نہ چھوڑنے ہی کے حکم میں ہے مثلاً اگر ہم نے غیبت کو نہ چھوڑا اور گالی کو چھوڑ دیا تو یہ کیا چھوڑنا ہوا اور گالی وغیرہ کو بھی ہم نے اس لیے چھوڑا ہے کہ اس میں بدنامی کا اندیشہ ہے ورنہ اگر خدا کے خوف سے چھوڑا جاتا تو سب گناہ چھوڑ دینے چاہئیں تھے۔

اور اگر گناہ کو چھوڑتے ہیں تو بعض چھوڑتے ہیں کل نہیں چھوڑتے

تیسری کوتاہی یہ ہوئی کہ اگر گناہ کو چھوڑتے بھی ہیں تو بعض کو اور بعض کو نہیں جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا تھا اور اگر کوئی اپنے گمان میں سارے گناہوں کو بھی چھوڑ دے تو اس

میں کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ وہ ظاہری گناہوں کہ جو ہاتھ پیر کے متعلق ہیں چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ لوگ گناہ انہی کو سمجھتے ہیں' اگر کسی سے پوچھ لیا جائے کہ گناہ کیا کیا ہیں تو وہ انہی کو گنوائے گا' کبھی دل دکھانے اور کینہ وتکبر وریا کاری وغیرہ کا نام بھی نہ لے' وجہ یہی ہے کہ ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان سب کوتاہیوں کا علاج بیان فرمادیا کہ گناہ دوقسم کے ہیں ظاہری اور باطنی' یعنی ظاہری اعضاء کے متعلق بھی اور دل کے متعلق بھی' یہ گناہ تو بہت ہیں مگر میں مثال کے طور پر مختصر بیان کرتا ہوں۔

آنکھ کا گناہ:

کہ مثلاً آنکھ کا گناہ کسی غیر عورت کو دیکھنا' بے داڑھی لڑکے کو دیکھنا' یا غیر کا ایسا بدن دیکھنا کہ اس کا دیکھنا شرع سے ناجائز ہے' جیسے عورت کے سر کے بال اور یہ مسئلہ عورت کو بھی بتلانا چاہیے کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں' ایک گناہ آنکھ کا یہ ہے کہ کسی چیز کو دیکھ حرص کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کافروں کو جو دنیا کا سامان دے رکھا ہے تم اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو' اس کا یہ مطلب نہیں کہ مال حاصل نہ کرو بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ وکعبہ نہ بناؤ کہ اس کی بدولت دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔

زبان کا گناہ:

اسی طرح زبان کا گناہ چغل خوری ہے غیبت ہے جھوٹ بولنا ہے آجکل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں مگر بہت کم' اس کا علاج یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا' اور وہ بات کہیں خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں' پھر خدا نے چاہا تو زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔

کان کا گناہ:

کان کا گناہ یہ ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی بات سنے، گانا سنے۔

ہاتھ کا گناہ:

ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی غیر عورت کو چھوئے کوئی ناجائز مضمون لکھے۔

پیر کا گناہ:

پیر کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقعہ پر چلا جائے۔

پیٹ کا گناہ:

اور ایک پیٹ کا گناہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزی حلال مل ہی نہیں سکتی تو حلال وحرام سب برابر پھر کہاں تک بچیں' عزیز بھائیو! یہ گمان بالکل غلط ہے جو مسئلوں کی کتابوں میں لکھا ہے وہ بلاشبہ حلال ہے لوگ مولویوں سے پوچھتے نہیں ورنہ بہت سی حلال سورتیں نکل آئیں افسوس ہے کہ معاملات میں وکیلوں سے تو مشورہ کرتے ہیں مگر مولویوں سے کبھی مشورہ نہ کریں گے اور نہ یہ پوچھیں گے کہ یہ ناجائز ہے یا جائز صاحبو! اگر عمل کرنے کی بھی توفیق نہ ہو تب بھی ہر معاملہ کو پوچھ تو ضرور ہی لو اگرچہ اس کو برا تو نہیں کیونکہ اگر نسخہ معلوم ہوگا تو کبھی تو استعمال کی توفیق ہو ہی جائے گی۔

تمام بدن کا گناہ:

اسی طرح تمام بدن کے متعلق ایک گناہ ہے کہ لباس کافروں کے مشابہ پہنا جائے' صاحبو! اگر تمہارے نزدیک مذہبی حکم کوئی چیز نہیں تو اسلامی غیرت تو ہونی چاہیے کیا یہ غیرت کی بات نہیں آخر قومی پہچان بھی تو کوئی چیز ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں قوم کا ہے مسلمان ہے یا دوسری قوم کا ہے پس اگر یہ کچھ ضروری چیز ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے (صرف یہی ہے کہ دوسری قوموں کا سا لباس نہ پہنیں) غضب ہے کہ اکثر ہندو تو ایسی وضع اختیار کرنے لگے ہیں جیسی مسلمانوں کی ہونی چاہیے' اور مسلمان ہندوؤں کی وضع اختیار کرنے لگے' میرے بھائی کے پاس ایک تحصیلدار اور ایک سب انسپکٹر آئے' تحصیلدار ہندو تھا مگر داڑھی مونچھ مسلمان کی سی تھی اور سب انسپکٹر مسلمان مگر چہرہ ہندوؤں کا سا تھا' خدمت گار نے پان لاکر تحصیلدار صاحب کے سامنے رکھ دیئے تو سب انسپکٹر صاحب ہنسے تحصیلدار صاحب بھی ہنسے نوکر سمجھ گیا اور پان اٹھا کر سب انسپکٹر کے سامنے رکھ دیئے' بھائی نے کہا کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایک نوکر بھی آپ کو ہندو سمجھتا ہے صاحبو! غیرت کرنی چاہیے' اور ہماری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس طرز وشکل بدلنے میں

کیا مصلحت ہے سوائے اس کے کہ ایک کافر قوم کا لباس ہے تو خدا کی پناہ اس کا تو گویا یہ مطلب ہوا کہ لاؤ' ہم بھی کافر بنیں اگر چہ صورت ہی کے اعتبار سے بن جائیں' مجھے ایک ظریف کا قول یاد آیا' کہنے لگے کہ اس وقت نوجوانوں کی یہ حالت ہے کہ اگر یورپ والے کسی مصلحت سے اپنی ناک کٹوانے لگیں تو یہ نوجوان بغیر سوچے سمجھے اپنی ناک بھی کٹوانے لگیں گے' دراصل وجہ یہ ہے کہ اس طرز وشکل بدلنے کو یہ لوگ عزت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ واضع اہل حکومت کی ہے۔ لیکن صاحبو اگر شوکت وعزت بھی ہوئی تو نتیجہ کیا؟ شوکت تو اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ غیروں کے مقابلہ میں اس سے کام لیا جائے نہ اس لیے کہ اپنوں ہی پر رعب جمادیں اور اس وضع سے اہل حکومت کا نظر میں تو کچھ عزت ہوتی نہیں ہاں اپنے بھائیوں پر اس سے کچھ ہیبت قائم ہو جاتی ہے اور یہ ہمدردی کے خلاف ہے' پھر تماشا یہ ہے کہ یہ لوگ قومی ہمدردی کا بھی دعویٰ کرتے ہیں' یاد رکھو کہ ہمدردی اور نفع وہی پہنچا سکتا ہے جو قوم سے میل جول اور مناسبت پیدا کرے نہ کہ وہ شخص جو کہ ان سے نفرت کرتا ہو اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہو جس سے لوگ اس سے وحشت کرنے لگیں بعض لوگ اس مسئلہ میں یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم اس لباس سے کافر ہو جائیں گے میں ان سے کہتا ہوں کہ آپ عورت کا لباس بھی کیوں نہیں پہنتے اور بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان کو شوکت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔

تصویر اور کتے اور داڑھی منڈانے کا بیان:

مثلاً تصویر رکھنا' کتا پالنا' داڑھی منڈانا' اس پر مجھے ایک اپنی اور ایک دوسرے صاحب کی حکایت یاد آئی' اپنی تو یہ کہ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا وہاں ایک جنٹلمین جو کتا ساتھ لیے ہوئے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ کتے میں ایسی ایسی خوبیاں ہیں پھر اس کا پالنا کیوں ناجائز کیا گیا میں نے کہا صاحب اس کا ایک تو عام جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور یہ جواب ہزاروں شبہوں کا جواب ہے' دوسرا جواب خاص ہے کتے کے ساتھ وہ یہ کہ اس میں باوجود ان سب خوبیوں کے ایک ایسا عیب ہے جس نے اس کی سب خوبیوں کو گرد کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں

ہے اس لیے اس کا پالنا منع ہے بس چپ ہی تو ہو گئے اور خوش ہو کر اس بات کو مان لیا اور دوسرے کی حکایت یہ ہے کہ ایک صاحب کتا بغل میں دبائے بیٹھے تھے کسی نے کہا اس میں کیا مصلحت ہے کہنے لگے تاکہ موت کا فرشتہ پاس نہ آئے' کیونکہ فرشتے کتے سے بھاگتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں' آخر دنیا میں کتے بھی تو مرتے ہیں جو فرشتہ ان کی جان نکالتا ہے وہی تمہاری بھی نکالے گا' اور پہلی حکایت میں جو میں نے دوسرا جواب دیا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے تھے واقع میں وہ کوئی بڑی بات نہیں' بات اصلی تو وہی تھی کہ ہم کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے غرض بعضے گناہوں میں تو بالکل ہی ضرورت مصلحت کا کوئی درجہ نہیں' اور بعضے گناہوں میں اس معنی کی ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ ان کے نہ کرنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے اور ان کے لیے نفس کچھ حیلے نکالتا ہے حالانکہ عقل صحیح کے سامنے وہ بھی لچر ہیں لیکن اس وضع کے بدلنے میں تو کسی طرح کا بھی نفع نہیں اور اس کے چھوڑنے میں کون سی تکلیف ہے تو یہ گناہ بالکل گناہ بے لذت ہوا اور اگر فرض کر لیجئے کہ لذت وضرورت بھی ہو تو خدا کے حکم کے سامنے اپنی مصلحت کیا چیز ہے' یہ تو ظاہری گناہ تھے۔

باطنی گناہ:

اور باطنی گناہ یہ ہیں کہ مثلاً دنیا دار تو دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہی ہیں' مگر دیندار بھی اپنے کو بزرگ سمجھ کر دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں' حالانکہ اس کی کوئی وجہ نہیں' کیونکہ بہت سے ایسے لوگ جو بڑی بڑی عبادتیں کرتے تھے اپنے گھمنڈ کی وجہ سے غارت ہو گئے اور بہت رند رو دھو کر مقصود کو پہنچ گئے۔

گناہ چھوٹ جانے کا طریقہ:

اب ان کے چھوڑنے کا طریقہ سمجھئے! سو طریقہ یہ ہے کہ یہ سوچا کرو' کم سے کم سونے کے وقت ہم سوچ لیا کرو کہ آج ہم نے کیا کیا شرارتیں کی ہیں اس کے بعد سوچو کہ ان پر کیا سزا ہونے والی ہے' اس کے بعد سوچو کہ ہم نے اس سزا سے بچنے کی کیا تدبیر کی ہے' جب کچھ تدبیر اپنے پاس نظر نہ آئے تو توبہ کرو اور خوب روؤ' اسی طرح روزانہ کیجئے' پھر ایک چلہ کے بعد دیکھئے کہ کتنی کایا پلٹ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی بھی کوشش

کیجئے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ گناہ کیا کیا ہیں' آپ نے آج تک شاید سنا بھی نہ ہو کہ ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کرے اور بیس سیر[1] اسباب ہو تو اس کو بغیر محصول دیئے لے جانا حرام ہے' تو آپ کو ضروری ہے کہ علم دین حاصل کریں خواہ اور وہی کی کتابیں پڑھ کر مگر ہر کتاب دیکھنے کے قابل نہیں' معتبر عالموں سے کتابیں پسند کرا کر دیکھو ہر قسم کی کتابیں نہ دیکھو' بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب دیکھنے میں کیا حرج ہے تو صاحبو حرج یہ ہے کہ اس سے آدمی ڈانوا ڈول ہو جاتا ہے تو ہر قسم کی کتابیں نہ دیکھو بلکہ جو عالم معتبر بے غرض ہیں ان کی کتابیں دیکھو' دوسرے یہ کہ ان کو کسی عالم سے پڑھ لو اور اگر پڑھنے کی فرصت نہ ہو تو خود دیکھ لو مگر اس طرح کہ جہاں ذرا بھی شبہ رہے فوراً اس پر نشان بنا دو اور کسی عالم سے پوچھ کر حل کرو' جیسے کھانے کی روزانہ ضرورت ہے اسی طرح اس کو بھی ساری عمر کے لیے ایک ضرورت کی چیز سمجھو اور دیکھا کرو اور جو پڑھ نہیں سکتے وہ پڑھے ہوؤں سے سن لیا کریں' اس طریقہ سے خدا نے چاہا تو تھوڑے دنوں میں تمام مسلمان دین سے خبردار ہو جائیں گے اور اس کے ساتھ وہ مراقبہ فائدہ مند ہوگا جو پہلے ذکر کیا گیا' اس ترتیب کے ساتھ اگر آپ کام کریں گے تو خدا نے چاہا بہت جلد سب گناہ چھوٹ جائیں گے۔

خدا تعالیٰ نے اس چھوٹی سی آیت میں ہم سب کو بتلا دیا کہ ظاہری اور باطنی گناہ سب کو چھوڑ دو' اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو وہ عمل کرنے کی توفیق بخشیں۔ آمین

تمت

---

[1] پہلے پندرہ سیر سے زیادہ وزن کی اجازت نہ تھی آج کل تیسرے درجہ کے مسافر کو پچیس سیر وزن کی اجازت ہے ۱۲ ظہور

(۲۴) مسجد کے آداب

منتخب از آداب المساجد وعظ اول دعوات عبدیت

حصہ اول

بِسْمِ اللّٰہ الرحمن الرحِیْم

خطبہ ماثورہ: امابعد! فَاعوذُ بِالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم قال الله تعالیٰ "ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها اولئك ما کان لهم ان یدخلوها الاخائفین' لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الاخرة عذاب عظیم○

ترجمہ: "اور کون شخص زیادہ ظالم ہوگا اس شخص سے جو کہ اللہ کی مسجدوں میں خدا کا نام لینے سے منع کرتا ہے اور ان کے اجاڑنے میں کوشش کرتا ہے' ان لوگوں کو تو یہ حق نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے' ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا بھاری عذاب ہے۔"

اس کے متعلق یہ مضمون ہیں:

(۱) گو اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس واقعہ[1] میں نازل ہوئی ہے مگر اتنی بات میں اتفاق ہے کہ آیت عام ہے چاہے مسجد کا اجاڑنے والا مسلمان ہو یا غیر مسلمان دونوں کی سزا یہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی اور اخیر کا مضمون دلیل ہے ایسے شخص کے زیادہ ظالم ہونے کی تو حاصل مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ ان کو تو یہ چاہیے تھا کہ خود بھی جب مسجدوں میں داخل ہوتے تو ڈرتے ہوئے داخل ہوتے نہ یہ کہ اور دوسرے آنے والوں کو بھی جو خالص دل سے اللہ کا نام لینے والے ہیں روکیں کیونکہ یہ کام تو بے خوف ہونے کی اور بھی زیادہ علامت ہے اس لیے ایسا شخص بہت زیادہ ظالم ہوگا۔

---

[1] جس واقعہ آیت نازل ہوئی ہو وہ واقعہ اس آیت کا شان نزول کہلاتا ہے ۱۲

(۲) حاصل یہ کہ آیت لفظ کے اعتبار سے تو کفار ہی کے ساتھ خاص ہے مسلمان کو شامل نہیں ہے کیونکہ جو منع کرنا خدا کے نام لینے سے یہاں مراد ہے ایسا منع کرنا خاص ہے کفار کے ساتھ، مگر مسلمانوں کو یہ مذمت اور برائی دوسری طرح سے شامل ہے وہ یہ کہ منع کرنے کے بعد مسجدوں کو اجاڑنے کا ذکر فرمایا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرنا اس وجہ سے برا ہے کہ اس سے مسجدیں اجاڑ ہوتی ہیں، کیونکہ مسجدوں کی آبادی نماز اور اللہ کا نام لینے سے ہے۔

مسجد میں اللہ کے ذکر کے خلاف کوئی کام کرنا مسجد کی ویرانی ہے:

پس مسجد میں ایسے کام کرنا جن سے اللہ کا نام لینے میں خلل آئے مسجد کو اجاڑ کر دینا ہے پس اگر مسلمان سے مسجد میں کوئی کام نماز اور اللہ کے ذکر کے خلاف ہوگا تو وہ بھی ملامت کے لائق ہوگا اور ظاہر ہے کہ مسجد میں بلاضرورت دنیا کی باتیں کرنا نماز اور اللہ کے ذکر سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اس لیے بلاشبہ گناہ اور ظلم ہے۔

قرآن پڑھ کر روپیہ کمانے کی برائی:

(۳) بعضے آدمی خدا کے نام اور قرآن کی تلاوت پر دنیا کا سامان عوض میں لیتے ہیں، حالانکہ اللہ کا نام ایسا قیمتی ہے کہ دونوں عالم بھی اس کی قیمت نہیں ہو سکتے، اسی طرح رمضان میں کلام مجید ختم کرنے کے عوض حافظوں کو دینا منع ہے اور قبروں پر اجرت دے کر پڑھوانا بھی ناجائز ہے، ایسے ہی مردہ کے سوم میں بھی اجرت پر پڑھوانا درست نہیں، اور اللہ والوں کے نزدیک تو اللہ کے نام اور ان کی رضامندی کے مقابلہ میں دنیا کی قدر تو کیا ہوتی جنتوں کی نعمتوں کی بھی اتنی قدر نہیں، ان کے نزدیک اللہ کا نام اور خدا تعالیٰ کی رضامندی جنتوں کی نعمتوں سے بھی بڑھ کر ہے ورضوان من الله اكبر (ترجمہ) اور خدا تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے، یہ آیت اس کی کھلی دلیل ہے۔

دین کو دنیا کے عوض بیچنے سے بزرگوں کی احتیاط:

اور دین کو دنیا کے عوض بیچنے کے شبہ سے بعض بزرگوں نے اس قدر احتیاط کی ہے کہ بازار میں نہیں جاتے تھے کہ شاید ان کو دیندار سمجھ کر ان کی دینداری کی وجہ سے کوئی دو

کاندار داموں میں کمی کرے تو وہ بھی ایک قسم کا دین کا عوض ہو جائے گا' پس بازار میں نہ جانا دو وجہ سے ہوتا ہے ایک غرور کی وجہ سے' دوسرا اس وجہ سے کہ لوگوں پر ہمارا دباؤ پڑے گا اور دب کر ہم کو سودا سستا دیں گے جس سے ان کا نقصان ہوگا سو یہ نہایت اچھی اور ضروری بات ہے' اس میں دین بیچنے کے شبہ سے بھی پرہیز ہے اور اس کے علاوہ مخلوق کو بھی نقصان سے بچانا ہے' پس اپنی عزت و مرتبہ کے دباؤ سے فائدہ اٹھانا ایک قسم کی رشوت ہے۔ اس لیے حاکم کو ہدیہ لینے کی اجازت نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ دینا صرف محبت کیوجہ سے ہوتا تھا:

لیکن اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ حاکم تھے' اور پھر بھی ہدیہ قبول فرماتے تھے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جو ہدیہ دیا جاتا تھا وہ صرف محبت کی وجہ سے ہوتا تھا' نہ کہ حاکم ہونے کی وجہ سے اور آج کل ہدیہ نہیں رشوت ہے'

(۴) بعض نے اس آیت یعنی **ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد الله** (یعنی مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ مسجدوں کو آباد کریں) سے مسجدوں کو بنانے کا مسئلہ مراد کیا ہے اور اس سے مسجد میں کافر کا روپیہ لگانا ناجائز ثابت کیا ہے مگر میرے نزدیک وہ جدا مسئلہ ہے' اس کی دلیلیں ہیں اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ مشرکین مسجدیں آباد کرنے کے اہل نہیں اور اس کا کچھ ذکر نہیں کہ ان کا روپیہ مسجد میں لگانا ناجائز ہے ورنہ اگر اس آیت کی یہ مراد ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کبھی قریش کی بنائی ہوئی عمارات کو باقی نہ رکھتے کیونکہ قریش نے پورا خرچ نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی عمارت سے گھٹا دیا تھا اور حطیم[1] جو کعبہ کے اندر داخل تھا' باہر کر دیا تھا اور دروازہ صرف ایک رکھا تھا اور وہ بھی اونچا' پھر جب خلفائے راشدین (یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم) کا زمانہ ختم ہوا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو سن کر حضور ﷺ کے ارشاد کے موافق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی عمارت کے طرز پر ہٹ کر بنوایا' پھر عبدالملک کی خلافت میں اس کے

---

[1] کعبہ شریف کے پیچھے کچھ زمین چھوٹی ہوئی ہے اس کا نام حطیم ہے ۱۲۔

ماتحت حاکم حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کرنے کے بعد ان کی بنوائی ہوئی عمارت کو تڑوا کر وہی قریش کی سی عمارت بنوائی' اس کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے پھر حضرت ابراہیم کی عمارت کے طرز پر بنانے کی نسبت حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے رائے لی' انہوں نے منع فرمایا اور اسی حالت پر باقی رکھنے کی رائے دی' اس خیال سے کہ کہیں ایسی نہ ہو کہ آئندہ تمام بادشاہ کعبہ پر اسی طرح مشق کیا کریں اور پہلے بادشاہوں کی دیکھا دیکھی پہلی عمارت کو توڑ وا کر نئے سرے سے بنوایا کریں' چنانچہ جب سے اب تک اسی بنا پر ہے' گو عبداللہ بن زبیر کی بنائی ہوئی عمارت کا باقی نہ رہنا ظاہر میں کسی قدر افسوس کے قابل ہے' کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی عمارت کے طرز پر تھا' لیکن قریش کی عمارت کہ طرز پر باقی رہنے میں معلوم نہیں خدا تعالیٰ کی کتنی مصلحتیں ہوں گی' مگر ایک بڑی مصلحت اور کھلی حکمت جس کو گنوار سے گنوار بھی سمجھ سکتا ہے یہ ہے کہ اگر کعبہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی عمارت پر رہتا گو دروازے بھی زمین کے برابر دو ہی ہوتے مگر پھر بھی قفل کنجیاں تو خدام ہی کے ہاتھ میں رہتیں اور ہر کسی کو کعبہ کے اندر جانا نصیب نہ ہوتا مگر اس موجودصورت میں حطیم کہ اصل میں کعبہ کے اندر داخل تھا' باہر ہے اگر کوئی شخص خدام کے منع کرنے کی وجہ سے کعبہ کے اندر نہ جاسکے تو بلا روک ٹوک حطیم میں جاسکتا ہے اور کعبہ کے اندر جانے کی برکت حاصل کرسکتا ہے' یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کفار مکہ نے باوجود کافر ہونے کے کعبہ کی عمارت میں صرف حلال مال خرچ کیا تھا' اسی وجہ سے خرچ کم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمارت کو پورا نہ کر سکے: غرض ما کان للمشرکین کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین میں لیاقت مسجد کے آباد کرنے کی نہیں کیونکہ جس چیز سے ان کی آبادی ہے وہ ان میں نہیں اور وہ چیز خدا کا ذکر ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے **انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ الایتہ** یعنی ہاں مسجدوں کا آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں' اس آیت میں مقصود اصلی نماز کا بیان ہے جس کے لیے مسجد بنائی گئی ہے اور ایمان کا ذکر اس لیے کیا کہ بغیر ایمان

کے نماز صحیح نہیں ہوتی اور زکوٰۃ دینے کا بیان نماز کے کامل ہونے کے لیے کیا ہے کیونکہ نماز کے حقوق ادا کرنا اور جس طرح چاہیے اس طرح پڑھنا خلوص اور محبت پر موقوف ہے اور اس کی ایک علامت مال کا خرچ کرنا ہے' حاصل یہ کہ خالی ذکر زبان سے کر لینے سے جیسا کہ نماز میں ہوتا ہے دل میں محبت ہونا ظاہر نہیں ہوتا بلکہ کچھ مال بھی دینا چاہیے اور زکوٰۃ وہی دے گا جس کے دل میں خلوص اور محبت ہو کیونکہ دنیا میں کوئی حاکم تو زکوٰۃ کا طلب کرنے والا ہے نہیں جس کے دباؤ سے دینی پڑتی وہ تو خود ہی اپنی محبت اور خلوص سے دی جاتی ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اسلامی بادشاہوں کے زمانہ میں تو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عملدار مقرر تھے وہ زبردستی وصول کرتے ہوں گے پھر اس میں خلوص کہاں رہا تو جواب یہ ہے کہ عملدار صرف جانوروں کی زکوٰۃ کے لی تھے اور سونا چاندی خود مالکوں کے اختیار میں تھے اور جانوروں کے لیے بھی عملداروں کا مقرر ہونا زبردستی مال وصول کرنے کی غرض سے نہ تھا بلکہ اس خیال سے تھا کہ زکوٰۃ کا مال سہولت سے مستحق لوگوں کو مل جائے اور زکوٰۃ دینے والوں کو مال کے تقسیم کرنے میں دقت نہ ہو اور تجارت کے مالوں میں بھی زکوٰۃ وصول کرنے والے کی طرف سے کچھ زبردستی نہ تھی بلکہ پوچھا جاتا تھا کہ اس مال پر ایک سال پورا گزرا یا نہیں' اگر کسی نے کہا کہ نہیں گزرا تو چھوڑ دیا اور اگر کسی نے کہا کہ ہم نے خود دے دی تب بھی چھوڑ دیا' دوسری دلیل اس دعوت کی کہ مسجدوں کی آبادی خدا کے ذکر سے ہے اور خود ذکر ہی کے لیے بنائی گئی ہیں' یہ آیت ہے **فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ**: ترجمہ: ایسے گھروں میں (یعنی مسجدوں میں) جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے اس آیت سے ثابت ہوا کہ مسجدوں کے حق میں خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے پس ان کی آبادی اسی سے ہے۔ تیسری دلیل یہ حدیث ہے **انما بنیت المساجد لذکر اللہ** یعنی مسجدیں صرف اللہ ہی کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں پس جو کام ذکر کے متعلق نہ ہو وہ مسجد کی ویرانی ہے اور ایسا کام مسجد میں کرنا منع ہے جیسا کہ بعض اجرت پر لکھنے والے مسجد میں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں یا درزی سینے بیٹھ جاتے ہیں

بلکہ مسئلہ کی کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص اجرت پر علم دین کا پڑھاتا ہے اس کو بھی مسجد میں بیٹھ کر پڑھانا منع ہے' البتہ دینی کتابیں بلا اجرت پڑھانا خود ذکر ہے اس کا کچھ مضائقہ نہیں ایسا ہی معتکف کے لیے جو اللہ کے ذکر کی غرض سے مسجد میں آ بیٹھا ہے اس کو خریدنا' بیچنا ضرورت کی وجہ سے جائز ہے مگر جو چیز بیچنی ہو اسے مسجد کے اندر لا کر معاملہ نہ کریں اور معتکف کے لیے یہ اس لیے جائز ہے تا کہ اللہ کے ذکر سے محروم نہ رہے ورنہ تاجروں کو اعتکاف میسر نہ آتا اور یہ شرط کہ اس چیز کو مسجد کے اندر نہ لائیں اس وقت ہے جبکہ وہ مسجد کی جگہ کو گھیرے ورنہ اگر کوئی چھوٹی سی چیز ہو تو اسے مسجد کے اندر لانے میں بھی کچھ حرج نہیں اور معتکف کے سوائے دوسرے شخص کو خریدنا اور بیچنا مسجد کے اندر منع ہے خواہ وہ کیسا ہی چھوٹا معاملہ ہو جیسے ریز گاری کا لین دین' اسی طرح کسی ایسی چیز کا پکار کر پوچھنا جو مسجد سے کہیں باہر کھوئی گئی ہو منع ہے' البتہ مسجد کے اندر کوئی چیز گم ہو گئی ہو تو اس کا پوچھ لینا مضائقہ نہیں' اس طرح اپنی تجارت کے اشتہار مسجد میں تقسیم کرنا منع ہے' چوتھی دلیل اس دعویٰ کی کہ مسجدوں کی آبادی اللہ کے ذکر سے ہے' یہ ہے کہ حدیث میں قیامت کے قریب ہونے کی علامتوں میں یہ بھی فرمایا ہے **مساجد هم عامرة وهی خراب**' یعنی ان کی مسجدیں آباد ہوں گی لیکن ہوں گی ویران' ویرانی اور آبادی کا جمع ہونا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ظاہری آبادی میں تو بڑی زیب و زینت اور لوگوں کی کثرت ہوگی مگر اصلی آبادی کہ فکر و خلوص ہے کم ہوگا' اس سے بھی یہی بات ثابت ہوئی کہ مسجدوں کی آبادی ذکر سے ہے۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب میں بری جگہ کونسی ہے اور سب میں بہتر جگہ کونسی ہے فرمایا مجھے معلوم نہیں' جبریل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور یہ کہا کہ دربار خداوندی سے دریافت کر کے جواب دوں گا' چنانچہ وہ پوچھنے گئے اس وقت مسئلہ پوچھنے کی برکت سے خدا تعالیٰ سے اتنی نزدیکی ہوئی کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اتنی نزدیکی کبھی نہیں ہوئی یعنی صرف ستر ہزار پردے درمیان میں رہ گئے۔

سب سے بری جگہ بازار ہے اور سب سے اچھی جگہ مسجد ہے:

غرض دربار خداوندی سے جواب ارشاد ہوا کہ سب میں بری جگہ بازار ہے اور سب میں اچھی جگہ مسجد ہے' سو غور کرنا چاہیے کہ دونوں میں فرق کیا ہے سوائے اس کے کہ مسجد میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور بازار میں دنیا کا پس معلوم ہوا کہ مسجد کے بنانے کی اصلی غرض اللہ کا ذکر ہے پس اس میں دنیا کا ذکر اس کو بازار بنا دینا ہے جو سب میں بری جگہ ہے اور اسے بازار بنا دینا یہی اس کی ویرانی ہے اور اس جگہ پر آنحضرت ﷺ اور حضرت جبریل کے اس ارشاد سے کہ (مجھے معلوم نہیں) ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ باوجود نہ معلوم ہونے کے مسئلوں کا غلط سلط جواب دینے پر مستعد ہو بیٹھتے ہیں اور وہ لوگ بھی سمجھیں اور سنبھلیں جو باوجود کتاب کا مطلب نہ آنے کے طالب عملوں کو کچھ نہ کچھ جواب دیئے جاتے ہیں اور یہ نہیں کہہ دیتے کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آتا' جو بات معلوم نہ ہو کہہ دینا چاہیے کہ ہم کو معلوم نہیں۔

بزرجمہر کی حکایت:

بزرجمہر سے کسی بڑھیا نے ایک بات پوچھی اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں' بڑھیا نے کہا کہ ہائیں تم بادشاہ کی اتنی تنخواہ کھاتے ہو اور یہ بات تم کو معلوم نہیں بزرجمہر نے جواب دیا کہ تنخواہ تو مجھے ان چیزوں کی ملتی ہے جو مجھ کو معلوم ہیں' اور جو مجھے معلوم نہیں اگر ان کی تنخواہ ملنے لگے تو بادشاہ کا سارا خزانہ بھی میری تنخواہ کے لیے کافی نہ ہو کیونکہ نا معلوم باتیں تو بے انتہا ہیں' اور حضرت جبریلؑ کا ستر ہزار پردوں کی نسبت یہ فرمانا کہ مجھ کو اتنی نزدیکی کبھی نہیں ہوئی تھی غور کرنے کے قابل ہے کہ جو لوگ دنیا میں تھوڑا سا ذکر و شغل کر کے حق تعالیٰ کے دیدار کی ہوس میں پڑتے ہیں کتنی بڑی غلطی ہے کیونکہ وہ جبریل علیہ السلام سے بھی زیادہ قریب ہونا چاہتے ہیں ہاں البتہ قیامت میں موافق وعدہ کے اللہ پاک کا دیدار ہوگا اور کوئی پردہ درمیان میں نہ ہوگا غرض اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسجد کے اندر بازار کی سی باتیں کرنا ناجائز ہے بعض لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تہمت لگاتے ہیں کہ وہ حضرات بھی مسجدوں میں ہماری طرح خرافات باتیں کیا کرتے تھے' سو یہ بالکل تہمت ہے

تہمت ہے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے والے نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا' ایک تو خود دنیا کی باتیں مسجد میں کرنا تھا ہی' یہ ظلم' صحابہ رضی اللہ عنہم پر تہمت لگا کر ظلم کو اور بھاری کیے لیتے ہیں' یہ نہیں کہ خود توبہ کریں اور الٹا بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں' البتہ بعض اس میں غلطی کرتے ہین کہ ہر بات کو دنیا کی بات سمجھ جاتے ہیں' جیسے بیمار کی حالت پوچھنا یا مسلمانوں کی حالت دریافت کرنا' سو جان لینا چاہیے کہ یہ دین کی باتوں میں سے ہیں ان کا مسجد میں پوچھنا کچھ حرج نہیں' اسی طرح اگر کوئی چیز مسجد میں گم ہو جائے تو اس کا پوچھنا بھی جائز ہے' اسی طرح معتکف کا مسجد کے اندر خریدنا اور بیچنا جائز ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا اور شریعت نے کیا ہی آسانی رکھی ہے' بھلا اگر کوئی سود اگر اعتکاف کرنا چاہتا اور اس کے لیے معاملہ مسجد میں ناجائز ہوتا تو وہ بے چارہ اس عبادت سے محروم رہتا ایسی ہی باتیں شریعت کے حق ہونے کی گواہی دیتی ہیں کہ اس میں ان لوگوں کی بہت رعایت ہے جو دنیاوی تعلقات رکھتے ہیں اور ان کی بھی جنہوں نے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں باقی جو شخص اعتکاف میں نہ ہو اس کو مسجد کے اندر خریدنا اور بیچنا جائز نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔

ایک دوست کی عجیب حکایت:

ایک بار مجھ کو اپنے ایک دوست کی جن کو مجھ سے شاگردی کا تعلق تھا' ایک بات نہایت پسند آئی کہ میں بیٹھا تھا اسی حالت میں ایک روپیہ کی ریز گاری ایک شخص سے منگائی اس نے مجھے مسجد میں لاکر دی' انہوں نے مجھے ٹوکا یہ تو لین دینی ہے مسجد میں نہ چاہیے' اہل حق کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ اپنے بڑوں کو بھی شریعت کی بات بتلا دے مگر ادب کو نہ چھوڑے چنانچہ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ایک دن صبح کی نماز میں بوجہ شادی ہونے کے ذرا دیر سے پہنچے تو ان کے مرید مولوی عبدالحی صاحب نماز کے بعد وعظ فرمانے بیٹھ گئے اس میں یہ بھی کہا کہ بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ جورو کی بغل میں پڑے رہتے ہیں اور تکبیر اولیٰ قضا ہو جاتی ہے' جناب سید صاحب نے نہایت شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اب سے ایسا نہیں ہوگا مولوی عبدالحی صاحب کی نصیحت کا

گو یہ طرز ظاہر میں ادب کے خلاف تھا مگر اس طرز سے کہنے کی اس لیے جرأت کی تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ سید صاحب کو برا نہ معلوم ہوگا بلکہ خوش ہوں گے' ان کے خوش کرنے کو بے ادبی اختیار کی' ایسا ہی قصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ کس وقت تم مجھ سے خفا ہوتی ہو اور کس وقت خوش ہوتی ہو' جب خفا ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت یوں کہتی ہو کہ رب ابراہیم کی قسم اور جب خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یارسول اللہ میں اس وقت صرف آپ کا نام ہی لینا چھوڑ دیتی ہوں (یعنی دل سے آپ کو نہیں بھولتی) بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اور کرے تو بے ادبی میں داخل ہو جائے بلکہ کفر ہو جائے گا' مگر سچا عاشق محبت کے جوش میں کرتا ہے تو اس لیے اس کو معاف ہو جاتی ہیں حاصل یہ کہ عاشقوں کی باتیں ظاہر میں بے ادبی ہوتی ہیں اور واقعہ میں وہ بالکل ادب کے موافق ہوتی ہے۔

(۵) مسجد کا کتنا ادب ہونا چاہیے:

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مسجد کا کم سے کم اتنا ادب تو کرنا چاہیے جیسا کہ دنیا کے حاکم کے دربار میں کیا جاتا ہے کہ دل کی اور تمام جسم کی اس کے دربار میں یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ایک لحظہ بھی دوسری طرف توجہ نہیں ہٹتی' اور ایسی حالت تو ہر وقت ہو ورنہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت تو ضرور ہو اور یوں نہ سمجھا جائے کہ اس حالت کا ہر وقت حاصل ہونا پہلے بزرگوں پر ختم ہو گیا ہے ہم کو کب یہ حال نصیب ہو سکتا ہے' کیونکہ خدا تعالیٰ بڑے کرم والے ہیں ان سے ہرگز ناامید نہ ہونا چاہیے' دیکھیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادب کی مسجد میں یہ کیفیت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرتے دیکھا تو آپ نے ان کو دھمکایا اور فرمایا کہ اگر باہر کے مسافر نہ ہوتے تو تمہیں سزا دیتا اور جس طرح مسجد کا ادب ضروری ہے ایسے ہی جو لوگ مسجد کے اندر ہیں ان کا ادب بھی ضروری ہے وہ یہ کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے مسجد والوں کو تکلیف ہو' مثلاً یہ خیال رکھے کہ ایسی جگہ نماز پڑھنے نہ کھڑا ہو جہاں اور آنے جانے والوں کو تکلیف ہو' اسی طرح جس وقت کوئی اور شخص پڑھ رہا ہو اس وقت بلند آواز سے ذکر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس

شخص کی نماز میں اس سے خلل ہوگا اور اس کو تکلیف ہوگی اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث میں مسجد کی نسبت فرمایا ہے کہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں اور جنت میں کسی کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ فقط

تمت

(۲۴) دعا کے شرائط[1]

منتخب از مہمات الدعا وعظ دوم دعوات عبدیت

جلد اول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ:

اَمَّا بَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔

ترجمہ: ''اور فرمایا تمہارے رب نے کہ دعا مانگو مجھ سے میں قبول کروں گا' جو لوگ تکبر کرتے ہیں مجھ سے دعا مانگنے سے بہت قریب دوزخ میں ذلیل ہو کر جائیں گے'' اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں۔

(۱) اس آیت کے مضمون ہی سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ آج کے وعظ کا مقصود دعا کے متعلق ضروری باتوں سے آگاہ کرنا ہے اور شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ہم تو دعا کیا کرتے ہیں اور دعا کی ضرورت وغیرہ کو جانتے ہیں' پھر دعا کے بارہ میں کیوں تنبیہ کی جاتی ہے' کیونکہ تنبیہ تو اس کام میں ضروری ہے جس کو دوسرا آدمی جانتا نہ ہو یا کرتا نہ ہو سو ضرورت تنبیہ کرنے کی اس لیے ہے کہ جب دعا کے طریقہ اور ادب جاننے پر بھی اس کے ساتھ غفلت کا برتاؤ ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نہ جانی ہوئی چیزوں سے بھی بڑھ کر غفلت ہے کیونکہ جو چیزیں معلوم نہیں ان میں تو صرف ناواقفی کی وجہ سے غفلت ہے اس کا دور کرنا آسان ہے اور جب جانی ہوئی چیزوں میں ایسا معاملہ کیا جائے تو وہ غفلت بہت بڑھی ہوئی ہوگی اور غفلت کرنا اگرچہ تمام عبادتوں میں برا ہے مگر دعا میں غفلت کرنا تو

بہت ہی برا ہے اس لیے کہ دعا سے صرف مقصود یہی ہے کہ اپنے مولا کے سامنے عاجزی کی جائے اور اپنی حاجت ظاہر کی جائے پس جب زبانی دعا کی کہ نہ اس میں اپنی عاجزی کا خیال کیا اور نہ خدا تعالیٰ کے خوف دل میں بٹھایا تو یہ دعا کیا ہوئی یہ تو رٹا ہوا سبق سا پڑھ دیا' اس بے توجہی کی مثال تو ایسی ہوئی جیسا کہ کوئی شخص کسی حاکم کے ہاں عرضی دینا چاہیے اور اس طور پر عرضی پیش کرے کہ حاکم کی طرف پیٹھ کر کے اور منہ اپنا کسی یار دوست کی طرف کر کے عرضی کی پڑھنا شروع کر دے کہ دو جملہ پڑھ لیے پھر یار دوست سے ہنسی مخول کرنے لگے' پھر دو جملہ پڑھ لیے اور ادھر مشغول ہو گئے...... اب سوچ لینا چاہیے کہ حاکم کی نظر میں ایسی عرضی کی قدر ہو سکتی ہے' بلکہ الٹا یہ شخص سزا کے قابل ٹھہرایا جائے گا' بس یہی معاملہ ہے دعا کا۔

دعا میں جب تک دل نہ لگایا جائے اس وقت تک وہ دعا نہیں:

دعا میں جب تک پوری طرح دل نہ لگائے اور عاجزی نہ کرے وہ دُعا دُعا نہیں خیال کی جا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دل کی حالت کو دیکھتے ہیں' حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ دلوں کو دیکھتے ہیں' غرض یہ بات پوری طرح ثابت ہو گئی کہ دعا میں دل لگانا اور عاجزی کرنا ہی مقصود ہے اگر بغیر دل لگائے بھی کسی کی دعا قبول ہو جائے تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ خداوند تعالیٰ کا یونہی احسان ہے یہ قبولیت دعا کے اثر سے نہیں ہے۔

(۲) اللہ پاک نے اس آیت میں بڑے زور شور کے ساتھ دعا کا مضمون بیان فرمایا ہے' چنانچہ شروع ہی میں فرمایا کہ تمہارے پالنے والے نے فرمایا ہے اس میں اشارہ ہے دعا کے قبول کر لینے کی طرف اس طور پر کہ چونکہ ہم ہمیشہ سے تمہاری پال پرورش کرتے آئے ہیں' یہاں تک کہ تمہارے بلا مانگے بھی تمہاری پرورش کی ہے تو کیا مانگنے پر تمہاری عرض قبول نہ کریں گے ضرور قبول کریں گے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اول تو ماں کے پیٹ میں پرورش کی اس کے بعد پیدائش کے بعد کی حالت غور کرنے کے قابل ہے کہ یہ حالت ایسی تھی کہ ہم کو کسی قسم کی تمیز اور ہوش اس وقت نہ ہوا تھا' اس حالت میں اگر تمام

دنیا کے عقلمند اکھٹے ہو کر صرف اتنی تدبیر کرنا چاہیں کہ بچہ دودھ پینا سیکھ جائے تو ہرگز وہ قیامت تک نہیں سکھا سکتے' یہ اسی قدرت والے کی رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے بچہ کو دودھ چوسنا سکھایا۔

(۳) اس سے بڑھ کر دعا کے بارہ میں یہ اہتمام فرمایا کہ دعا کرنے والوں کو دعا نہ کرنے پر عذاب سے ڈرایا کہ جو لوگ دعا سے تکبر کرتے ہیں وہ بہت قریب دوزخ میں ذلیل ہو کر جائیں گے ان اہتماموں سے دعا کی کتنی بڑی شان معلوم ہوتی ہے۔

دعا کے اندر ایک خاص خوبی ہے جو اور عبادتوں میں نہیں!

ایک خوبی خاص دعا میں اور عبادتوں سے زیادہ یہ ہے کہ اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کے لیے ہوں تو عبادت نہیں رہتی مگر دعا ایک ایسی چیز ہے کہ اگر یہ دنیا کے لیے بھی ہو تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے' اگر مال مانگے دولت مانگے اور کوئی دنیا کی حاجت مانگے تب بھی ثواب ملے گا مگر اور عبادتیں ایسی ہیں کہ اگر دنیا میں حاجت مقصود ہو تو ثواب نہیں ملتا۔

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر حکیم نے کسی کو رائے دی کہ تم آج کھانا نہ کھاؤ اگر کھایا تو نقصان دے گا' اس نے کہا کہ لاؤ آج روزہ رکھ لیں پس روزہ رکھ لیا تو اس کو خالص روزہ کا ثواب نہ ملے گا' کیونکہ اس کو اصل میں روزہ رکھنا مقصود نہیں' ایسے ہی کوئی شخص سفر میں مسجد کے اندر اس نیت سے اعتکاف کرے کہ سرائے کے کرایہ سے بچوں گا تو اس اعتکاف کا پورا ثواب نہیں ملے گا' مگر دعا میں یہ بات نہیں' چاہے کتنی ہی دعا دنیا کی حاجت میں مانگو مگر پھر بھی ثواب ملے گا'' اور یہ خوبی خاص دعا میں اس لیے ہے کہ دعا نام ہے عاجزی کرنے کا اور عاجزی دنیا کے لیے دعا کرنے میں بھی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کو نہایت پسند ہے' کیونکہ جہاں عاجزی ہوتی ہے وہاں خودی اور بڑائی نہیں ہوتی اور خودی اور بڑائی بہت بری چیز ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے' یعنی بڑائی میرے ساتھ خاص ہے اور کسی کے لیے نہیں۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا خواب میں حق تعالیٰ سے نزدیک کا راستہ دریافت کرنا:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ اللہ میاں کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ اپنا نزدیک کا راستہ مجھے بتلا دیجیے' جواب ارشاد ہوا کہ خودی کو چھوڑ دو اور آ جاؤ۔

(۴) پیر کے پاس رہنا نہایت ضروری ہے:

اچھی حالتوں کو سن کر یہ ناامیدی نہ چاہیے کہ بھلا ہم کو یہ دولت حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ کا فضل بہت بڑا ہے' اس کو کچھ دشوار نہیں' البتہ ایسی حالتوں کے حاصل ہونے کے لیے پیر کی صحبت ضروری ہے اور صحبت وہ چیز ہے کہ دیکھو انڈہ کیا چیز ہے سفیدی اور زردی کے سوا اس میں کچھ بھی نہ تھا' مگر مرغی کے سینے سے اس میں جان آ گئی تو کیا کاملوں کی صحبت اس سے بھی گئی گزری' اور آپ یہ شبہ نہ کریں کہ صحبت تو ایسی چیز ضرور ہے مگر خود وہ لوگ کہاں ہیں جن کی صحبت میں یہ برکت ہو' سو یقین کے ساتھ سمجھو کہ اب بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس برکت کی وجہ سے موجود ہیں۔

سچی طلب ہونی چاہئے:

دل سے طلب کے میدان میں آنا چاہیے' نری سوکھی روکھی آرزو سے کام نہیں چلتا' سچی طلب اور کوشش ہونا چاہیے' دیکھو یوسف علیہ السلام کیسا اپنے مولیٰ پر بھروسہ تھا کہ زلیخا کے بہکانے کے وقت سب دروازے بند تھے اور نکل جانے کا کوئی راستہ نہ تھا مگر پھر بھی دوڑے اور کوشش کی' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دروازے کھول دیئے' اگر سچے دل سے طلب اور کوشش ہو تو مقصود ملنے کی یقینی امید ہے' غرض حاصل یہ ہے کہ دعا کا خلاصہ عاجزی ہے اور دعا خواہ کسی قسم کی ہو دین کے لیے ہو یا دنیا کے لیے مگر ناجائز کام کے لیے نہ ہو سب عبادت ہے' خواہ چھوٹی چیز کے لیے دعا ہو یا بڑی چیز کے لیے' حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا تعالیٰ سے مانگو۔

ایک بزرگ کا عجیب قصہ:

ایک بزرگ رو رہے تھے کسی نے پوچھا کیوں روتے ہو فرمایا کہ بھوک لگی ہے اس

نے کہا کیا تم سچے ہو جو بھوک سے روتے ہو فرمایا کہ اگر مولیٰ کی یہی مرضی ہو کہ میں بھوک سے روؤں تو پھر ضبط کیوں کروں' بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ میں مرض کی شکایت کروں تب عرض کی کہ اے رب مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں اور یہ شکایت بے صبری کی وجہ سے ہرگز نہ تھی' اگر بے صبری کی وجہ سے ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی یوں تعریف نہ فرماتے کہ ہم نے ان کو صبر کرنے والا پایا وہ بہت اچھے بندے ہیں' غرض کاملوں کا نظر خدا تعالیٰ کی رضامندی پر ہوتی ہے' اپنا ظاہری یا باطنی فائدہ کچھ مقصود نہیں ہوتا جس میں خدا تعالیٰ راضی ہو وہی کرنے لگتے ہیں کیونکہ عاشقوں کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے' حضرت حافظ محمد ضامن صاحب کی حکایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اس واسطے ذکر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں **فاذکرونی اذکرکم** 'ترجمہ: کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا' مطلب یہ تھا کہ باطنی کیفیت اور حالت کے حاصل کرنے کے لیے ذکر نہیں کرتے بلکہ ان کے حکم کی وجہ سے ذکر کرتے ہیں' دیکھئے کاملوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ خدا کے نام میں باطنی حالت کا بھی قصد نہیں کرتے' اور افسوس کی کہ آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ وظیفے دنیا کمانے کے لیے پڑھتے ہیں۔

دست غیب کی حقیقت:

کوئی دست غیب تلاش کرتا پھرتا ہے حالانکہ یہ جائز تک بھی نہیں کیونکہ اس کے ذریعہ جو کچھ ملتا ہے وہ حرام ہے کیونکہ اس سے جن تابع ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کا مال چرا چرا کر عمل پڑھنے والے کو دیتے ہیں یا اپنا لائیں تب بھی مجبور ہو کر لاتے ہیں' ایسا ہی تسخیر کا عمل بھی ناجائز ہے کہ اس سے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیتے ہی اور اسی طرح مجبور کر کے مال وصول کرتے ہیں اور اگر کوئی عمل جائز بھی ہو تب بھی ایسی غرضوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام کی بیقدری کرنا اور بے ادبی ہے۔

دعا کی ترغیب:

کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ بجائے ان عملیات کے دعا کیا کرتے اگر مقصود حاصل ہو

جاتا تو مطلب کا مطلب اور ثواب کا ثواب ملتا اور اگر نہ حاصل ہوتا تب بھی دعا کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہ تھا' علاوہ ان خرابیوں کے جن کا اوپر ذکر ہوا عمل میں ایک اور خرابی بھی ہے' وہ یہ کہ دعا سے پیدا ہوتی ہے عاجزی اور عملیات سے پیدا ہوتی ہے بڑائی اور دعویٰ کیونکہ عمل کرنے والا یہ جانتا ہے کہ بس ہم نے یہ کر دیا وہ کر دیا' یہ قدر ضروری بیان تھا دعا کے مہتم بالشان ہونے کا' باقی رہا کہ دعا سے غفلت کرنے کے کیا سبب ہیں خدا نے چاہا تو کسی موقع پر بیان بھی ہو جائے گا۔

تمت

❁❁❁

(۲۵) دعا کے شرائط[۲]

منتخب از مہمات الدعا حصہ دوم وعظ سوم دعوات عبدیت

جلد اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ:

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔

ترجمہ: ''اور فرمایا تمہارے رب نے کہ دعا مانگو مجھ سے میں قبول کروں گا بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں مجھ سے دعا مانگنے میں وہ بہت قریب دوزخ میں ذلیل ہوکر جائیں گے۔'' اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں:

(ا) اس سے پہلے وعظ میں یہ بیان ہوا تھا کہ دعا بہت بڑی چیز ہے اور اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیے' وعظ کے ختم پر یہ ظاہر کیا گیا تھا' کہ خدا نے چاہا تو پھر کسی موقع پر اس کا بیان بھی ہو جائے گا کہ دعا سے غفلت کرنے کے کیا سبب ہیں سو آج ان کا بیان کرنا مقصود ہے' یہ آیت وہی ہے جو پہلے وعظ میں بھی پڑھی گئی تھی' چونکہ آج کا وعظ بھی دعا کے متعلق ہے اس لیے اسی آیت سے وعظ شروع کیا جاتا ہے پس اس وعظ کو بھی پہلے وعظ کا بقیہ سمجھنا چاہیے' پہلے اس سے کہ دعا سے غفلت کرنے کے سبب بیان کیے جائیں'

جو کام اپنے اختیار کے ہیں ان میں ہی دعا کی ضرورت ہے:

یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ دعا صرف ان کاموں کے ساتھ خاص نہیں جو اپنے اختیار سے باہر ہوں' جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ جو کام اپنے اختیار میں نہیں ہوتے وہاں مجبور ہوکر دعا کرتے ہیں اور جو کام خود اپنے اختیار کے ہیں ان میں دعا نہیں

کرتے صرف تدبیر پر بھروسہ کرتے ہیں' یاد رکھو کہ جو کام خود اپنے اختیار کے ہیں ان میں بھی دعا کی بڑی ضرورت ہے' کیونکہ ظاہر میں یہ کام اگرچہ کسی تدبیر اور سبب کی وجہ سے پائے جاتے ہیں لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو خود ان کے اسباب ہی کا جمع ہو جانا ہمارے اختیار میں نہیں اور اس کا سوائے دعا کے اور کوئی علاج نہیں' دیکھئے ایک کھیتی ہی کا کام ہے اس میں ہل چلانا بیج بونا تو اختیاری ہے مگر کھیتی کے لیے اس کی بھی تو ضرورت ہے کہ پالا نہ پڑے اور کوئی ایسی آفت نہ پڑے جو کھیتی کو اجاڑ دے' اسی لیے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کھیتی کرتے ہو کیا اسے تم اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں' بس ثابت ہو گیا کہ جو کام اپنے اختیار میں ہیں ان میں بھی دعا کی ضرورت ہے۔

دعا کے ساتھ تدبیر بھی کرنی چاہیے:

البتہ ان میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تدبیر بھی کی جائے اور دعا بھی یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر کے صرف دعا ہی پر بھروسہ کیا جائے' مثلاً کوئی شخص اولاد کی آرزو رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اول نکاح کرے اور پھر دعا کرے اور اگر یوں چاہیے کہ بے نکاح ہی اولاد ہو جائے تو یہ اس کی نادانی ہے۔

کبھی دعا سے بلا تدبیر کے بھی کام چل جاتا ہے:

البتہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی دعا اور عاجزی پر رحم فرما کر اپنی عنایت سے بلا تدبیر کے بھی کام کر دیتے ہیں اور بغیر اس کے کہ پورے طور پر سامان جمع کریں ان کا کام ہو جاتا ہے' چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بی بی نے تنور میں ایندھن جھونک کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو رزق دیجیے' تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے بھرا ہوا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ کی رزاقی پر پورا یقین تھا اور یہ حضرات تو خدا تعالیٰ کے خاص بندے تھے ان کو خدا کی رحمت پر پورا یقین ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں...... شیطان کے یقین کو دیکھیے کہ خاص غصے کے موقعہ پر بھی اس کو پورا بھروسا تھا کہ خدا تعالیٰ غصہ کے اندر بھی میری دعا رد نہ کریں گے چنانچہ اس نے دعا کی کہ مجھ کو قیامت تک زندہ رکھا جائے' حالانکہ یہ ایک ایسی بات تھی کہ خود نبیوں کو بھی نہیں دی گئی مگر شیطان نے رحمت کے بھروسہ پر اس کی دعا کر دی اور قبول بھی کر لی گئی'

دعا کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے۔

یقین کی برکتیں

اور یقین ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے بڑے اثر پیدا ہوتے ہیں' چنانچہ حضرت علامہ بن خضری حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب جہاد کرنے کے لیے ملک بحرین پر گئے اور راستہ میں دریا پڑا کشتی تیار نہ تھی اس لیے ساتھیوں نے ٹھہرنے کو کہا فرمانے لگے کہ خلیفہ کا حکم ہے کہ جلدی پہنچیں اس لیے میں نہیں ٹھہر سکتا اور یہ کہہ کر دعا کی کہ اے اللہ جس طرح تو نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے ان کی قوم کو پار کیا تھا اسی طرح آج ہم کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پار اتار دے اور دعا کر کے گھوڑا دریا میں ڈال دیا' چنانچہ فوراً دریا گزرنے کے قابل خشک ہو گیا اور سارا لشکر پار ہو گیا۔

بسم اللہ کہہ کر دریا سے پار اتر جانا:

اور مشہور حکایت ہے کہ ایک مولوی صاحب وعظ میں بسم اللہ کی فضیلتیں بیان فرما رہے تھے کہ بسم اللہ پڑھ کر جو کام کریں وہ پورا ہو جاتا ہے' ایک جاہل گنوار نے سنا اور کہا یہ ترکیب تو اچھی ہاتھ آئی' مجھے ہر روز کشتی کے پیسے دینے پڑتے ہیں اب سے بسم اللہ کہہ کر پار اتر جایا کریں گے روز مرہ پیسے تو نہ دینا پڑیں گے' چنانچہ مدتوں وہ اسی طرح آتا جاتا رہا' اتفاق سے ایک روز مولوی صاحب کی دعوت کی اور گھر لے جانے کے واسطے ان کو ساتھ لیا' راستہ میں وہی دریا ملا' مولوی صاحب کشتی کے انتظار میں رکے اس نے کہا مولوی صاحب آیئے کھڑے کیوں رہ گئے' مولوی صاحب بولے کہ کیسے آؤں اس نے کہا کہ بسم اللہ پڑھ کر آ جایئے میں تو ہمیشہ بسم اللہ ہی پڑھ کر اتر جاتا ہوں' مولوی صاحب کی تو ہمت نہ ہوئی مگر اس نے ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ان کو بھی پار اتار دیا' یہ یقین ہی کی قوت تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ کام آسان کر دیا۔ اسی وجہ سے بعض بزرگ تعویذ دیتے وقت کہہ دیتے ہیں کہ اس کو کھولنا مت ورنہ اثر نہیں ہوگا' وجہ اس کی یہی ہے کہ کھول کر دیکھنے سے وہی معمولی کلمہ سمجھ کر دیکھنے والے کا عقیدہ کمزور ہو جاتا ہے پورا یقین نہیں رہتا اس لیے اثر نہیں ہوتا' ان قصوں سے جو مثال کے طور پر بیان ہوئے ہیں یہ ظاہر ہو گیا کہ تھوڑا بہت سامان جمع کر کے اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس

تھوڑے سے حیلے میں یقین کی برکت سے سب کچھ دے دیتا ہے' چنانچہ حدیث میں ہے واجملوفی الطلب وتوکلو اعلیه' ترجمہ: معمولی طور پر کمانے کی تدبیریں کرو اور بھروسہ خدا تعالیٰ پر کرو یعنی تقدیر پر نظر رکھو کہ جتنا تقدیر میں ہوگا وہی ملے گا' زیادہ ملنے سے رہا' اور واقعی اگر روزی صرف کوشش اور تدبیر پر ہی موقوف ہوتی تو اکثر آدمی تدبیر سے مالدار ہو جاتے' مگر دیکھا جاتا ہے کہ ایک معمولی آدمی دو آنے تین آنے کی مزدوری کیا کرتا تھا' چند سال میں وہ لکھ پتی ہو گیا۔

مالداری کوشش وتدبیر پر موقوف نہیں:

اگر مال کوشش اور تدبیر سے بلا تقدیر کے حاصل ہو سکتا ہے تو ہم ایک دوسرا آدمی تجویز کرتے ہیں جو قوت اور رائے اور تدبیر میں اس سے زیادہ ہو اور مدت بھی اس کے لیے پہلے سے دونی مقرر کرتے ہیں' اگر پہلا دس برس میں مالدار ہوا ہے تو اس کے لیے بیس برس مقرر کرتے ہیں اور اس پہلے کو دو آنہ روزانہ ملتے تھے تو ہم اس کے لیے چار آنہ مقرر کرتے ہیں اور جو کچھ پہلے شخص نے کمانے کے لیے تدبیریں کی تھیں وہ سب اس کو بتلا دیے ہیں' پھر ہم دیکھیں کہ یہ شخص بھی اس پہلے کے برابر مال اس سے دگنی مدت میں کما سکتا ہے' ہرگز نہیں' صاحبو! ترقی کی تدبیریں بہت قومیں جانتی ہیں' مگر ترقی وہی قومیں کرتی ہیں جن کی تدبیر کے ساتھ تقدیر بھی ہوتی ہے' ورنہ ان سے دگنی محنت اور لوگ کرتے ہیں لیکن ان کا افلاس نہیں جاتا' اصل یہ ہے کہ نہ تو نری تدبیر ہی پر دار و مدار ہے بلکہ تقدیر کا موافق ہونا بھی ضروری ہے اور نہ تدبیر بالکل ہی بیکار ہے کہ اس کو چھوڑ کر صرف دعا ہی سے کام لیا جائے' زیادتی اور کمی دونوں کو چھوڑ دیں' اس طور پر کہ تدبیر تو کریں لیکن تدبیر کے بھروسہ پر دعا سے بھی غفلت نہ کریں۔

بعضوں نے یہ زیادتی کی کہ تدبیر کو بالکل ہی چھوڑ دیا:

مگر ہم میں سے بعضوں نے توکل کیا تو ایسا کیا کہ حد سے ہی باہر ہو گئے' تدبیر کو بالکل ہی چھوڑ دیا' ہماری بھی وہی مثال ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

درحقیقت اتنا حد سے باہر نکلنا کہ تدبیر کو بالکل ہی چھوڑ دیں واقع میں بیکاری اور کم ہمتی ہے جس کا نام انہوں نے توکل رکھ چھوڑا ہے' البتہ اگر کھانے کمانے میں مشغول ہونے سے اس کے دین کو نقصان پہنچے اور توکل کی اس کو ہمت بھی ہو تو توکل کرنا بہتر ہے' اسی طرح جو شخص دین کی خدمت میں مشغول ہو جیسے لوگوں کو دین سکھانا اور اس کو توکل کی ہمت بھی ہو تو اس کے لیے توکل اور دینی خدمت سے بہتر کوئی کام نہیں!

توکل کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے ہدیوں کا لالچ نہ ہو:

البتہ یہ ضروری بات ہے کہ توکل صرف اللہ پر ہو' لوگوں کے ہدیوں اور تحفوں کا لالچ نہ ہو' کیونکہ حدیث میں اسی مال کے لینے کی اجازت دی گئی ہے جو بغیر لالچ کے ملے اور اگر لوگوں کے ہدیوں اور تحفوں پر نظر رہے تو وہ خدا پر بھروسہ نہیں غرض لوگوں کے مال کی تاک میں نہ بیٹھا رہے۔

ایک بزرگ کا لالچ سے پرہیز:

اس کے متعلق ایک قصہ یاد آیا' بلگرام میں ایک عالم بڑے بزرگ تھے' ان کے ایک خاص شاگرد آپ کے پاس آئے اور آپ کی کمزوری اور ناتوانی کو دیکھ کر انہوں نے جانچ لیا کہ آج استاد پر فاقہ ہے اس لیے وہ اٹھے اور گھر سے کچھ کھانا لیکر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور یہ کھانا قبول فرما لیجئے' آپ نے فرمایا کہ یہ کھانا اگرچہ حاجت کے وقت پہنچا ہے' لیکن مجھ کو اس کے قبول کرنے میں ایک عذر ہے وہ یہ کہ جس وقت تم میرے پاس سے اٹھ کر گئے تھے اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ کھانا لے کر آئیں گے' چونکہ میرے دل میں اس کا لالچ اور انتظار پیدا ہو گیا تھا اس لیے میں قبول نہیں کر سکتا' کیونکہ ایسی حالت میں ہدیہ لینا طریقہ سنت کے خلاف ہے وہ شاگرد بھی تھے بہت سمجھ دار کر ذرا اصرار نہیں کیا جیسا کہ بعض کم سمجھ لوگوں کی عادت ہے کہ بزرگوں سے جھک جھک کیا کرتے ہیں' یہ نہایت بے ادبی ہے غرض کہ وہ فوراً کھانا لے کر اٹھ گئے اور کچھ اصرار نہیں کیا اور بزرگ کی نگاہ سے غائب ہو کر آدھے راستہ سے پھر لوٹ آئے اور وہی کھانا پھر آپ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت لیجیے اب تو میرے واپس چلے جانے سے لالچ اور انتظار نہیں رہا ہوگا'

اب قبول فرما لیجیے' آپ نے قبول فرما لیا اور ان کی سمجھ داری پر بہت خوش ہوئے اور دعا دی' آپ نے دیکھا کہ بزرگوں نے لالچ سے کس قدر پرہیز کیا ہے' غرض توکل کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے تحفوں اور ہدیوں کا انتظار اور لالچ نہ ہو' اگر توکل بغیر لالچ کے ہو تو وہ بہت خوب ہے اور اگر لالچ ہو تو پھر تدبیر ہی سنت ہے۔

تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں اور اس کی ایک مثال:

اور جان لینا چاہیے کہ جس قدر توکل کرنا فرض ہے اس کے لیے تدبیر کا چھوڑ دینا ضروری نہیں ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جب کوئی شخص کسی مقدمہ میں وکیل مقرر کرتا ہے تو کیا وکیل مقرر کرنے کے بعد یہ شخص نکما خالی بیٹھ جاتا ہے' ہرگز نہیں بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ وکیل کے کرنے کا جو کام ہے وہ وکیل کرے گا جو مجھ سے کچھ ہو سکتا ہے مجھ کو کرنا چاہیے' اسی طرح تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے' جب کہ تدبیر میں حد سے نہ گزر جائے کہ بالکل تدبیر ہی کا ہو رہے بلکہ تدبیر تو ایسی چیز ہے کہ جن کاموں میں تدبیر کو بالکل دخل نہیں اور صرف دعا ہی پر ان کا دار و مدار ہے' حدیثوں سے معلوم ہوتا کہ ان میں بھی دعا کے ساتھ تھوڑی بہت تدبیر کرنی چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا' توکل کے ساتھ تدبیر کو جمع کرنے کا بیان:

چنانچہ ایک قصہ حدیث سے بیان کیا جاتا ہے' جس سے معلوم ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل اور دعا کے ساتھ تدبیر کو کس طرح جمع فرمایا اور اس حدیث میں اور بھی فائدے ہیں' ایک صحابی رضی اللہ عنہ جن کا نام مقداد ہے' مسافرانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں بتلا دی تھیں کہ ان کا دودھ نکال کر اس میں سے کچھ تو خود اور اپنے ساتھیوں کو پلا دیا کرو اور کچھ ہمارے لیے رکھ دیا کرو' وہ روزمرہ اسی طریقہ سے کچھ دودھ تو اپنے ساتھیوں سمیت پی لیتے اور کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ چھوڑتے' مگر ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے میں دیر ہوئی تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں دعوت میں چلے گئے' یہ خیال کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا مگر جب پی چکے تو اس وقت خیال آیا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کسی وجہ سے آنے میں دیر

ہوگئی ہو اور کچھ کھایا پیا نہ ہو اس خیال سے ایسی بے چینی ہوئی کہ کروٹیں بدلتے تھے اور نیند نہ آتی تھی اسی فکر میں تھے کہ حضور ﷺ تشریف لائے۔

لوگوں کی تکلیف سے حضور ﷺ کی احتیاط

اور آپ ﷺ کی عادت شریف آنے کے وقت یہ تھی کہ اگر گھر والوں کو لیٹا ہوا دیکھتے تو بہت آہستہ سلام کرتے اس طرح سے کہ اگر گھر والے جاگتے ہوتے تو سن لیتے اور اگر سوئے ہوتے تو کسی کی آنکھ نہ کھلتی' اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ شب برات میں بقیع جانے کے لیے حضور ﷺ آہستہ اٹھے اور آہستہ سے کواڑ کھولے سب کام آہستہ سے کیے تاکہ سونے والے کو تکلیف نہ ہو' سو اسی طرح سلام بھی آہستہ فرماتے کہ اگر کوئی جاگتا ہو تو سن لے اور سویا ہو تو اس کی نیند میں خلل نہ آئے' اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض لوگ دوسرے آدمیوں کی تکلیف کا بالکل خیال نہیں کرتے' سوئے ہوئے آدمیوں میں رات کو اٹھ کر سب کام بے تکلف زور زور سے کرتے ہیں جس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے' اسی طرح یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جو شخص کسی کام میں مشغول ہو اس وقت اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے اس کے ضروری کام میں حرج ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کو بہت تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے۔

نواب صدیق حسن خان کے صاحبزادے کی حکایت:

نواب صدیق حسن خان صاحب کے بیٹے کی ایک حکایت یاد آئی کہ ایک روز بھوپال میں وہ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے اور ایک غیر مقلد ان کے پاس کھڑے ہوئے تھے' یہ خیال کر کے کہ صاحبزادے صاحب بہت خوش ہوں گے' اس نے زور سے آمین کہی صاحبزادے صاحب نے بعد نماز کے ان سے کہا کہ آپ سے مجھے کام ہے ذرا مجھ سے مل کر جایئے گا' وہ خوشی خوشی انتظار میں بیٹھ گئے کہ دیکھئے کیا انعام ملتا ہے' تھوڑی دیر میں صاحبزادے صاحب مسجد کے باہر تشریف لائے اور وہ صاحب سامنے آئے کہ حضور کا کیا ارشاد تھا صاحبزادے صاحب نے ان کے ایک دھول زور سے جمائی اور فرمایا کہ زور سے

آمین کہنا تو ضرور حدیث میں آیا ہے' مگر یہ بتلا کہ آمین کی اذان کس حدیث میں آئی ہے جو تو نے اس زور سے کہی کہ پاس والے بھی گھبرا اٹھے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مخالفت بھڑکانے کے لیے ایسا کرتے ہو اس لیے یہ سزا دی گئی' حضرات ہماری سب ہی حالتیں بگڑ رہی ہیں' ہر چیز میں زیادتی یا کمی ہو رہی ہے عوام کی کیا شکایت کریں۔

آج کل کے پڑھے لکھے بھی حقیقت نہیں سمجھتے اور اس پر ایک مزید حکایت:

انصاف تو یہ ہے کہ بعض لکھے پڑھے بھی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور دوسروں کی تکلیف کا کچھ خیال نہیں رکھتے کہ ہمارے اس کام سے دوسرے کو تکلیف پہنچے گی بلکہ صرف لفظوں ہی پر نظر ہے' جیسا کہ ایک شخص کا قصہ ہے کہ جب وہ مرنے لگے تو بیٹے کو وصیت کی کہ جو کوئی میری تعزیت کو آئے اس کو اونچی جگہ بٹھانا اور نرم نرم اور میٹھی باتیں کرنا اور بھاری کپڑے پہن کر اس سے ملنا اور قیمتی کھانا کھلانا اب صاحبزادے کی سنیے ایک صاحب ان کے والد کے دوست تعزیت کو آئے' آپ نے فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو مچان پر بٹھا دو' وہ آئے اور مجرموں کی طرح سے ان کو زبردستی پکڑ کر مچان پر بٹھا دیا' اب وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے نوکر کہتے ہیں کہ آقا کا یہی حکم ہے اب آقا صاحب تشریف لائے تو اس انداز سے کہ جاجم اور دری قالین میں لپٹے ہوئے ایک عجیب بغلول کی سی شکل بنائے ہوئے تھے' آخر مہمان نے ان کے والد صاحب کی تعزیت میں کچھ کہا تو جواب میں فرماتے ہیں گڑ انہوں نے کچھ اور کہا تو جواب ملتا ہے روئی' مہمان بیچارہ دنگ ہے' غرض کھانے کا وقت آیا گوشت گلا نہ تھا' مہمان نے کہیں اس کی شکایت کی تو آپ تیز ہو کر کہتے ہیں واہ صاحب میں نے آپ کے لیے پچاس روپیہ کا کتا کاٹ ڈالا اور آپ کو پسند نہیں آیا' اب مہمان اور بھی پریشان ہوئے آخر دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ ابا جان نے وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص تعزیت کے لیے تمہارے پاس آئے تو اس کو اونچی جگہ بٹھانا' اس واسطے میں نے آپ کو مچان پر بٹھا دیا کہ سب سے اونچی جگہ یہی تھی' اور یہ کہا تھا بھاری کپڑے پہن کر ان سے ملنا تو اس دری قالین سے

ہماری کوئی کپڑا نہ تھا' تیسرے یہ کہا تھا کہ نرم اور میٹھی باتیں کرنا تو گرُط اور روٹی سے زیادہ نرم اور میٹھی چیز مجھ کو نہ معلوم ہوئی' اور یہ وصیت کی تھی کہ قیمتی کھانا کھلانا تو اس کتے سے زیادہ کوئی جانور قیمتی ہمارے گھر نہ تھا' مہمان لعنت بھیج کر وہاں سے رخصت ہوا پس یہی حالت ہماری ہے کہ الفاظ یاد کر لیے ہیں نہ اخلاق ہی کی حقیقت سمجھتے ہیں اور نہ اعمال کی چنانچہ ہم نے اخلاق نام صرف خوشامد اور میٹھی باتیں کرنے کا رکھ لیا ہے' سو یہ تو حقیقت میں نفاق ہے کہ دل میں تو کینہ بھرا ہوا اور زبان سے خوشامد کی باتیں کی جائیں' اخلاق کی تو یہ حقیقت ہے کہ ہم سے کسی شخص کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ پہنچے نہ اس کے سامنے نہ اس کے پیچھے' مگر ہم نے یہ سمجھا کہ اخلاق ظاہر داری کا نام ہے گو اس سے تکلیف ہی پہنچے اس کی کچھ پرواہ نہیں' اور رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور رعایت دیکھیے کہ سلام بھی کرتے ہیں تو اس طرح کہ کوئی بے چین نہ ہو' غرض حضور عشاء کے بعد تشریف لائے اور عادت کے موافق سلام کر کے برتنوں کی طرف چلے اور وہ صحابی جو دودھ پی کر لیٹ گئے تھے یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں' آپ ﷺ کو اس میں دودھ نہ ملا' چونکہ حضور کو اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی اور کھانے کی حاجت تھی اس لیے آپ نے اول تو عادت کے موافق کچھ نفلیں پڑھیں اور ان کے بعد یوں دعا فرمائی کہ اے اللہ جو مجھ کو کھانا کھلائے آپ اس کو کھانا کھلایئے دیکھیے یہ بات غور کے لائق ہے کہ حضور ﷺ نے توکل کے ساتھ ظاہری سبب کو کیسے عمدہ طریقہ سے جمع کیا کہ یہ ظاہر کر دیا کہ کھانا اکثر اسی طرح ملتا ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں لے آئے' کیوں کہ آپ ﷺ نے دعا یوں فرمائی کہ اے اللہ جو شخص مجھ کو کھانا کھلائے اس کو آپ کھانا کھلایئے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا مقصود دعا سے یہ تھا کہ کوئی شخص کھانا لا کر آپ ﷺ کو کھلائے اور اگر توکل کے ساتھ ظاہری سبب کو جمع کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ بھی تو دعا فرما سکتے تھے کہ اے اللہ آسمان سے خوان کھانے کا بھیج دیجیے' مگر حضور ﷺ نے توکل کے ساتھ تدبیر کو بھی نہایت پاکیزہ طور پر جمع فرمایا' بقیہ قصہ کا یہ ہے کہ اس دعا کے سننے کے بعد وہ صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے اور گو بکریوں کا دودھ وہ پہلے دوھ چکے تھے مگر چونکہ یقین تھا کہ حضور کی دعا قبول ہوئی ہوگی اس لیے پھر برتن لے کر بکری کے

نیچے بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بکریوں نے اس قدر دودھ دیا کہ پھر برتن بھر گیا اس برتن کو لے کر حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے' غرض اس قصہ کے بیان سے یہ تھی کہ دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا اور توکل کے ساتھ تدبیر اور ظاہری سبب کی کیسے عمدہ طریقہ سے رعایت فرمائی:

پس معلوم ہوا کہ نہ دعا کے بھروسہ تدبیر کو چھوڑ دے اور نہ تدبیر کا ایسا ہو رہے کہ خدا پر نظر نہ رہے بلکہ دعا اور تدبیر دونوں کرنی چاہئیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کا اصل طریقہ ہے' حضور ﷺ کی عادتوں سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ معجزے جن میں تدبیر کو کچھ دخل نہیں' حضور ﷺ نے ان میں بھی تدبیر اور ظاہری سبب کا لحاظ رکھا ہے' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جنگ احزاب[1] میں جبکہ خندق کھودی جا رہی تھی' حضرت جابر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی کھانا تھوڑا تھا' حضور ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ہانڈی چولہے سے مت اتارنا' پھر اس میں آ کر اپنا تھوک ملا دیا وہ تھوڑا سا لشکر کے لشکر کو کافی ہو گیا' اسی طرح حدیث میں اور بھی معجزوں کے قصے آئے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ میں بھی تدبیر اور ظاہری سبب کی تھوڑی سی رعایت کی گئی ہے' جیسے اس قصہ میں ہانڈی کو چولہے پر رکھا رہنا اور ڈھک دینا تدبیر کی رعایت کے لیے تھا' ورنہ ویسے بھی تو کھانا بڑھ سکتا تھا' غرض یہ طریقہ ہے توکل کا کہ اس کے ساتھ تدبیر کی بھی رعایت کی جائے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سیکھنا چاہیے' اب سنیے کہ دعا سے غفلت کرنے کے کیا سبب ہیں:

دعا سے غفلت کرنے کا پہلا سبب:

سو ایک سبب تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کے طریقہ سے غافل رہ کر صاف تدبیر ہی پر بھروسہ کر لیا جائے' اس کی وجہ عقیدہ کی کمزوری اور خدا پر نظر نہ رکھنا ہے۔

دعا سے غفلت کرنے کا دوسرا سبب:

اب ایک دوسرا سبب دعا نہ کرنے کا سنیے وہ یہ کہ عقیدہ تو دعا کا ہے مگر یہ خیال ہو جاتا ہے کہ ہم دعا کے قابل نہیں' ہم کیا دعا کریں' حالانکہ یہ اصل میں شیطان کا ایک وسوسہ

[1] یہ ایک بڑائی کا نام ہے جو کافروں کے ساتھ ہوئی تھی ۱۲

ہے جس کو تواضع کے صورت میں اس نے ظاہر کیا ہے تا کہ لوگ اُس کو تواضع سمجھ کر دعا کی برکتوں سے محروم ہو جائیں پس یہ وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہیے کہ ہم دعا کے قابل ہی نہیں دعا کیا کریں اور دعا بہت کوشش سے کرنی چاہیے کہ وہ خالی نہیں جاتی اور اگر کچھ نہ ہو تو یہ کیا کچھ کم ہے کہ آخرت کے لیے اس کا ثواب جمع رہتا ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص نماز میں بھی یہ حیلہ نکال لے جیسا کہ دعا میں کرلیا ہے کہ جب تک نماز میں دل حاضر نہ ہو' اس وقت تک نماز ہی کیا ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ شخص نماز چھوڑ بیٹھے گا پس ایسے وسوسے کچھ اعتبار کے لائق نہیں جو کچھ جیسا کچھ ہو سکے کرنا چاہیے' بھلا برا جو کچھ بھی ہو خدا کے دروازے پر آنا چاہیے ہم پر یہ خدا تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہے کہ وہ ہماری بداعمالی اور خراب حالی کو جانتے ہیں اور اس پر بھی ہم کو اپنی عبادت اور اپنے سے دعا کرنے کا حکم دیتے ہیں جب وہ جان بوجھ کر ہم سے کھوٹے مال مانگتے ہیں یعنی ہماری بری بھلی عبادت کو بھی قبول کرتے ہیں تو پھر ہم کو نالائقی کا عذر کرنا کس درجہ بے وقوفی ہے خلاصہ یہ کہ اپنے آپ کو دعا کے قابل نہ سمجھنا دوسرا سبب تھا دعا کے نہ کرنے کا جس کی پورے طور سے اصلاح کردی گئی۔

دعا سے غفلت کرنے کا تیسرا سبب:

اب تیسرا سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض اس خیال سے دعا نہیں کرتے کہ قبول تو ہوتی ہی نہیں پھر دعا سے کیا فائدہ سو خود یہی سمجھنا غلط ہے کہ خداوند تعالیٰ قبول نہیں کرتے۔

ہم لوگوں کا دعا میں کوتاہی کرنا:

کیونکہ کمی تو خود اپنی طرف سے ہے کہ دل لگا کر عاجزی کے ساتھ دعا نہیں کرتے جو کہ دعا کی جان ہے صرف زبان سے کہہ دنیا کیا دعا ہوئی' حدیث میں ہے کہ بلا دل لگائے جو دعا کی جاتی ہے خدا تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرتے سو یہ قصور تو اپنا ہے ورنہ وہ سب

---

1. چنانچہ ایک بار ایک شخص نے مجھ سے قرض کی شکایت کی میں نے کہا دعا کرو کہنے لگا زبان دعا کے قابل ہی نہیں میں نے کہا پھر کلمہ کیوں پڑھتے ہو کیا تمہاری زبان کلمہ کے قابل ہے اور دعا کے قابل نہیں بس چپ رہ گیا ۱۲ منہ

پر مہربان ہیں اور اور ان کے فضل واحسان سب کو گھیرے ہوئے ہیں لیکن جب خود اپنی ہی طرف سے کمی ہو تو اس کا کیا علاج ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

دعا میں دوسری کوتاہی:

اسی طرح ہم لوگ دعا میں کبھی یہ خرابی کرتے ہیں کہ ناجائز بات کی دعا کرتے ہیں پھر یہ دعا کیسے قبول ہو' حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا اس وقت تک قبول کرتے ہیں جب کہ گناہ اور رشتے داروں کی حق تلفی کی دعا نہ ہو سو بعض دفعہ اکثر دعائیں گناہ کی ہوتی ہیں اب ان کا قبول نہ کرنا ہی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے' جیسے کہ موروثی زمین کے جھگڑے میں یہ دعا کرنا کہ اس پر میرا قبضہ رہے سو یہ دعا تو خود گناہ ہے' ایسے ہی بعض لوگ بزرگوں سے دعا کراتے ہیں کہ ہمارا لڑکا فلاں امتحان میں پاس ہو جائے اس کو ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ مل جائے سو یہ دعا ہی سرے سے ناجائز ہے کیونکہ حکومت کی اکثر نوکریاں شرع کے خلاف ہیں اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بزرگوں کے مریدوں میں سے بعض ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ حکومت کے عہدوں پر ہوتے ہیں' سو اگر یہ نوکری ناجائز ہے تو وہ بزرگ ان کو کیوں نہیں روکتے' جواب اس شبہ کا یہ ہے یہ نوکریاں ہیں تو ناجائز مگر جو لوگ یہ نوکریاں کرتے ہیں ان کے روزگار کی صورت سوائے اس کے اور کچھ نہیں اگر ان کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے اور وہ نوکری چھوڑ دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بسر اوقات کی اور کوئی صورت نہ ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ کسی گناہ میں پھنسیں گے سو حقیقت میں ان کو اجازت نہیں دی جاتی بلکہ اور بہت سے برے گناہوں سے بچا کر ایک چھوٹے گناہ پر رکھا جاتا ہے' اور ایسی دعا میں خود بزرگوں اور عالموں کو احتیاط کرنی چاہیے کہ ناجائز مقدموں کے واسطے دعا نہ کیا کریں کیونکہ ان کی دعا بھی خود گناہ ہے اور دعا کرانے والا چونکہ غرضمند ہوتا ہے اس لیے اس کے بیان پر اعتماد اور بھروسہ نہیں چاہیے اور اگر کسی سے رنجیدہ ہونے کے خیال سے انکار نہ کر سکیں تو یوں دعا کریں کہ یاالٰہی جس کا حق ہو اس کو دلوایئے' خلاصہ

یہ کہ ناجائز کام کی دعا نہ اپنے لیے کرے نہ غیر کے لیے پس ظاہر ہو گیا کہ ہماری دعا کا قبول نہ ہونا صرف ہماری کوتاہی اور قصور کی وجہ سے ہے اور اگر ہماری کوتاہی اور قصور نہ ہو تو بعض دفعہ اس وجہ سے قبول نہیں ہوتی کہ جس کام کے لیے بندہ دعا کرتا ہے وہ حقیقت میں اس کے لیے بہتر نہیں ہوتا اور مصلحت کے خلاف ہوتا ہے اس لیے بوجہ رحمت کے اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے' اس کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ انگارے کو اچھا سمجھ کر منہ میں ڈالنے لگے تو ماں باپ شفقت و محبت سے منع کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ سے چھین لیتے ہیں:

ایک شخص کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آئندہ کی باتیں معلوم ہو جانے کی دعا کرانا

چنانچہ حکایت ہے کہ کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ دعا کرانا چاہی کہ مجھے کل کی بات معلوم ہو جایا کرے کہ میری تقدیر میں کیا ہے' موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نصیحت کی کہ اس کو جانے دے اس خیال میں نہ پڑ' اس نے نصیحت نہ مانی اور اصرار کیا' انہوں نے دعا کر دی اور وہ قبول ہو گئی' چنانچہ اس کو معلوم ہوا کہ کل کو میرا گھوڑا مر جائے گا اس نے فوراً بازار میں جا کر بیچ ڈالا اور بہت خوش ہوا' پھر معلوم ہوا کہ کل کو میرا غلام مر جائے گا وہ اس کو بیچ آیا اور بہت خوش ہوا' پھر معلوم ہوا کہ کل کو میں مر جاؤں گا' اب بہت پریشان ہوا اور موسیٰ علیہ السلام سے جا کر عرض کیا کہ کیا کروں وحی آئی کہ اس سے کہہ دو کہ تجھ کو منع کیا تھا کہ اس خیال میں نہ پڑ' کہ کل کی بات معلوم ہو جایا کرے تو نے نہ مانا آخر تو نے اس کا نتیجہ دیکھا' اصل یہ ہے کہ تیرے گھر پر ایک بلا آنے والی تھی ہم نے چاہا جانور پر پڑ جائے تو نے اس کو جدا کر دیا' ہم نے چاہا کہ غلام پر پڑ جائے تو نے اس کو بھی جدا کر دیا' اب تو ہی رہ گیا اگر تجھ کو پہلے سے آئندہ کی خبر نہ ہوا کرتی تو گھوڑا اور غلام کیوں بیچا جاتا اور تو موت کے منہ میں کیوں پڑتا' اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بعض مصلحت انسان نہیں سمجھتا' دیکھئے اس شخص کو کل کی بات معلوم کر لینے سے کیسی پریشانی اٹھانی پڑی۔

(۳) بعض لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں اور کسی خاص حالت کو اپنی غلطی سے مقصود سمجھ لیتے ہیں اور جب کہ وہ حالت حاصل نہیں ہوتی تو غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کچھ

حاصل نہیں ہوا یہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں' اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے جس کا طریقہ ذکر اور عبادت ہے' جس کو یہ حاصل ہے اس کو سب کچھ حاصل ہے تو ان کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ذکر اور عبادت کی توفیق تو دی ہے حقیقت میں خدا کی طلب اور درد وغم بھی بڑی نعمت ہے جس کا شکر کرنا چاہیے' اگر کوئی مرید حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس بات کی شکایت کرتا کہ حضرت ذکر وشغل سے کوئی کیفیت پیدا نہ ہوئی تو فرماتے کہ خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنا نام لینے کی توفیق تو دی ہے اور فرمایا کرتے کہ جس عبادت کے بعد پھر دوبارہ اس عبادت کی توفیق ہو' یہ علامت ہے پہلی عبادت کے قبول ہونے کی اور عاشقوں کی نظر تو قبول ہونے پر ہوتی ہی نہیں' مجنوں کا قصہ ہے کہ جنگل بیابان میں اکیلا بیٹھا ہوا اور انگلیوں سے ریت پر کچھ لکھ رہا تھا' کسی شخص کا اس طرف سے گزر ہوا تو اس نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو' یہ خط کس کے پاس بھیجو گے' مجنوں نے جواب دیا کہ اپنی تسلی کے لیے لیلیٰ کے نام کی مشق کرتا ہوں' تو خدا کے عاشقوں کو مجنوں سے تو کم نہ ہونا چاہیے کیا اس کے نام کی مشق کچھ کم دولت ہے جو اور چیزوں کی تمنا کی جاتی ہے۔

(۴) اور علاوہ اس سے کہ وہ دعا اس کے حق میں مناسب نہ ہو کبھی قبول نہ ہونے کی یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ اس کا ثواب آخرت کے لیے جمع کیا جاتا ہے' تو بڑا تعجب ہے کہ آخرت کے لیے ذخیرہ جمع ہو جانے سے بھی مسلمان کو صبر نہ آئے اور دنیا کا فائدہ حاصل نہ ہونے پر افسوس کرے' جو پورے مسلمان ہیں وہ تو آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی بادشاہت کو بھی گرد سمجھتے ہیں' ایک دفعہ سلطان سنجر نے جو کہ ملک نیمروز کے بادشاہ تھے' بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں ملک نیمروز آپ کو ہدیہ کرتا ہوں آپ نے انکار کر دیا کہ ہمارے نزدیک ملک نیمروز کی ایک جو کے برابر بھی قدر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ دعا نہ کرنے کے یہ چند سبب بیان کیے گئے ہیں سمجھ دار آدمی انہی سے اور سبب بھی معلوم کر سکتا ہے' فقط

تمّت

(۲۶) صوفی کا طریقہ

منتخب از سیرۃ الصوفی وعظ چہارم، دعوات عبدیت

حصہ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ: اَمَّابَعْد۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِO بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُO قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًاO نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًاO اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًاO اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًاO اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِىَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًاO اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًاO وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًاO رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًاO وَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًاO وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِى النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًاO

ترجمہ: ''اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی آدھی رات یا اس سے کسی قدر کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو' ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں بیشک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے' بیشک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے یکسو ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہو' وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو اسی کو اپنے کام سپرد کیا کرو اور یہ لوگ جو جو باتیں

کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ اور مجھ کو
اور ان جھٹلانے والوں نازونعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دو اور ان لوگوں کو
تھوڑے دن اور مہلت دو۔''

ان آیتوں کے متعلق یہ مضمون ہیں:

(۱) میرے دوستوں میں سے بعض صوفیوں نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ اگر ہمارے لیے ایسا مضمون بیان ہو جائے تو بہتر ہے جس کے موافق ہم اپنا عمل رکھیں چونکہ اس وقت اس قسم کا مضمون ذہن میں نہ تھا اس لیے میں نے پورا وعدہ نہیں کیا' دوسرے اس قسم کے مضمونوں کے لیے تنہائی زیادہ مناسب ہے اس خیال سے اور بھی وعدہ نہیں کیا تھا' مگر آج صبح کو سورۂ مزمل کی شروع کی آیتیں ذہن میں آئیں' معلوم ہوا کہ ان میں بالکل تصوف ہی کے طریقہ کا بیان ہے اس لیے آج انہی آیتوں کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے بیان سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ عوام یہ نہ سمجھیں کہ اس میں ہمارا کیا نفع ہوگا' یہ طریقہ تو صوفیوں کے لیے ہے جو دنیا کو چھوڑ بیٹھے ہیں' ہم دنیا داروں کے لیے نہیں' سو بات یہ ہے کہ سرے سے یہی کہنا صحیح نہیں کہ دنیا داروں کے لیے اور حکم ہیں اور دنیداروں کے لیے اور حکم ہیں' کیونکہ مسلمان ہونے میں سب برابر ہیں اور شرع کے حکم سب کے ساتھ یکساں تعلق رکھتے ہیں بلکہ حقیقت میں مسلمان دنیا دار ہوتا ہی نہیں کیونکہ دنیاداری حقیقت میں یہ ہے کہ حلال وحرام میں کچھ تمیز نہ رہے جس طرح سے بنے مال حاصل کرنے کو مقصود سمجھے' اگر کہیں دونوں غرضیں دین ودنیا کی جمع ہو جائیں تو دین کی غرض چھوڑ کر دنیا کی غرض حاصل کی جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ دین سے ہم کوئی کوئی غرض نہیں کیونکہ شریعت کے حکم اس قدر دشوار ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو دنیا کی زندگی مشکل ہے سو ظاہر ہے کہ ایمان کے ساتھ ایسے خیال کی گنجائش کہاں ہے' ایسا خیال رکھ کر مسلمان ہی کب ہوسکتا ہے' کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا ہے کہ وہ تو فرماتے ہیں کہ اللہ تم پر آسانی کرنا چاہتے ہیں دشواری کرنا نہیں چاہتے اور اللہ کسی کو ایسے کام کا حکم نہیں کرتے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور یہ شخص خیال کرتا ہے کہ خدا نے ہمیں دشواری میں ڈال دیا

ہے اور ایسی باتوں کا حکم دیا ہے جن پر عمل کر کے زندگی مشکل ہے' سو ایسا خیال کرنا تو ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو جھٹلانا ہے اور اگر یہ عذر کیا جائے کہ ہم تو خدا تعالیٰ کو نہیں جھٹلاتے' مگر جب روز مرہ کے واقعات ہی بتلا رہے ہیں کہ شرع کے حکموں پر چلنا بہت مشکل ہے تو ہمارا کیا قصور ہے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دشواری دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو یہ ہے کہ خود حکم ہی کے اندر دشواری ہو' سو ایسے حکم پہلی امتوں میں تو کچھ تھے' مگر اس امت میں اس قسم کے حکم نہیں رکھے گئے'

شریعت میں کوئی دشواری نہیں بلکہ دشواری خود ہمارے ہی ہاتھوں ڈالی ہوئی ہے:

اور ایک دشواری یہ ہے کہ خود حکم میں تو کوئی دشواری نہیں مگر ہم نے خود اپنی حالت ایسی بگاڑی ہے کہ آسان حکم بھی ہم کو دشوار معلوم ہونے لگے کہ سب نے مل کر شریعت کے خلاف عادتیں اختیار کر لی ہیں کہ وہ عام طور پر ایک رسم ہو گئی اور ظاہر ہے کہ جب اس رسم کو چھوڑ کر کوئی شریعت کے حکم پر چلنا چاہے گا تو ضرور اس کو آسان حکم میں بھی دشواری پیدا ہو گی' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حکیم کسی بیمار کو دو پیسہ کا نسخہ لکھ دے مگر وہ بیمار ایسے گاؤں میں رہتا ہے جہاں کے لوگ اس قسم کی ضروری چیزوں کی رغبت نہیں رکھتے اور ان کی بے رغبتی کی وجہ سے وہ چیزیں اس گاؤں میں نہیں آتیں اور نہیں مل سکتیں' اس لیے یہ بیمار اس دو پیسہ کے نسخہ کو وہاں نہیں پی سکتا' اب یہ نسخہ تو کمیاب نہیں ہے مگر اس گاؤں والوں ہی نے خود اپنا دستور بگاڑ رکھا ہے اس واسطے وہاں نہیں مل سکتا' پس اس صورت میں ہر عقلمند یہی کہے گا کہ علاج تو بالکل آسان ہے مگر یہ قصور اس جگہ کے رہنے والوں کا ہے کہ ایسی معمولی چیز بھی لا کر نہیں رکھتے' ایسا ہی ہمارا حال ہے کہ تمام قوم نے مل کر اپنی ایسی حالت بگاڑ دی ہے کہ اب شرع کے حکموں پر چلنے میں دشواری پیدا ہو گئی ہے' دیکھئے بہت لوگ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ تنخواہ کم ہے بھلا اگر رشوت نہ لیں تو کام کیسے چلے' اگر یہ لوگ اپنے خرچ اندازہ سے رکھیں تو تنخواہ کیوں نہ کفایت کرے اسی طرح پر آم کی بہار پھل آنے سے پہلے ہی بیچ دی جاتی ہے' اگر ایک شخص اس سے بچنا چاہیے تو ضرور کسی قدر دقت ہوتی ہے۔ لیکن

اگر سب اتفاق کر لیں کہ اس طرح سے کوئی نہ بچے تو دیکھیں پھر کیا دشواری پیش آتی ہے۔ اصلی دشواری تو وہ ہے کہ اگر سب مل کر بھی اس کو دور کرنا چاہیں جب بھی دور نہ ہو سکے اور جو دشواری سب کے ملا کر چھوڑ دینے سے جاتی رہے تو یہ اصل میں دشواری نہیں بلکہ آسانی ہے کیونکہ یہ دشواری تو صرف بری رسم اختیار کر لینے سے پیدا ہوگئی ہے' سو یہ تنگی خود اپنے آپ ہی اپنے اوپر ڈالی گئی ہے تعجب ہے کہ خود اپنی تنگی کو تو نہ دیکھیں اور شریعت پر تنگی کا الزام دیں۔

(۲) بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ ہم ناجائز معاملے رشوت وغیرہ کے ضرورت کی وجہ سے کرتے ہیں مگر حقیقت میں جس کو وہ ضرورت کہتے ہیں وہ ضرورت ہی نہیں بلکہ صرف نفس کی لذتوں کا نام ضروریات رکھ دیا ہے جیسے کسی شخص کی نوکری میں اتنی گنجائش تو ہے کہ معمولی درمیانی قیمت کے کپڑے پہن سکتا ہے مگر بھاری قیمت کے چمک دمک کے کپڑے بنانے کی گنجائش نہیں' اس صورت میں عقلمند آدمی کبھی ہرگز بھی ایسے قیمتی کپڑوں کی ضرورت نہیں مان سکتا جس کے واسطے رشوت وغیرہ لینا پڑے اور اگر معمولی قیمت کے کپڑے پہننے پر بھی کچھ تنگی ہو تو آخر صبر کس حالت کے لیے سکھایا گیا ہے' ایسی حالت میں صبر کرے اور جو صبر کی حد سے بھی گزر جائے تو ایسے لوگوں کی مدد کے لیے شریعت نے خاص قاعدے مقرر کیے ہیں ان سے نفع اٹھانا چاہیے' غرض مسلمانوں کو کسی حالت میں بھی دین کے مقابلہ میں دنیا کو اختیار کرنا اور فوقیت دینا جائز نہیں' پس اس اعتبار سے مسلمان دنیا دار ہو ہی نہیں سکتا' صرف کافر ہی دنیا دار ہیں جو دین کے مقابلے میں دنیا کو اختیار کرتے ہیں۔

(۳) بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب ہم تو دنیا کے کتے ہیں ہم سے دین کا کیا کام ہو سکتا ہے' تعجب ہے کہ اپنے منہ سے اس ذلت اور بے عزتی کا اقرار کیا جاتا ہے' گویا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو دین کے واسطے پیدا ہی نہیں کیا اور غضب تو یہ ہے کہ ان بھلے مانسوں نے اپنے لیے تو ایسے بیہودہ لقب تراشے ہی تھے' دینداروں کے لیے بھی ایسے بیہودہ لقب استعمال کرتے ہیں جیسے مسجد کے مینڈھے' اس پر ایک ہنسی کی حکایت یاد آ گئی

کہ ایک طالب علم کو ایک شخص نے جو کہ اپنے کو بڑا سمجھتے تھے مسجد کا مینڈھا کہہ دیا اس نے کہا بلا سے پھر دنیا کے کتوں سے تو اچھے ہی ہیں' تعجب ہے کہ بعض لوگ اپنے کو ایسے برے لقب دیکر اس کو تواضع سمجھتے ہیں' اس کی مثال میں ایک قصہ یاد آ گیا کہ میرے سامنے ریل میں ایک دولتمند مسخرے نے اپنے دستر خوان پر دوسرے شخص کو یہ کہہ کر بلایا کہ آیئے کچھ گوہ موت کھا لیجیے اس پر ان کے ایک ساتھی نے کہا کہ ہیں' کھانے کی ایسی بے ادبی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو تواضع کی وجہ سے اپنے کھانے کو گوہ موت کہا ہے کیونکہ اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے' سو ایسی تواضع بے وقوفی ہے' کیونکہ کوئی چیز بھی اصل میں ہماری نہیں' یہاں تک کہ ہم خود بھی اپنے نہیں کہ جس طرح چاہیں اپنے میں تصرف کر لیں بلکہ ہم سب سرکاری چیز اسی ہیں اور اصلی مالک ہم سب کے خدا تعالیٰ ہیں' پس سرکاری چیزوں کی ان کے حکم کے خلاف بے قدری کرنا جائز نہیں' اللہ والے اسی وجہ سے کبھی اپنے نفس کی قدر اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس نفس کو سرکاری چیز سمجھتے ہیں اور اسی طرح ہاتھ پاؤں دماغ یہ سب سرکاری مشینیں ہیں جن کو ہمارے سپرد کیا گیا ہے اگر ہم اپنی بے احتیاطی سے ان کو بگاڑیں گے تو خود غضب الٰہی اور عذاب کے مستحق ہوں گے' رسول اللہ ﷺ کا صاف ارشاد ہے کہ بیشک تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیبیوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اگر ہم اپنے دل و دماغ آنکھ کی حفاظت اور خدمت اس نیت سے کریں گے کہ یہ ہمارے آقا کی چیزیں ہیں اور آقا کی سپرد کی ہوئی چیزوں کی حفاظت غلام کو ضروری ہے تو اس میں بھی ہم کو ثواب ملے گا' یہی معنی ہیں اس حدیث کے کہ انما الا عمال بالنیات یعنی ہر کام میں نیت کا اعتبار ہے' غرض کہ ان چیزوں کو چونکہ اپنے پیارے سے تعلق ہے اس لیے یہ بھی پیاری ہیں کسی نے کہا ہے کہ مجھے اپنی آنکھوں کی اس لیے قدر ہے کہ ان کے ذریعہ سے اپنے محبوب کا حسن و جمال دیکھنے کو ملا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ جب آپ خدا تعالیٰ تک پہنچ گئے' تو پھر اب تسبیح کیوں رکھتے ہیں آپ نے کیا پاکیزہ جواب دیا کہ میاں جس کی بدولت ہم کو یہ دولت ملی کیا اب اس کو چھوڑ دیں ہرگز نہیں' حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو

شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے گھوڑا پالتا ہے اس گھوڑے کا پیشاب پاخانہ بھی بیکار نہیں جاتا بلکہ ان پر بھی ثواب ملتا ہے یہ ساری برکت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے گھوڑا پالا تھا' ایسی حقیر چیزوں کے نیکیوں میں شمار ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص مصری خریدے تو جو تنکا مصری میں ہوگا وہ بھی مصری کے بھاؤ ملے گا'

دعا کے اول اور آخر میں درود شریف پڑھنے کی حکمت:

اور دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھنے کی یہی حکمت ہے کہ درود شریف کو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول کریں گے اور یہ ان کے فضل وکرم سے بہت دور ہے کہ اول و آخر کو تو قبول کر لیں اور بیچ والی چیز کو لوٹا دیں اور درود شریف ضرور قبول ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول ومحبوب ہیں' آپ پر جو بے کسی کی درخواست کی بھی اللہ تعالیٰ رحمت فرماتے ہیں' سو جب کسی نے آپ پر رحمت کرنے کی درخواست کی تو اس سے اس شخص کی خیر خواہی ظاہر ہوئی جس سے یہ بھی مقبول ہوگیا' اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ہر عید میں اپنے لڑکے کو کچھ انعام دیا کرتا ہے تو وہ تو دے ہی گا لیکن اگر کسی شخص نے اس کو انعام دینے کی بابت کہہ بھی دیا تو وہ شخص اس کہنے والے پر بھی مہربان ہو جائے گا اور یہ سمجھے گا کہ اس کو ہمارے لڑکے سے محبت ہے تو چونکہ درود شریف ضرور قبول ہوتا ہے اس لیے طفیل میں یہ شخص بھی مقبول ہو جاتا ہے' جب درود شریف قبول ہوگا تو اس کے ساتھ کی دعا بھی ضرور قبول ہوگی اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کھانڈ کے چنے کے اندر چنا ہوتا ہے اور ان پر کھانڈ لپٹی ہوتی ہے اس مٹھائی کے سبب وہ چنے بھی مٹھائی کے حساب میں بکتے ہیں کیونکہ ان پر کھانڈ لپٹی ہوئی ہے اس واسطے وہ چنے کھانڈ کے حکم میں ہوگئے اسی طرح وہ دعا بھی درود شریف کے حکم میں ہوگئی تھا جیسے چنے مٹھائی کے ساتھ جاتے ہیں اور پھر ان کو کوئی واپس نہیں کرتا۔

جماعت کی حکمت:

اور یہی حکمت ہے جماعت کی نماز میں کہ جماعت میں نیک بندے بھی ہوتے ہیں امید ہے کہ ان کی نماز قبول ہوگی اور بروں کی نماز بھی چونکہ نیکوں کے ساتھ ہے اس واسطے

وہ بھی قبول ہو جائے گی۔

(۴) نیک نیت کے متعلق ایک بزرگ کی حکایت:

اسی طرح اگر کوئی شخص دنیا کے کاموں میں بھی نیک نیت رکھے گا تو اس کو ضرور ثواب ملے گا' ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے وہاں ان کے گھر میں روشندان دیکھا پوچھا یہ کیوں رکھا ہے اس نے جواب دیا روشنی کے واسطے انہوں نے فرمایا کہ روشنی تو بدون نیت کے بھی آتی ہے اگر اس کے رکھنے میں نیت کر لیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو اس کا ثواب بھی ملتا رہتا اور روشنی تو خود آ ہی جاتی مطلب یہ ہے کہ نیک نیت رکھنے سے دنیا کے سارے کام بھی ثواب کے قابل بن جاتے ہیں۔

ایسی دنیا دین کے خلاف نہیں اور ایسا دنیا دار بھی دیندار ہی ہے اور اس معنی کو کوئی مسلمان دنیادار نہیں تو سب مسلمان دیندار ہی ہوئے اور جبکہ سب مسلمان دیندار ہوئے اور دیندار اور دنیادار کا فرق نہ ہوا تو کیا وجہ ہے کہ عمل کا طریقہ الگ الگ رکھا جائے پس ظاہر ہو گیا کہ سب مسلمانوں کے عمل کا طریقہ ایک ہی ہے' البتہ یہ بات جدا رہی کہ عذر و ضرورت کی حالت میں کسی کے لیے کچھ آسانی کر دی جائے سو اس کے لیے یہ ضرور نہیں کہ عمل کا طریقہ ہر ایک کے لیے الگ الگ مقرر کیا جائے بلکہ عمل کا طریقہ تو ایک ہی رہے گا البتہ جہاں پر کسی کو ضرورت ہو گی وہ اس قاعدہ میں داخل نہ سمجھا جائے گا' اب وہ طرز عمل بیان کیا جاتا ہے اتفاق سے وہ ضروری باتیں جو اس کے مناسب ہیں ان آیتوں میں پورے طور پر جمع ہیں' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے چادر اوڑھنے والے رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی آدھی رات یا اس سے کسی قدر کم یا کچھ زیادہ' اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو چادر اوڑھنے والے کے نام سے یاد کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کو کافروں کے جھٹلانے سے بہت تکلیف ہوئی تھی' رسول اللہ ﷺ تو چاہتے تھے کہ یہ کم بخت ایمان لے آئیں تاکہ دوزخ کی آگ سے چھوٹ جائیں اور وہ لوگ ایمان تو کیا لاتے الٹے جھٹلانے پر کمر باندھ رکھی تھی اور خدا تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑاتے' اور مقابلہ کیا کرتے' اس وجہ سے حضور ﷺ کو بڑا رنج و غم تھا' اور رنج

وغم کی وجہ سے متفکر ہو کر چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے تھے' اس لیے خاص اس حالت کے اعتبار سے چادر اوڑھنے والے کے لقب سے آپ کو یاد کیا تا کہ حضور ﷺ کو کچھ تسلی ہو' اس کی ایسی مثال ہے کوئی شخص اپنے محبوب کی خاطر لوگوں کی ملامت اور بھلا برا برداشت کرنے سے پریشان ہو رہا ہو اس وقت اس کا محبوب اسی لقب سے پکارے کہ اے پریشان ہونے والے تو دیکھئے اس شخص کو کتنی تسلی ہوگی اور اس لفظ کی لذت اس کو کتنی معلوم ہوگی جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کو خیال ہوگا کہ محبوب کو میرے حال پر نظر ہے ایسا ہی حضور ﷺ کو بھی چادر اوڑھنے والے کے لقب سے یاد کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور بعد اس کے بعض عبادتوں کا حکم دیا ہے اور کافروں کے برا بھلا کہنے پر صبر کرنے کو ارشاد فرمایا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص محبوب کی خاطر برا بھلا برداشت کرتے کرتے پریشان ہو جائے اور اس کا محبوب یہ کہہ کر تسلی دے کہ میاں تم ہم سے باتیں کرو ہم کو دیکھو' دشمنوں کو بکنے دو آؤ تم ہم سے باتیں کرو یہ کام کرو وہ کام کرو' اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تو ایسی تسلی وحی کے ذریعہ سے کی' مگر امت میں جو بزرگ ہیں ان کو الہام وغیرہ کے ذریعہ سے تسلی کی جاتی ہے۔

کاملوں کو بھی مصیبت کے وقت تکلیف ہوتی ہے:

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ انسان کیسا ہی بزرگ کیوں نہ ہو جائے مگر بھی انسانیت کے آثار اس میں باقی رہتے ہیں' آرام میں خوشی اور مصیبت میں رنج وغم اس کو بھی ہوتا ہے جیسا کہ یہاں پر کافروں کے جھٹلانے سے رسول اللہ ﷺ کو رنج وغم ہوا' ہاں اتنا فرق ہے کہ ہم لوگوں کا غم ایسے موقعوں پر بوجہ تنگدلی اور برداشت نہ کرنے کے ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا غم بوجہ شفقت اور رحم کے تھا' آپ کو اس پر غم تھا کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے تو دوزخ میں جائیں گے اس وجہ سے ان پر رحم آتا تھا اور غم پیدا ہوتا تھا' مگر یہ تو ثابت ہوا کہ کاملوں کو بھی رنج وغم ہوتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے' کیونکہ اگر مصیبت میں کسی کو تکلیف ہی نہ معلوم ہو تو پھر صبر کہاں ہوگا' کیونکہ صبر تو نام ہے تکلیف کو ضبط کرنے کا اور جب کسی کو تکلیف ہی نہ معلوم ہو تو ضبط کیا کرے گا البتہ

جب حال کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت تکلیف نہیں معلوم ہوتی' لیکن حالی کا غلبہ خود کوئی کمال کی چیز نہیں۔

مصیبت کے وقت رنج نہ ہونا کمال نہیں اس کے متعلق حکایت:

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ بیٹے کے مرنے کی خبر سنی تو خوب کھل کھلا کر ہنسے اور ادھر حضور ﷺ کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم پر آنسو بہائے اور یہ فرمایا کہ اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی میں غمگین ہیں' اب جو شخص ظاہر کو دیکھنے والا ہو اس کے سامنے اگر یہ دونوں قصے بیان کر دیئے جائیں اور یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ یہ قصہ کس کا ہے اور وہ کس کا تو ضرور یہ شخص پہلے بزرگ کو جو کھل کھلا کر ہنسے تھے زیادہ کامل سمجھے گا حالانکہ یہ بات سب کی مانی ہوئی ہے کہ ولی کسی حال میں نبی ﷺ سے نہیں بڑھ سکتا' اور ولی کو جو کمال بھی حاصل ہوتا ہے نبی سے حاصل ہوتا ہے' سو اصل میں ان دونوں قصوں کی حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگ کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق پر تھی اولاد کے حقوق کی ضرورت دل سے پوشیدہ تھی اس واسطے اولاد کے حقوق کا اثر (یعنی رنج جو کہ شفقت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے) ظاہر نہیں ہوا' اور رسول اللہ ﷺ کی نظر دونوں حقوق پر تھی خدا تعالیٰ کے حقوق پر بھی اور اولاد کے حقوق پر بھی' اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت سے تو صبر کیا اور بے صبری نہیں کی اور اولاد کے حقوق کی وجہ سے ان پر شفقت ظاہر کی جس کی وجہ سے آنسو جاری ہوئے بے رحمی نہیں کی چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انہی بندوں پر رحم کرتے ہیں جو دوسروں پر مہربان ہوتے ہیں۔

(۵) اسی طرح غلطی کی وجہ سے اور بھی بعض باتیں کمال سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں چھپی ہوئی کوئی خرابی ہوتی ہے' جیسے حد سے زیادہ تواضع کرنا بعض دفعہ اس سے ناشکری ہو جاتی ہے' ایسے ہی بعض آدمی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے ذکر و شغل کیا مگر کچھ نفع نہیں ہوا' اور سمجھتے ہیں کہ یہ کہنا تواضع ہے' حالانکہ اس میں ایک تو خدا تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری ہے کہ انہوں نے اپنا نام لینے کی دولت اس کو عنایت فرمائی اس کے علاوہ ایک نقصان یہ

بھی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذکر وشغل کو اس قابل سمجھا ہے کہ اس کو قبول کیا جائے اور اس کے انعام میں ان کو بڑا رتبہ دیا جائے اور یہ تکبر اور بڑائی ہے' یہ نفس کے بڑے بڑے مکر ہیں' ان لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ خدا کا نام لینا ایک بڑی بھاری نعمت ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی مرید اس قسم کی شکایت کرتا کہ حضرت ذکر و شغل سے کوئی کیفیت پیدا نہ ہوئی تو آپ فرماتے کہ خود ذکر کی توفیق ہونا کیا تھوڑی نعمت ہے جو اور فائدوں کی آرزو کرتے ہو کسی مرید نے حضرت سے بیان کیا تھا کہ میں نے اب کے چلہ کھینچا' اور روزانہ سوا لاکھ دفعہ اللہ اللہ پورا کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا' شاید حضرت مجھ سے کچھ ناراض ہیں جو کچھ فائدہ نہ ہوا' فرمایا کہ اگر میں ناراض ہوتا تو تمہیں سوا لاکھ دفعہ ذکر اللہ پڑھنے کی توفیق ہی کہاں ہوتی اور جو لوگ ذکر وشغل سے کیفیتیں چاہتے ہیں کہ خوب جوش پیدا ہو جائے یا ذکر میں مزہ آنے لگے یا کچھ دکھلائی دینے لگے وغیرہ وغیرہ ایسے لوگ بڑی غلطی میں ہیں کیونکہ ذکر وشغل سے یہ فائدے اصل مقصود نہیں ہیں بلکہ ذکر سے اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور جنت اور خدا تعالیٰ کا دیدار ہے' افسوس ہے کہ لوگ عشق میں مجنوں سے بھی کم ہیں' وہ تو لیلےٰ کے نام کی مشق ہی کو بڑا مقصود سمجھ رہا ہے' مگر یہ لوگ دوسری چیزوں کی تلاش میں ہیں مجنوں کا قصہ ہے کہ وہ جنگل بیابان میں اکیلا بیٹھا ہوا زمین پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا تھا کہ ایک شخص کا اس طرف گزر ہوا تو اس نے پوچھا کہ میاں مجنوں یہ کیا کر رہے ہو' یہ خط کس کو لکھ رہے ہو' کہا کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں تاکہ دل کو کچھ تسلی ہو پس جب مجنوں کا لیلیٰ کے عشق میں یہ حال تھا تو مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے۔

ایک بزرگ کو غیب سے آواز آئی کہ تمہاری عبادت قبول نہیں ہوتی انہوں نے اس پر بھی عبادت کو نہ چھوڑا بلکہ بدستور اسی طور پر عبادت کرتے رہے' کسی نے ان سے کہا کہ جب تمہاری عبادت قبول نہیں ہوتی تو پھر عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے انہوں نے کیا اچھا جواب دیا کہ بھائی اگر کوئی اور دروازہ ہوتا تو اس کو چھوڑ کر اس دروازہ پر چلا جاتا'

جب دوسرا دروازہ ہی نہیں' پھر اور کہاں جاؤں اور کیا چارہ کروں بس یہ کہتا تھا کہ فوراً غیب سے آواز آئی کہ جب ہمارے سوا تمہارا اور کوئی نہیں تو خیر جیسے کچھ بھی ہو ہمیں قبول ہے' غرض عبادت میں تو سوائے خدا کی رضامندی کے اور فائدے طلب کرنا ایک قسم کی مزدوری ہے جو خلوص ومحبت کے بالکل خلاف ہے۔

(۶) حکیم ترمذی رحمہ اللہ ایک بزرگ گزرے ہیں جوانی میں ایک عورت ان پر عاشق ہوگئی تھی اور ان کی تلاش میں تھی' آخر ایک دن اس کا موقع پڑا اور ایک باغ میں ان کو دیکھا اور وہ باغ چاروں طرف چار دیواری کی وجہ سے بند تھا' وہاں پہنچ کر ان سے اپنے مطلب کی درخواست کی یہ گھبرائے اور گناہ سے بچنے کی غرض سے بھاگ کر دیوار سے کود پڑے' اس قصہ کے بعد ایک روز بڑھاپے کے زمانہ میں دل میں یہ وسوسہ آیا کہ اگر میں اس عورت کا مطلب پورا کر دیتا اور پیچھے توبہ کر لیتا تو یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا اور اس عورت کا بھی دل نہ ٹوٹتا' اس وسوسہ کا آنا تھا کہ بہت پریشان ہوئے اور روئے کہ افسوس جوانی میں تو میں اس گناہ سے اس کوشش سے بچا اور آج بڑھاپے میں یہ حال ہے' معلوم ہوتا ہے کہ میں نے عبادت میں جو کچھ محنت ومشقت کی ہے وہ سب غارت اور اکارت ہوگئی' جب بہت رنجیدہ ہوئے تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں اے حکیم! کیوں غم کرتے ہو تمہارا درجہ وہی ہے اور جو کچھ تم نے کیا وہ اکارت نہیں گیا' اور اس وسوسہ کی وجہ یہ تھی کہ یہ زمانہ وسوسہ کا میرے زمانہ سے دور ہو گیا تھا' اور اس گناہ سے بچنے کی یہ وجہ تھی کہ وہ زمانہ میرے زمانہ کے قریب تھا' اور نبی سے جو زمانہ قریب ہے اس میں برکت ہوتی ہے' ایک بزرگ رحمہ اللہ اسی وجہ سے باسی روٹی کو پسند فرمایا کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہے اور تازی بہ نسبت باسی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دور ہے سبحان اللہ' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زمانہ میں یہ برکت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر چلنے میں کیسی برکت ہوگی۔

ایک حکیم صاحب کا حدیث کے موافق علاج کرنا:

ایک مولوی صاحب جو حکیم بھی تھے مجھ سے اپنا قصہ بیان فرماتے تھے کہ مجھ کو بخار آنے لگا' ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر میں نے اس حدیث کے موافق علاج کرنے کا ارادہ کیا جس میں بخار کے لیے غسل کرنے کو فرمایا ہے' پس میں نے نہر میں غسل کیا اس علاج سے مجھ کو آرام ہوگیا اور اس کے بعد مجھے اور بیماریاں تو ہوئیں مگر بخار کبھی نہیں ہوا۔

(۷) حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اسے چادر اوڑھنے والے فرما کر یاد کیا اور اس کے بعد حکم بیان فرمائے ہیں' حاصل ان کا یہ ہے کہ تعلق دو طرح کے ہیں ایک خالق کے ساتھ دوسرا مخلوق کے ساتھ' اول تعلق خالق کے ساتھ ہے اس کے بارہ میں عبادت کرنے کا حکم دیا' اور اس کے لیے رات کا وقت مقرر فرمایا جو کہ نہ بھوک کی تکلیف کا وقت ہے اور نہ پیٹ کے بوجھل ہونے کا کہ طبیعت بھاری اور سست ہو اور عبادت میں دل نہ لگے' بلکہ ایسا وقت مقرر فرمایا جو دونوں تکلیفوں سے خالی ہے اور طبیعت ہلکی ہوتی ہے اور ہمیں فرشتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے کیونکہ ان کی یہی شان ہے کہ نہ بھوک لگے نہ کھانے سے بوجھل ہوں' اور اس وقت میں یکسوئی بھی ہوتی ہے اور جیسے کہ اس کے لیے ایسا مناسب وقت مقرر کیا' اسی طرح اس کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھا کہ آپ پر سختی اور دشواری نہ ہو' چنانچہ ساری رات عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا' کیونکہ اس میں دشواری تھی' بلکہ کچھ حصہ سونے کے لیے بھی رکھا اور چونکہ ہر شخص کی ایک سی حالت نہیں ہوتی اس لیے ایک خاص مقدار مقرر نہیں کی بلکہ آدھی رات یا دو تہائی رات یا ایک تہائی ان میں سے جو آسان ہو اس پر عمل کرنے کا اختیار دیا کہ اگر رات کے زیادہ حصہ میں عبادت نہ ہو سکے تو تھوڑا ہی سہی' حدیث میں ہے...... وشيء من الدلجة یعنی اور اخیر رات میں سے کچھ وقت عبادت میں خرچ کرے غرضیکہ درمیانی طور پر عبادت کرنے کا حکم دیا تا کہ اس پر ہمیشگی کر سکے' کیونکہ جو کام زیادتی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس میں نباہ

نہیں ہو سکتا' اور جو درمیانی طور پر کیا جاتا ہے اس پر نباہ ہو سکتا ہے اور رات میں جو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے' مراد اس سے تہجد ہے' پہلے یہ فرض تھا' بعد میں فرض تو نہیں رہا لیکن سنت مؤکدہ باقی رہا۔

تہجد سے محروم رہنے والوں کی غلطیاں:

تہجد سے محروم رہنے والوں کو اکثر غلطیاں ہو رہی ہیں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تہجد صرف اخیر ہی رات میں ہوتا ہے اور اس وقت اٹھنا دشوار ہے اس لیے انہوں نے اس کو چھوڑ رکھا ہے' یاد رکھو کہ اگر اخیر رات میں نہ اٹھ سکے تو اول رات میں بھی وتر سے پہلے تہجد پڑھنا ممکن ہے بعض یہ سمجھ رہے ہیں کہ تہجد کے بعد سونا نہیں چاہیے اور سونے سے تہجد جاتا رہتا ہے' یہ لوگ اس لیے نہیں اٹھتے کہ تہجد پڑھ کر جاگنا پڑے گا یہ بھی غلطی ہے' تہجد کے بعد سونا بھی جائز ہے غرضکہ خدا کے راستہ پر چلنے والے کے لیے تہجد کا پڑھنا ضروری ہے اور اگر کبھی قضا ہو جائے تو زیادہ غم میں نہ پڑے' تہجد کی قضا دن میں کر لے۔

(۸) بعض تجربہ کار بزرگوں کا قول ہے کہ ذکر و شغل کو خوب گھی دودھ کھانا چاہیے ورنہ کمزور ہو جائے گا اور کسی وقت بیکار ہو جائے گا' خوب کھاؤ پیو اور اس سے کام لو البتہ یہ یاد رہے کہ کھانے پینے میں ایسی زیادتی بھی نہ ہو کہ طبیعت سست ہو جائے یا بیمار ہو جائے اور بیمار ہو کر خرابی میں پڑ جائے' اسی لیے قرآن شریف میں جہاں کھانے پینے کی اجازت دی ہے کہ کھاؤ پیو وہیں یہ بھی فرما دیا ہے کہ حد سے نہ گزرو۔

(۹) یہ بیان تھا رات میں عبادت کرنے کا اب اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے دوسرا طریقہ بیان ہوتا ہے ورتل القران ترتیلا یعنی قرآن کو صاف صاف پڑھو' پھر ارشاد ہوتا ہے کہ بیشک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے' اس میں رات کے وقت عبادت کرنے کی مصلحت بیان کی گئی ہے کہ رات کو اٹھنے کے وقت چونکہ شور وغل نہیں ہوتا اور اس وقت کھانے کمانے کا بھی وقت نہیں ہوتا اس لیے دل ایک طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس وقت جو کچھ زبان نے پڑھا

جاتا ہے دل کو اس سے بہت تاثیر ہوتی ہے اور اس وقت جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا اثر خوب ہوتا ہے اب اس کے بعد عبادت اور قرآن شریف کی تلاوت کے لیے رات کا وقت مقرر ہونے کی ایک اور مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ **ان لك فی النهار سبحا طویلا** یعنی بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتے ہیں اس لیے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی اور رات کا فرصت کا وقت ہے اس لیے دن کا وقت مقرر نہیں کیا بلکہ رات کا وقت مقرر کیا گیا اور دن میں آپ کو بہت سے کام رہتے تھے' مخلوق کو ہدایت کرنا' دین پھیلانے کی کوشش کرنا وغیرہ وغیرہ' گو یہ کام بھی دین ہی کے ہیں مگر ان میں ایک قسم کا تعلق مخلوق سے بھی ہوتا ہے' اس لیے اس میں خاص اس قسم کی توجہ خدا تعالیٰ کی طرف نہیں ہو سکتی جیسی خاص خلوت وتنہائی میں ہو سکتی ہے' اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مخلوق کی طرف مشغول ہونا کمال کے خلاف نہیں' پس کامل پر بھی ہر وقت ایک حالت ہی نہیں رہتی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے' اور کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا کہتے ہو' حضرت حنظلہ نے کہا کہ بات یہ ہے کہ ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو کچھ اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے کچھ اور' اس لیے میں اپنے کو منافق کہتا ہوں' اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حالت تو ہماری بھی ہے" آخر یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میاں حنظلہ رضی اللہ عنہ کوئی گھڑی کیسی اور کوئی گھڑی کیسی ہر وقت ایک سی حالت نہیں رہ سکتی۔

(۹) اور یہاں ایک فائدہ غور کرنے کے قابل معلوم ہوتا ہے' وہ یہ ہے کہ جو عبادتیں ایسی ہیں جن سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے وہ ان عبادتوں سے بڑھ کر ہیں جن سے صرف اپنا ہی نفع ہوتا ہے' اسی لیے کامل دوسروں کو نفع پہنچانے کی زیادہ کوشش کرتا ہے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں مخلوق کی ہدایت میں لگے رہتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں تہجد اور قرآن شریف پڑھنے کا بھی حکم دیا گیا اس سے یہ ثابت ہوا کہ کامل کو

اپنے لیے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے بعد کامل ہونے کے بھی ذکر سے غفلت نہ چاہیے اور اگر غفلت کریگا تو نہ خود اس کا وہ حال رہے گا جو محنت مشقت سے حاصل کیا ہے اور نہ دوسروں کو اس سے پورا نفع پہنچے گا' کیونکہ بدون خود کیے ہوئے دوسروں کو سکھلانے میں برکت نہیں ہوتی' البتہ یہ غلطی ہے کہ کامل سب سے تعلق چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے تنہائی اختیار کرلے بلکہ چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کرے لیکن خود اپنے کو اس قابل نہ سمجھنے لگے' البتہ جب پیر اجازت دیدے تو پیر کے حکم سے اس کام کو بھی شروع کر دے لیکن پہلے سے اس کی نیت کرنا کہ جب ہماری حالت درست ہو جائے گی تو دوسروں کی اصلاح کریں گے اور اس نیت سے ذکر و شغل کرنا بہت ہی نقصان پہنچاتا ہے اور اس نیت کے ساتھ مقصود حاصل ہونا بہت مشکل ہے۔

(۱۰) دوسرا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو اپنے دوستوں اور موافق لوگوں کے ساتھ' دوسرے دشمنوں اور مخالف لوگوں کے ساتھ دوستوں کے ساتھ چونکہ محبت کا تعلق ہوتا ہے اس لیے ان کے حقوق تو محبت کے تقاضے سے خود بخود ادا ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے بیان کرنے کی ایسی زیادہ حاجت نہ تھی' البتہ مخالف اور دشمن کے ساتھ معاملہ میں کمی زیادتی ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لیے اس کا بیان پورے طور پر کیا گیا کہ یہ لوگ جو جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ' مطلب یہ کہ مخالف لوگوں کی تکلیفوں اور دشمنیوں پر صبر کیجئے اور ان سے اچھے طور پر علیحدہ رہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ سختی سے ان کی دشمنی اور بھڑک اٹھے اور زیادہ تکلیف پہنچائیں' پھر جب صبر کا حکم دیا تو ان کے آسان کرنے کے لیے آپ کی تسلی کرتے ہیں کہ دشمنوں کے معاملہ کو ہم پر چھوڑ دیجئے ہم ان سے پورا بدلہ لیں گے' یعنی یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے تابعدار بندوں کے دشمنوں سے پورا بدلہ لیتے ہیں' اس لیے مناسب یہی ہے کہ صبر اختیار کیا جائے کیونکہ جب اپنے پاس زبردست بدلہ لینے والا موجود ہے تو خود آپ کیوں فکر کریں۔ چنانچہ اسی عادت الٰہی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کہ دشمنوں کو

آخرت اور دنیا دونوں میں رسوائی ہو جاتی ہے۔

(۱۱) صوفیوں نے کمبل اور موٹا کپڑا پہننا اس لیے اختیار کیا تھا کہ جلدی نہ پھٹے، جلدی میلا نہ ہو اور بار بار دھونا نہ پڑے اور بعض صوفیوں نے اس شفقت کی وجہ سے اپنی یہ علامت مقرر کی تھی کہ بعض لوگ ان کو ناواقفی سے ستاتے تھے اور اس وجہ سے وبال میں پڑ جاتے تھے اس لیے انہوں نے ایک علامت مقرر کی تا کہ لوگ ان کو پہچان جائیں اور ناواقفی میں ستانے...... کے وبال سے بچے رہیں، پس یہ حکمتیں تھیں اس قسم کے کپڑے پہننے میں، اور اب تو صرف دکھلاوہ کی غرض سے پہنتے ہیں اس لیے اب اس لباس کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ فقط

ملتقت

❁❁❁

(۲۷) گناہوں کا سرسری سمجھنا

منتخب از استخفاف المعاصی وعظ پنجم دعوات عبدیت

جلد اول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ:

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِکُمْ مَّالَیْسَ لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ
وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌO

ترجمہ: ''جبکہ تم اس کو اپنی زبانوں سے ایک دوسرے سے سن سنا کر نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔''

اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں:

(۱) یہ سورۂ نور کی آیتیں ہیں ان میں تہمت اور بہتان کے ہلکا سمجھنے کی برائی بیان کی گئی ہے اور اس کے ہلکا سمجھنے پر اللہ تعالیٰ نے خفگی ظاہر کی ہے اور خوب ڈانٹا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا خاص اسی گناہ کو ہلکا اور سرسری سمجھنا برا ہے یا ہر گناہ کو' سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی گناہ کی خصوصیت نہیں' ہر گناہ کو ہلکا سمجھنا برا ہے' رہا یہ شبہ کہ بعض گناہ چھوٹے بھی تو ہیں' سو یہ چھوٹا ہونا اس معنی کے نہیں ہے کہ یہ خود ہلکے اور چھوٹے ہیں بلکہ ان کا چھوٹا ہونا بہ نسبت اور گناہوں کے ہے کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے اور دوسرا

اس سے چھوٹا' ورنہ اصل میں سب گناہ بڑے ہی ہیں کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہیے' کیونکہ گناہ نام ہے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کسی قسم کی ہو بہت ہی بری ہے اور اس چھوٹے بڑے ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے پہلا آسمان عرش سے تو چھوٹا ہے مگر حقیقت میں کوئی چیز چھوٹی نہیں ہے' دوسری مثال ناپاکی اور پلیدی کی ہے کہ پلیدی چاہے تھوڑی ہو یا بہت مگر حقیقت تو دونوں کی پلیدی ہی ہے غرض اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی بری ہے پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ گناہ جونسا بھی ہو اس کا ہلکا سمجھنا برا ہے گناہ کی مثال تو آگ کی سی ہے کہ ایک چنگاری بھی مکان کے جلانے کے لیے کافی ہے اور بڑا انگارہ بھی پس چھوٹا گناہ چنگاری ہے اور بڑا گناہ انگارہ ہے پس یہ جو بعضے لوگوں کی عادت ہے کہ جب انہیں کسی گناہ سے روکا جاتا ہے تو اول یہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ چھوٹا گناہ ہے یا بڑا اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ اگر بڑا گناہ ہو تو بچیں اور چھوٹا ہو تو نہیں ہم ایسے شخص سے اجازت لیتے ہیں کہ لاؤ تمہارے چھپر میں چھوٹی سی چنگاری رکھ دیں' اگر یہ ناگوار ہے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کیسے گوارا ہے وہ چنگاری کو چھوٹی ہو مگر پھیلتے پھیلتے انگارہ ہو جائے گی۔

توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا حماقت ہے:

اسی طرح آدمی اول چھوٹا گناہ کرتا ہے اور وہ چھوٹا نہیں اس لیے اس کی عادت ہو جاتی ہے اور عادت کر لینے سے وہ چھوٹا گناہ بھی بڑا گناہ ہو جاتا ہے اور زیادہ مدت تک کرتے رہنے سے آدمی اس کو ہلکا بھی سمجھنے لگتا ہے اس وجہ سے وہ اور بھی بڑا گناہ ہو جاتا ہے اور بعض توبہ کے بھروسہ گناہ کرتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ گناہ کی جب عادت ہو جاتی ہے پھر توبہ بھی مشکل ہو جاتی ہے کیونکہ نئے گناہوں سے جن کی لذت ابھی دل میں نہیں رچی توبہ کرنا آسان ہے اور عادت کے بعد گناہ سے توبہ بہت مشکل ہے' علاوہ اس کے جب چھوٹے گناہوں سے پرہیز نہیں کیا جاتا ہے تو طبیعت بے باک ہو جاتی ہے اور دل کھل جاتا ہے' پھر ہوتے ہوتے بڑے گناہ بھی ہونے لگتے ہیں جیسے صاف کپڑے کو بارش میں کیچڑ وغیرہ سے بچاتے ہیں اور جب اس کپڑے پر بہت چھینٹے پڑھ جاتے ہیں تو

پھر دامن کھلا چھوڑ دیتے ہیں اس خیال سے کہ اب تو خراب ہو گیا' اب کیا بچائیں' چنانچہ اب وہ بالکل خراب ہو جاتا ہے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی' ایسا ہی گناہ کا معاملہ ہے کہ جب کسی چھوٹے گناہ کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر بڑے گناہوں سے بھی بچنے کی پرواہ نہیں ہوتی اور جس گناہ کی عادت ہو جاتی ہے اور وہ پرانا ہو جاتا ہے تو پھر وہ چھوٹتا بھی نہیں جیسے کہ زمینداروں اور کاشتکاروں وغیرہ کو غصہ اور ظلم اور شریعت کے خلاف خریدنے بیچنے کی عادت ہوگئی ہے' چنانچہ دیکھ لیجئے کہ آم اور بیر کی بہار شریعت کے خلاف طریقہ سے بیچنے کا رواج ہو رہا ہے اور یتیموں نابالغوں کے مال کو خرچ کر لیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے' یہ گناہ کس طرح بے کھٹکے کرتے ہیں اور خیال میں بھی نہیں لاتے البتہ شراب نہیں پئیں گے تو یہ فرق اسی عادت کے ہونے نہ ہونے سے ہے ورنہ جیسے شراب پینا گناہ ہے ایسے ہی یہ باتیں بھی تو گناہ ہیں' پس ثابت ہو گیا کہ گناہ کی عادت ہو جانے سے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اس کی برائی دل سے نکل جاتی ہے اور اس کو اچھا سمجھنے لگتا ہے اس لیے توبہ مشکل ہو جاتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو صرف زبانی توبہ ہوتی ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ ابھی جن گناہوں کا ذکر ہوا ہے ان سے توبہ تو کیسی اور الٹے ان کے چھوڑنے کو عزت کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ گناہ کر کے دل برا نہیں ہوتا' حالانکہ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ نیکی کر کے دل خوش ہو اور گناہ کر کے دل برا ہو' غرضیکہ گناہ کی عادت ہو جانے سے پھر توبہ مشکل ہو جاتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا نہایت بے وقوفی ہے مگر بعض نادان پھر بھی دھوکے میں ہیں اور توبہ کے توقع پر گناہوں پر دلیری کرتے ہیں اس شخص کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے پاس مرہم ہو اور اس کے بھروسہ پر وہ اپنی انگلیاں آگ میں جلا لیتا ہو' کیا یہ شخص پورا بے وقوف نہیں ہے' کیا کسی عقلمند نے کبھی ایسا بھی کیا ہے' جب اسے اپنی انگلیاں آگ میں جلا لینے کی ہمت نہیں پڑتی تو دوزخ کی آگ تو اس آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہے' پھر اس پر کیسی دلیری اور ہمت کی جاتی ہے۔

توبہ میں دیر کرنے کی وجہ اور اس کی خرابیاں:

بعضے لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں کام کر کے توبہ کریں گے حالانکہ اس

کی خبر ہی کیا ہے کہ پھر توبہ کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں' یہ بھی تو اندیشہ ہے کہ پھر ایسے کاموں میں پھنس جائے کہ ان کی مشغولی سے اتنی مہلت ہی نہ ملے اس لیے اس وقت کی فرصت اور فراغت کو غنیمت سمجھو بعض لوگ اس فراغت کی قدر نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت بڑی قدر کی چیز ہے' چنانچہ ایک حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پانچ چیزوں کو ان کے جاتے رہنے سے پہلے غنیمت سمجھو' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی فراغت کی قدر معلوم ہوتی ہے وہ بیچارے ہر وقت بلا میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو کوئی وقت فرصت کا اور سوچنے کا نہیں ملتا' اور اسی حدیث شریف میں ایک دوسری چیز کا ذکر ہے کہ صحتك قبل سقمك یعنی تندرستی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو' تیسری چیز ہے جوانی بڑھاپے سے پہلے اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو شخص امن چین اور تندرستی کے ساتھ صبح کرے اور اس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو تو گویا اس کو دنیا کی ساری چیزیں مل گئیں' واقع میں یہی بات ہے' کیونکہ اگر زیادہ بھی ہو اتب بھی اس کے کھانے میں تو ہر روز ایک ہی روز کی خوراک آئے گی پس اس میں زیادہ مال والا اور صرف ایک دن کی خوراک والا برابر ہے۔

زیادہ مال کے کار آمد نہ ہونے کے متعلق ایک حکایت:

چنانچہ اسی زمانہ کے ایک مالدار یہودی کی حکایت ہے کہ وہ ایک روز اپنے خزانہ کو دیکھنے گیا جو زمین کے نیچے بڑے مکان میں تھا اور وہ مکان کبھی کبھی کھلتا تھا' اتفاق سے اس کو وہاں دیر لگ گئی اور کسی کو خبر تھی نہیں کہ مالک خزانہ اندر ہے اس لیے نوکروں نے دروازہ بند کر لیا اور وہ بہت بڑا مکان تھا اور دروازوں کا سلسلہ بڑی دور تک تھا اور یہی اتنی دور تھا کہ وہاں سے آواز باہر نہیں آسکتی تھی' غرضکہ وہ یہودی مالدار وہاں جواہرات کے ڈھیروں میں بھوکا پیاسا مر گیا' اس وقت کوئی اس سے پوچھتا تو اس کے نزدیک ایک بسکٹ اور پانی کے گلاس کے سامنے سارا خزانہ ہیچ تھا' ایسی ہی ایک اور حکایت ہے کہ کسی بھوکے کو راستہ میں ایک تھیلی ملی کھول کر جو دیکھا تو اس میں اشرفیاں تھیں اس نے پھینک کر زمین میں ماریں اور افسوس کیا اور کہا کہ اگر یہ گیہوں کے دانے ہوتے تو کچھ کام آتے' خلاصہ یہ کہ فراغت اور صحت اور ضروری خرچ کی چیزیں بہت غنیمت ہیں' یہ ہر وقت میسر نہیں آتیں

اس لیے اس کو غنیمت سمجھیں اور اس وقت کی فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور توبہ بہت جلدی کرے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسہ پر توبہ نہ کرنی بڑی غلطی ہے:

بعضے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور معافی کے ناز پر توبہ نہیں کرتے حالانکہ رحمت اور معافی کی خبریں اس لیے دی گئی ہیں کہ توبہ کرنے والے کو ناامیدی نہ ہو اور یہ خبریں اور اس لیے نہیں ہیں کہ اور دلیر ہو کر گناہ کرو بلکہ خدا تعالیٰ کے احسان اور رحمت کی خبریں سننے کا اثر تو یہ ہونا چاہیے تھا' کہ اور بھی تابعداری زیادہ کرتے نہ کہ اور گستاخی اور نافرمانی کی جائے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اور زیادہ محبت اور تابعداری کرتا ہے' نہ گستاخی اور نافرمانی اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ واقعی احسان کا اثر تو یہ ہونا چاہیے کہ تابعداری اور زیادہ کرتے' مگر گناہوں میں لذت ہی ایسی ہے کہ ان کو چھوڑنا دشوار ہو گیا ہے۔

گناہوں کی لذت کی مثال:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کی لذت ایسی ہے جیسے کھجلی کی لذت کہ خود اس میں کچھ لذت نہیں صرف بیماری کی وجہ سے لذت معلوم ہوتی ہے' پھر کھجانے کے بعد فوراً جلن اور تکلیف ہونے لگتی ہے' سو یہ دراصل بیماری ہے' جیسا سانپ کے کٹے ہوئے کو کڑوا بھی میٹھا معلوم ہونے لگتا ہے' سو کوئی عقلمند تندرستی کے مقابلہ میں ایسی لذت کو نفع کی چیز نہیں سمجھ سکتا البتہ اصلی لذت عبادت میں ہے' چونکہ ان لوگوں نے ابھی عبادت اور پرہیز گاری میں لذت چکھی نہیں اس لیے گناہ اور نفس کی لذتوں کی ان کو رغبت ہوتی ہے' آخرت اور پرہیز گاری کی لذت حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھیے کہ کس طرح اس کے پیچھے بادشاہت کی لذت چھوڑ دی تھی' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس لذت کے پیچھے بادشاہی کپڑے پہننے چھوڑ دیئے تھے اور غریبوں کے سے کپڑے پہننے اختیار کیے تھے اور بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنجر کے بادشاہ نے نیمروز کا ملک دینا چاہا آپ نے انکار کر

دیا اور فرمایا کہ اگر سنجر کے ملک کی ذرا سی ہوس بھی ہمارے دل میں ہو تو ہمارا مقدر خدا کرے آپ کے چتر[1] کے مانند سیاہ ہو جائے اور ہمیں چونکہ آدھی رات کے ملک کی خبر لگ گئی ہے یعنی رات کی عبادت کا مزا پڑ گیا ہے اس لیے ہم نیمروز کے ملک کو ایک جو کی قیمت میں بھی نہیں لیتے۔

خاقانی فرماتے ہیں مجھے بیس سال کے بعد اس کا یقین ہو گیا کہ خدا کے ساتھ ایک دم مشغول ہونا حضرت سلیمان کے ملک سے بہتر ہے' اور واقعی یہ تمام گناہوں کی لذتیں اصل میں جان کے لیے عذاب ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کو کافروں کے مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں' کیونکہ خدا تعالیٰ دنیا کی زندگی میں مال اور اولاد کے ساتھ ان کو عذاب دینا چاہتے ہیں' مال واولاد کے عذاب ہونے کی ایک تو یہی وجہ ہے کہ ان سب چیزوں کا مرضی کے موافق حاصل ہونا اختیار میں نہیں اور اگر حاصل بھی ہو گئیں تو ان سب کی مشغولی کی وجہ سے جو پریشانی اور بے آرامی ہوگی' یہ دوسرا عذاب ہے' حقیقت میں آرام تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں ہے قرآن شریف میں ہے:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب' یعنی خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے' یہ تکلیفیں تو گناہ کی وجہ سے خود گناہ کرنے والے ہی کو ہوتی ہیں۔

ساری مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور اس کے متعلق ایک بزرگ کی حکایت جو خدا تعالیٰ کی تابعداری کرتا ہے' ہر چیز اس کی تابعداری کرتی ہے اور اس پر حاجی صاحب کے حکایت!

اور بعض مصیبتیں ملکوں اور شہروں میں پھیلتی ہیں' چنانچہ ان ہی گناہوں کی بدولت طرح طرح کی بیماریاں طاعون اور دوسری وبائی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ نااتفاقیاں وغیرہ ظاہر ہوتی ہیں اور گناہوں سے مصیبتوں کا آنا خود قرآن شریف سے ثابت ہے' فرماتے ہیں کہ تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کیے ہوئے کی بدولت ہے' ایک بزرگ

[1] جب بادشاہ کی سواری نکلتی ہے تو دھوپ سے بچانے کے لیے وہ بادشاہ کے سر پر کھنچا ہوا رہتا ہے ۱۲ منہ

گھوڑے پر سوار تھے وہ شوخی کرنے لگا فرمانے لگے آج ہم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے اس کی وجہ سے یہ گھوڑا شوخی کرتا ہے اور کہنا نہیں مانتا' پھر توبہ کی تو گھوڑا سیدھا ہو گیا' اور حقیقت میں یہی بات ہے کہ جو شخص خدا کے حکم سے نہیں پھرتا اس کے حکم سے بھی کوئی نہیں پھرتا' اور جو کوئی خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس سے جن اور انسان ہر چیز ڈرتی ہے' اس کے مناسب جناب پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ پیران کلیر سے لوٹتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے' لوگوں نے آپ کو ایک مکان میں اتار دیا جہاں ایک جن تھا جس نے بہت تکلیف پہنچا رکھی تھی اور اس کی وجہ سے مکان بالکل خالی چھوڑ دیا گیا تھا' جب حضرت رات کی تہجد میں اٹھے دیکھتے کیا ہیں کہ مکان اندر سے بند ہے کنڈی لگی ہوئی ہے اور نہ معلوم کہاں سے ایک آدمی آیا اور اس نے سلام کیا اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا' حضرت نے تعجب سے پوچھا تم کون ہو اور کدھر سے آئے ہو اس نے عرض کیا میں ایک جن ہوں اور میری ہی وجہ سے یہ مکان خالی پڑا ہے مجھے حضرت سے ملنے کا اشتیاق تھا اس لیے زیارت کو آیا ہوں' حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم سے محبت کا دعویٰ اور یہ ناشائستہ حرکت تم کو خدا کا خوف نہیں کہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہو اس نے وعدہ کیا کہ میں اب کسی کو تکلیف نہیں دوں گا اس کے بعد وہ جن اس مکان سے چلا گیا اور وہ مکان آباد ہو گیا' تو حضرت کا یہ اثر جن پر خدا تعالیٰ کی تابعداری کرنے کی وجہ سے تھا۔

دریائے نیل کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رقعہ کی وجہ سے جاری ہونے کا قصہ

تاریخ کی کتابوں میں یہ حکایت لکھی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا' لوگوں نے آپ سے عرض کیا' آپ نے فرمایا کہ کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے اور لوگ ایسے وقت کیا کیا کرتے ہیں' لوگوں نے کہا یہاں یہ رسم ہے کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو ایک کنواری لڑکی کو بناؤ سنگار کر کے اس میں ڈال دیتے ہیں' دریائے نیل پھر جوش مار کر بہنے لگتا ہے' آپ نے فرمایا اسلام کے آنے کے بعد اب ایسا کبھی نہ ہو گا اور یہ سب حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک رقعہ دریائے نیل کے نام لکھ کر بھیجا جس کا مضمون تھا کہ اگر تو اپنی خوشی

سے چلتا ہے تو ہم کو تیری حاجت نہیں اللہ تعالیٰ رزق پہنچانے والے ہیں اور اگر خدا کے حکم سے چلتا ہے تو شیطان کے تصرف سے کیوں بند ہوتا ہے اس رقعہ کے ڈالتے ہی دریا کو جوش ہوا اور ہمیشہ کے لیے بہنے لگا اور وہ بری رسم موقوف ہوگئی یہ ساری برکت صرف خدا تعالیٰ کے تابعدار بن جانے کی ہے حقیقت میں جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی طلب کرتا ہے اس کے لیے سب باتیں آسان ہو جاتی ہیں غرضیکہ ثابت ہوگیا کہ عبادت ہی آرام کا سبب ہے اور گناہ تکلیف کا سبب ہے آج کل اول تو گناہ کو مصیبت اور تکلیف کا سبب ہی نہیں سمجھتے اور اگر کوئی یہ سمجھتا بھی ہے تو اپنے گناہوں کو نہیں بلکہ دوسروں کے گناہوں کو چنانچہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اپنے گناہ کو نہیں دیکھتے بلکہ دوسروں کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ مصیبت ان کی وجہ سے آئی ہے پہلے بزرگوں کی حالت اس کے خلاف تھی ان کا یہ حال تھا کہ جب کوئی مصیبت آتی تو یہ خیال کرتے تھے کہ ہمارے ہی گناہوں کی وجہ سے بلا آئی ہے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت بارش نہیں ہوتی دعا کیجئے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں شاید بارش میری وجہ سے نہیں ہوتی میں یہاں سے چلا جاتا ہوں بارش ہوگی چنانچہ وہاں سے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری وجہ سے مخلوق پر عذاب نہ دیجیے بارش نازل کر دیجیے بس دعا کرنا تھا کہ بارش ہوگئی ہم لوگوں کو اپنے گناہوں پر نظر کرنا چاہیے مگر آجکل بجائے گناہ کے اپنی خوبیوں پر نظر ہوتی ہے حالانکہ وہ خوبیاں ہی کیا ہیں اور اس کی خبر نہیں کہ ہماری نیکیاں خدا تعالیٰ کی درگاہ کے قابل ہرگز نہیں ہوسکتیں تو بس یہ سب ہمارا دعویٰ اور گمان ہی ہے یہ لوگ اپنے جن کاموں پر ناز گھمنڈ کرتے ہیں وہ صرف ان کے گمان ہی میں نیک ہیں ورنہ حقیقت میں بے قاعدہ ہونے کی وجہ سے وہ قبول ہونے کے لائق بھی نہیں مثال کے طور پر مجھے یاد آیا کہ ایک صاحب بے طریقہ پنکھا جھلنے لگے مجھ کو ناگوار ہوا اب وہ صاحب تو سمجھتے ہوں گے کہ ہم خدمت کر رہے ہیں اور آرام دے رہے ہیں مگر یہاں اور الٹی تکلیف ہو رہی ہے اور بعض لوگ اپنے ہی گناہوں کو مصیبتوں کا سبب سمجھ کر عبادت اور توبہ میں مشغول ہوتے ہیں مگر اس عبادت اور توبہ میں پہلے ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ

جب یہ مراد حاصل ہو جائے گی تو اس کو چھوڑ دیں گے جیسے طاعون کے زمانہ میں بہت لوگ نماز پڑھتے ہیں' مگر جہاں طاعون ختم ہوا اس کے ختم کے ساتھ ہی نماز کو بھی چھوڑ دیتے ہیں' یہ تو بالکل دھوکہ کی صورت ہوگئی' اسی بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہم سے اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں دعائیں مانگتا ہے اور جب اس کی تکلیف جاتی رہتی ہے تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا تکلیف دور کرنے کے لیے ہم سے دعا ہی نہ مانگی تھی' ہمارے ایسے برتاؤ کی سزا تو بہت سخت ہونا چاہیے تھی' مگر یہ ان کی رحمت اور عنایت ہے کہ اتنی خطاؤں اور شوخیوں کے ہوتے ہوئے بھی روزی اور تندرستی ویسے ہی باقی رکھتے ہیں۔

(۳) غرضیکہ ثابت ہو گیا کہ گناہ کا اصل اور انجام کار بھی تکلیف ہی تکلیف ہے تو ایسی چیز میں لذت ہی کیا ہوئی' پس گناہ میں لذت ہونے کا شبہ جاتا رہا اور گناہ کرنے کے لیے کوئی سچ مچ کا عذر نہ رہا اور ثابت ہو گیا کہ گناہ ہلکا سمجھنے کی چیز نہیں' نہ تو اعتقاد میں ہلکا سمجھے' کیونکہ یہ کفر ہے اور نہ برتاؤ میں' کیونکہ یہ دینداری اور عقل کے خلاف ہے حدیث میں ہے کہ ایماندار گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو کہ وہ گرا چاہتا ہے اس لیے اس سے بچتا ہے اور ڈرتا ہے اور منافق[1] گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ایک مکھی ناک پر آبیٹھی اور اس کو ہاتھ سے اڑا دیا' اس لیے بے دھڑک گناہ کرتا ہے اور ڈرتا نہیں' گناہ کا خوفناک ہونا تو بیان ہو چکا۔

آسانی کے ساتھ گناہ چھوٹ جانے کا طریقہ:

اب اس کے علاج کرنے کا ایک طریقہ بیان کیا جاتا ہے جس سے توبہ کرنے کا طریقہ معلوم ہو اور گناہ سے خوف ہو' وہ طریقہ یہ ہے کہ روزانہ ایک وقت مقرر کر کے اس میں مراقبہ کیا کرے اور یہ مضمون سوچا کرے اور پھر نفس سے اس کے ہر کام کا حساب لے چنانچہ اول گناہوں کے نقصان کو سوچے اور پھر اس کے اوپر جو عذاب ہونے والا ہے اس کا خیال کرے پھر یہ دیکھے کہ میں کس کی نافرمانی کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچے

[1] جس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہو۱۲ منہ

اور پھر اپنے برتاؤ کو دیکھے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کر رہا ہے' پھر نفس کو ملامت کرے اور اس کو خوف دلائے اس کے بعد موت اور موت کے بعد کی تمام حالتوں کو سوچے اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ دنیا کی محبت دل سے کم ہوگی جو کہ زیادہ سبب ہے گناہوں کا' حدیث شریف میں ہے کہ لذتوں کو مٹا دینے والی چیز یعنی موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو' مراقبہ کے لیے یہ اشعار بہت مناسب ہیں۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملک روس ہے اور سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اس طرح آواز طبل ادھر صدائے کوس[1] ہے
صبح سے تا شام یوں چلتا ہوے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہر ویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی ایک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو تو قید[2] آز کا محبوس[3] ہے
لے گئی یکبار گی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس[4] ہے
مرقدیں دو چار دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج!!
کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

اس مراقبہ کے بعد ویسے دنیا کی محبت کم ہوگی اور تو بہ بھی نصیب ہوگی' اور گناہ کا مرض خدا کے فضل سے دور ہو جائے گا' فقط!

---

[1] نقارہ [2] حرص
[3] قیدی [4] ناامیدی

(۲۸) معاشرت کے حقوق

منتخب از وعظ ششم دعوات عبدیت (حصہ اول)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ ماثورہ

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ○

ترجمہ: ’’اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کی زیادتی مت کرو۔ اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے اور وہ لوگ سیدھے راستہ سے دور ہو گئے تھے۔‘‘ اس آیت کے متعلق یہ مضمون ہیں

(۱) پہلے میں نے ایک وعظ میں کچھ حقوق کے متعلق بیان کیا تھا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کتنے حق ہیں۔ اور وہ بہت سے ہیں۔ مثلاً سلام کرنا‘ دعوت قبول کرنا‘ بلائے تو جواب دینا چھینکنے کے وقت الحمد للہ کہے تو جواب دینا‘ بیمار ہو تو اس کا مزاج پوچھنے کے لیے جانا مرجائے تو جنازہ میں شریک ہونا۔ یہ حقوق تو پاس ہونے کی حالت کے ہیں اور بعض حقوق پاس نہ ہونے کی حالت کے ہیں۔ جیسے ایک مسلمان کے پیچھے اس کی کوئی غیبت کرے تو اس کو دفع کرنا۔ اس پر کوئی بہتان باندھے اس کا دور کرنا وغیرہ وغیرہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ ان حقوق کے ضروری آداب کسی موقع پر بیان کروں گا۔ تو آج ان کو بیان کرتا ہوں۔

اخلاق وعادات کے لیے بھی خاص آداب ہیں:

جاننا چاہیے کہ اخلاق اور عادات کے لیے بھی کچھ قاعدے مقرر ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ کے لیے حدیں مقرر ہیں کہ جن میں کمی زیادتی کرنے سے ان کا حق ادا نہیں ہوتا۔ پس جس طرح چار رکعت والی نماز پانچ یا تین رکعت پڑھنے سے ادا نہیں ہوتی اور عصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھنے سے ادا نہیں ہوتی یا جیسے رکوع میں قرآن شریف پڑھنا جائز نہیں بلکہ اور گناہ ہے۔ یا جیسے عصر کے وقت تک روزہ رکھنے سے روزہ نہیں ہوتا۔ اور عشا کے وقت تک روزہ رکھنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاق اور عادات کی بھی حدیں مقرر ہیں کہ ان میں کمی زیادتی کرنے سے بندہ کے ذمہ برائی آتی ہے اس لیے ان کے آداب اور ان کی حدوں کو جاننا ضروری ہے آجکل لوگوں کی عادتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آداب سے اکثر لوگوں کو ناواقفیت ہے۔ گویا اس کو دین ہی نہیں سمجھتے اسی لیے اپنی رائے میں جو آیا کر لیا اس لیے ان کے آداب اور احکام بھی دریافت نہیں کرتے۔ اور بعض جاننے والے اخلاق وعادات میں کمی کرنے کو تو برا جانتے ہیں مگر زیادتی کو برا نہیں جانتے' بلکہ ہر طرح کی زیادتی کو پسند کرتے ہیں اور اس کو مقصود سمجھتے ہیں' حالانکہ اس آیت میں زیادتی کی برائی بیان کرنے سے معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح کمی بری ہے اسی طرح زیادتی بھی بری ہے جیسے سلام ہے کہ لوگ اس میں کتنی زیادتی کرتے ہیں کہ ذکر' قرآن' خطبہ' اذان وغیرہ' سب میں آتے جاتے سلام کرتے ہیں مثلاً مشہور ہے اوچھے نے سیکھا سلام' صبح دیکھے نہ شام اس قسم کی زیادتی بھی دین میں پسند نہیں۔ بلکہ اس آیت میں اس کو منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **لاتغلوا فی دینکم** یعنی تم اپنے دین میں ناحق کی زیادتی مت کرو۔ اس کی مثال نسخے کی سی سمجھنا چاہیے کہ جیسے حکیم نسخے میں چھ ماشہ کوئی دوا لکھے تو اگر بیمار یہ خیال کر کے اس کا وزن بڑھا دے کہ یہ چیز جب حکیم نے لکھی ہے تو ضرور فائدہ مند ہوگی۔ اسی طرح شریعت جب روحانی علاج ہے تو اس کے حکموں کی مثال نسخے کی سی سمجھنا چاہیے تو اس میں کمی زیادتی کرنے سے ضرور نقصان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ پس ان سے آگے نہ بڑھو۔

(۲) میں نے اخلاق کے آداب اور حقوق کے بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس لیے آج اس کو پورا کرتا ہوں۔ کیونکہ وعدہ کا پورا کرنا بھی شریعت میں واجب ہے اور لوگ اس میں بھی سستی کرتے ہیں۔ وعدہ پورا کرنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ خیر میں اب ان حقوق اور آداب کا بیان کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک سلام ہے کہ یہ کفایہ کے طور پر سنت ہے یعنی ساتھیوں میں سے اگر ایک بھی سلام کر لے تو سب کے ذمہ سے اتر جاتا ہے۔

سلام کے اندر بے احتیاطیاں:

مگر اس میں یہ بے احتیاطیاں کی جاتی ہیں ایک تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ وقت سلام کا ہے یا نہیں۔ بعض وقتوں میں سلام کرنا منع بھی ہے۔ جیسے عبادت کے وقت' خواہ وہ ذکر ہو یا قرآن یا نماز' ان وقتوں میں سلام کرنا منع ہے۔ کیونکہ ایسے وقت میں سلام کرنا دوسرے کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول کرنا ہے کیا یہ ادب کے خلاف نہ ہوگا۔ ضرور ہوگا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خدا کی یاد میں مشغول ہونے والے کو جو کوئی اپنی طرف مشغول کرنا چاہتا ہے تو اس کو فوراً خدا کا غضب آلیتا ہے۔ ہاں اگر سخت ضرورت آپڑے تو اس وقت ذکر کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنا یہ اور بات ہے۔ جیسے کہ انسان کنویں میں گرنے لگے تو ایسے وقت میں نماز بھی توڑ کر اس کو بچانا ضروری ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ جب عبادت کے وقت سلام ہی کرنا اس وجہ سے منع ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغولی میں خلل نہ آئے تو اور ایسے کام بھی ضرور منع ہوں گے جس سے دوسرے کا دل بٹے جیسے کہ اس کو خبر کرنے کے لیے کھنکھارنا' کھانسنا' یا اس کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ جانا کہ اس سے دوسرے آدمی کی طبیعت پریشان ہوتی ہے اپنے اوپر قیاس کر کے دیکھ لینا چاہیے اگر ہمارے ساتھ یہ برتاؤ ہو تو تکلیف ہوگی یا نہیں۔ تو پھر جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے اس کو دوسروں کے لیے کیوں پسند کرتے ہو۔ بعض لوگ پیٹھ کے پیچھے بیٹھنے کو ادب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ادب ایسی چیز میں بھی نہیں ہو سکتا جس میں تکلیف ہو" وہ تو بے ادبی ہوئی جو لوگ ایسی کرتے ہیں اگر کوئی شخص ان کے پیچھے اسی طرح آکر بیٹھ جائے تب حقیقت

معلوم ہو جائے بعض اس قسم کی روک ٹوک کرنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مزاج میں انگریزی انتظام ہے۔ افسوس ہے درمختار تو کوئی انگریزی کتاب نہیں' اس میں سلام کے یہ آداب لکھے ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔ اسی طرح بعض لوگ ذکر کے وقت دوسرے آدمی کے انتظار میں تکتے رہتے ہیں۔ اس سے بھی طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ بلکہ اگر انتظار کرنا ہو تو ایسی جگہ بیٹھ کر کرنا چاہیے کہ ذکر کرنے والا اس کو نہ دیکھے اور یہ شخص اس کو نہ دیکھ سکے۔ تا کہ اس کا دل پریشان نہ ہو۔

بعض لوگ دوسری غرض کے لیے پیٹھ کے پیچھے نیت باندھ لیتے ہیں:

اسی طرح بعض لوگ اور جگہ موجود ہوتے ہوئے خاص پیٹھ کے پیچھے نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہ اول تو شرک کے مشابہ ہے۔ دوسرے کسی آدمی کو قید کر دینا ہے کہ جب تک یہ سلام نہ پھیریں وہ غریب کہیں جا بھی نہیں سکتا' یہ کوئی سی عقل کی بات ہے۔ بعض فیض لینے کے خیال سے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں۔ سو یاد رہے فیض تکلیف دینے کی حالت میں نہیں ہو سکتا یہ سخت غلطی ہے کہ تکلیف بھی دیں اور فیض کی امید بھی رکھیں۔ واقعی بعض ادب بھی تکلیف دیتا ہے تو ایسا ادب خود چھوڑ دینا چاہیے۔ دیکھئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں اٹھتے تھے کیونکہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ناگواری ہے۔ ادب یہی ہے کہ اپنے بزرگ کی رضا و خوشنودی کی کوشش کرے۔ یہاں تک کہ اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ راستہ میں ساتھ چلنے سے تکلیف ہوتی ہے تو ساتھ بھی نہیں جانا چاہیے اسی طرح جوتا اٹھانے سے اگر تکلیف ہو تو جوتا بھی نہ اٹھائے۔

مولانا فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی حکایت:

جناب مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کی حکایت ہے کہ جمعہ کے بعد مسجد سے باہر کو تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر جوتا لینا چاہا۔ مولوی صاحب نے تواضع کی وجہ سے نہ دیا۔ اس نے اصرار کیا۔ مولوی صاحب نے زور سے پکڑ لیا تو اس نے ایک ہاتھ سے مولوی صاحب کا ہاتھ دبایا اور دوسرے ہاتھ سے زور سے جھٹکا دے کر چھین لیا۔

دیکھئے اس شخص نے ایک ذرا سے خیالی ادب کے لیے ان بزرگ کو کیسی تکلیف دی اور ادب سے بڑھ کر بے ادبی ہوگئی۔ یہ ناسمجھی کی باتیں ہیں اور یہ باتیں ہلکی نہیں۔ اور گو یہ نماز روزے کے طرح اسلام کے فرضوں میں سے نہیں لیکن چونکہ اخلاق و عادات کا تعلق دوسروں سے ہے اور اس وجہ سے یہ بندوں کے حقوق میں داخل ہیں۔ اس لیے ان کے اندر کمی زیادتی کرنے میں عذاب کا زیادہ اندیشہ ہے۔ اور نماز روزہ چونکہ اللہ کے حقوق ہیں اس لیے ان میں کوتاہی کرنے سے اس قدر عذاب کا اندیشہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں ان سے بخشش کی امید کچھ دور نہیں۔ مگر بندوں کے حق خود انہیں معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں اس لیے ان کی رعایت زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ قصہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کو قبرستان کی طرف جانے کا ذکر ہے اس بات کی پوری دلیل ہے کہ اخلاق و عادات کی رعایت نہایت ضروری ہے۔

وہ قصہ یہ ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان سے قبرستان کو تشریف لے گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے جارہے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہوا کہ یہ جاگتی ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے' آہستہ سے اٹھے اور آہستہ سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے بند کیا۔ پس ہر ایک کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے کو سونے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف تشریف لے گئے۔ اس لیے یہ بات ان کو بوجہ محبت کے غلبہ کے گوارا نہ ہوئی اور (بے پاؤں پیچھے پیچھے ہولیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس درجہ محبوب تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا اور آدمیوں کو عشق ہو تو کیا عجیب ہے جبکہ جانور تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بیقرار تھے۔ حج میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ ذبح کیے ہیں جس میں سے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے تھے (اس سے آپ کو قوت کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے) تو اونٹوں کی یہ حالت تھی کہ بے قرار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برچھے کی طرف اپنی گردنیں جھکاتے تھے۔ جب حیوانات کو یہ بے قراری ہو تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تو خاص تعلق تھا۔ ان کی بے قراری کیا عجیب ہے۔ غرضیکہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے قبرستان میں پہنچیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں صرف مردوں کے لیے دعا فرمائی اس کے بعد گھر کی طرف لوٹے اور یہ بھی لوٹیں۔ تو اب یہ آگے ہولیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے آدمی دیکھ کر معلوم کرنے کے لیے اس طرف تیز چلنا شروع کیا۔ حضرت عائشہ دوڑیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوڑ کر آگے بڑھنا چاہا۔ وہ اور دوڑیں اور گھر آ کر بستر ے پر چپکے سے لیٹ گئیں حضرت تشریف لائے تو پوچھا کہ سانس کیوں چڑھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حالت بیان کی۔ خلاصہ یہ کہ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نیند میں خلل نہ آنے کے لیے کیسی احتیاط کی کہ آہستہ اٹھے' آہستہ سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے بند کیا۔

(۳) بعض لوگوں کو یہ آداب ذرا سخت لفظوں سے سکھلائے جاتے ہیں کیونکہ بعض طبیعتوں کے لیے سختی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ لوگ سختی سے برا مانتے ہیں' اور اس کو اخلاق کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جان لینا چاہیے کہ بے تمیزی کی بات پر سختی کرنا اخلاق کے خلاف نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گری پڑی چیز کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کوئی آوارہ بکری ملے تو کیا کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پکڑ لینا چاہیے ورنہ کوئی اور شخص یا بھیڑیا لے لے گا۔ پھر اس شخص نے اونٹ کی نسبت بھی یہی دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نا خوش ہوئے اور تیزی سے جواب دیا کہ اونٹ سے تم کو کیا واسطہ وہ تو درخت کے پتے کھا کر پانی پی کر خود ہی اپنے مالک کے پاس پہنچ جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غصہ کرنا بے تمیزی کی بات پر جائز ہے۔ پس حقیقت اخلاق کی یہ ہے کہ بلاوجہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ بعض لوگ کسی گھر پر جا کر تقاضے پر تقاضا اور آوازیں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی تکلیف دینا ہے۔ جو لوگ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دروازہ پر آ کر پکارتے ہیں' ان کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر ان میں سے بے سمجھ ہیں۔

(۴) سلام کا ایک ادب تو یہ ہے جس کا بیان ہوا کہ عبادت میں جو شخص مشغول ہو اس کو سلام نہ کرے اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی۔ اسی طرح سلام کا ایک ادب یہ ہے

کہ جو شخص گناہ میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کرے کیونکہ گنہگار کی تعظیم جائز نہیں۔ اور سلام کرنا ایک قسم کی تعظیم ہے اور ایک ادب یہ ہے کہ پیشاب پاخانے کی حالت میں سلام نہ کرے۔ اور کھانے پینے کی حالت میں سلام نہیں کرنا چاہیے اس وقت اگر سلام کا جواب دیا تو اندیشہ ہے کہ شاید گلے میں پھندا پڑ جائے۔ اس بیان میں اور بھی بہت ادب اور احکام آ گئے۔

مصافحہ کے آداب:

پھر سلام کے بعد مصافحہ کیا جاتا ہے اس کے بھی چند ضروری آداب بیان ہوتے ہیں۔ سو جاننا چاہیے کہ ملاقات ہوتے ہی تو سب کے نزدیک سنت ہے۔ اور رخصت کے وقت مصافحہ کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سنت ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ اور ان دو وقتوں کے سوا اور کسی وقت میں مصافحہ کرنا ثابت نہیں۔ پس مصافحہ کے لیے بھی قاعدہ مقرر ہوا اور اس میں مصافحہ کی خصوصیت نہیں مگر ہر چیز کے واسطے خاص خاص قاعدے اور شرطیں ہوتی ہیں کہ بدوں ان کے وہ چیز درست نہیں ہوئی۔ دیکھئے نماز ہے۔ اگر کوئی چار رکعت کی جگہ پانچ رکعت پڑھنے لگے تو صحیح نہیں ہوگی۔ یا جمعہ دیہات میں پڑھنے لگے تو حنفیوں کے نزدیک نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حج بمبئی میں کرے تو حج نہیں ہو گا۔ اسی طرح ہر کام کا ایک قاعدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مصافحہ اور گلے ملنے کے بھی خاص قاعدے ہیں۔ ان کے خلاف مصافحہ کرنا اور گلے ملنا درست نہیں جیسے عید بقرہ عید اور جمعہ میں جو لوگ رسم جان کر مصافحہ کرتے ہیں یا گلے ملتے ہیں یہ کہیں قرآن وحدیث میں ثابت نہیں۔ اس لیے یہ رسم بدعت ہے اس کو چھوڑ دینا چاہیے' اور جو مولوی ان مسئلوں کو بتلائیں ان سے بحثا بحثی نہیں کرنی چاہیے کہ صاحب اس کی کیا وجہ ہے یہ کیوں منع ہے۔ کیونکہ دلیل کا سمجھنا آسان نہیں ہے اس کے لیے بڑے علم کی ضرورت ہے۔ البتہ حکم کا معلوم کر لینا بے شک آسان ہے کہ مسئلہ معلوم کر لو اور اس پر عمل کر لو۔ باقی دلیل ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتی' مگر عوام کے حال پر افسوس ہے کہ باوجود علم نہ ہونے کے عالموں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے ان کے دل میں عالموں کی عزت نہیں۔ ورنہ غرت

ہوتی تو کبھی عالموں سے بحثا بحثی نہ کرتے۔ دیکھو اگر کوئی انجینئر کسی سرکاری عالیشان عمارت کے گرانے کا حکم دیدے اور عمارت کے عیب ونقصان کو پوری طرح بیان نہ کرے تو وہ عمارت فوراً گرادی جاتی ہے ذرا تامل نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کو ماہر اور معتبر سمجھ کر اس کی رائے کو بہت قابل قدر سمجھتے ہیں۔ اور بڑے سے بڑا فاضل دل میں یوں جان لیتا ہے کہ جس بات کو انجینئر کی عقل اور نظر معلوم کرسکتی ہے میری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ افسوس عالموں کو اتنا بھی نہیں سمجھا جاتا جتنا انگریزی ڈاکٹر اور انجینئر کو سمجھتے ہیں۔ بعض اس سے بڑھ کر شریعت میں کاٹ چھانٹ کرنے کی راء دیتے ہیں کہ شریعت کے بعض احکام موقوف کر دیئے جائیں۔ اگر ایسی رائے دینے والوں کی باتیں مانی جائیں تو شریعت تمام مٹ کر رہ جائے اور سوائے کفر اور بد دینی کے سلام کا نام بھی باقی نہ رہے۔ حالانکہ مسلمان ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بے حیل وحجت مان لیتے۔ افسوس یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ وکیل سے قانون اور دفعہ پوچھنے کا تو حق ہے مگر قانون کی وجہ دریافت کرنے کا حق نہیں کیونکہ اول تو اکثر وکیل وجہ کو جانتے ہی نہ ہوں گے اور جو جانتے ہیں وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قانون بتلانا ہمارا کام ہے قانون کی وجہ بتلانا ہمارا کام نہیں ہے۔ اگر قانون کی وجہ معلوم کرنا منظور ہے تو قانون بنانے والوں سے جا کر پوچھو اور قانون کے بدلنے کی رائے دنیا اور اس میں بحث کرنا تو حکومت کا صاف انکار ہے۔ افسوس دنیا کی حکومت کے قانون میں تو دخل دینا ناجائز سمجھا جائے گا۔ مگر شریعت کے حکموں میں دخل دینا آسان سمجھا جائے۔ حکیم' ڈاکٹر' سول سرجن کی وجہ کیا ہے۔ اور عالموں سے وجہ پوچھی جاتی ہے اور حجتیں نکالی جاتی ہیں۔ اصلی وجہ یہ ہے کہ وہاں تو بیماری سے اچھا ہونا مقصود ہے اور یہاں یہ مقصود ہی نہیں۔ ورنہ جب کسی عالم کی نسبت یہ تحقیق ہو جاتا کہ یہ روحانی حکیم ہیں تو ان کے نسخے کو بے حیل وحجت پی جائے۔ ان کے دلوں میں خود اللہ تعالیٰ کے حکموں ہی کی قدر نہیں بلکہ ان کو کھیل بنا رکھا ہے شریعت کے حکموں کا حال رسم و رواج کا سا سمجھتے ہیں کہ جیسی مصلحت سمجھی اس کے موافق بدل ڈالا۔ اب مصافحہ کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

جس وقت مصافحہ کرنے سے تکلیف ہو' ایسے وقت مصافحہ نہ کرنا چاہیے:

بعض وقت مصافحہ کرنے سے دوسرے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے۔ فرض کیجئے ایک ہاتھ میں جوتا ہے دوسرے میں چھتری ہے۔ اب مصافحہ کیسے کرے۔ سوائے اس کے کہ جوتے کو رکھے تو خود اس کی تکلیف دینا ہی نامناسب ہے۔ اسی طرح جو آدمی کام میں مشغول ہو اس سے مصافحہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے اور حرج بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص تیز چلا جارہا ہو اس کو مصافحہ کے لیے روکنا مناسب نہیں کیونکہ اس میں دوسرے ضروری کام کا حرج ہوتا ہے اس لیے تنگی ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض آدمیوں کی عادت ہے کہ مجلس میں پہنچ کر سب آدمیوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ کسی شغل میں ہوں تو اتنی دیر تک سب بیکار ہو جاتے ہیں اور اس سے دل میں تنگی ہوتی ہے۔ اسی طرح اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بعد وعظ سننے کے وعظ کہنے والے سے ضرور مصافحہ کرتے ہیں۔ سو اول تو یہ بدعت ہے اور پھر تکلیف بھی ہے۔ جس بات میں تکلیف ہو وہ نہیں کرنا چاہیے۔

سفارش کے آداب:

جیسے اگر قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ سفارش کرنے سے دوسرے آدمی پر بوجھ ہوگا تو ایسی سفارش نہ کرے بعض دفعہ سفارش پر عمل کرنا اس آدمی کی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے اور سفارش کرنے والے کے لحاظ اور اس کے دل ٹوٹنے کے خیال سے اپنی مصلحتوں کے خلاف کرنے پر اس کو مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اور اب سفارش کرنے والے تو اس خیال میں مست ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کی حاجت پوری کردی مگر اس کی خبر نہیں کہ بلاوجہ اور ناحق دوسرے آدمی پر بوجھ ڈال کر اس کی مصلحتوں کا خون کیا۔ ایک نیکی کے لیے جو کہ واجب بھی نہ تھی مفت کئی برائیاں ذمہ لیں۔ اکثر لوگ ایک مصلحت تو دیکھ لیتے ہیں کہ ایک آدمی کو نفع پہنچ گیا مگر ان نقصانوں کو نہیں دیکھے جو دوسروں کو پہنچے۔ اگر سفارش کی ضرورت ہو تو اس میں صاف ظاہر کر دینا چاہیے کہ تمہاری مصلحت کے خلاف نہ ہو تو یہ کام کرو' ورنہ خیر"

تا کہ دوسرے آدمی پر بوجھ نہ پڑے دیکھیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شوہر مغیث رضی اللہ عنہ کی سفارش کی کہ ان کے ساتھ نکاح قبول کر لو۔ بریرہ رضی اللہ عنہا چونکہ جانتی تھیں کہ حضور ﷺ سفارش میں بوجھ نہیں ڈالتے۔ اس لیے انہوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ حکم فرماتے ہیں یا سفارش۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں حکم نہیں دیتا سفارش کرتا ہوں۔ بریرہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ معلوم تھا کہ آپ سفارش قبول نہ کرنے سے ناراض نہ ہوں گے اس لیے انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ تو سفارش ایسی ہونی چاہیے کہ دوسرے پر بوجھ نہ پڑے بلکہ صاف کہہ دے کہ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو کرو' کچھ زور نہیں ڈالا جاتا کہ صاحب یہ کام آپ کو ضرور کرنا ہوگا۔ افسوس ہم نے سب معاملے اور عادتیں بدل دیں کس کس چیز کی اصلاح کیجئے مثل مشہور ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون کل سیدھی۔ غرض اس بات کا خیال رکھے کہ جس کام سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہو وہ نہ کرے جیسے دعوت کم آدمیوں کی تھی اور زیادہ آ گئے۔ یہ مرض بھی کچھ ایسا عام ہو رہا ہے کہ اکثر لوگ بیاہ شادی میں اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ خواہ دعوت کرنے والے کے ہاں اتنا سامان بھی نہ ہو۔

ایک ظریف[1] آدمی تھے انہوں نے جو دیکھا کہ شادی بیاہ وغیرہ عام دعوتوں میں ایک ایک دو دو کو ضرور ساتھ لے جاتے ہیں۔ انہوں نے کیا دل لگی کی کہ اس دفعہ جو دعوت میں گئے اپنے ایک بچھڑے کو بھی ساتھ لے گئے۔ اور جب کھانا رکھا جانے لگا تو انہوں نے بچھڑے کے حصہ کی بھی رکابی رکھوائی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی اور لوگ بدون بلائے اپنی اولاد کو ساتھ لاتے ہیں۔ میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ میں اس کو عزیز رکھتا ہوں' اس لیے میں اسے لے آیا۔ غرض سب شرمندہ ہوئے اور اس رسم کو موقوف کیا گیا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص بلا کہے دعوت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے مکان پر پہنچ کر گھر والے سے صاف فرما دیا کہ یہ ایک آدمی ہمارے ساتھ ہو لیا ہے۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو آئے ورنہ چلا جائے۔ گھر والے نے اس

---

[1] جن کی مذاق کرنے کی عادت ہو ۱۲ منہ

کو اجازت دے دی اور وہ شریک ہو گیا رہا یہ شبہ کہ شاید رسول اللہ ﷺ کے لحاظ سے اس نے اجازت دے دی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے معاملوں میں حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس قدر آزادی دے رکھی تھی کہ جس کا جی چاہتا' قبول کرتا تھا اور جس کا جی چاہتا تھا انکار کر دیتا تھا چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ آپ نے ابھی سنا ہے۔ ایک قصہ اس سے بڑھ کر سنیے۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک دفعہ ایک فارسی شخص نے جو کہ شوربہ عمدہ پکاتا تھا۔ شوربہ پکا کر حضور ﷺ کی دعوت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی دعوت کرو۔

اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں' حضرت عائشہ کی نہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہماری بھی نہیں۔ پھر اس نے اصرار کیا۔ حضور ﷺ نے پھر یہی فرمایا۔ اس نے چند بار انکار کیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے لحاظ کا بوجھ اور دباؤ ہوتا تو وہ انکار کیوں کرتا۔ پھر اپنی خوشی سے اسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی دعوت کی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمالی۔ اور یہ جائز ہے کہ دعوت قبول کرنے میں کوئی شرط لگادی جائے غرض اس قسم کا تکلف جو آج کل ہم لوگوں میں ہے اس زمانہ میں نہیں تھا۔ ہم لوگوں نے اپنی حالت خود بگاڑ رکھی ہے اور مذہب اسلام کو غیر قوموں کی نظروں میں ہلکا کر دیا ہے اور ہماری اس بری حالت کو جو ہم نے خود اپنی بیہودہ حرکتوں سے کر رکھی ہے۔ غیر قومیں دیکھ کر غلطی سے مذہب اسلام کو ناقص سمجھنے لگتی ہیں۔ اور اصل میں ہم ہی نے اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔

(۸) جس طرح ان موقعوں پر مصافحہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے جس کا بیان کیا گیا' اسی طرح کھانا وغیرہ کے وقت مصافحہ کرنا بھی سراسر بے تہذیبی ہے۔ ہاتھ تو سالن میں سن رہا ہے ان کو مصافحہ کی پڑی ہے۔ بعض ایسی بے تمیزی کرتے ہیں کہ ہاتھ میں قارورہ کا برتن ہے بس اس کو رکھا اور مصافحہ کرنے لگے۔ یہ نفاست اور پاکیزگی کے بالکل خلاف ہے۔ اگرچہ ہاتھ میں کچھ نہ لگا ہو۔ اصلی اس کی یہ حدیث ہے کہ جو شخص اپنے

ے حدیث کی ایک کتاب ہے ۱۲ منہ

پیشاب کے مقام کو ہاتھ لگادے تو وضو کرلے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ پیشاب کا مقام چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم نفاست اور پاکیزگی کے لیے ہے۔ اور کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ یہ ہاتھ اب نماز کے قابل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ پورا وضو کرلینے یا صرف ہاتھ ہی دھولے۔

کسی کو پیچھے سے نہیں پکارنا چاہیے:

اور اسلام کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ مسلمان بھائی کے پکارنے پر جواب دے۔ اس کے بھی آداب ہیں۔ جنانچہ امام یوسف رحمہ اللہ کو امام صاحب رحمہ اللہ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ اگر کوئی تم کو پیچھے سے پکارے تو جواب مت دو' کیونکہ اس نے تمہاری بے آبروئی کی ہے کہ تم کو جانوروں کی طرح پیچھے سے آواز دیتا ہے۔ اور اس حالت میں جواب نہ دینا غرور نہیں ہے بلکہ ایک شخص کی درستی اور اصلاح ہے اور واقع میں پیچھے سے آواز دینا کتنی بے تمیزی کی بات ہے کہ کام تو ہمارا اور روکیں اس کو' یہ تہذیب کے خلاف ہے۔ خود آگے بڑھ کر سامنے کی طرف سے آ کر بولنا چاہیے۔ اور ایک حق یہ ہے کہ اگر کوئی دعوت کرے تو قبول کر لینا چاہیے۔ اس کے بھی آداب ہیں۔ بعض آدمی غرور کی وجہ سے غریب کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ یہ بہت برا ہے۔ اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مولوی صاحب کی دعوت ایک بیچارے غریب نے کی۔ مولوی صاحب اس کے ساتھ دعوت کھانے جارہے تھے۔ راستہ میں ایک رئیس صاحب سے ملاقات ہوئی جو مولوی صاحب کے دوست تھے۔ رئیس صاحب نے پوچھا' مولوی صاحب کہاں تشریف لے چلے مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اس سقے نے دعوت کی ہے اس کے ہاں جارہا ہوں۔ رئیس صاحب ملامت کرنے لگے کہ مولوی صاحب آپ نے تو بالکل ہی بات ڈبودی اور ایسی ذلت اختیار کی۔ مولوی صاحب نے یہ لطیفہ کیا کہ اس سے فرمایا کہ اگر بھائی ان کو بھی دعوت میں لے چلو تو میں چلتا ہوں' ورنہ میں بھی نہیں چلتا۔ اب وہ سقہ رئیس کے گرد ہوا اور خوشامد کرنے لگا۔ اول اول تو بہت عذر کیے مگر خوشامد عجیب چیز ہے۔ پھر اور لوگ بھی

جمع ہو گئے اور ان کو مجبور کرنے لگے آخر مجبور ہو کر جانا پڑا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ تمام ستے صف باندھے کھڑے ہیں اور رئیس صاحب کو معلوم ہو گیا کہ غریب لوگ مہمان کی جیسی تعظیم اور محبت کرتے ہیں وہ امیروں اور نوابوں کے یہاں خواب میں بھی نہیں دکھلائی دیتی تو مان گئے کہ واقعی جیسی راحت اور عزت اور محبت غریبوں سے ملنے میں ہے وہ امیروں سے ملنے میں قیامت تک نہیں اور حقیقت میں غریبی کے اندر بشرطیکہ پریشانی کی حد تک نہ ہو' جس قدر دین اور دنیا کی راحت ہے وہ امیری میں ہرگز نہیں' پھر اس کی فضیلت اور شرافت الگ رہی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھ کو زندگی میں بھی مسکین رکھیے اور مسکین ہی ہونے کی حالت میں موت نصیب کیجئے اور قیامت میں مسکینوں کے ساتھ اٹھایئے۔ بس مال کی اتنی ضرورت ہے کہ فاقہ نہ ہو اور پریشانی نہ ہو۔ غرض یہ کہ غریب لوگ اگر دعوت کریں تو مالدار کو غرور کی وجہ سے انکار نہیں چاہئے۔ باقی ہر جگہ کی دعوت قبول کر لینا بھی نہ چاہیے جس میں یہ بھی تمیز نہ ہو کہ خالص دل سے کی ہے یا نہیں' آمدنی حلال ہے یا نہیں۔ گو اس میں زیادہ کھود کرید کی بھی ضرورت نہیں' مگر پھر بھی جن لوگوں کے ہاں غالب گمان میں آمدنی کا زیادہ حصہ حرام ہے ان کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں جیسا آجکل موروثی زمین کی کثرت ہے اسی طرح رشوت کی۔ سو ایسے لوگوں کے ہاں دعوت قبول نہ کرے اگر اس کے پہنچ جانے کے بعد گناہ شروع ہو جیسے راگ باجا جو اکثر شادیوں میں ہوتا ہے تو اگر یہ گناہ خاص اس جگہ پر ہے جہاں یہ بیٹھا ہوا ہے تب تو چھوڑ کر چلا جائے۔ اور اگر کسی دوسری جگہ فاصلہ سے ہے تو اگر یہ دین کا پیشوا ہو کہ اس کے فعل کی دوسروں پر اثر پڑتا ہو تب بھی اس کو وہاں سے اٹھ آنا چاہیے۔ اور اگر دین کا پیشوا نہیں تو خیر کھانا کھا کر چلا آئے' اسی طرح جو رسمیں شریعت کے خلاف اکثر شادیوں میں ہوا کرتی ہیں اور انہیں سے وہ جلسہ گناہ کا جلسہ ہو جاتا ہے ان کا بھی یہی حکم ہے کہ وہاں نہ بیٹھنا چاہیے اور رسمیں تو الگ رہیں۔ خود آج کل برات ہی گناہ کا جلسہ ہے اگر اس میں کوئی اور خرابی نہ ہو تو یہ خرابی ضرور ہی براتوں میں ہوتی ہے کہ جتنوں کی دعوت ہوتی ہے براتی اس سے زائد آ جاتے ہیں جس سے اس بیچارے کو جس کے گھر برات جاتی

ہے سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے کہیں قرض لیتا ہے کہیں اور کچھ فکر کرتا ہے۔ غرض بہت خرابی ہوتی ہے۔ پھر ایسے شخص کی نسبت جو بدوں بلائے بارات وغیرہ میں جائے حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ دخل سارقا و خرج مغیرا یعنی چور تا بن کر گیا اور لٹیرا ہو کر واپس آیا۔

ایسے ہی شادی غمی کے موقع پر جو اکثر لوگ فخر اور دکھلائے کے طور پر دعوت کرتے ہیں ان کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہیے۔ جو دعوت دین اور عبادت کے عوض ہو وہ درست اور جائز نہیں۔ جیسے تیجے وغیرہ میں قرآن اور کلمہ درود پڑھ کر اس کے عوض میں دعوت اور الا یچی دانے اور چنے وغیرہ ملتے ہیں اسی طرح وعظ کی خاص دعوت جو کہ وعظ کہنے کی وجہ سے کی گئی ہو درست نہیں یا وعظ کہہ کر کچھ اجرت وعظ کہلانے والے سے لینا درست نہیں۔ ہاں اگر مدرسہ کی جانب سے وعظ کہنے پر مقرر ہو تو مدرسہ سے تنخواہ لینا جائز ہے جس کے دل میں کچھ بھی دین کی غیرت اور عزت ہوگی، وہ خود ایسی باتوں سے پرہیز کرے گا۔ البتہ اگر وعظ کہنے والا مسافر ہو اور مسافرانہ طور پر کھالیں تو یہ اور بات ہے، مگر پھر بھی جہاں پر وعظ ہو اس جگہ سے نہ کھائے۔ ایسا ہی مرید ہونے کے وقت پر پیر کی دعوت کرنا۔ کیونکہ بالکل عوض کی صورت ہے۔ اسی طرح بیعت ہونے کے وقت نذر اور ہدیہ دینا۔ اس میں ایک تو یہ خرابی ہے ہی کہ عوض کی صورت ہے اس کے علاوہ اس میں کئی اور بھی خرابیاں ہیں۔ مثلاً بعض نادار غریب جو بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ شرم کی وجہ سے رک جائیں گے۔ اسی طرح جس دعوت میں ذلت ہو اس کو بھی قبول نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ ذلت سے بچنے کی شریعت میں تعریف آئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو مناسب نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے۔ ذلت کی دعوت زیادہ تر ایک ہے یعنی جو کہ مردوں کے ثواب پہنچانے کے لیے دعوت کی جاتی ہے اور طالب علموں اور ملانوں وغیرہ کو بلایا جاتا ہے۔ پس یہ دعوت ہے کہ اس کے کھانے والے عام لوگوں میں حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ کانپور ایک دفعہ ایک دعوت میں جاتے ہوئے بعض لوگوں کو طالب علموں کی بابت یہ کہتے ہوئے سنا کہ خدا خیر کرے کس کے گھر پر چڑھائی ہوئی۔ بس اس قسم کے کھانے کی دعوت ذلت ہے اس سے بچنا چاہیے۔

شامی[1] نے لکھا ہے کہ عالموں کو اس دعوت سے بچنا چاہیے جس میں ذلت ہو وجہ یہ ہے کہ عالموں کو ذلت خود علم کی ذلت ہے۔ قبول کرنے کے لائق صرف وہ دعوت ہے جو خالص محبت سے ہو' حلال کھانا ہو' نہ اس میں رسم کی پابندی ہو' نہ فخر اور دکھلاوا ہو نہ ذلت ہو' بلکہ اس کی وجہ محبت ہی محبت ہو۔ ایسے ہی ہدیہ میں بھی ہونا چاہیے کہ نہ اس میں رسم کی پابندی ہو نہ دکھلاوا اور فخر ہو' بلکہ صرف محبت ہی کی وجہ سے دیا جائے پس اس قسم کی دعوت اور ہدیہ سنت ہے۔ اس کو قبول کرنا بھی سنت ہے کیونکہ اس کی غرض صرف محبت ہے۔

حدیث شریف میں ہے تَهَادُوْا تَحَابُوْا یعنی ایک دوسرے کو ہدیہ دوتا کہ آپس میں محبت پیدا ہو جائے۔ باقی رسم کے طور پر جو کچھ دیا جاتا ہے جیسے شادی کے جوڑے وغیرہ کہ چیز وارثوں کے حصہ تقسیم ہونے کے بعد آئی ہے یا ویسے ہی۔ وعظ ختم ہوا۔

وعظ کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپس کے برتاؤ میں اس کا خیال رہے کہ مردہ اور زندہ سب کو نفع اور راحت پہنچے۔ اور کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اوران کاموں میں سلیقہ اللہ والوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر بعضے لوگ خود بزرگوں کے ہاں جاتے ہیں۔ ایسی بے احتیاطی کرتے ہیں کہ ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً جانے کے وقت اپنی فرصت کا تو لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ آیا یہ وقت ان کی فرصت کا بھی ہے یا نہیں۔ چاہے وہ وقت ان کے آرام ہی کا ہو۔ مگر ان کو اسی وقت جا کر تکلیف دی جاتی ہے۔ اور صرف یہی نہیں' بلکہ اتنی دیر بیٹھتے ہیں کہ ان کے آرام کا سارا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ ان جانے والے بزرگ کا تو کوئی نقصان نہ ہوا' مگر دوسرے آدمی کو جو تکلیف پہنچی وہ کس مد میں ہے۔ سو یہ نہایت بے تمیزی اور حماقت ہے۔ اگر اتفاق سے ایسے وقت جانا ہو تو بہت تھوڑی دیر بیٹھے۔ ایک شخص حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹھیک دوپہر کے وقت آتے تھے جس سے حضرت کی نیند ضائع ہوتی' مگر حضرت اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے کچھ نہ فرماتے۔

ایک روز حضرت حافظ صاحب شہید علیہ الرحمۃ کو تاب نہ رہی۔ اور اس شخص کو سختی سے ڈانٹا اور کہا کہ بیچارے درویش رات کو جاگتے ہیں دوپہر کا وقت تھوڑا سا سونے کا ہوتا

[1] ایک بڑے بھاری عالم کا نام ہے ۱۲۔

ہے وہ تم خراب کر دیتے ہو یہ کس قدر بے انصافی ہے۔ آخر کچھ تو لحاظ کرنا چاہیے۔ حضرت حافظ صاحب کی یہ تیزی ضرورت کی وجہ سے تھی بعض وقت اخلاق وعادات کی درستی بغیر سختی کے نہیں ہوتی۔ اور کسی کے پاس جانے میں ایک اس ابھی خیال رکھے کہ اطلاع کر کے جائے اور مردانی بیٹھک میں جبکہ وہ عام لوگوں سے ملنے کے لیے مقرر ہو اگرچہ بغیر اطلاع کیے جانا درست ہے۔ مگر خاص خلوت کے وقت وہاں بھی نہیں جانا چاہیے۔ شاید تکلیف ہو یا ناگواری ہو۔

حاصل یہ کہ ہر وقت ہر حالت میں اس کا بہت خیال رکھے کہ کسی کو اپنے سے تکلیف وگرانی نہ ہو۔ فقط۔ اس میں محبت کا نام بھی نہیں۔ ہاں اگر خالص محبت سے بلاقید رسم کے ہو تو جائز ہے بلکہ ایسا ہدیہ کھانے سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔

(۶) ایک حق ان حقوق میں سے جو کہ ایک مسلمان کے دوسرے پر ہیں بیمار پرسی ہے یعنی یہ کہ بیمار کا مزاج پوچھنے جائے۔ اس کے بھی آداب ہیں اس میں بھی زیادتی کمی ہو رہی ہے چنانچہ بعض آدمی تو سرے سے بیمار کو پوچھنے ہی نہیں جاتے۔ یہ تو کمی ہے۔ اور بعض پوچھنے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ بیمار کو ان سے راحت ہوتی اور الٹے تکلیف پہنچنے کا سبب بنتے ہیں۔ وہاں جا کر زیادہ دیر تک بیٹھا رہنا یہ تکلیف کی بات ہے۔ بیمار آدمی کی طرح طرح کی ضرورتیں اور حاجتیں ہوتی ہیں مگر وہ بیچارہ ان کا لحاظ کرتا اور تکلیف اٹھاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص تم میں سے بیمار پرسی کے لیے جائے تو بیمار کے پاس تھوڑی دیر بیٹھے۔ البتہ بیمار کی خدمت کرنے کا اور حکم ہے اس میں بیمار کے پاس ہر وقت بیٹھا جائز ہے کیونکہ یہ خدمت کے لیے ہے۔ لیکن خدمت تو ہر کسی پر ضروری نہیں خدمت کرنے والے تو خاص لوگ ہوتے ہیں مگر بیمار کو تکلیف سے بچانا سب پر ضروری ہے بعض آدمیوں کی عادت ہے کہ بیمار آدمی کے پاس بیٹھ کر فضول قصے ہانکا کرتے ہیں یا خود اس بیمار ہی سے بیماری کا سارا قصہ پوچھتے ہیں ایسی باتوں سے بیمار کو تکلیف ہوتی ہے ان سے بچنا چاہیے۔

(۷) ایک ان حقوق میں سے جنازہ میں شرکت ہے۔ اور مردے کے رشتہ داروں کو تسلی دینا۔ اس کے بھی آداب ہیں۔ جیسے جنازہ کو کندھا دینا' قبر میں اتارنا' کچھ پڑھ کر ثواب بخشنا مگر شریعت کے موافق ثواب بخشے جس سے اس کو نفع پہنچے' ورنہ بیکار ہے جیسے بعض لوگ ثواب پہنچانے کے لیے مردے کے پہننے کے تمام کپڑے اللہ واسطے دے دیتے ہیں۔ اور سب وارثوں سے اجازت نہیں لیتے۔ وارث نابالغ بھی ہوتے ہیں جن کی اجازت بالغ ہونے سے پہلے معتبر نہیں۔ سو مردے کے چھوڑے ہوئے مال میں جس میں تمام وارث شریک ہیں یہ تصرف ناجائز ہے۔ ہاں اس مال کے بانٹ لینے کے بعد جس کا جی چاہے اپنے حصہ میں سے دے سکتا ہے۔ اور ایسے کپڑے وغیرہ استعمال کی ہوئی چیزیں اکثر مسجدوں اور مدرسوں میں آتی ہیں۔ اس لیے مدرسہ اور مسجد والوں کے ذمہ ضروری ہے کہ ان باتوں کی تحقیق کرلیا کریں۔

ملتقطہ

❁❁❁

(۲۹) اخلاص حصہ اول

منتخب از وعظ ہفتم دعوات عبدیت حصہ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ ماثورہ:

اَمَّابَعْدُ! فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی نِیَّاتِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ۔

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں پر نظر نہیں فرماتے۔ لیکن تمہاری نیتوں اور کاموں پر نظر فرماتے ہیں۔''

اس حدیث کے متعلق یہ مضمون ہیں:

(ا) اس حدیث میں حضور ﷺ نے اس چیز کو بیان فرما دیا' جس پر حق تعالیٰ کی نظر اور توجہ ہے۔ گو اس پر مخلوق کی توجہ اور نظر نہیں۔ اور اس چیز کو بھی بیان فرما دیا جس پر حق تعالیٰ کی نظر اور توجہ نہیں۔ گو اس پر مخلوق کی نظر اور توجہ ہے۔ پس اس حدیث میں ایک ایسے مرض کا علاج فرمایا ہے جس میں مخلوق مبتلا ہے۔ اور وہ مرض یہ ہے کہ مخلوق کی نظر ایسی چیز پر ہے جس پر حق تعالیٰ کی بالکل نظر نہیں۔ اور جس چیز پر حق تعالیٰ کی نظر ہے مخلوق نے اس سے نظر ہٹا رکھی ہے۔ صورت اور مال پر حق تعالیٰ نظر نہیں فرماتے' مگر مخلوق نے اس کو مقصود بنا رکھا ہے اور نیت اور عمل پر حق تعالیٰ کی نظر ہے تو مخلوق نے اس سے نظر ہٹا رکھی ہے۔ اس لیے ضرور ہوا کہ اس غلطی پر خبردار کیا جائے۔ تا کہ علاج کیا جائے۔ اور اس وقت اس حدیث کے بیان کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مرض میں عام طور سے لوگ مبتلا ہیں۔ اور حضور ﷺ نے جو اپنے زمانہ میں یہ مضمون فرمایا حالانکہ وہ سراسر خیریت

کا زمانہ تھا تو حضور ﷺ نے آئندہ کے لحاظ سے فرمایا' کیونکہ حضور ﷺ تو قیامت تک کے لیے سب کے حکیم ہیں۔ جتنے واقعات قیامت تک ہونے والے ہیں حضور ﷺ کے احکام سب کے متعلق ہیں چنانچہ قیامت تک کوئی مرض' کوئی کام' کوئی کلام ایسا نہیں ہوگا جس کے متعلق شریعت میں حکم موجود نہ ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو پہلے اور پچھلے تمام لوگوں کا علم دیا گیا۔ اور فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے رب نے خوب ادب سکھایا اور خوب اچھی تعلیم دی۔ اور یہاں سے شریعت کی گنجائش اور وسعت معلوم ہوگئی ہوگی کہ شریعت اسلام کے سوا کوئی قانون ایسا نہیں جس میں تمام واقعات کا جو قیامت تک ہونے والے ہیں سب کا حکم موجود ہو۔ اور ہر ہر واقعہ کے احکام موجود ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ہر ہر واقعہ کا حکم جدا جدا فرمایا ہو' بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے عام قاعدے بیان فرما دیئے جن سے تمام واقعات کے احکام نکل آتے ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدن گودنے والی پر جو لعنت فرمائی' تو ایک عورت نے دریافت کیا کہ قرآن میں یہ حکم نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو قرآن پڑھتی تو اس میں یہ حکم پاتی۔ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا کہ رسول اللہ ﷺ جس چیز کا حکم کریں اس کو کرلو' اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے بدن گودنے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے:

پس یہ حکم بھی اللہ کی طرف سے ہوا اور عام قاعدے کے نیچے اس کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ پس آج کل جو اخباروں میں لکھا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے۔ یہ مولویوں کی گھڑت ہے۔ یہاں سے اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ اگرچہ قرآن میں ظاہر طور پر نہیں ہے لیکن حضور ﷺ نے تو حکم فرمایا ہے۔ اور حضور ﷺ کا فرمایا ہوا اللہ کا ہی فرمایا ہوا ہے پس اس قاعدے سے داڑھی رکھنے کا حکم بھی قرآن میں بیان ہوگیا۔ اور یہاں سے ایک اور ضروری بات بھی ثابت ہوئی وہ یہ کہ جب معلوم ہوگیا

کہ حضور ﷺ کا فرمایا ہوا گویا اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے۔ تو جتنے احکام ہیں سب اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں خواہ حدیث میں ہوں یا فقہ میں۔ اب ہم کو اپنی حالت میں غور کرنا چاہیے کہ ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے حکموں کے ساتھ کیسا ہے آیا ان کے حکموں کو بے حیلہ وحجت مان لیتے ہیں یا ان میں حجتیں نکالتے ہیں۔ سو ظاہر ہے کہ آجکل شریعت کے حکموں میں مصلحتیں اور حکمتیں پوچھی جاتی ہیں۔ حالانکہ تجربہ سے ایک قاعدہ دیکھا جاتا ہے کہ حکم کرنے والوں کے ساتھ ہمارا جداگانہ برتاؤ ہے بعض حکم کرنے والوں کے ساتھ تو ہمارا یہ برتاؤ ہے کہ ان کا حکم سن کر ہم دم بخود اور چپ چاپ رہ جاتے ہیں اور سوائے مان لینے کے کچھ چارہ نہیں ہوتا پس غور کرنا چاہئے کہ فرق کی کیا وجہ کہ کسی حکم کرنے والے کے ساتھ یہ برتاؤ' اور کسی کے ساتھ دوسرا برتاؤ تو غور کرنے کے بعد اس فرق کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ بعض حکم کرنے والوں کی تو دل میں عظمت او قدر ہے اور بعض کی نہیں جس کی ہمارے دل میں عزت اور قدر ہوتی ہے اس کے حکم کے سامنے ہم سر جھکا دیتے ہیں اور چپ چاپ مان لیتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔ اور جس کی دل میں عزت اور قدر نہیں ہوتی اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے نہ اس کے حکم کو مانتے ہیں۔ عزت وبڑائی وہ چیز ہے کہ زبان پر مہر لگا دیتی ہے۔ بلکہ زبان تو کیا دل میں بھی اس کے حکم کے متعلق شبہ تک نہیں آتا' بلکہ اگر دوسرا کچھ وسوسہ اور شبہ کرتا ہے تو اس کو یوں دفع کر دیتے ہیں کہ میاں یہ ایک بڑے شخص کا حکم ہے ضرور اس میں کچھ مصلحت ہوگی' ورنہ ایسا بڑا شخص اس بات کا حکم ہی کیوں کرتا' گو وہ مصلحت ہماری سمجھ میں نہیں آئے۔ مثلاً اگر ایک روپیہ کا اسٹام خرید کر ہم ڈاک خانہ میں چھوڑ دیں اور اس پر ڈاک کا ٹکٹ نہ لگا دیں تو وہ بیرنگ ہو جائے گی۔ اور دو پیسہ کا لفافہ بیرنگ نہیں ہوتا حالانکہ ان دونوں کی قیمت میں ساڑے پندرہ آنے کا فرق ہے۔ سو ظاہر میں یہ بالکل عقل کے خلاف ہے مگر اس کے بارے میں کبھی سوال تک نہیں کیا جاتا کہ اس کی کیا وجہ ہے بلکہ بلاشبہ تسلیم کر لیتے ہیں' اور روز مرہ اس پر عملدرآمد ہے کبھی کسی کی زبان پر تو کیا دل میں بھی شبہ نہیں ہوتا اور سرکاری حکموں میں کبھی کوئی شک اور اعتراض نہیں

کرتا۔ اور اگر کوئی اسٹام کے متعلق شبہ بھی کسی کے سامنے ظاہر کرے تو اول تو اس شخص کو پاگل اور احمق سمجھیں گے کہ کیا سوال کرتا ہے اور پھر جواب بھی دیں گے تو صرف اس قدر کہ قانون اسی طرح ہے۔ اس جواب دینے والے کو اس قانون کی وجہ اور دلیل نہ بتلانے کی وجہ سے یوں نہ کہیں گے کہ یہ جواب سے عاجز ہے' بلکہ ہر شخص سمجھے گا کہ جواب کافی ہوگیا تو اس تسلیم کی وجہ سوائے عظمت اور قدر کے کیا ہے۔ چونکہ حاکموں کی دلوں میں عزت اور قدر بیٹھی ہوئی ہے۔ اس نے زبان بلکہ دل پر مہر لگا دی' اور سوائے بجا اور درست کے انکار زبان پر نہیں آ سکتا۔

جب یہ قاعدہ ثابت ہوگیا تو اب میں سخت حیرت اور تعجب میں ہوں کہ خدا کی شان دنیا کا ایک ادنیٰ حاکم جو فنا ہونے والا اور عاجز ہے۔ اور اپنا ہم جنس ہے اس کے سامنے تو ایسے مجبور اور بے زبان بن جاتے ہیں۔ اور جو کہ سب حاکموں کے حاکم ہیں اور ہر طرح قدرت رکھتے ہیں' اگر چاہیں تو ایک دم میں سب حاکموں کے حاکم ہیں اور ہر طرح قدرت رکھتے ہیں' اگر چاہیں تو ایک دم میں سب کو برباد اور ہلاک کر دیں۔ اس کے حکم میں حجتیں نکالی جاتی ہیں' حکمتیں پوچھی جاتی ہیں' افسوس ہزار افسوس! کوئی پوچھتا ہے صاحب طاعون سے بھاگنا کیوں حرام ہے کوئی پوچھتا ہے کہ غیر قوموں کے مشابہ لباس اور وضع رکھنا کس لیے منع ہے۔ یہاں تک کہ روزہ' نماز' حج' زکوٰۃ' میراث سب حکموں میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں۔ خدا کی پناہ!

شرع کے حکموں میں جو بے جا سوال کیے جاتے ہیں اس سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان حکموں کی دل میں عزت اور قدر نہیں۔ اور ان سوال کرنے والوں سے زیادہ مجھے جواب دینے والوں پر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے یہ عادت اختیار کر لی ہے کہ جو شخص جس حکم کی حکمت اور مصلحت پوچھتا ہے۔ یہ اس کو کچھ نہ کچھ حکمت اور مصلحت بتلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر معلوم نہیں ہوتی تو گھڑ کر کچھ بتلا دیتے ہیں۔ یہ جواب نہیں دیا جاتا کہ قانونِ الٰہی ہے جیسا کہ دنیا کے حاکموں کے حکم کی وجہ دریافت کرنے پر جواب دیا

جاتا ہے کہ سرکاری قانون ہے! افسوس معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عزت اور بڑائی کو دنیا کے حاکموں سے بھی کم سمجھ لیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کے سوال کرنے والوں کے دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت اور قدر نہیں' چنانچہ ظاہر ہے اسی طرح جواب دیتے جو اشلام کی مثال میں گذرا کہ بس چپ رہو' قانون اسی طرح ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اور جب دنیا کے حاکموں کے بہت سے حکموں کی مصلحتیں اور حکمتیں ہم کو معلوم نہیں اور نہ ان کے معلوم کرنے کی ہوس ہوتی ہے تو پھر اصلی حاکم یعنی حق تعالیٰ کے حکموں کی مصلحتیں اور حکمتیں معلوم کرنے کی کوشش میں کیوں پڑتے ہیں۔ اور جب ایک ادنیٰ آدمی اپنے نوکروں کو اپنے خانگی مطالبات کی حکمتیں نہیں بتلاتا تو حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے وہ اپنی مخلوق کو' جو کہ ان کی غلام ہے مصلحتیں اور حکمتیں کیوں بتا دیں۔

خلاصہ یہ کہ جب کوئی تم سے پوچھے کہ فلاں حکم کی کیا وجہ ہے بے تکلف کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے کیا وجہ ہے۔ بس خدا تعالیٰ کا حکم ہے جیسا کہ فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ آپ پاک ذات ہیں ہم کو کچھ علم نہیں' مگر وہ جو آپ نے ہم کو سکھا دیا۔ بے شک آپ ہی باخبر اور حکمت والے ہیں۔ یہی طریقہ ہم کو اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہمارا ناقص علم فرشتوں کے علم سے تو زیادہ نہیں۔ جب انہوں نے مصلحت اور حکمت کے علم کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا اور صرف تسلیم کرنے سے کام لیا اور اپنی رائے کو دخل نہیں دیا تو ہم کون ہیں جو خدا تعالیٰ کے حکموں میں دخل دیں۔ بس یہ جواب کافی ہے۔ دیکھئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیسے کامل تھے مگر کافروں کے ساتھ بحث اور مناظرہ میں جو بات معلوم نہ ہوتی صاف فرما دیتے کہ ہم نہیں جانتے' ہم اپنے پیغمبر سے پوچھ کر بتا دیں گے۔ حاصل یہ کہ حکمتوں کی تلاش کرنا دلیل اس کی ہے کہ حق تعالیٰ کی عزت اور بڑائی دل میں نہیں اور اگر دل میں حق تعالیٰ کی بڑائی ہوتی تو حکمتوں کی تلاش تو کیا اس کا وسوسہ تک بھی نہ گزرتا۔ چنانچہ جن کے دل میں حق تعالیٰ کی بڑائی ہوتی ہے ان کے دل میں ہرگز ایسا وسوسہ نہیں آتا جس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائیں کہ ادھر آیا ادھر نکل گیا اور دل میں جما نہیں۔ البتہ ایسا وسوسہ آ جاتا جو

صرف خیال ہی کہ درجہ میں ہو، یہ عظمت کے خلاف نہیں، بلکہ وہ تو ایمان کامل ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے وسوسے آجاتے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تب بھی ان کو زبان پر نہ لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایسے وساوس اپنے دلوں میں پاتے ہو۔ یہ تو صاف ایمان ہے، اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے شیطان کے مکر کو وسوسے کی طرف پھیر دیا عمل اور عقیدہ تک اس کو دخل نہیں ہوا۔ صوفیوں کو بھی بعض مرتبہ ایسے وسوسے آتے ہیں کہ اپنے کو مار ڈالنا اس وقت آسان معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جوان میں جاہل ہیں وہ اپنے کو مار بھی ڈالتے ہیں۔ اور جو واقف کر اور سمجھدار ہیں وہ صبر کرتے ہیں۔

وسوسہ کا بیان اور اس کا علاج:

اور وسوسہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ جب صوفی اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو نقصان پہنچاؤں۔ اول تو وہ نماز روزہ، فرضوں اور واجبوں کے چھوڑانے کی کوشش میں لگتا ہے کیونکہ یہ دین کا نقصان ہے۔ اور جب جانتا ہے کہ اس میں مجھ کو کامیابی نہ ہوگی، اس وقت جسمانی تکلیفوں اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اس کے دل میں برے برے وسوسے ڈالتا ہے صوفی اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ افسوس میرے تو ایمان ہی میں نقصان ہے کہ مجھ کو ایسے وسوسے آتے ہیں حالانکہ ان وسوسوں کا آنا اس کو کچھ نقصان نہیں دیتا۔ ہاں پریشانی کا سبب ضرور ہے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ صوفی غلطی سے یوں سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے دل سے پیدا ہوتے ہیں تو اس کی بہت بری حالت ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس کے دل سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ شیطان باہر سے لاکر دل میں پھونک دیتا ہے تو دل تو صرف وسوسہ کے گزرنے کی جگہ ہے پیدا ہونے کی جگہ نہیں۔ اس راز کے سمجھنے کے بعد خدا نے چاہا تو کچھ پریشانی نہ ہوگی بلکہ وسوسہ ہی کی جڑ کٹ جائے گی، کیونکہ شیطان وسوسہ پریشان کرنے کے لیے ڈالتا ہے۔ جب وہ پریشان ہی نہ ہوگا تو وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا۔ اور ایک علاج اس کا یہ

ہے کہ جب وسوسہ آئے تو اعوذ باللہ کہنے سے شیطان دفع ہو جاتا ہے۔ بلکہ خدا کا ذکر جو بھی اس سے شیطان دفع ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ خاصیت ذکر ہی کی ہے۔ دوسرے یہ بات یہی ہے کہ جب ذکر کی طرف خوب متوجہ ہو گیا تو وسوسہ کی طرف توجہ رہے گی کیونکہ دو طرف پوری توجہ نہیں ہوتی۔ اور فرض کیجئے کہ اس پر بھی وسوسے آ جائیں اور دفع نہ ہوں اور بلا اختیار پریشانی ہو تو بھی نفس پر محنت اور مشقت ہے جو ترقی کا سبب ہے تب بھی نفع ہی ہوا اس لیے رنج نہ کرے' اور جو شخص اس فکر میں لگا رہے کہ وسوسے دفع ہوں اور عبادت اور ذکر میں مزہ آئے جیسا کہ آجکل اکثر صوفیوں کا حال ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ شخص اپنے مزے کے لیے ذکر کرتا ہے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نہیں کرتا۔ اور ایک علاج وسوسہ کا خدا کا ذکر ہے اور اس میں کسی خاص ذکر کی قید نہیں...... ہر ذکر کی یہی خاصیت ہے جیسا اوپر بھی بیان ہوا۔ سو جب وسوسے آ جائیں خدا کا ذکر شروع کر دے۔

حدیث میں ہے کہ جب مومن اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے اور جب خدا سے غافل ہوتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے۔ اور وسوسہ آنے کے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کا امتحان ہے کہ اس کی عبادت صرف نفس کے مزے کے لیے تھی یا کہ اس بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ وسوسہ کے وقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ بعض کی یہ حالت ہے کہ جب شیطان وسوسے ڈالتا ہے تو اس سے بحث کرنے میں لگ جاتے ہیں تو ایسا شخص خدا کا پہچاننے والا نہیں۔ ورنہ اس طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتا۔ جیسا کہ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے حکایت نقل فرمائی ہے کہ ایک صوفی کسی سے لڑ جھگڑ رہے تھے اس طرف سے حضرت بہلول رحمہ اللہ کا گزر ہوا۔ آپ نے صوف کو لڑتے ہوئے دیکھ کر فرمایا' اگر یہ زبانی دعویٰ کرنے والا اپنے دوست کو پہچان لیتا تو دشمن کے لڑائی میں مشغول نہ ہوتا۔ پس ان وسوسوں میں مشغول نہ ہو اور نہ ان سے پریشان ہو اور کام میں لگا رہے۔ آج کل یہ بھی صوفیوں کو خبط ہو گیا ہے کہ مزے کو طلب کرتے ہیں ی چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آئے اور مزہ آئے سچے طلبگار کی ہرگز یہ شان نہیں۔ سچا وہ ہے کہ مزہ

آئے یا نہ آئے، تکلیف ہو یا آرام ہر حالت میں خدا کی خوشنودی اور رضا مندی کا طلبگار ہو۔ اور مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر کیفیتیں جاتی رہیں تو کہہ دو جاؤ کچھ حرج نہیں اے پاک ذات تو رہ کہ تیرے مثل کوئی پاک نہیں ہے یعنی تیری رضا مندی مقصود ہے وہ ہاتھ سے نہ جانی چاہیے پس اصل مقصود کیفیت اور مزے کو نہ بنانا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو اصل مقصود بنا دے۔ عاشق کی تو یہ شان ہونی چاہئے کہ اگر محبوب زندہ کرے تو ان کی مہربانی سمجھے۔ اور اگر مار ڈالے تو فدا ہو جائے۔ غرض یہ کہ محبوب جو کچھ بھی کرے عاشق اس کی رضا پر راضی ہو۔ جس حالت پر اللہ تعالیٰ صوفی کو رکھیں اس پر راضی رہیں، کیونکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہیں اور بعضوں کی اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ ان کو ہمیشہ پریشانی اور رنج میں مبتلا رکھیں پس اس کو تو ہر حال میں محبوب کی خوشی کے موافق رہنا چاہیے، دیکھئے کہ اگر کوئی محبوب عاشق سے کہے کہ اگر تم ہماری خوشی چاہتے ہو تو باہر دروازے پر بیٹھا رہا کرو۔ اور ہم کو مت دیکھا کرو۔ جناب اگر سچا عاشق ہے تو دل و جان سے حکم بجالائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ ایسے وسوسوں سے پریشان نہ ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ قرب کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ شخص خدا تعالیٰ کے خاص لوگوں میں سے ہے اور واقع میں یہ وسوسے بھی دل کے اندر نہیں ہوتے گو ظاہر میں ایسا ہی وہم ہوتا ہے مگر حقیقت میں دل کے باہر ہوتے ہیں جیسا کہ آئینہ کے باہر مکھی بیٹھ جائے تو دیکھنے والے کو تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ مکھی آئینے کے اندر بیٹھی ہے، حالانکہ وہ باہر ہے۔ اسی طرح وسوسے دل کے باہر ہیں۔ دل کے اندر جہاں خدا کی یاد ہو ان کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے مسلمانوں کا دل خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے وہاں وسوسوں کا گذر نہیں۔ اور وہ جو دل کے اندر اس کو معلوم ہوتا ہے وہ وسوسوں کا عکس ہے، جیسا کہ آئینہ کے اندر مکھی کا عکس ہوتا ہے ایک بزرگ اس کے علاج میں فرماتے ہیں کہ جب وسوسے آئیں تو خوب خوش ہونا چاہیے کیونکہ یہ علامت ہے ایمان کی، جیسا کہ حدیث میں ہے ذاك صريح الايمان تو صاف ایمان ہے۔ چور گھر میں جب

آ تا ہے جبکہ گھر میں مال بھی ہو۔ اس وجہ سے وسوسے نیکوں کو ہی آتے ہیں اور جو گناہ میں مبتلا ہیں ان کو کبھی وسوسہ نہیں آتا۔ اور مصلحت اس خوش ہونے میں یہ ہے کہ اس سے وسوسہ آنا بند ہو جائے گا۔ کیونکہ شیطان کا مقصود تو وسوسہ ڈالنے سے یہ ہے کہ رنج وغم میں مبتلا ہو۔ اور جب یہ اور الٹا خوش ہو گا۔ تو وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا سبحان اللہ کیا اچھا علاج ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ایسے وسوسوں کا آنا جو خیال ہی کے مرتبہ میں ہو خدا تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں جو وسوسے عقیدہ کے مرتبہ میں ہوں اور ان پر عمل کرنے کو آمادہ ہو جائے تو ایسے وسوسے اس کے دل میں آئیں گے جس کے دل میں عظمت نہ ہو۔ پس جبکہ یہ فرق عظمت کی وجہ سے ہے کہ جس کی عظمت اور بڑائی دل میں ہے اس کے حکموں میں تو حجتیں نہیں نکالی جاتیں۔ اور جس کی عظمت دل میں نہیں اس کے حکموں میں حجتیں نکالی جاتی ہیں۔ پس حق تعالیٰ کے اور اس کے حکموں کی عظمت دل میں پیدا کرنا چاہیے تا کہ یہ شبے اور برے وسوسے بند ہوں۔ اور خدا تعالیٰ کے حکموں سے مراد خاص قرآن نہیں بلکہ حدیث وفقہ[1] بھی اس میں داخل ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکموں کی عظمت ضروری ہے۔ اس لیے کہ آپ کے احکام اصل میں خدا تعالیٰ ہی کے احکام ہیں۔ اور اسی طرح فقہاء کے حکموں کی بھی عظمت ضروری ہے اس لیے کہ وہ سب قرآن وحدیث ہی کے حکموں سے لی گئے ہیں اس لیے ان میں بھی حجتیں نکالنا' وجہ دریافت کرنا نہایت بے ادبی ہے۔ ہاں طالب علم اگر علمی لیاقت بڑھانے کے لیے وجہ دریافت کرے تو کچھ حرج نہیں۔ مثلاً حکیم نے بیمار کو ایک نسخہ لکھ کر دیا۔ اگر بیمار دریافت کرنے لگے کہ جناب آپ نے گل بنفشہ اور گاؤزبان کیوں لکھا ہے؟ حکیم ہو گا تو اس کو کان پکڑ کر نکال دے گا۔ اور اگر کوئی طالب علم جو اس فن کو حاصل کرنے آیا ہے' سوال کرے تو اس کے سوال کرنے سے خوش ہو گا اور بیان کرے گا۔ پس عالم لوگوں کا پوچھنا

---

[1] مسئلوں کے علم کو فقہ کہتے ہیں ۱۲

ایک بیہودہ حرکت ہے۔ اور اگر ضد میں سوال کرے تو سخت بے ادبی اور کفر کے قریب ہے۔ افسوس ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تو شریعت کا حکم بیان کرنے میں کیسی مشقتیں اٹھائیں' ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔ اور ہماری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ہمارے روشن خیال بھائیوں نے اس کی یہ قدر کی کہ عمل کرنے کے بجائے ان میں اپنی رائے کہ دخل دینے لگے کہ فلاں حکم عقل کے خلاف ہے فلاں موافق ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ حضور ﷺ کا احسان مانتے اور جب کوئی حکم ملتا' سر آنکھوں پر عمل شروع کر دیتے پھر دیکھتے کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ غرض ہم کو آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا بیمار ایک مہربان حکیم سے کرتا ہے' کہ وہ جو کچھ بھی اس کے لیے تجویز کرتا ہے یہ اس کو اپنی مصلحت سمجھتا ہے' اور احسان مند ہو کر عمل کرتا ہے۔ سو اس حدیث میں ہماری ضرورت پر نظر فرما کر یہ ضروری مضمون ارشاد فرمایا گیا ہے کیونکہ ہم اس بلا میں پھنسے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے اس وقت اس حدیث کے اختیار کرنے کی۔ سو یہ مرض جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے ہم لوگوں میں آجکل رچ رہا ہے۔ یعنی جس چیز پر ہم لوگوں کی نظر ہے اس پر حق تعالیٰ کی نظر نہیں اور جس پر حق تعالیٰ کی نظر ہے اس پر ہماری نظر نہیں۔ ہم لوگوں کی نظر تو صورتوں اور مالوں پر ہے اور حق تعالیٰ کی ان پر نظر نہیں' حق تعالیٰ کی نظر نیتوں اور کاموں پر ہے اس پر مخلوق کی نظر نہیں۔ اور یہ حق تعالیٰ کے ساتھ اچھا خاصا مقابلہ ہے خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ مخلوق کی صورت پر تو نظر یہ ہے کہ رات دن کوشش ہے کہ ہماری صورت' ہمارا لباس' ہماری وضع' ہمارا طرز و انداز لوگوں کی نظروں میں بھلا معلوم ہو۔ ہر شخص تھوڑا بہت اسی دھن میں ہے۔ اور رات دن سوائے بناؤ سنگار کے کوئی مشغلہ نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بناؤ سنگار اور زینت کرنا منع ہے۔ زینت کرنا جائز ہے مگر کب تک۔ جب تک کہ اس میں حد سے نہ گزرے اور اس میں زیادہ مشغول نہ ہو۔ اور جب اس میں زیادہ مشغولی ہوئی تو وہ غفلت کا سبب ہو جاتی ہے اور اس صورت میں اس کا ناجائز ہونا ظاہر ہے۔ غرض زینت اور بناؤ سنگار کو مشغلہ نہیں بنانا چاہیے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ کہ رسول اللہ ﷺ

نے روز مرہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے ناغہ کر کے کنگھی کرنے کی اجازت دی۔ اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ رات دن بناؤ سنگار میں مشغول رہتے ہیں وہ کمال سے خالی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ان میں کمال ہوتا تو اس میں مشغول ہونے سے زینت کی طرف توجہ نہ رہتی۔ بناؤ سنگار اگرچہ جائز وضع اور شکل پر ہو مگر جب اس میں رات دن مشغولی ہو تو ناجائز ہے۔ اور اب تو جائز وضع سے بھی گزر کرنا جائز وضع پر زینت کرتے ہیں۔ غیر قوموں کے لباس اور طرز کو پسند کرتے ہیں۔ ڈاڑھی کے دشمن ہیں اور جائز ناجائز کے لحاظ کے علاوہ ویسے اسلامی غیرت کا بھی تو یہی تقاضا تھا کہ اہم اپنی وضع کے پابند رہتے۔ جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اور ہماری دوسری قوموں کے مقابلہ میں ایک خاص پہچان ہوتی، مگر اب وہ غیرت اسلام اڑ گئی۔ مسلمانوں کی پہچان اصل میں وضع اور کاموں سے تھی، مدت سے کاموں کی پہچان تو نہ رہی تھی کیونکہ عام طور پر لوگوں نے اسلام کے موافق کام کرنے ہی چھوڑ دیئے تھے جس سے پہچان ہوتی۔ صرف وضع کی پہچان باقی تھی، سو افسوس ہے کہ اب وہ بھی رخصت ہوئی۔ شاید کوئی کہے کہ ہماری شناخت ترکی ٹوپی سے ہے کیونکہ اس قسم کی ٹوپی اور کوئی قوم استعمال نہیں کرتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ٹوپی حیدر آباد دکن میں ہندو بھی استعمال کرنے لگے ہیں اس لیے اس سے کچھ بھی شناخت نہ رہی۔ دوسرے یہ کہ اگر ٹوپی کسی وقت سر پر نہ ہو جیسے کہ اکثر نئے تعلیم پائے ہوئے لوگوں کا یہ فیشن ہے کہ ننگ سر ہی رہتے ہیں تو پھر شناخت کس چیز سے ہوگی تو اب ہر وقت سر پر ٹوپی رکھنے کو ضروری کہا جائے گا۔ جیسے مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ میرے ہاں ایک مہمان آئے، میں نے اپنے ایک بھولے دوست سے کہا کہ دیکھو ان کو مکان سے کھانا بھیجوں گا، کھلا دینا۔ اس کے بعد مکان سے کھانا آیا تو وہ مہمان میرے پاس بیٹھے تھے، وہ دوست آ کر کہنے لگے کہ کھانا تو آ گیا مگر وہ مہمان معلوم نہیں کہاں ہیں۔ میں نے کہا یہ سامنے کیا بیٹھے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان کے پاس چادر تو ہے ہی نہیں۔ میں نے ہنسی میں ان مہمان سے کہا، کہ آج سے یاد رکھیئے کہ آپ ہر وقت چادر اوڑھے رہا کیجیے ورنہ کھانا نہ ملا

کرے گا۔ تو کیا چادر کی طرح ہر وقت ٹوپی سر پر رکھنا ضروری ہوگا۔ غرض ٹوپی کوئی خاص علامت نہیں۔ خاص جسم کے اندر بھی کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ داڑھی ہے' اور دوسری علامت لباس ہے۔ بغیر ان دونوں علامتوں کے شناخت نہیں ہوسکتی۔ نہ تو صرف داڑھی ہی کافی ہے اس لیے کہ لڑکوں کی داڑھی نہیں ہوتی۔ اگر شناخت کے لیے داڑھی رکھی جائے تو لڑکوں کی شناخت کس چیز سے ہوگی۔ دوسرے اس لیے بھی کہ اور بھی بہت سی قومیں داڑھی رکھتی ہیں۔ ان سے شناخت سوائے لباس کے کسی چیز سے نہیں ہوسکتی۔ اور نہ صرف لباس شناخت کے لیے کافی ہے اور ظاہر ہے' پس دونوں کی ضرورت ہوئی۔ غرض اسلامی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی اسلام وضع کی حفاظت رکھیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنے کا مسئلہ قرآن میں دکھلاؤ۔ سو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حدیثوں سے جو احکام ثابت ہو چکے ہیں وہ سب خداوندی احکام ہیں' کیونکہ حدیث پر عمل کرنے کا حکم خود قرآن میں ہے۔ پس اس طور پر حدیثوں کے تمام حکم قرآن میں ہیں۔

(۲) زینت کی بعض وضع کا ناجائز ہونا شروع سے یقیناً ثابت ہے۔ مگر لوگ اسلامی وضع کے ایسے دشمن ہوئے ہیں کہ اس میں طرح طرح کی حجتیں نکالتے ہیں۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ غیر قوموں سے مشابہت پیدا کرنے کی ممانعت جس حدیث میں ہے اس کا پورا ثبوت نہیں کہ حضور ﷺ ہی کی فرمائی ہوئی ہے۔ بلکہ اس میں شبہ ہے اور اس کا ثبوت کمزور ہے۔ سبحان اللہ' اچھے اچھے تحقیق کرنے والے اور جانچنے والے پیدا ہوئے ہیں حدیث کے ثبوت کی کمزوری اور قوت پہنچانے والے بھی آپ ہی ہیں۔ خیر اگر تمہارے نزدیک اس حدیث کا ثبوت کمزور ہی ہے تو دوسری حدیثیں بھی تو موجود ہیں جن کا ثبوت قوی ہے دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت کا ناجائز ہونا تو بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شکل بنائیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی شکل بنائیں تو جبکہ مردوں کو عورتوں کی مشابہت ناجائز ہے حالانکہ ہمارے میں اور عورتوں میں اسلامی شرکت بھی ہے تو

جہاں کہ اسلامی شرکت بھی نہ ہو جیسے کافروں میں ان کے ساتھ مشابہت اور ان کے وضع بناتا تو کیسے جائز ہوگا۔

جو صاحب اس مسئلہ میں کلام کرتے ہیں ان سے ہماری ایک عرض ہے اگر اس کو انہوں نے پورا کر دیا تو ہم آج ہی سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ان سے اس مسئلہ میں گفتگو نہ کریں گے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنا لباس اتار دیجئے اور دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ کا کمخواب کا پائجامہ اور سرخ ریشمی کامدار کرتہ اور بنارسی دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار اور تمام زیوروں سے سج کر جہاں آپ کے یار دوست چھوٹے بڑے بیٹھے ہوں وہاں تشریف لا کر تھوڑی دیر کے لیے ذرا کرسی پر اجلاس فرما لیجئے۔ اگر آپ نے یہ حرکت کر لی تو ہم مشابہت کے مسئلہ میں آپ سے کبھی گفتگو نہ کریں گے مگر مجھے امید نہیں کہ کوئی صاحب اس پر راضی ہو جائیں گے۔ بلکہ اگر ان کو ہزار روپیہ بھی دیں تب بھی راضی نہ ہوں گے اور اس کو عار سمجھیں گے تو بتلائیے یہاں ناگواری اور رکنے کا سبب عورتوں کے ساتھ مشابہت ہونے کے سوائے اور کیا ہے۔ افسوس ہے کہ عورتوں کی وضع بنانا تو عار ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی وضع بنانا گوارا ہے۔ غرض کی طرح طرح کی زینتوں میں اپنی صورت پر نظر ہوئی اور دوسرے کی صورت پر نظر یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ امیر ہے یا غریب کالا ہے یا گوارا' اچھا لباس پہنے ہوئے ہے یا برا' پھر برتاؤ ہر ایک کے ساتھ جداگانہ کرتے ہیں عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو اس کی تعظیم بھی ہوتی ہے عزت ہوتی ہے اگرچہ وہ کمال سے بالکل خالی ہو۔ اور جو ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہے اگرچہ صاحب کمال ہو اس کی پوچھ تک نہیں ہوتی۔ اسی طرح امیروں کی بہت تعظیم ہوتی ہے غریبوں کو پاس تک نہیں آنے دیتے۔ اور میں امیروں کی تعظیم سے بالکل منع نہیں کرتا۔ بلکہ اگر تکلیف سے بچنے کے لیے ہو یا صرف ان کا دل خوش کرنے کے لیے ہو تو جائز ہے۔ اگر دنیا کے نفع کے لیے امیروں کو خوشامد اور تعظیم کرے تو یہ منع ہے۔

حاصل یہ کہ آجکل آدمیوں کی قدر لباس سے کی جاتی ہے۔اسی لیے عالموں کی قدر نہیں کیونکہ یہ بیچارے ٹوٹی پھوٹی حالت میں رہتے ہیں۔لباس اور وضع کے اعتبار سے بھی اور مال کے اعتبار سے بھی۔غرض ہر طرح ظاہری حالت ان کی گری ہوئی ہوتی ہے اسی لیے دنیاداروں کی نظر میں وہ پست خیال تاریک خیال سمجھے جاتے ہیں۔لیکن خدا کی قسم اگر ان کو دین کا ذرا چسکا لگ جائے تو یہ کبھی دنیا اور دنیا داروں کی طرف تھوکیں بھی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جو مولوی دیندار ہیں وہ دنیا کی طرف رخ بھی نہیں کرتے اور نہ ان کو اپنے پاس دنیا نہ ہونے کی حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے یہ علم کیوں پڑھا تھا جس سے یہ ٹوٹی پھوٹی حالت ہوگئی' مگر شرط یہی ہے کہ دین کا چسکا لگ جائے۔غرض نہ ان کو دنیا سے محروم ہونے پر افسوس ہے اور نہ وہ دنیا کمانے کی تدبیر میں لگتے ہیں۔اور ہم نے بعض دنیا داروں کو جو کہ دنیا کا علم پڑھتے ہیں دیکھا ہے کہ وہ دین کی طرف آتے ہیں اور دنیا کے علوم چھوڑ چھوڑ کر دین کا علم پڑھتے ہیں اور جو دنیا کا علم پڑھ چکے ہیں ان میں بھی بہت لوگ جو بڑے بڑے عہدوں پر ہیں پچھتاتے ہوئے اور دین کا علم حاصل نہ کرنے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک انگریزی پڑھنے والے انگریزی چھوڑ کر دین کا علم پڑھنے کو آئے ان سے کسی نے پوچھا کہ تم نے انگریزی کیوں چھوڑ دی۔کہا میں نے چاہا کہ میں بھی انسان بن جاؤں پوچھنے والے نے کہا کہ کیا تم اب تک انسان نہ تھے کہا نہیں' الناس باللباس مشہور ہے یعنی انسانیت لباس سے ہے اور لباس خدا تعالیٰ نے خاص کر دیا ہے ولباس التقوی ذلک خیر یعنی پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے۔ پس پرہیز گاری کے لباس کے بغیر انسان' انسان نہیں بن سکتا۔پس دنیا سے بہتوں کا دین کی طرف آنا اور دنیا کی طرف ایک کا نہ جانا یہ کیا دلیل نہیں ہے دین کے عمدہ اور اعلیٰ ہونے کی اور دنیا کے حقیر اور دنیا ادنیٰ ہونے کی مگر جن لوگوں کی طبیعتیں بگڑ گئی ہیں انہوں نے دین داری کی حالت کو ادنیٰ اور حقیر اور دنیا داری کی حالت کو عمدہ اور اعلیٰ قرار دیا ہے۔ اور ان کی بالکل لباس پر نظر ہے اور غریب بیچارے خواہ باکمال ہوں یا بے کمال' ان کو نظر د

سے گرار کھا ہے۔ اور اس پر عجب یہ ہے کہ ان کو ہمدردی کا بھی دعویٰ ہے۔ افسوس دیکھیے جناب رسول اللہ ﷺ غریبوں کے ساتھ کس طور پر عنایت اور حمدلی سے پیش آتے تھے۔ اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی حضرت زاہر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں گاؤں میں رہا کرتے رہتے۔ کبھی کبھی مدینہ شریف حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' اور گاؤں کی چیزیں حضور ﷺ کے لیے ہدیہ ہیں لاتے اور حضور ﷺ ان کو شہر کی چیزیں عنایت فرمایا کرتے اور یہ فرمایا کرتے' زاہر ہمارا گاؤں ہے اور ہم زاہر کے شہر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں چلے جاتے تھے' حضور ﷺ نے آ کر پیچھے سے ان کی گولی بھرلی' آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھا جیسا آج کل کرتے ہیں' کیونکہ اس سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بولے' یہ کون ہے چھوڑ دو۔ پھر جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہیں' پھر تو انہوں نے غنیمت سمجھا کہ آج کا دن پھر کہاں نصیب۔ اپنی پیٹھ کو حضور کے جسم مبارک سے خوب ملنا شروع کیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہنسی سے فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ میرا گاہک کون ہے میں تو کم قیمت ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کہ نزدیک تو کم قیمت نہیں۔ دیکھیے آپ ﷺ ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ان کے خوش کرنے کو مذاق بھی فرمایا اور حضور ﷺ اسی مصلحت کے لیے کبھی کبھی مذاق بھی فرمایا کرتے تھے تا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دل کھلے اور وہ خوش ہوں۔ آجکل بہت لوگ قومی ہمدردی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ قوم سے ان کو نا مناسبت ہے نہ انسیت ہے۔ بنگلوں میں آبادی سے باہر راہتے ہیں۔ اور دو دقتہ گوشت بھنا ہوا اور چائے اور انڈے اور بسکٹ قسم قسم کی ان کی غذا ہے۔ اور ان کے غریب بھائی شہر میں بھوکے ننگے پھرتے ہیں اور ان کو خبر تک بھی نہیں۔ اگر کسی کے لیے کچھ خیر خواہی وغیرہ کرتے بھی ہیں تو وہ بھی امیروں کے لیے سو اس کو قومی ہمدردی نہیں کہتے' بلکہ قومی ہمدردی کے تو یہ معنی ہیں کہ غریبوں کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ سو وہ لوگ غریبوں کی کیا ہمدردی کریں گے جن کے یہاں غریبی اور افلاس خود جرم سمجھا جاتا ہو۔

البتہ قومی ہمدردی شریعت نے سکھلائی ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں ہے کہ سب مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں۔ جب ایک عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو باقی جسم بھی اس کی موافقت کرتا ہے کہ اس کو بھی قرار اور چین نہیں ہوتا۔ اور غریبی اور افلاس کو جرم جب قرار دیا جائے جب کہ یہ ہمیشہ بے تدبیری کا نتیجہ ہو۔ حالانکہ یہ تو صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ خدا جس کے لیے چاہتے ہیں رزق کو کشادہ کر دیتے ہیں' اور جس پر چاہتے ہیں تنگ کر دیتے ہیں' اور اس میں حق تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ جو لوگ افلاس اور فاقہ میں مبتلا ہیں ان کے لیے یہی حکمت الٰہی ہے اور جو مالدار ہیں ان کے لیے اس میں حکمت ہے۔ کوئی ایک دوسرے کو حقیر نہ جانتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حالت سے خوب واقف ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ ان کا ایمان افلاس سے باقی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو مالدار کر دے تو وہ اس قدر نافرمانی اختیار کریں کہ کفر تک پہنچ جائیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ ان کا ایمان مالداری کی وجہ سے بچا ہوا ہے۔ اگر ان پر افلاس آ جائے تو کفر میں مبتلا ہو جائیں۔ بہت سے مریض ایسے ہیں کہ ان کا دین مرض کی وجہ سے صحیح سالم ہے۔ اگر تندرست و جائیں تو دنیا میں لگ کر خدا تعالیٰ کو بھول جائیں۔ اور بہت سے تندرست ایسے ہیں کہ ان کا دین تندرستی کی وجہ سے بچا ہوا ہے۔ غرض جو جس حالت میں ہے اس کے لیے وہ مصلحت اور پسندیدہ ہے۔ غرض ہمدردی کا سبق آجکل بہت گایا جارہا ہے لیکن حقیقت میں سچی ہمدردی وہی کر سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابعدار ہو' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی نے ہمدردی کے طریقے نہیں سکھلائے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں تک کے ساتھ ہمدردی کا حکم سکھایا ہے اور سچے تابعداروں نے اس پر عمل کیا ہے۔

چنانچہ حضرت سید احمد رفاعی رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک خارشی کتا نہایت تکلیف میں ہے اور اس کا سارا بدن خارش سے زخمی ہو گیا ہے ہر شخص اس سے

نفرت کرتا ہے اور دوسرے کتے بھی اس کو پاس آنے نہیں دیتے۔ ان کو اس پر رحم آیا' اور اس کو اپنے گھر لائے اور اپنے ہاتھ سے اس کے بدن پر دوا ملا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا' پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا' میرے تمام کاموں میں سے یہ کام پسند آیا کہ ایک روز میں چلا جاتا تھا اور جاڑے کا موسم تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بلی کا بچہ سردی میں اکڑ رہا ہے مجھ کو رحم آیا اور اپنے لحاف میں اس کو لے کر سویا۔ یہ کام میرا پسند آیا اور حکم ہوا کہ اس کام کی وجہ سے ہم نے تم کو بخش دیا۔ مجھ کو اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یعنی شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کی حکایت یاد آئی کہ ایک بار انہوں نے ایک کتے کہ بچہ کیچڑ میں پڑا دیکھا سردی سے اس کا برا حال تھا۔ کوئی حمام قریب تھا' وہاں لے جا کر اس کو غسل دلایا۔ اس کے ایک مدت بعد یہ اتفاق ہوا کہ وہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک چھوٹا راستہ ملا جس کو پگ ڈنڈی اور بیٹا کہا جاتا ہے' اور وہ راستہ اس قدر تنگ تھا کہ دشواری سے ایک آدمی اس پر چل سکتا تھا۔ اور دونوں طرف اس کے کیچڑ اور ناپاکی تھی' سامنے سے ایک کتا آ گیا اور دونوں رک گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے کتے تو نیچے اتر تاکہ میں نکل جاؤں۔ ان کو کشف[1] سے معلوم ہوا کہ کتے نے یوں کہا کہ کیا تعجب ہے آجکل کے درویش اپنے آرام کو دوسروں کے آرام پر ترجیح دیتے ہیں اور پہلے بزرگ دوسروں کے آرام کو اپنے آرام پر مقدم رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں' بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ میرے ذمہ تو خدا تعالیٰ کے بہت سے فرض ہیں۔ اگر میں ناپاکی میں سن گیا تو بدون کپڑے دھوئے نماز کیسے پڑھوں گا اور دھونے کی مشقت میں مبتلا ہوں گا اور تیرے ذمہ کوئی فرض نہیں تو اگر ناپاک ہو گیا تو تیرا کچھ حرج نہیں سوکھ کر پھر ویسا ہی ہو جائے گا اس نے کہا کہ یہ سچ ہے۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر

---

[1] حق تعالیٰ کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دیں اس کا نام الہام ہے ١٢۔

آپ اتر گئے اور ظاہری ناپاکی میں سن گئے تو یہ ناپاکی ایک لوٹے سے دھل جائے گی اور اگر میں نیچے اتر گیا اور تم پاک صاف چلے گئے تو یاد رکھنا کہ تمہارے دل میں وہ ناپاکی پیدا ہوگی جو سات سمندروں سے بھی نہ جائے گی اور وہ ناپاکی اپنے کو اچھا اور بڑا سمجھنا ہے کہ اس سے اپنے اوپر گمان اور گھمنڈ پیدا ہو جائے گا۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ اس سے حضرت شاہ صاحب پر حالت طاری ہوئی۔ اور نیچے کود پڑے اور کتا بیٹا سے نکل گیا۔ اس کے بعد الہام ہوا کہ اے عبدالرحیم تم کو معلوم ہوا کہ یہ کیا قصہ ہے بات یہ ہے کہ تم نے اس کے ایک ہم جنس پر یعنی کتے کے بچہ پر ایک مرتبہ احسان کیا تھا۔ ہم نے نہ چاہا کہ اس پر تمہارا احسان رہے۔ ہم ن اس کی ہی قوم میں سے ایک کتے کے ذریعہ سے اس کے بدلے میں اتنا بڑا علم تم کو دلایا۔ سبحان اللہ بزرگوں کی کیا شان ہے۔ اور کیسے کیسے معاملے ان کو حق تعالیٰ کی جانب سے پیش آتے ہیں۔ صاحبو! اس کا نام ہمدردی ہے جو ان حضرات میں تھی اور لوگ ان کو بدنام کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سختی بہت ہے اور بڑا تعصب ہے۔ بات بات میں بگڑتے ہیں۔ حضرت آپ کو تعصب کے معنی ہی کی آج تک خبر نہیں ہے۔ اگر دین کے لیے جوش ہو تو وہ تعصب نہیں ہے' اس کا نام غیرت ہے۔ تعصب کہتے ہیں ناحق کی طرفداری کرنے کو۔ سو جو شخص علماء میں تعصب بتلاتا ہے وہ اول اس بات کو ثابت کرے کہ جس چیز پر ان کو جوش آیا وہ ناحق تھی میں نے ایک روشن دماغ سے کہا کہ اگر کوئی کسی سے آ کر یہ کہے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کی اماں جان بازار میں بیٹھا کرتی تھی تو یہ بات سن کر بگڑے گا یا نہیں اور اس شخص کے بے اختیار دھول رسید کرے گا یا نہیں' کہ نالائق ہمارے بے آبروئی کرتا ہے مجھ کو تو یہ امید نہیں کہ وہ نہایت نرمی سے دلیلوں سے اس کا جواب دے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس کو آپ کیا کہیں گے۔ کیا یہ غیرت کہلائے گی یا تعصب' یقیناً اس کو تعصب کہیں گے۔ تو جب اس کو اماں کے لیے جوش آیا۔ اسی طرح جو لوگ دین کے فدائی اور شیدائی ہیں اور دین کی عزت پر اپنی عزت و آبرو کو نثار کرتے ہیں۔ ان کو دین کے لیے جوش ہوتا ہے۔ ان کے سامنے جب

کوئی بد دین ایسا کلمہ بکتا ہے جس سے دین پر دھبہ آئے۔ خاص کر جب کہ بدتہذیبی اور مسخرے پن اور معنی سے کہے تو ان کو غصہ آ جاتا ہے۔ اور اگر نہ آئے تو وہ دیندار نہیں ہے بے غیرت ہے۔ سو یہ غصہ اور سختی تو غیرت کی بات ہوئی اس میں رحمت اور شفقت کے خلاف کیا بات ہوئی۔ یہ حضرات تو اس درجہ رحیم اور مہربان ہوتے ہیں کہ جس کا حدو حساب نہیں۔

ایک بزرگ نے اپنے مرید سے کہا کہ اگر کوئی تم کو ستائے تو نہ صبر کیجئو اور نہ بدلہ لیجیو۔ بدلہ تو اس لیے نہ لینا کہ جیسے تم کو تکلیف ہوئی ہے ایسی ہی تمہارے کو تکلیف ہوگی اور صبر اس لیے نہ کرنا کہ صبر کا وبال اس پر پڑے گا اور پھر اس پر کوئی بلا آئے گی۔ سو یہ بھی تم کو گوارا نہ ہونا چاہیے کہ تمہاری وجہ سے ایک مسلمان پر وبال پڑے اس نے پوچھا کہ پھر کیا کریں؟ فرمایا کچھ بھلا برا کہہ کر اپنے دل کا غبار نکال لیا کرو۔ سبحان اللہ اصلی ہمدردی یہ ہے۔

ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے بازار سے شکر خریدی اور خوب مضبوط کپڑے میں باندھ لی۔ گھر یہاں سے دور تھا۔ گھر جا کر جو کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک چیونٹی بھی ہے۔ اس کو دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ یہ بے چاری گھر سے بے گھر ہوئی تو پھر اسی جگہ واپس تشریف لائے اور اس چیونٹی کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑ آئے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہمدردی میں بھی حد سے نہ گزرے۔ پس گائے بکری کا ذبح کرنا شفقت اور ہمدردی کے خلاف نہیں کیونکہ وہ عمل ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکم پر جو کہ تمام چیزوں کے مالک ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کو ہمارے لیے حلال فرمایا ہے اس لیے ایسی ہمدردی ہم نہیں کر سکتے۔ ایسی ہمدردی کریں گے تو خدا تعالیٰ کی خفگی اٹھانی پڑے گی۔ کیونکہ گائے بھینس بکری خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے کوئی چیز نہیں ہیں۔ اگر ہم ان کی رعایت کریں اور ان کو ذبح نہ کریں تو خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو جائے گا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون پر ایک حکایت لکھی ہے کہ سلطان محمود نے ایک

مرتبہ ایاز کی فرمائش کی کہ ایک موتی بڑا قیمتی تھا۔ اس کی نسبت وزیر اعظم سے کہا کہ اس کو توڑ ڈالو وزیر نے عرض کیا کہ ایسا نادر موتی نایاب کہاں ملے گا۔ پھر اور وزیروں امیروں سے کہنا۔ غرض کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ ایاز کا نمبر آیا۔ ایاز سے کہا کہ یہ موتی توڑ ڈالو۔ ایاز نے فوراً توڑ ڈالا۔ پھر محمود نے غصہ کے لہجہ میں پوچھا کہ کیا حرکت کی' کہا کہ حضور خطا ہوئی۔ وزیروں نے ایاز کو ملامت کی کہ تو نے ایسا موتی توڑ ڈالا۔ ایاز نے کہا کہ بیوقوفو! تم نے تو شاہی حکم کو توڑ ڈالا اور میں نے موتی ہی توڑا' جس کی شاہی حکم کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں۔ لو حضرت ہماری تو ہمت نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو فرمائیں گے کہ گائے ذبح کرو اور ہم کہیں کہ ذبح مت کرو۔ دوسرے اگر ہم رحم کھا کر گائے کو چھوڑ دیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم خدا سے زیادہ مہربان ہیں۔ حالانکہ خدا کی مہربانی کے سامنے ہماری مہربانی ہے ہی کیا چیز' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بدکار عورت اور بدکار مرد ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو تم اللہ کے دین کے بارہ میں' یعنی اس کے حکم کے پورا کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آجائے۔ پس ہم کو تو حکم کا بندہ بننا چاہیے۔ جہاں جو حکم ہو وہاں اسی پر عمل کریں۔ یہ تھی ہمدردی کی تحقیق' جس کی ہمدردی کے دعویٰ کرنے والوں کو ہوا بھی نہیں لگی۔ جو بناؤ سنگار میں مشغول رہ کر غریبوں کو ان کی ٹوٹی پھوٹی پوشاک اور بے سروسامانی کی وجہ سے حقیر سمجھتے ہیں۔ یہاں تک بیان صورت کے متعلق تھا۔

اب مال کو لیجئے اور اس وقت اکثر نے مال ہی کو قبلہ وکعبہ بنالیا ہے حالانکہ سوچنا چاہیے کہ مال قارون کے پاس کس قدر تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اگر مال کا ہونا کوئی شرافت کی بات ہوتی تو حضور ﷺ کے پاس تو کثرت سے مال ہوتا اور قارون کے پاس بالکل کچھ نہ ہوتا۔ لیکن اب مال ہی کو کمال سمجھتے ہیں اور اس کے لیے دین بھی برباد کرتے ہیں۔ اب تو اس پر نظر ہے کہ جس طرح ہو سکے مال ہاتھ آنا چاہیے خواہ جائز ہو یا ناجائز کسی پر ظلم ہو یا رحم۔

ایک شخص جو کہ علم کا دعویٰ کرتے تھے، سود لیتے تھے۔ ان پر کسی نے اعتراض کیا کہ

میاں! تم سود لیتے ہو حالانکہ وہ حرام ہے۔ تو وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میاں چپ رہو، کس کا حلال اور کس کا حرام۔ یہ وہ وقت ہے کہ مسلمانوں کو مال جس طرح ہاتھ لگے، چھوڑنا نہ چاہئے۔ میں ان سے اور جو صاحب ان کے ہمرنگ ہوں، کہتا ہوں کہ جب آپ کا دعویٰ ہے کہ مال جس طرح ہاتھ آئے لے لو سو مال تو چوری اور ڈکیتی سے بھی ہاتھ آتا ہے' یہ بھی شروع کر دو۔ شرع کے حکموں کو چھوڑا ہے۔ تو سلطنت کے حکموں کو بھی چھوڑ دو۔ دیکھو پھر کیا ہوتا ہے۔ افسوس ہزار افسوس دنیا کے کاموں کے خلاف تو جیل خانہ کے ڈر سے کچھ نہ کیا جائے اور حاکم حقیقی کی مخالفت پر دلیری کی جائے۔

بعض لوگوں کا حیلہ کہ ہم دنیا دین کے لیے کماتے ہیں اور اس کا جواب:

بعض لوگ حیلہ کرتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا دین کے لیے کماتے ہیں۔ اگر دنیا نہ ہوگی تو دین کی بھی درستی نہ ہوگی۔ مگر یہ کہنا ان کا اس وقت صحیح ہوتا جب کہ ہم دیکھتے کہ وہ دنیا کی ترقی کے ساتھ دین کی بھی ترقی کر رہے ہیں۔ ہم تو روز روشن کی طرح دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر دنیا بڑھتی جاتی ہے اسی قدر دین میں کمی آتی جاتی ہے۔ حضرات یہ دنیا کچھ کام نہیں آئے گی۔ اور آخرت میں کام نہ آنا تو ظاہر ہی ہے۔ ہم تو اس کا کام میں نہ آنا اور اس کے حاصل کرنے پر حسرت ہونا یہیں دیکھ رہے ہیں۔ جب کوئی دنیا دار مرنے لگے' مرتے وقت اس سے پوچھنا چاہیے کہ دنیا حاصل کرنے کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے کیا اب بھی وہی رائے ہے یا بدل گئی۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ وہ ضرور پہلی رائے سے پھر جائے کیونکہ جس بازار میں وہ اب جا رہا ہے وہاں یہ سکہ نہیں چلتا جو اس نے عمر بھر جمع کیا ہے اور جو سکہ وہاں چلتا ہے وہ اس کے پاس ہے ہی نہیں کیونکہ وہ اس کے جمع کرنے کو بے فائدہ بتلایا کرتا تھا۔ وہاں تو وہ سکہ چلتا ہے جو ظاہر میں تم کو کالا معلوم ہوتا ہے اور واقع میں وہ خالص چاندی ہے اور جو جمع کیا ہے وہ ظاہر میں چاندی ہے اور واقع میں لوہا ہے۔ مگر اس وقت آنکھیں بند ہیں' لیکن عنقریب آنکھیں کھل جائیں گی اور حقیقت نظر آ جائے گی۔ اس وقت تو خواب کا سا قصہ ہو رہا ہے۔ جب آنکھ کھلے گی اس

وقت معلوم ہوگا کہ ہم سراسر نقصان میں تھے۔

ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ہمیشہ بستر پر پیشاب کر دیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ کم بخت تجھ کو کیا ہو گیا ہے' ہر روز بستر پر پیشاب کر دیتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں خواب میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ مجھ کو سیر کے لیے لے جاتا ہے اور جب مجھ کو حاجت ہوتی ہے کسی جگہ پر بٹھا کر کہتا ہے کہ پیشاب کر لے میں پیشاب کر دیتا ہے۔ بیوی نے کہا کہ شیطان تو جنوں میں سے ہے اور جن بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں۔ اس سے کہنا کہ ہم مفلس ہیں اور فاقہ میں رہتے ہیں ہم کو روپیہ کہیں سے لا دے۔ اس نے کہا بہت اچھا اب اگر خواب میں آیا تو ضرور کہوں گا۔ روز مرہ کی طرح شیطان آیا' اس نے کہا کہ کم بخت تو مجھ کو ہمیشہ پریشان کرتا ہے اور ہم فاقہ میں مبتلا ہیں۔ ہم کو کہیں سے روپیہ نہیں دلاتا۔ شیطان نے کہا' تو نے مجھ سے پہلے نہ کہا تیرے واسطے روپیہ بہت غرض ایک جگہ لے گیا اور وہاں سے بہت سارو پیہ اس کے اوپر لاد دیا۔ اس روپیہ کا اس قدر بوجھ معلوم ہوا کہ پاخانہ بھی نکل گیا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا بستر پر پیشاب پاخانہ موجود ہے اور روپیہ کا پتہ بھی نہیں۔ یہ حکایت تو ہنسی کی تھی مگر اس سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس جہان کی مثال بالکل خواب کی سی ہے۔ اور جو دنیا کمانے میں لگے رہتے ہیں ان کی مثال اس خواب دیکھنے کی ہے اور دنیا پاخانہ ہے۔ اس وقت ہم غفلت سے خواب میں ہیں۔ ہم کو خبر نہیں کہ ہم کیا جمع کر رہے ہیں۔ جب آنکھ کھلے گی یعنی موت آئے گی' اس وقت معلوم ہوگا کہ مال تو ندارد' مگر پاخانہ موجود ہے اس وقت کہیں گے۔ ارے ہم تو بڑے دھوکہ میں تھے جس کو ہم موتی سمجھتے تھے یہ تو سب پتھر کنکر نکلے۔

کونسی دنیا بری ہے:

بعض لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ یہ مولوی اوروں کو تو دنیا چھوڑنے کی رغبت دلاتے ہیں۔ اور خود دنیا کا مال جمع کرتے ہیں۔ ہم تو جب جانتے کہ خود چھوڑ بیٹھتے۔ اور اگر دنیا آتی تو لوٹا دیتے۔ جواب یہ ہے کہ ہم اس دنیا کو بتلاتے ہیں جس سے آدمی غفلت میں پڑ

جائے۔ اور دنیاداروں کی بڑائی کرتے ہیں جو اس میں ایسے کھپے ہوئے ہیں کہ دین کو بھی برباد کرتے ہیں اور جائز اور ناجائز کا بھی فرق نہیں کرتے اور جو دنیا بقدر ضرورت ہو یا ضرورت سے زائد ہو' مگر غفلت میں نہ ڈالے وہ بری نہیں' بلکہ بقدر ضرورت حاصل کرنا ضروری ہے۔

ملا جامی جب پیر کی تلاش میں خواجہ عبیداللہ احرار کے ہاں پہنچے' تو خواجہ صاحب کے ہاں بڑا ٹھاٹ تھا۔ ہر طرح کی دنیا کی نعمتیں موجود تھیں۔ ملا جامی آ کر بہت پچھتائے اور جوش میں خواجہ صاحب کے سامنے ہی بے اختیار منہ سے نکلا

نہ مرداست آں کہ دنیا دوست دارد

یعنی وہ مرد نہیں جو دنیا کو دوست رکھے۔ اور یہ کہہ کر بہت حسرت اور افسوس کے ساتھ مسجد میں جا کر لیٹ رہے۔ خواب میں دیکھا کہ قیامت کا میدان ہے۔ اور ملا جامی صاحب کسی قرض خواہ کے تقاضے سے سخت پریشان ہیں کہ ایک جانب سے حضرت خواجہ صاحب شان وشوکت سے تشریف لائے اور فرمایا کہ درویش کو کیوں پریشان کیا ہے۔ ہم نے جو خزانہ یہاں جمع کیا ہے اس میں سے دلوادو اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اس وقت خواجہ صاحب اسی مسجد میں آ رہے تھے' آپ نے فوراً حاضر ہو کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ اور عرض کیا کہ میری گستاخی معاف فرما دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ خواب وخیال کا اعتبار نہیں۔ اب تو ملا جی کو اور زیادہ اعتقاد ہوا۔ پھر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مصرعہ آپ نے کس طرح پڑھا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو میری بیوقوفی تھی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ نہیں ہم اس کو سننا چاہتے ہیں ملا جی نے فرمایا کہ میرے منہ سے یہاں کے سامان دیکھ کر یہ نکلا تھا...... نہ مرداست آنکہ دنیا دوست دارد یعنی مرد وہ نہیں ہے جو دنیا کو دوست رکھے۔ فرمالیا کہ یہ صحیح ہے مگر پورا نہیں اس کے ساتھ یہ مصرعہ اور ملادو اگر دارد برائے دوست دارد...... یعنی اگر دنیا کو دوست رکھے تو وہ سب یعنی حق تعالیٰ کے لیے رکھے۔

خلاصہ یہ کہ اگر دنیا کا مال بھی دین کے لیے ہو تو سبحان اللہ: ایسا مال دنیا نہیں بلکہ وہ سب دین ہیں۔ مال کی مثال پانی کی سی ہے اور دل کی مثال کشتی کی سی۔ اگر پانی کشتی کے اندر آ گیا تو اس کو ڈبو دیتا ہے۔ اور اگر باہر ہے تو اس کی مدد پہنچاتا ہے۔ اسی طرح مال اگر دل کے اندر ہو۔ یعنی اس کی محبت دل میں جگہ پالے تو وہ ہلاکت کا سبب ہے۔ اور اگر باہر رہے تو کچھ حرج نہیں۔ غرض کہ ضرورت کے لائق تو مال بہت ضروری ہے ورنہ پریشانی ہوتی ہے اور پھر وہی حالت ہوتی ہے کہ نماز کی نیت باندھتے ہیں اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ صبح کو بال بچے کیا کھائیں گے۔ تو ایسے مال کے حاصل کرنے سے ممانعت نہیں ہے۔ گفتگو اس مال میں ہے جو غفلت کا سبب ہو۔ اور جس کی وجہ سے دوسرے غریب بھائیوں کو حقیر سمجھنے لگے۔

آگے فرماتے ہیں۔ ولکن ینظر الی اعما لکم ونیا تکم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں۔ جب کہ ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ کی نظر عمل اور نیت پر ہے اور صورت اور مال پر نظر نہیں۔ تو عزیز بھائیو! آپ اپنی نیت اور عمل سنوارنے کی فکر کرو۔

خدا کا شکر ہے کہ ضرورت کے موافق اس حدیث شریف کے پہلے دونوں جزو تفصیل کے ساتھ بیان ہوگئے۔ اور اخیر کے دو جزو کی تفصیل باقی ہے۔ انشاء اللہ وہ پھر کسی وقت بیان ہو جائیں گے۔ فقط

تمت

✿✿✿

(۳۰) اخلاص حصہ دوم

منتخب از وعظ ہشتم دعوات عبدیت حصہ اول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

خطبہ ماثورہ:

اَمَّابَعْدُ! فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی نِیَاتِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ۔

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں پر نظر نہیں فرماتے لیکن تمہاری نیتوں اور کاموں پر نظر فرماتے ہیں۔''

اس حدیث کے متعلق یہ مضامین ہیں:

(ا) اس حدیث کے اول دو جز کا بیان پہلے جمعہ میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے اخیر کے دو جز باقی ہیں' موافق وعدہ کے آج ان کو بیان کرتا ہوں' اس حدیث کو بیان کے لیے اختیار کرنے کی وجہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہر زمانے کے لوگ مختلف مرضوں میں مبتلا ہوتے ہیں اس زمانہ کے مرضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہماری نظر بالکل دنیا ہی پر ہے' (جس کو حضور ﷺ نے صورت اور مال کے نام سے ذکر کیا ہے) اور جو اصل چیز ہے جس پر نجات کا دارو مدار ہے' اس پر بالکل نظر نہیں ہے اور وہ دین ہے جس کو حضور ﷺ نے عمل اور نیت کے نام سے ذکر کیا ہے' عوام دنیا دار تو اس مرض میں مبتلا ہیں۔

آجکل کے دینداروں کی نظر بھی صورت پر ہے:

ہم دیکھتے ہیں کہ جو اپنے کو دیندار کہتے ہیں یہ مرض ان میں بھی موجود ہے' جتنی دنیاداروں کی عزت اور قدر ان کے نزدیک ہے اس قدر دیندار کی نہیں' مثلاً ان کے پاس

دنیادار شان وشوکت والا آئے اور ایک ایسا دنیدار آئے جو نہ شان وشوکت رکھتا ہو اور نہ وہ پیرو بزرگ سمجھا جاتا ہو' نہ اس کے پاس مال ہو نہ کوئی کمال اس کا مشہور ہو' نہ وہ مولوی کہلاتا ہو بلکہ ضرورت کے لائق دین کا علم بغیر پڑھے لکھے حاصل کر لیا ہو' جیسا کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بغیر لکھے پڑھے دین کا علم حاصل تھا اور یہ شخص پرہیز گار نیک بخت بھی ہے اور ظاہری حالت اس کی یہ ہے کہ صورت بھی اس کی اچھی نہ ہو' کپڑے بھی پھٹے ہوئے ہوں اور حسب ونسب بھی اس کا اچھا نہ ہو بلکہ ایسی قوم میں سے ہو جو ادنیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہو' غرض ظاہری شان وشوکت کچھ نہ ہو اور دوسرا شخص دنیادار ہو' دین کا کوئی پہلو لیے ہوئے نہ زاہد ہو نہ پرہیز گار نہ عالم اور نسب میں بھی بڑھا چڑھا ہو اور یہ دونوں آگے پیچھے ان صاحب کے پاس جائیں جن کو دین کا دعویٰ ہے تو میں قسمیہ کہتا ہوں اور کسی کو کیا کہوں خود اپنے کو کہتا ہوں کہ جو قدر اور عزت نظر میں اس دنیادار کی ہوگی اس دنیدار کی نہ ہوگی' حق یہ ہے کہ ہم لوگوں کے نفسوں میں عام طور پر دنیا کی طرف رغبت ہے ظاہری مرتبہ اور عزت اور مال ہی کو دیکھا جاتا ہے۔

بزرگوں کی تعظیم میں نفس کی چالاکی

بزرگوں کی تعظیم بھی اسی وقت کرتے ہیں جب کہ وہ ظاہری عزت اور مرتبہ رکھتے ہوں اگرچہ وہ عزت دین ہی کی وجہ سے ہوا چنانچہ بزرگوں میں سے بھی اسی بزرگ کی تعظیم کرتے ہیں جس کی چار آدمی تعظیم کرتے ہوں اس لیے کہ اس کی تعظیم وخدمت کرنے میں کوئی عار نہیں ہے' یہ نفس کا بڑا گہرا مکر ہے' ظاہر میں تو یہ تعظیم وخدمت بڑی نیک بختی اور دینداری معلوم ہوتی ہے لیکن نفس کا مکر اس میں یہ ہے کہ ان بزرگ کی خدمت اور تعظیم اس لیے کرتے ہیں کہ اس سے لوگوں کی نظر میں خود اپنے کو بڑائی حاصل ہوتی ہے' پس ہماری یہ تعظیم اپنی تعظیم کے لیے ہے اسی واسطے اس خدمت اور تعظیم سے نفس خوش ہوتا ہے کچھ ناگواری اس کی نہیں ہوتی' چنانچہ اگر اپنے دو شخص استاد ہوں ایک مشہور' دوسرا غیر مشہور' تو ہم اپنے کو مشہور استاد کا شاگرد ظاہر کرتے ہیں' غیر مشہور کا شاگرد اپنے کو بتلاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

دکھلاوا بڑا سخت گناہ ہے:

اسی واسطے بزرگوں نے لکھا ہے کہ ریا اور دکھلاوا سب بیماریوں سے آخر میں دل سے نکلتا ہے' ہاں اگر دنیادار کی یہ تعظیم دنیا کے لیے نہ ہو بلکہ اس کے نقصان سے بچنے کے لیے ہو یا دل جوئی اور خاطرداری کے لیے ہو اور اس سے غریب کی حقارت بھی نہ ہو وہ بری نہیں' حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں کی دینداری بس ظاہر میں ہی دینداری ہے' سچی دینداری ہمارے اندر بہت ہی کم ہے' حق تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں **وقلیل من عبادی الشکور** یعنی شکر کرنے والے بندے بہت ہی کم ہیں' اکثر لوگ تو ظاہر پر نظر رکھتے ہیں' حالانکہ یہ دنیا ہے اور دنیا کی نسبت حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا خدا تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو اس میں سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے' حاصل یہ ہے کہ ظاہر عزت اور مرتبہ خواہ حسب ونسب کی وجہ سے یا مال کی وجہ سے یا علم کی وجہ سے دنیاوی عزت ہو یہ سب دنیا ہے (اور اسی کی صورت اور مال کے نام سے ذکر فرمایا ہے) اس پر نظر نہیں کرنی چاہیے اور دین جس کو عمل اور نیت فرمایا ہے اس پر نظر ہونی چاہیے' یہاں تک کہ اگر دوسروں کی قدر کی جائے تو دین ہی کی وجہ سے ہونی چاہیے۔

کسی بزرگ کی اولاد میں ہونا یا کسی بزرگ کا مرید ہونا بغیر نیک کاموں کے نجات کے لیے کافی نہیں:

اور اس جگہ پر جو حضور ﷺ نے دین کو نیت اور عمل کے نام سے ذکر فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دین کا مدار عمل پر ہے کسی شریف شخص سے تعلق ہونے پر مدار نہیں خواہ وہ شریف دین کے اعتبار سے ہو یا دنیا کے اعتبار سے' بہت لوگ آج کل اس گھمنڈ میں ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں ہم فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں' ہماری نجات ہو جائے گی' نیک کام کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں' اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے رد میں فرماتے ہیں کہ وہ لوگ گزر گئے ان کے لیے ان کے کام ہیں تمہارے لیے تمہارے کام ہیں تم سے ان کے کاموں کی بابت پوچھ گچھ نہ ہوگی' ہاں بزرگوں سے تعلق ہونے

سے برکت البتہ حاصل ہوتی ہے' جبکہ اولاد یا مریدوں کے عقیدے اور کام اچھے ہوں اور اگر ان کے پاس نیک کام نہ ہوں اور نہ عقیدے صحیح ہوں تو خالی برکت کیا کام آئے گی۔

برکت کی مثال:

چٹنی اور مربے کی سی ہے اور نیک کاموں کی مثال غذا کی سی ہے جو کہ بدن کا جز بنتی ہے' مربے اور چٹنی وغیرہ سے ہضم میں مدد ضرور پہنچتی ہے لیکن اس کے ساتھ غذا بھی تو ہونی چاہیے اور اگر غذا نہ ہو صرف مربے اور چٹنی ہی مہمان کے سامنے رکھ دیں روٹی وغیرہ کچھ نہ ہو تو کیا اس سے کچھ کام چل سکتا ہے ہرگز نہیں' پس اسی طرح نبی یا ولی سے تعلق ہونے سے کاموں میں برکت ضرور ہوتی ہے مگر بغیر نیک کاموں کے خالی برکت ہی برکت نجات کے لیے کافی نہیں اس لیے حضور مقبول ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی سے یہ فرمایا تھا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا' یعنی اگر تمہارے پاس نیک کاموں کا ذخیرہ نہ ہوگا تو میں کچھ کام نہ آؤں گا اور یہ مطلب نہیں ہے کہ نیک کاموں کے ہوتے ہوئے بھی میں درجے بلند ہونے کا سبب نہ ہوں گا یا شفاعت نہ کروں گا'

اگر عمل بھی ہو تو بزرگوں کی اولاد میں ہونے سے درجے بڑھتے ہیں:

بزرگوں کے ساتھ نسب کا تعلق ہونے کی وجہ سے درجہ کا بلند ہونا خود قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے ثواب میں سے کچھ کمی نہیں کریں گے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اولاد کے کام اس درجہ کے نہ ہوں جیسے ان کے باپ دادا کے تھے' لیکن اگر اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہوگی تو ہم ان کو انہی کے درجہ میں پہنچا دیں گے تو اس کا تو انکار نہیں ہو سکتا کہ بزرگوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے اولاد کو انہی کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا' مگر اس کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کے لیے صرف اولاد میں ہونا ہی کافی ہے بلکہ اس آیت میں ایمان کو خود شرط فرمایا

ہے آجکل کے پیروں نے اپنی دکان جمانے اور دنیا کے کمانے کے لیے اپنے مریدوں کے دلوں میں یہ جما رکھا ہے' کہ تم کو نیک کام کرنے کی ضرورت نہیں ہم جو کچھ کرر ہے ہیں تمہارے لیے کافی ہے۔

افسوس پیری مریدی کی جو غرض تھی آجکل اس کو بدل دیا:

افسوس پیری مریدی کی غرض تو یہ تھی کہ نفس کی اصلاح ہو اور اس سے محنت لی جائے کہ شاید خود اکیلے نیک کام کی توفیق نہ ہوتی تو پیر کے اثر سے یا اس کی تاکید سے توفیق ہو جائے تو نفس کی اصلاح ہو جائے گی مگر اب لوگوں نے اس کو مخلوق کے سامنے بیکار بنا دینے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ایک دوکاندار پیر کی حکایت:

ایک ایسے ہی پیر کی حکایت ہے کہ وہ ایک گاؤں میں گئے اور ظاہر میں بہت کمزور ہو رہے تھے' مریدوں نے پوچھا کہ پیر جی دبلے کیوں ہو رہے ہو' کہنے لگے' ارے کم بختو! میں تمہاری ہی وجہ سے تو دبلا ہو رہا ہوں اور تم کو خبر بھی نہیں' ارے تمام کام تمہاری طرف سے کرنے پڑتے ہیں' تم نماز نہیں پڑھتے ہو تمہاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں' تم روزے نہیں رکھتے میں روزے رکھتا ہوں' پھر سب سے بڑھ کر یہ مصیبت کہ پل صراط جو کہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے اس پر بھی چلتا ہوں' مرید بہت خوش ہوئے کہ واہ واہ پیر ہی سب کام ہماری طرف سے کر لیتے ہیں تو ایک مرید خوشی میں بولا کہ جا میں نے تجھ کو فلاں کھیت دھان کا دیا' پیر بہت خوش ہوئے مگر یہ بھی سوچا کہ اس نے زبان سے تو کھیت دے دیا لیکن میرا قبضہ اس پر نہیں ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ صرف زبانی ہی لین دین ہو' مناسب یہ ہے کہ ابھی قبضہ کر لیں اور اس کو دیکھ بھی لیں یہ سوچ کر مرید سے فرمایا کہ چوہدری میرے ساتھ چل کر کھیت دکھلا دے وہ ساتھ ہو لیا پیر صاحب تشریف لے چلے' راستہ کھیتوں کے اندر کو تھا اور چاول کے کھیت میں پانی زیادہ تھا' اور مینڈھ بھی تنگ تھی مرید نے پیر کو آگے کیا چونکہ ٹبیا کا راستہ تنگ تھا اور پھسلن بھی بہت تھی اس لیے ایک جگہ پیر صاحب پھسل پڑے تو مرید نے پیچھے سے ایک لات جڑی اور کہا ارے تو پل صراط پر کیا

چلتا ہوگا جو بال سے بھی باریک ہے' اتنے چوڑے راستہ پر تو تجھ سے چلا نہ گیا تو جھوٹا ہے جاہم تجھ کو کھیت نہیں دیتے' غرض آج کل پیروں نے تمام آدمیوں کو خوب سمجھا دیا ہے کہ جو چاہو کرو سب بخشے جاؤ گے۔

اس حدیث سے یہ بیہودہ گمان رد ہوتا ہے' اسی واسطے کہ بجائے اس کے کہ یہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر دین پر ہے' یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر عمل اور نیت پر ہے' جس سے ظاہر ہو گیا کہ نجات کا دارومدار اچھے عمل ہیں اور ہر چند کی عمل میں نیت آ گئی تھی لیکن نیت کو علیحدہ اس لیے بیان فرمایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ خود عمل ہی اس وقت معتبر ہے جب کہ نیت درست ہو' دوسرے اس لیے بھی نیت کو علیحدہ بیان فرما دیا ہے کہ ان دو لفظوں سے دو جماعتوں کی اصلاح منظور ہے' لفظ اعمال سے تو عوام کی اصلاح منظور ہے' کیونکہ عوام کو رات دن دنیا کے دھندوں میں لگے رہنے سے نیک کاموں کی طرف توجہ کم ہوتی ہے لیکن وہ دل کی بیماریوں سے پاک ہیں چنانچہ بدنیتی یعنی دکھلاوا وغیرہ سے اس لیے پاک صاف ہیں کہ ان کو کوئی بزرگ نہیں سمجھتا اس لیے وہ اس کا قصد بھی نہیں کرتے اور نیت کے لفظ سے اکثر خاص لوگوں کی اصلاح فرمائی ہے جو کہ دیندار کہلاتے ہیں۔ جو تمام فرضوں اور واجبوں کے تو پابند ہیں لیکن خلوص سے خالی ہیں' دکھلاوا کے لیے عمل کرتے ہیں اس لیے ان کی یہ دینداری صرف صورت ہی کی دینداری ہے' دین ان کو حاصل نہیں' ایسے لوگوں میں اکثر دکھلاوا کا مرض ہوتا ہے تو ان کو لفظ نیت سے خلوص کی طرف متوجہ فرمایا ہے' تو مطلب یہ ہے کہ جو کچھ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' اللہ اللہ تم کرتے ہو اگرچہ نفع سے خالی نہیں اور بہ نسبت اس شخص کے جو کچھ نہ کرے یہ شخص ہزار درجے بڑھ کر ہے مگر جو اصل مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی وہ جب ہی حاصل ہوگی جبکہ اخلاص بھی ہو یعنی خالص اللہ کے لیے سب کام کیے جائیں دکھلاوا وغیرہ اس میں شامل نہ ہو' اور ان دو شخصوں کی جن میں سے ایک نیک کام کر کرتا ہے مگر اخلاص نہیں اور دوسرا سرے سے نیک کام ہی نہیں کرتا' ایسی مثال ہے کہ دو شخص کسی بادشاہ کے ہاں گئے' ایک تو ہدیہ لیکر گیا' اگرچہ وہ ہدیہ بادشاہ کے لائق نہ ہو اور دوسرا بغیر ہدیہ کے گیا تو اس ہدیہ لے جانے والے کی یہ شکایت تو

نہ ہوگی کہ ہدیہ کیوں نہ لایا۔ جیسا کہ دوسرے سے یہ شکایت ہوگی اور اس اعتبار سے یہ اس سے غنیمت ہے مگر یہ شکایت ضرور ہوگی کہ تمہارا ہدیہ ہمارے لائق نہیں اور ہدیہ سے مقصود رضامندی ہے اگر وہ حاصل نہ ہوگی تو ہدیہ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے' اسی طرح عبادت سے مقصود رضامندی ہے اگر وہ حاصل نہ ہوگی تو ہدیہ کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے' اسی طرح عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے' پس جس عبادت میں نیت درست نہ ہو تو ایسی عبادت کا بھی ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

آج کل دکھلائے کا مرض عام طور پر پھیل رہا ہے:

سو ہم نیک کام تو کرتے ہیں مگر ہماری اکثر غرضیں صحیح نہیں ہوتیں' چنانچہ مولوی اور پرہیز گار لوگ اپنی اپنی حالت کو جانچ کر دیکھیں تو زیادہ حصہ اپنے نیک کاموں میں نفسانی غرضوں کا پائیں گے' مثلاً نفل عبادتیں' قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کا ذکر اور تہجد کی نفل نماز اور جو احکام چھپانے کے قابل ہیں ان کو کر کے ہمارا جی چاہتا ہے کہ وہ عام طور پر ظاہر ہو جائیں اور لوگوں میں ہم عبادت گزار پرہیز گار مشہور ہوں' مثلاً تہجد میں اگر کوئی رات میں ایسے وقت اٹھا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور تہجد پڑھ کر سو رہا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسرے کو اطلاع ہو بڑا فرق ہوتا ہے' اطلاع ہونے پر بڑی خوشی ہوتی ہے اور اگر اطلاع نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ظاہر ہو جائے اور اس کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کرتا اگر کسی نے ذکر نہ کیا تو نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بیکار ہی ہو گیا' اسی طرح تمام کاموں میں ہماری یہ حالت ہے۔

طبعی خوشی پر کچھ ملامت نہیں اور اس کے متعلق اہل خلوص کی اصلاح:

جاننا چاہیے کہ عمل کے دیکھنے پر جو دل خوش ہوتا ہے اس خوشی کی تین قسمیں ہیں:
ایک تو جی خود بخود خوش ہوتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس شخص نے ہم کو اچھی حالت میں دیکھا بری حالت میں نہیں دیکھا یہ خوش ہونا تو ایسا ہے جیسا مزے دار کھانا کھانے سے جی خوش ہوتا ہے اور یہ طبیعت کا فطری تقاضا ہے کہ اچھی چیز سے خوش ہوتی ہے۔

اپنے نیک کام اگر دوسرا شخص دیکھ لے تو خوش ہوتے ہیں اور وہ خوشی تین طرح کی ہوتی ہے!

غرض یہ خوشی تو طبیعت کا اثر ہے اس کے مٹانے پر قدرت نہیں' ایسے خوش ہونے پر کچھ ملامت نہیں' اہل خلوص کو سخت غلطی واقع ہوتی ہے کہ اس خوشی میں اور دکھلاوا میں ان کو پہچان نہیں ہوتی' اس لیے اہل خلوص کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ وہ رات دن اسی غم میں گھلتے ہیں کہ ہماری نماز کے جو فلاں شخص نے دیکھا اور ہم کو خوشی ہوئی یہ بھی دکھلاوا ہو گیا' حالانکہ وہ خوش طبعی ہے دکھلاوا نہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے اور عبادت کو بیکار جانتے ہیں اور رات دن اسی غم میں رہتے ہیں' انجام ایسے اخلاص کا یہ ہوتا ہے کہ شیطان بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کارآمد نہیں تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا' پس یہ شخص ناامید ہو کر اس عمل کو چھوڑ دیتا ہے' اور بعض مرتبہ یہ خرابی ہوتی ہے کہ اپنے پیر سے بدگمانی ہو جاتی ہے' کبھی تو ان کے کمال میں بدگمانی ہو جاتی ہے کہ میاں اگر یہ صاحب کمال ہوتے تو ہم کو اخلاص ضرور نصیب ہوتا اور کبھی توجہ میں بدگمانی ہوتی ہے کہ ہماری طرف توجہ نہیں کی اور یہ ناشکری ہے کہ جو شخص تمہاری اصلاح کرتا ہو اور اس کو ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہو' یہ خیالات تمہارے اگر اس کو معلوم ہو جائیں تو اس کا دل ضرور دکھے گا اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ یہ نعمت تم سے چھین لی جائے گی' یہ اخلاص میں زیادتی ہے کہ جو نعمت تم کو حاصل ہوگئی ہے اس کا انکار کر رہے ہو کسی درویش سے ایک ہاتھی سوار نے کہا کہ باوا دعا کرو کہ ترقی ہو درویش نے کہا کہ باوا ہاتھی پر تو سوار ہے کیا بانس پر سوار ہوگا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو اخلاص نصیب فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کی ناشکری کی جائے' غرض یہ خوش طبعی ہے اس کو دکھلاوا سمجھنا غلطی ہے' خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دکھلاوا اختیاری چیز ہے اور دکھلاوا کا وسوسہ آ جانا غیر اختیار ہے پس دکھلاوا کا وسوسہ دکھلاوا نہیں ہے جیسے کفر کا وسوسہ آ جانا کفر نہیں' خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وسوسے آ جاتے تھے' یہ بھی شیطان کی رہزنی کا طریق ہے کہ ضروری مقصود سے دور کر کے اس دھندے میں لگا دیتا ہے' پس یہ ایک قاعدہ

نکل آیا کہ جو بات اختیار نہ ہو وہ بری نہیں اور اس قاعدہ کے یاد رکھنے سے بہت سی دشواریوں سے نجات ہو جاتی ہے جو کہ صوفی کو پیش آتی ہیں' حاصل یہ کہ ایک قسم تو خوش ہونے کی یہ ہوئی' اور دوسری قسم یہ ہے کہ دوسرے کے دیکھنے سے اس لیے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے اچھے کام دیکھنے سے اس کو بھی توفیق ہوگی اور اس کا ثواب ہم کو ملے گا' یہ خوشی بھی بری نہیں ہے مگر یہاں غیر کامل کو ایک دھوکہ ہو جاتا ہے' وہ یہ کہ اس ظاہر کرنے سے اصل مقصود تو نفس میں یہی ہوتا ہے کہ میرا رتبہ بڑھے اور لوگوں کے دلوں میں میری عزت اور بزرگی زیادہ ہو' مگر ذہن یہ تراش لیتا ہے کہ میں اس لیے ظاہر کرتا ہوں کہ اور لوگ بھی دیکھ کر ایسا ہی کرنے لگیں اس لیے غیر کامل کی حالت کے مناسب یہی ہے کہ ظاہر کرنے کا قصد ہی نہ کرے' البتہ کوئی صاحب کمال ہو اور نفس اس کا فنا ہو چکا ہو اور اپنے نیک کام اس نیت سے ظاہر کرے تو اس کو جائز ہے اور ثواب کا باعث ہے اسی واسطے بزرگوں کا قول ہے کہ پیر کا دکھلاوا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے' یہاں پر دکھلاوا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسروں کو دکھلانے کے لیے اور ان کے نزدیک اپنا رتبہ بڑھانے کے لیے کرتا ہو' بلکہ مراد یہ ہے کہ پیر کا نیک کاموں کو ظاہر طور پر کرنا' مرید کے چھپا کر کرنے سے بہتر ہے' کیونکہ پیر کے ظاہر کرنے سے دوسرے دیکھ کر اسی طرح کرتے ہیں' تو پیر کے ظاہر کرنے سے اوروں کو نفع پہنچتا ہے اس لیے وہ مرید کے اخلاص سے کہ اس کا نفع اسی کی ذات تک ہے بہتر ہے پس اگر دوسرے کے دیکھنے سے اس نیت سے خوشی ہو تو یہ خوشی عبادت ہے' تیسرے خوشی عبادت کے ظاہر کرنے پر اس لیے ہوتی ہے کہ ہماری نیک نامی ہوگی اور لوگ ہمارے معتقد ہوں گے۔

دکھلاوا کی برائی:

یہ دکھلاوا اور برا ہے اور حدیث شریف میں اس سے بہتر ڈرایا گیا ہے' حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز شہید کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہم نے تجھ کو فلاں فلاں نعمت دی تھی تو نے اس کا شکر ادا کیا' وہ عرض کرے گا اے رب میں نے آپ کی راہ میں جان تک دے دی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے یہ کام ہمارے واسطے نہیں کیا بلکہ صرف اس

لیے کیا کہ بہادر مشہور ہو سو یہ غرض حاصل ہو گئی اب تیرے واسطے کچھ نہیں اور حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دو چنانچہ یہ اسی طرح پھینک دیا جائے گا' پھر اسی طرح ایک عالم اور ایک سخی سے گفتگو ہوگی اور دونوں کے عمل میں بھی یہی دکھلاوا کا عیب نکال دیا جائے گا اور ان سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' دیکھئے خدا کے راستہ میں جان دینا اور سخاوت اور علم تمام کاموں میں افضل اور اعلیٰ ہیں مگر دکھلاوا ایسی بری چیز ہے کہ ان کو بھی اس نے بیکار کر دیا' غرض کہ دکھلاوا کی بڑی لمبی چوڑی بحث ہے اور اس کا دور کرنا کچھ دشوار ہے' مگر نہیں کہ دور نہ ہو سکے' ضرور دور ہو سکتا ہے مگر علاج کرنے سے۔

جو لوگ دکھلاوے کا علاج کرتے ہیں اور پھر بھی اس کے عمل میں دکھلاوا کی شرکت ہو جاتی ہے ان پر کچھ ملامت نہیں:

پس جو لوگ اس کا علاج کرنے میں مشغول ہیں اور پھر بھی ان کے کاموں میں کسی قدر دکھلاوا کی شرکت ہو جاتی ہے وہ بے فکر رہیں کیونکہ وہ واجب کو ادا کر رہے ہیں' ان کے ذمہ اسی قدر واجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر تم سے ہو سکے' اس سے معلوم ہو گیا کہ کام میں لگنے والے اور علاج کرنے والے ہرگز نہ گھبرائیں ان پر کوئی ملامت نہیں وہ اپنی قدرت کے موافق کام کر رہے ہیں' ہاں جو علاج سے غافل ہیں اور مرض کو بڑھا رہے ہیں ان پر البتہ ملامت ہے' بہر حال ہم کو اپنی نیت کا خالص رکھنا ضروری ہے تا کہ دین کی حقیقت ہم کو حاصل ہو۔

آجکل دیندار بھی نیک کاموں کے اختیار کرنے میں اور گناہوں سے پرہیز کرنے میں وضع اور رسم و رواج کا پابند ہے

آج کل اکثر لوگ اس سے غافل ہیں یہاں تک کہ دینداروں کی بھی یہ حالت ہے کہ جو نیک کام کرتے ہیں اور جن گناہوں سے بچتے ہیں ان میں بھی وضع اور رسم و رواج کے پابند ہیں' چنانچہ فرض و واجب میں سے بعض کے پابند ہیں بعض کے نہیں سو جن کا چھوڑنا ان کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے' اس کے پابند ہیں جیسے نماز اور جس کا چھوڑنا ان کی شان کے خلاف نہیں سمجھا جاتا اس کے پابند نہیں' جیسے بندوں کے حقوق جو ان کے

ذمہ ہیں' ان کا چھوڑنا چونکہ خلاف شان نہیں سمجھا جاتا اس لیے ان پر پابند نہیں' اسی طرح ہم لوگ غیبت تو کرتے ہیں مگر شراب نہیں پیتا سو ہمارا شراب نہ پینا اس لیے نہیں ہے کہ اللہ میاں راضی ہوں' ورنہ اگر اللہ میاں کے راضی کرنے کے لیے اس کو چھوڑتے تو غیبت کو بھی ضرور چھوڑتے بلکہ شراب نہ پینا اس لیے نہیں کہ باپ دادا نے شراب نہیں پی یہ وضع کے خلاف ہے اور غیبت وہ بھی کرتے رہے اس لیے وضع کے خلاف نہیں' رشوت لیتے ہیں جوا نہیں کھیلتے ہیں تو وجہ یہی ہے کہ جوا بازاروں میں بیٹھ کر کھیلنا بے عزتی کا سبب ہے اور رشوت خاندانی رسم ہے وضع کے خلاف نہیں باپ نے لی دادا نے لی اور اپنے تمام ملاقاتی اور زمانے والے لیتے ہیں اس لیے ان کو لینے سے کچھ رکاوٹ نہیں' بہت لوگ رہن کی آمدنی کھاتے ہیں اور جس کو عرف میں سود کہتے ہیں وہ نہیں لیتے حالانکہ رہن کی آمدنی بھی واقع میں سود ہے وجہ یہ ہے کہ سود لینے والے کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں اور رہن کی آمدنی تو باپ دادا سے کھاتے چلے آئے ہیں وہ ریاست کی شان ہے' اور جو نیک کام ایسے ہیں کہ ان کی ہمیں عادت ہے اور عرف میں وہ ذلت کا سبب نہیں سمجھے جاتے اور رسم ورواج کے بھی خلاف نہیں ہیں ان کے پابند ہیں اور جن کی عادت نہیں یا ذلت کا سبب سمجھے جاتے ہیں ان کے پابند نہیں ہیں' بالکل اس آیت کا مضمون صادق آرہا ہے **افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض** یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعض حکموں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اس پر دعویٰ بزرگی کا۔

صاحبو! یہ دینداری کی تو صورت تو ہے مگر دینداری کی حقیقت نہیں ہے۔ صاحبو! بادام اور چیز ہے اور بادام کا چھلکا اور چیز ہے' پستہ اور چیز ہے اور اس کا پوست اور چیز ہے اور حقیقت اور ہے ایسے ہی ہمارے کاموں کی حالت ہے کہ بس ان کی صورت ہی صورت ہے حقیقت نہیں ہے' اپنے نیک کاموں کی ان صورتوں ہی پر نظر کر کے ہر شخص اپنی نسبت یہ خیال کیے ہوئے ہے کہ مجھ میں کچھ کمال ہے میں پرہیزگار ہوں' اللہ اللہ کرنے والا ہوں کوئی سمجھتا ہے کہ عالم ہوں' حافظ ہوں اور اگر باطن کو دیکھا جائے' تو نہایت گندہ جیسے کافر کی قبر کی ظاہر میں تو نقش ونگار سے جگمگاتی ہے اور اندر خدا کا عذاب بھرا ہوا ہے' اصل یہ

ہے کہ ہم لوگوں کو تمیز نہیں رہی اگر تمیز ہو تو معلوم ہو کہ تمام کاموں میں نفس کی پچر لگی ہوئی ہوتی ہے، خدا کی قسم ہم لوگوں کی نیکیاں وہ ہیں کہ قیامت کے دن اگر ہمیں جوتیاں نہ لگیں تو غنیمت ہے کس کا مرتبہ اور کیسے درجے، نیتیں تو بزرگوں کی ہوتی تھیں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی خوش نیتی کی حکایت

چنانچہ حضرت اصم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ان کو ایک شخص نے نذر دی' آپ نے عذر فرمایا اس لیے کہ وہ شبہ کا مال تھا' اگرچہ فتویٰ کی رو سے اس کا لینا جائز تھا مگر احتیاط اور تقویٰ اس کے نہ لینے میں تھا' اس شخص نے اصرار کیا اور آپ کے قبول نہ کرنے سے رنجیدہ ہونے لگا اور شرع کا یہ حکم ہے کہ اگر تقویٰ کے اس خاص درجے پر جو کہ ضروری نہیں ہے' عمل کرنے سے دوسروں کی دل شکنی ہو تو فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے ایسے موقع پر تقویٰ کی حفاظت جائز نہیں' اس لیے آپ نے اس کے اصرار کرنے پر قبول کر لیا اور ہماری یہ حالت ہے کہ اگر کسی سے بڑی مقدار ہزار پانچ سو ملیں اور شبہ تو کیا شبہ سے بھی آگے اور بڑھ کر ہو تو تاویل کرا کر اس کو جائز کر لیں گے اور اگر کوئی ایک روپیہ دے تو سارا تقویٰ اس میں چلائیں گے اور اگر ہمارے منہ سے ایک مرتبہ نا نکل جائے تو ہرگز نہ لیں گے' کیونکہ اب لینا اپنی آن کے خلاف ہے' القصہ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اول مرتبہ آپ نے انکار کیوں کیا اور دوبارہ کیوں لے لیا' فرمایا کہ اول اس لیے انکار کیا کہ اس کا لینا احتیاط اور تقویٰ کے خلاف تھا جب اس نے اصرار کیا تو میں نے خیال کیا کہ نہ لینے میں تو میری عزت اور اس کی ذلت ہے اور لے لینے میں میری ذلت اور اس کی عزت ہے پس نے اس کی عزت کو اپنی عزت پر فوقیت دی یعنی میرے نہ لینے سے میری بات تو بنی رہتی مگر میرے بھائی کی عزت و آبرو میں فرق آتا اور لینے میں میری شان کو دھبہ لگتا لیکن اس کی بات بنتی ہے' پس میں نے اپنی عزت و آبرو کو لات ماری اور اپنے بھائی کی بات کو اونچا رکھا' سبحان اللہ! نیت یہ ہے اور دین کی حقیقت یہ ہے اور ہمارے دینداروں کا ہے کہ ان کی نیتیں خالص نہیں' پھر عوام کا کیا ذکر ہے' بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ عوام کی نیتیں اکثر

کاموں میں بہ نسبت خاص لوگوں کے اچھی ہوتی ہیں' وجہ اس کی یہ ہے کہ نیک کاموں سے مثلاً لمبی لمبی نماز اور وظیفے پڑھنے سے اور اللہ اللہ کرنے سے جو عزت بڑھتی ہے وہ خاص ہی لوگوں کی بڑھتی ہے اس لیے انہیں کے اندر دکھلاوا پایا جاسکتا ہے اور عوام بیچاروں کو کون پوچھتا ہے' اگر کسی گم نام عامی شخص نے لمبی نماز پڑھی تب اور مختصر پڑھی تب ہر صورت میں کوئی بھی توجہ التفات نہیں کرتا'' ہاں عوام میں ایک کمی ہے وہ یہ کہ کام کرنے کے وقت اکثر ذہن ان کا خالی ہوتا ہے اس کام کی نہ اچھی غرض ذہین میں ہوتی ہے اور نہ بری مگر عادت سے اور اس اعتقاد سے کہ خدا کا حکم ہے پڑھ لیتے ہیں مگر یہ بھی اخلاص ہی میں داخل ہے' نیت کے معنیٰ ارادہ کے ہیں پس نیک کام لیتے ہیں مگر یہ بھی اخلاص ہی میں داخل ہے' نیت کے معنیٰ ارادہ کے ہیں پس نیک کام میں نیت تین طرح کی ہوسکتی ہے' ایک یہ کہ وہ کام قصد اور ارادہ سے کیا جائے لیکن اس میں نہ اچھی غرض کا خیال ہو تو بری غرض کا' دوسرے یہ کہ اچھی غرض کا خیال ہو مثلاً یہ کہ میں نماز اس لیے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوں' تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بری غرض کا خیال ہو' مثلاً نماز اس لیے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا ہے' بس ان تینوں صورتوں میں سے اخیر کی صورت بری ہے اور دکھلاوا ہے اور پہلی صورت اور دوسری صورت اخلاص میں داخل ہیں' البتہ جس صورت میں کسی غرض کا خیال نہیں اس کا اخلاص ادنیٰ درجہ کا ہے اور جس میں اچھی غرض کا خیال ہے اس کا اخلاص اعلیٰ درجہ کا' غرضکہ یہ جو سمجھتے ہیں کہ اگر کسی خاص غرض کی نیت ہو تو اخلاص نہیں یہ غلط ہے' بس نیت کے معنیٰ واضح ہو جانے سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ خوش نیت اور مخلص بندوں سے دنیا بھی خالی نہیں ہوئی۔

(۲) جن لوگوں نے اپنے کو کسی علاج کرنے والے کے سپرد کر دیا ان کو نا امید اور پریشان نہ ہونا چاہیے' وہ جب کام لگے ہیں تو خدا نے چاہا تو مقصود کو پہنچ ہی جائیں گے۔

علاج کی شرطیں:

البتہ علاج کے لیے دو شرطیں ہیں اول شرط یہ ہے کہ دین کا علم ہوتا کہ غرض اور کام کا اچھا یا برا ہونا معلوم ہو سکے اور ہر کام میں یہ سمجھ سکے کہ اس میں میری کیا نیت ہے آیا

اچھی ہے یا بری ہے' پھر کام کرنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لے دیکھ بھال لے کہ اس میں کوئی خرابی تو نہیں' دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے کو کسی تجربہ کار حکیم یعنی پیر کامل کے سپرد کر دے۔

پیر سے اصلاح کرانے کا طریقہ:

اور اپنے حال کی اس کو کبھی کبھی اطلاع دیتا رہے اور جو وہ رائے دے اس پر عمل کرے جو کچھ کرنے کو وہ بتلا دے خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس میں اطاعت اور تابعداری کرے اپنی رائے کو دخل نہ دے' بعض دفعہ پیر کی یہ رائے ہوتی ہے کہ تم تمام رات سویا کرو اور آدھ گھنٹہ جاگ لیا کرو یہ کہ قرآن کی تلاوت اور نفلیں چھوڑ دو تو ظاہر میں یہ ارشاد پیر کا سمجھ میں نہیں آتا' لیکن پیر کے ارشاد پر عملدرآمد کرنا ضروری ہے اور اس کے ساتھ ہی پیر پر اعتماد بھی ہونا ضروری ہے کہ اس کی رائے کو اپنے لیے مفید سمجھے' اس زمانہ میں اعتماد بہت کم رہ گیا ہے' اگر سرسری طور پر کچھ تجویز کرتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کو ہمارے حال پر توجہ نہیں یا ہماری یونہی تسلی کر دیتے ہیں' سو خوب سمجھ لو کہ جس مریض کو حکیم پر اور اس کے نسخے پر بھروسہ نہ ہو اس کو کبھی شفا نہ ہوگی' حکیم پر بھروسہ ہونا چاہیے اور شفا میں دیر ہونے سے گھبرائے نہیں' خدا نے چاہا تو ضرور شفا ہوگی مگر یہ ضروری نہیں کہ جب مریض نے شفا کی نیت کی جب ہی آرام ہو جائے' باطن کے علاج کی حالت بالکل ظاہری علاج کی سی ہے' جس طرح حکیم آہستہ آہستہ مریض کی حالت کے موافق علاج کرتا ہے اور مناسب دوائیں کبھی کبھی بدلتا ہے اسی طرح پیر کامل مریدوں کی اصلاح کرتا ہے اور لوگوں میں سے مرض کو نکالتا ہے مرید کو چاہیے کہ پریشان نہ ہو اور پیر سے بداعتقاد نہ ہو' حاصل یہ ہے کہ پیر کا کہا مانے اور اس کے کہنے پر چلے اور اپنی رائے اور تدبیر پر نہ چلے' کام میں لگا رہے' خدا نے چاہا تو ایک دن کامیاب ہوگا' ایک شخص میرے پاس اپنی حالت لکھا کرتے تھے اور اپنی پریشانی ظاہر کرتے تھے' میں برابر ان کی تسلی کرتا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں' آپ کی حالت بہت اچھی ہے جب کسی بات سے تسلی نہ ہوئی تو آخر میں میں نے لکھا کہ ہم کو تمہاری تسلی کی ضرورت نہیں ہم کو تمہاری حالت سے اطمینان اور تسلی

ہے' اس لکھنے سے ان کی تسلی ہوگئی' حاصل یہ کہ اتنی بے فکری بھی بری ہے کہ علاج ہی نہ کرے اور اس قدر فکر بھی نقصان پہنچاتا ہے کہ باوجود حکیم کے سپرد کر دینے کے بھی کسی وقت فکر سے خالی نہ ہو' جب حکیم کے سپرد کر دیا اب بے فکر ہونا چاہیے پس اس کے کہنے پر عمل کرنے کی فکر رکھے اور انتظار میں رہے' خدا نے چاہا تو ایک وہ دن ہوگا کہ مقصود حاصل ہو جائے گا'

خدا کا شکر ہے کہ حدیث کے تمام جزو تفصیل کے ساتھ بیان ہو گئے حق تعالیٰ عمل کی توفیق دیں۔ امین فقط

تمت

حرص ام الامراض ہے

فرمایا

کہ حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو ام الامراض کہنا چاہیے کیونکہ اسی کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اسی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں، اگر لوگوں میں حرصِ مال نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے!

(از مآثر حکیم الامت)

(۳۱) عورتوں کی اصلاح

منتخب از وعظ نہم 'دعوات عبدیت' حصہ اول

بسم الله الرحمن الرحيم

خطبہ ماثورہ:

امابعد: فقد قال النبی ﷺ یا معشر النساء تصدقن فانی اویتکن اکثر اهل النار فقلن وبم یارسول الله قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیرما رأیت من ناقصات عقل و دین اذهب للب الرجل الحازم من احد لکن قلن وما نقصان دیننا وعقلنا یارسول الله قال الیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلی قال فذالك من نقصان عقلها قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلیٰ قال فذالك من نقصان دینها' متفق علیة

ترجمہ: ''جناب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ دو اس لیے کہ میں دکھلایا گیا ہوں کہ تم دوزخیوں میں سے سب سے زیادہ ہو'' عورتوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ تم لعنت و ملامت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو و باوجود اس کے کہ تم عقل و دین میں ناقص ہو' مگر میں نے تم سے زیادہ ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینے والا کوئی نہیں دیکھا' عورتوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ہمارے دین اور عقل کے نقصان کی کیا وجہ ہے فرمایا کو عورت[1] کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی نہیں ہوتی' عورتوں نے عرض کیا بے شک ہے' فرمایا یہ نقصان عقل ہے' پھر فرمایا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جس کسی کو حیض آتا ہے تو نہ نماز پڑھتی

---

[1] شریعت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر رکھی گئی ہے ۱۲

ہے نہ روزہ رکھتی ہے' عرض کیا بے شک فرمایا بس یہ نقصان دین ہے۔''

اس حدیث کی متعلق یہ مضامین ہیں:

(۱) میں نے اس وقت اس حدیث کو جس میں عورتوں سے خطاب کیا گیا ہے' اختیار کیا' حالانکہ یہاں مرد بھی کثرت سے موجود ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو ایسا موقع بہت کم ملتا ہے اس لیے وہ بالکل بے خبر ہیں اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں اور وہ خرابیاں عورتوں سے گزر کر مردوں اور بچوں تک پہنچتی ہیں اس لیے ان کی اصلاح سے گھر بھر کی درستی ہے اس اعتبار سے یہ مضمون مردوں کے لیے بھی مفید ہوا اور اس کا نفع عام ہوا' اور اس میں بعض مضامین ایسے بھی ہوں گے جو بلا واسطہ مرد اور عورت دونوں کے متعلق ہوں گے' البتہ زیادہ مقصود عورتوں ہی کو سنانا ہے اس حدیث میں رسول ﷺ نے عورتوں کے پانچ عیب بیان فرمائے ہیں' ان میں دو عیب تو وہ ہیں جن میں اپنے اختیار کو دخل نہیں' اور تین عیب اختیاری ہیں' وہ دو عیب جن میں اختیار کو دخل نہیں یہ ہیں عقل کی کمی اور دین کی کمی' اور تین اختیاری یہ ہیں' کثرت سے لعنت ملامت کرنا' خاوند کی ناشکری کرنا' ہوشیار مرد کو بے عقل کر دینا' اختیاری عیب تو اس لیے بیان فرمائے ہیں کہ ان سے واقف ہو کر علاج کی فکر کریں اور جو عیب اختیاری نہیں اور علاج سے نہیں جا سکتے ان کو اس لیے بیان فرمایا کہ اپنے اندر ان عیبوں کو دیکھ کر غرور جاتا رہے اس لیے کہ عورتوں میں غرور کا مرض بہت ہوتا ہے' ذرا سا کمال ہوتا ہے اس کو بہت کچھ سمجھتی ہیں اور غرور ہمیشہ جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے' بڑا عالم اپنے کو یہی سمجھتا ہے کہ میں کچھ کمال نہیں رکھتا اور میں کچھ چیز نہیں کیونکہ جو سچ مچ بڑا ہوگا اس کی نظر کمال کی آخری حد پر ہوگی اور اپنے کو اس سے خالی دیکھے گا' اس لیے وہ اپنے کو کبھی بڑا نہیں سمجھ سکتا' دیکھو جس شخص کی نظر رستم کی قوت اور حاتم کی سخاوت پر ہوگی وہ کیا اپنے کو کبھی بڑا نہیں سمجھ سکتا' ہرگز نہیں' جس کا نگاہ حضور ﷺ کے علم پر ہوگی وہ کیا اپنے کو عالم سمجھے گا ہرگز نہیں' آج کل یہ خبط ہوگیا ہے کہ تھوڑا سا کمال ہو جاتا ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے' اگر کوئی عورت ذرا نماز اور تلاوت کی پابند ہو جاتی ہے تو اپنے کو رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سمجھنے لگتی ہے اور ہر ایک کو حقیر

سمجھتی ہے اور وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ ان کی کسی نے اصلاح نہیں کیا' کتابیں پڑھ پڑھ کرد نیدار ہو جاتی ہیں' پس ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی نسخوں کی کتابوں کو دیکھ کر دوائیں کھانے لگے اور بتانے لگے اس سے نفع کے بدلے اور الٹا نقصان کا اندیشہ ہے جب تک حکیم کی رائے سے دوا نہ کھائے کچھ نفع نہیں ہوگا' اسی طرح چونکہ عورتوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی اور کسی اصلاح کرنے والے سے اصلاح نہیں چاہتیں بس جو کچھ اپنی سمجھ میں آتا ہے کر لیتی ہیں اسلیے اپنے کو کامل سمجھنے لگی ہیں۔

ایک لڑکی کے تکبر کا قصہ:

ایک لڑکی کا قصہ ہے کہ اس کا ایک[1] شخص سے نکاح ہوا وہ لڑکی نماز روزہ کی پابند تھی اور شوہر اس کا اس قدر پابند نہ تھا آوارہ تھا' تو وہ لڑکی کہتی ہے کہ افسوس میں ایسی پرہیزگار اور ایسے شخص کے جال میں پھنس گئی میری قسمت ڈوب گئی' حالانکہ بے وقوف یہ نہیں سمجھی کہ اگر ہم نے نماز پڑھی روزہ رکھا' تلاوت کی تو خود اپنا کام کیا دوسرے پر کیا احسان کیا کوئی دوا پی کر بھی فخر کیا کرتا ہے کہ میں بڑا بزرگ ہوں کہ دوا پیا کرتا ہوں' اسی طرح یہ سب عبادتیں جو ہم کرتے ہیں ان میں اپنا ہی نفع ہے اور ان سے اپنا ہی فائدہ کر رہے ہیں' اور ان عبادتوں کو جو یوں کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کے حقوق ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے نفع پہنچتا ہے یا اس کا حق ان عبادتوں سے اتر جاتا ہے' بھلا اس کے حقوق ہماری عبادتوں سے کیسے اتر سکتے ہیں کیونکہ ذرا یہ تو دیکھنا چاہیے کہ اس کی ہم پر کس قدر نعمتیں ہیں' اگر نعمتوں کو دیکھا جائے تو اس کے سامنے یہ ہماری نماز روزہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں اور جہاں ہزاروں نبیوں اور ولیوں اور فرشتوں کی عبادتوں کے ذخیرے کے ڈھیر کے ڈھیر موجود ہوں' ان کے سامنے ہمارے روزہ نماز کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے جو اہرات کے سامنے مٹی کے کھلونے' تو حقیقت میں احسان تو اللہ تعالیٰ کا ہے کہ ہماری ایسی عبادتوں کو قبول فرماتے ہیں' اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بزرگ کو خدمت کی حاجت نہ ہو اور کوئی شخص بے ڈھنگے پن سے ان کی خدمت کرے جو ان کی مرضی کے موافق نہ ہو' بلکہ

[1] ایک بزرگ بیوی کا نام ہے ۱۲

آرام کے بدلے اور اس سے تکلیف پہنچے مگر خوش اخلاقی سے خاموش ہو جائیں' تو وہ خدمت کرنے والا تو اپنی جہالت سے یہ سمجھے گا کہ میں نے بڑا کام کیا حالانکہ بڑا کام تو ان بزرگ نے کیا جن کی اس نے خدمت کی کہ اس ناگوار خدمت کو قبول فرمایا' دیکھئے یہ قاعدہ عقل وشریعت سے ثابت ہے کہ جو چیز اچھی اور بری چیزوں سے مل کر بنے وہ ہمیشہ بری ہوتی ہے اور پاک اور ناپاک مل کر ناپاک ہوتا ہے' پس جبکہ ہماری نماز میں وسوسے اور بے رغبتی اور سنت کے خلاف باتیں شامل ہیں عاجزی کا پتہ نہیں تو وہ نماز جس میں یہ خرابیاں شامل ہیں کامل کیسے ہوئی' بہر حال ہماری ناقص عبادت کو بھی عبادت قرار دنیا صرف ان کا فضل ہے' ورنہ ناقص عبادت ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو عبادت قرار دیا جائے اور اس پر ثواب عنایت کیا جائے' پھر ایسی عبادت پر خوش ہونا اور فخر کرنا جہالت ہے۔

غرور جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے:

اور جہالت ہی کی وجہ سے فخر اور غرور ہوتا ہے اور جس قدر عقل کم ہوتی ہے یہ مرض غرور کا زیادہ ہوتا ہے' چنانچہ مردوں کی نسبت عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری عیبوں پر نظر اور توجہ ہونے سے یہ مرض کم ہوتا ہے اور اول معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اختیاری عیب جن کے دور کرنے پر قدرت نہیں یہاں پر دو بتلائے گئے ہیں ایک عقل کی کمی دوسرے دین کی کمی' عقل کی کمی کو تو حضور ﷺ نے اس علامت سے بیان فرمایا کو دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کی عقل میں نقصان ہے' دین کی کمی کو اس دلیل سے بیان فرمایا کہ عورتوں کو نماز پڑھنے کے مواقع کم ملتے ہیں زمانہ حیض میں نماز نہیں پڑھ سکتیں اور نمازوں کی کمی دین کی کمی ہے اور نمازوں کی کمی کا سبب ہے حیض کا آنا اور ظاہر ہے کہ وہ پیدائشی ہے اپنے اختیار سے نہیں ہے اس لیے یہ عیب غیر اختیاری ہوا' جیسے پہلا بھی غیر اختیاری تھا' اور تین عیب اختیاری بتلائے گئے ہیں کہ ان کا دور کرنا اختیار میں ہے وہ یہ ہیں خاوند کی ناشکری ہوشیار مرد کو بے عقل کر دنیا' کثرت سے لعنت ملامت کرنا' اول کے دو عیب جو غیر اختیاری ہیں' ان کا فکر تو بے فائدہ ہے کہ وہ علاج سے دور ہونے والے نہیں بلکہ اس کی تو آرزو کرنے سے بھی منع کیا

گیا ہے' چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مردوں کی فضیلتیں سن کر فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا کہ ہم بھی مرد ہوتے' تو مردوں کی سی فضیلت ہم کو بھی ملتی اس پر یہ آیت اتری ولا تتمنوا مافضل اللہ بہ بعضکم علی بعض یعنی اس چیز کی آرزو مت کرو جس کے ساتھ بعض کو بعض پر پیدائشی فضیلت دی ہے' آگے فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے حصہ ہے ان کاموں میں جو انہوں نے کیے' مطلب یہ ہے کہ ایسی آرزو کو چھوڑو اور نیک کاموں میں کوشش کرو جو اختیار اور قبضہ کے ہیں' اب اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر ہم نیک کاموں میں کوشش بھی کریں تب بھی ناقص ہی رہیں گے' نقصان ہمارا کہاں دور کا ہوگیا' تو اس کا جواب فرماتے واسئلو اللہ من فضلہ یعنی اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو' مطلب یہ ہے کہ نیک کام کر کے اگر خدا کا فضل ہوا تو تم مردوں سے بڑھ سکتی ہو' غرضکہ جو عیب غیر اختیار ہیں ان کا فکر تو بالکل فضول ہے اور جو عیب اختیاری ہیں ان کی اصلاح اور درستی ضروری ہے اور وہ کل تین ہیں کثرت سے لعنت ملامت کرنا خاوند کی ناشکری ہوشیار مرد کو بے عقل کر دینا۔

عورتوں کے لعنت ملامت کرنے کا بیان:

کثرت سے لعنت ملامت کرنے کا عیب عورتوں میں ایسا دیکھا جاتا ہے کہ صبح سے شام تک ان کا یہی مشغلہ ہے جس سے دشمنی ہے اس کی غیبت کرتی ہیں اور جس سے محبت ہے اس کو کوستی ہیں' یہاں تک کہ اپنی اولاد کو کوستی ہیں اپنی جان کو بھی کوستی ہیں اور ہر چیز کو خواہ وہ لعنت ملامت کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو کوستی ہیں' یہاں تک کہ اپنی اولاد کو کوستی ہیں اپنی جان کو بھی کوستی ہیں اور ہر چیز کو خواہ وہ لعنت ملامت کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو کوستی ہیں۔

یاد رکھو بعض وقت دعا کی قبولیت کا ہوتا ہے کہ اس میں اللہ سے جو کچھ مانگا جاتا ہے قبول ہو جاتا ہے اور وہ کوسنا لگ جاتا ہے' پھر پچتانا پڑتا ہے۔

بددعا لگ جانے کی حکایت:

ہمارے ہاں ایک شخص ہے اس کا بدن رہ گیا ہے اور اس میں کھنچاوٹ ہوتی ہے چار

پائی سے مل نہیں سکتا اور سخت تکلیف میں ہے اس کی ماں نے کسی شرارت پر یہ کہا تھا کہ خدا کرے تو چار پائی کو لگ جائے خدا کی قدرت وہ ایسا ہی ہوگیا اور اس کی مصیبت والدہ ہی کو اٹھانی پڑی۔

خاوند کی ناشکری کا بیان اور مولوی عبدالرب کا لطیفہ

خاوند کی ناشکری کا یہ حال ہے کہ جس قدر ان کو دیا جائے سب تھوڑا ہے مجھ کو مولوی عبدالرب صاحب کا ایک لطیفہ یاد آیا وہ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کے پاس چاہے کتنا ہی کپڑا ہو مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کہ کیا ہیں چار چیتھڑے اور کتنے ہی جوڑے جوتوں کے ہوں مگر پوچھنے پر یہی کہیں گی کہ کیا ہیں دو لیترے اور برتن کیسے ہی عمدہ اور کثرت سے ہوں مگر یوں ہی کہیں گی کہ کیا ہیں چار ٹھیکرے۔

عورتوں کی حرص کی مثال:

ایک عورت خود کہتی تھی کہ ہمارا حال دوزخ کا سا ہے کہ قیامت میں جب اس کو کہا جائے گا کہ کیا تو بھر گئی تو وہ جواب میں یہ کہے گی کچھ اور بھی ہے' ایک مرض ان میں اور بھی ہے' وہ بھی ناشکری کی ایک قسم ہے وہ یہ کہ خواہ کارآمد ہو یا نکمی ہو ان کو پسند آنی چاہیے' پھر بے سوچے سمجھے اس کو خرید لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ گھر میں ہوئی چیز کام آ ہی جاتی ہے اور یہ ناشکری کی قسم اس وجہ سے ہے کہ یہ شوہر کے مال کو ضائع کرنا ہے اور خود اپنے مال کو ضائع کرنا بھی ناشکری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے خدا کا ناشکرا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فضول خرچی خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے اور جب مال بھی دوسرے کا ہو تو خدا تعالیٰ کی ناشکری کے ساتھ خاوند کی بھی ناشکری ہے اور اگر فضول خرچی نہ ہو تب بھی مسلمان کا دل تو زیادہ بکھیڑے سے گھبرانا چاہیے اور بے ضرورت کوئی چیز خریدنا تو فضول خرچی ہے' حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا مال کے ضائع کرنے سے۔

آجکل بڑے گھروں میں بڑی فضول خرچی ہے

آج کل گھروں میں اور خاص کر بڑے گھروں میں بڑی فضول خرچی ہوتی ہے' برتن ایسے خریدے جاتے ہیں جو قیمت میں تو بہت زیادہ اور مضبوط خاک بھی نہیں' ذرا ٹھیس لگ جائے تو چار ٹکڑے ہو جائیں' پھر وہ حاجت سے بھی زیادہ ہوتے ہیں چنانچہ بعض گھروں میں اس کثرت سے شیشہ اور چینی وغیرہ کے برتن ہوتے ہیں کہ عمر بھر بھی ان کے استعمال کی نوبت نہیں آتی' اسی طرح کپڑوں میں بھی بہت فضول خرچی ہے دس روپیہ گز کا اور پندرہ روپیہ گز کا کپڑا بہت باریک جو کہ ناجائز بھی ہے اور کسی کام کا بھی نہیں ہے پہنتی ہیں اگر کہیں سے ذرا سا دھاگہ نکل گیا تو پھر کسی کام کا نہیں اور موٹا کپڑا اگر پرانا ہو جاتا ہے تو کسی غریب ہی کے کام آجاتا ہے یہ تمام مصیبت اس کی ہے کہ عورتیں اس کی کوشش کرتی ہیں کہ ہمارا جوڑا ایسا ہو کہ کسی کے پاس ویسا نہ ہو اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتیں برتنوں کپڑوں اور مکان چیز میں دکھلاوا اور شیخی بڑے بننے کی شان کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ یہ حال تو روزمرہ کے برتاؤ کا ہے اور اگر کہیں بیاہ شادی پیش آجائے تو کیا ٹھکانا ہے تمام رسمیں پوری کی جائیں گی جن میں سراسر دکھلاوا ہی دکھلاوا ہے بعض عورتیں اپنی تعریف کرتی ہیں کہ ہم نے رسمیں سب چھوڑ دیں' مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ رسمیں دو قسمیں کی ہیں ایک تو شرک و بدعت کی رسمیں جیسے چٹائی پر بہو کو بٹھلانا اس کی گود میں بچہ دنیا کہ اس سے شگون لیتے ہیں کہ اولاد ہو تو واقعی ایسے ٹونے ٹوٹکے تو اکثر جگہ چھوٹ گئے' دوسرے شہرت اور نام کی رسمیں سو یہ نہیں چھوٹیں' ملکہ مالداری کی وجہ سے بہ نسبت پہلے کے کچھ بڑھ گئی ہیں' پہلے زمانہ میں اتنا دکھلاوا اور شیخی نہ تھی' کیونکہ کچھ تو سامان کم تھا کچھ طبیعتوں میں سادگی تھی' اب تو کھانے میں الگ تکلف ہو گیا' وہ پہلی سی سادگی ہی نہیں رہی بلکہ پلاؤ بھی ہو کباب بھی ہوں' فیرنی' تمنجن بریانی سب ہوں اور کپڑوں کے تکلفات کا ابھی بیان کیا گیا ہے۔

ایک دلہن کے جہیز کا قصہ:

چنانچہ ایک دلہن ایک جگہ ڈیڑھ ہزار کا صرف کپڑا ہی کپڑا لائی شاید یہ کپڑا اس کے

مرنے تک بھی ختم نہ ہوا ہو اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ دولہن مرگئی ہے اور یہ سب سامان ہزاروں روپیہ کا ضائع ہوا' پھر ایک فضول خرچی یہ ہے کہ دلہن کے کپڑوں کے علاوہ تمام کنبے کے جوڑے بنائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو پسند بھی نہیں آتے اور ان میں عیب نکالے جاتے ہیں تو کس قدر بے لطفی ہوتی ہے اور اس پر یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے سب رسمیں چھوڑ دیں۔

بعض لوگوں کے اس عذر کا جواب کہ ہم جہیز کو دکھائے کے لیے نہیں دیتے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جہیز کو دکھاتے تک نہیں' دیکھو ہم نے سب رسمیں چھوڑ دیں سو جناب اس میں کیا کمال کیا اپنی بستی میں تو برسوں پہلے سے سامان جمع کر کر کے ایک ایک کو دکھلا چکی ہو جو مہمان آتی ہے اس کو بھی اور جو رشتہ دار آتی ہے اس کو بھی ایک ایک چیز دکھلائی جاتی ہے اور خود سامان آنے میں جو شہرت ہوتی ہے وہ الگ کہ آج دہلی سے کپڑا آ رہا ہے اور مراد آباد گئے تھے وہاں سے برتن لائے ہیں اور اس کے بعد وہ دلہا جاتا ہے' تو یہ اپنے ارادہ سے شہرت نہیں ہے تو اور کیا ہے' ہاں اگر لڑکی کے ساتھ نہ کیا تھا تو عقل کے بھی موافق تھا' کیونکہ یہ سب سامان لڑکی ہی کو دیا جاتا ہے اور اس وقت وہ قبضہ نہیں کرتی ہے اور نہ اس کی خبر ہوتی ہے اس کو دینا تو یہ ہے کہ ابھی اپنے گھر رکھو جب لڑکی تمہارے گھر آئے اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھو اور کہو کہ یہ سب چیز تمہاری ہے' تمہارا جب جی چاہے لے جانا بلکہ مصلحت یہ ہے کہ اب نہ لے جائے کیونکہ اس وقت تو کوئی ضرورت نہیں ہے' جب ضرورت ہوگی اس وقت لے جائے یہ عقل کے بھی موافق ہے اور اس میں دکھلاوا بھی نہیں' اگر ایسا کرتے اس وقت یہ دعویٰ صحیح ہوتا کہ ہم نے سب رسمیں چھوڑ دی ہیں' مگر چونکہ اس میں شہرت دکھلاوا نہیں ہے اس لیے ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔

ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینے کا ذکر

تیسرا عیب بڑے ہوشیار مرد کو بے عقل کر دینا' چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ایسی اتار چڑھاؤ کی باتیں کرتی ہیں کہ اچھے خاصے عقلمند بے عقل ہو جاتے ہیں ان کی باتوں اور لہجہ

میں پیدائشی ایسا اثر رکھا گیا ہے کہ خواہ مخواہ مرد پر اس سے اثر پڑتا ہے۔

عورتوں میں مردوں سے عقل کم ہے چالاکی اور مکر زیادہ ہے

اور اس کی یہ وجہ نہیں کہ یہ عقل میں مردوں سے زیادہ ہیں بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ مکر اور چالاکی دوسری چیز ہے' شیطان میں مکر اور چالاکی تھی عقل نہ تھی اس واسطے دھوکہ کھایا' جبکہ حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سجدہ نہ کیا اور یہ کہہ گزرا کہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور یہ نہ سوچا کہ جب حق تعالیٰ نے سجدہ کا حکم دیا ہے تو ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی اور مصلحت تو بہت ہی ظاہر تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انی جاعل فی الارض خلیفۃ یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ کسی کو اپنا نائب کرتا ہے اور تخت پر بٹھاتا ہے تو اس کو نذریں گزاری جاتی ہیں اور جو معاملہ بادشاہ کے ساتھ کیا جاتا تھا وہ اب اس کے نائب کے ساتھ کیا جاتا ہے اسی لیے یہاں بھی یہ حکم ہوا کہ ہم کو جس طرح سجدہ کرتے تھے اسی طرح آدم کو کرو اس لیے کہ وہ ہمارا خلیفہ ہے' ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا وہ تعظیم کا سجدہ تھا اور حق تعالیٰ کو سجدہ کرنا عبادت کا سجدہ ہے تو اتنی موٹی بات میں اس نے غلطی کی اس سے معلوم ہو گیا کہ اس میں عقل نہ تھی' ہاں چالاکی اور مکر میں بے شک بے مثل ہے۔

میاں جی کی حکایت:

اس پر ایک میاں جی کی حکایت یاد آئی کہ ان کے پاس کہیں سے بتاشے آئے انہوں نے ایک مٹی کے بدھنے میں آٹا لگا کر بند کر کے رکھ دیئے تا کہ کوئی لڑکا کھا نہ جائے' لڑکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہیے کہ بدھنے کا منہ بھی نہ کھلے تا کہ راز ظاہر نہ ہو اور بتاشے بھی وصول ہو جائیں' سوچتے سوچتے ایک تدبیر نکالی کہ پانی لا کر ٹوٹی کی راہ سے اس میں بھرا اور شربت گھول کر پی گئے تو یہاں نہ کہا جائے گا کہ یہ لڑکے بڑے عاقل تھے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ بڑے شریر اور چالاک و مکار تھے' کیونکہ عقل تو اس بات کو چاہتی ہے کہ اپنے استاذ کی خدمت اور تابعداری کی جائے نہ اور الٹا

نقصان پہنچایا جائے' عقل کے اصل معنی ہیں بند کرنے کے پس عقل وہی ہے جو برائیوں سے بند رکھے ورنہ بندر بہت عجیب عجیب کام کرتے ہیں مگر اس سے بندر کو عقلمند نہ کہا جائے گا بلکہ مکار اور نقال کہیں گے غرض عقل اور چیز ہے اور چالاکی اور مکر اور چیز ہے' عقل ضروری چیز ہے اور اس کا نہ ہونا برا اور چالاکی بری چیز ہے اور اس کا نہ ہونا اچھا چنانچہ شریعت میں یہ بات پسند نہیں کہ دوسروں کو نقصان پہنچائے کیونکہ یہ مکر ہے اسی طرح یہ بھی کمال نہیں کہ اپنے کو نقصان سے نہ بچائے کہ یہ کم عقلی ہے۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا ہے' مطلب یہ ہے کہ کہ اگر مسلمان کو کسی جگہ نقصان پہنچے تو اس کی شان یہ نہیں ہے کہ پھر وہاں جائے یا کسی سے نقصان پہنچا تو یہ مناسب نہیں کہ پھر اس سے معاملہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانون کے لیے اتنی ہوشیاری کمال کی بات ہے کہ اپنے کو نقصان سے بچائے اسی واسطے دین کو نفع ہمیشہ عقلمندوں سے ہی ہوا ہے۔

دین کے جتنے پیشوا ہوئے ہیں سب عقل مند تھے:

جتنے نبی اور جتنے پیشوا دین کے ہوئے ہیں سب بڑے عقل مند تھے کسی نبی کی ایسی حکایت نہ سنی ہوگی کہ وہ بھولے ہوں، دنیا کی ان کو کچھ خبر نہ ہو ہاں چالاک اور مکار نہ تھے عقلمند اور ہوشیار تھے اور عقل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

عورتوں کی چالاکی کا بیان:

عورتوں میں چالاکی اور مکر ہے عقل نہیں اس چالاکی اور مکر کی وجہ سے ہوشیار کو بے عقل بنا دیتی ہیں چنانچہ تنہائی میں ایسی ایسی باتیں کرتی ہیں کہ جس سے خاوند کا دل اپنی طرف ہو جائے اور سب سے چھوٹ جائے بیاہ کے بعد گھر آتے ہی سب سے اول کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ خاوند ماں باپ سے چھوٹ جائے یہ بڑے ستم کی بات ہے کہ جس ماں باپ نے مشقتیں اٹھا کر اس کے خاوند کو پالا اور اپنا خونِ جگر پلایا خود تکلیف میں رہی

اس کو آرام سے رکھا' اس کے تمام ناز نخرے اٹھائے اور جس باپ نے دھوپوں کی تکلیف اٹھائی اور اولاد کے لیے گھر چھوڑا' محنت کر کے ان کو پالا آج ان کی خدمتوں کا یہ انعام دیا جاتا ہے کہ ان سے چھڑایا جاتا ہے، لاحول ولاقوۃ، پھر اگر یہ ہنر ان کا چل گیا تو اس پر بھی بس نہیں کرتیں کہتی ہیں کہ تم تو الگ ہو گئے مگر تمہاری کمائی تو ان کے پاس جا رہی ہے، کبھی ماں کو جوتا لا دیا کبھی نقد کچھ دے دیا، غرضیکہ کوشش کر کے دینا دلانا بھی چھڑاتی ہیں، پھر اس پر بھی صبر نہیں آتا اس کے بھائی بہن سے چھڑاتی ہیں اور اگر پہلی بیوی سے اولاد ہو ان سے بھی چھڑاتی ہیں، غرض رات دن اسی فکر میں گزرتا ہے اور یہی رات دن کو کوشش ہوتی ہے کہ سوائے میرے اور میری اولاد کے کوئی نہ ہو، اور انہیں کی بدولت بہت سے گھروں میں بلکہ بہت سے خاندانوں میں نااتفاقی ہو جاتی ہے۔

مردوں کی بے احتیاطی:

اور مردوں میں یہ بے احتیاطی ہے کہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

خاوند کی ناشکری اور ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینے کی دو وجہ ہیں:

اور اس ناشکری اور ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینے کی دو وجہ ہیں' اول تو یہ کہ ان کو خاوند کی برابری کا گمان ہوتا ہے کہ ہم اس سے کیا کچھ کم ہیں' چنانچہ یہاں تک کوشش ہوتی ہے کہ بحثا بحثی میں بھی شوہر پر ہم غالب رہیں' جو بات خاوند کہتا ہے اس کا جواب ان کے پاس تیار رہتا ہے کوئی بات بے جواب نہ چھوڑیں گی خواہ ناگوار یا گوار ہو خواہ معقول ہو یا نامعقول اور ناشکری اکثر اسی برابری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اب میں ان حضرات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو اس کوشش میں ہیں کہ مرد عورت میں برابری ہو جائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے' علاوہ اور جوابوں کے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ ہی کی بیگم صاحبہ آپ سے برابری کا دعویٰ کریں اور مقابلہ میں آ کر جواب وسوال کریں تو سچ کہنا کہ کیا آپ ناخوش نہ ہوں گے ضرور ہوں گے یہ شخص یہی چاہتا ہے کہ میرے اہل وعیال میرے تابع ہو کر رہیں اور خاص کر جنٹلمین حضرات کہ یہ برابری تو کیا رکھتے معمولی حقوق بھی بیبیوں کے

ضائع کرتے ہیں، بیبیو تم مردوں کی برابر کیسے ہو سکتی ہو، تم ہر طرح اور ہر بات میں مردوں سے پیچھے رکھی گئی ہو، دیکھو تم نماز میں امام نہیں بن سکتیں، میراث اور گواہی وغیرہ میں ہر طرح مردوں سے پیچھے ہو، تم آگے کیوں بڑھنا چاہتی ہو، امام صاحب کا قول ہے کہ اگر صف میں مرد کے برابر عورت کھڑی ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ جب عبادت میں برابری نہیں ہے جس میں زیادہ ہمت زیادہ عقل کی بھی ضرورت نہیں تو معاملوں میں کیسے برابر ہو سکتی ہو کہ ان میں تو بہت سی ان باتوں کی ضرورت ہے جو خاص مردوں ہی میں پائی جاتی ہیں اور تم تو برابری کا دعویٰ کرنا چاہتی ہو حالانکہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی غیر کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اور یہ نہیں فرمایا کہ لونڈی کو حکم دیتا کہ اپنے آقا کو سجدہ کرے اور یہ نہیں فرمایا کہ لونڈی کو حکم دیتا کہ اپنے آقا کو سجدہ کرے معلوم ہوا کہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اور خاوند کا مرتبہ مالک سے بھی زیادہ ہے مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ خاوند سے دبنا اپنے نفس کے خلاف ہونے کی وجہ سے عار سمجھتی ہو تو اس باتوں کو دین ہی نہیں سمجھتیں، بڑا شوق دین کا ہوگا تو وظیفے اور سبحان اللہ اور الحمد للہ کی بہت سی تسبیح پڑھ ڈالیں گی میں کہتا ہوں کہ وظیفوں کا مرتبہ تو ان سب سے پیچھے ہے بڑی فضیلت اسی عمل میں ہے جس میں نفس کا خلاف ہو۔

دین کی تمام باتوں میں سے صرف وظیفوں کے اختیار کرنے میں:

مگر دینا کی تمام باتوں میں سے صرف ان وظیفوں کو اکثر نے پسند کیا ہے اس کے اندر نفس کا ایک گہرا مکر ہے وہ یہ ہے کہ عام لوگوں میں اس کی وجہ سے عزت بہت ہوتی ہے عام لوگ اس کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اس لیے اس میں نفس خوش ہوتا ہے اور خاوند کی تعظیم اور تابعداری نفس کے خلاف ہے اس لیے اس سے بے توجہی ہے، غرضیکہ ایک وجہ خرابی کی تو برابر کا گمان ہے، دوسری وجہ حسد ہے یہ مرض بھی عورتوں میں بہت ہے ذرا ذرا سی چیز پر ان کو حسد ہوتا ہے مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ اسی پر حسد ہوتا ہے کہ اپنے ماں باپ کو یہ چیز کیوں دیتا ہے، اگر ماں باپ نہ ہوتے تو یہ چیز ہمارے پاس ہی رہتی، لیکن

اے عورتو! میں تمہاری اس بات کی تعریف کرتا ہوں کہ تمہارا ایمان تقدیر پر بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے' مردوں کو سینکڑوں دسوسے شبے پیش آتے ہیں عالموں سے اُلجھتے ہیں لیکن تم کو اس میں شک وشبہ بھی نہیں ہوتا' مگر معلوم نہیں کہ یہ تمہارا تقدیر پر ایمان لانا اس موقع پر کہاں گیا' خوب سمجھ لو کہ جس قدر تقدیر میں ہے وہ تم کو مل کر رہے گا پھر حسد اور جلن کا ہے کے لیے کرتی ہو اور یہی حسد ہے جس کی وجہ سے سوت سے ہمیشہ ان کی لڑائی رہتی ہے لیکن کوئی عورت اس کا اقرار ہرگز نہ کرے گی کہ مجھ کو حسد ہے مگر ان کی حالت سے خود یہ بات ظاہر ہے طرح طرح سے یہ دل کی جلن نکالتی ہیں کبھی کہتی ہیں کہ فلانی میں یہ عیب ہے فلانی باہر کی ہے یا شرافت میں میرے برابر نہیں ہو سکتی' ہمارے قصبات میں خاص کر شرافت کے دعویٰ کا ایسا مرض ہے کہ باہر کی عورت یا مرد کیسا ہی شریف ہو مگر اپنی شرافت کے گھمنڈ میں کسی کو منہ نہیں لگاتے'

شرافت کے متعلق ایک شبہ:

اور مجھ کو تو اسی میں شبہ ہے کہ ہم لوگ جو شریف کہلاتے ہیں آیا واقع میں ایسے ہی ہیں یا نہیں کیونکہ یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر شیخ ہیں کوئی تو اپنے آپ کو صدیقی کہتا ہے کوئی فاروقی کوئی علوی کوئی عثمانی کوئی انصاری کیا ان چار پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوائے اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی توبہ توبہ نسل نہیں چلی کوئی اپنے آپ کو یہ نہیں کہتا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں یا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں سب ان چار پانچ حضرات ہی کی اولاد میں اپنے آپ کو بتلاتے ہیں اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کسی سب یاروں کا تراشا ہوا مضمون ہے کہ مشہور اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر ان کی طرف اپنی نسبت کرنے لگے جن کے پاس نسب نامہ موجود نہیں ظاہر ہے کہ ان کا بیان تو زبانی ہی قصہ ہے اور جن کے پاس نسب نامہ موجود ہے۔ اس میں بھی اوپر سے شبہ ہے کہ کوئی یقینی بات نہیں چنانچہ ہم لوگ تھانہ بھون کے فاروقی مشہور ہیں مگر تاریخ سے اس میں شبہ پڑتا ہے اس لیے کہ ابراہیم بن ادہم ہمارے نسب کے سلسلہ میں موجود ہیں اور ان میں اختلاف ہے کوئی ان کو فاروقی لکھتا ہے کوئی عجلی کوئی تمیمی کوئی سید زیدی لکھتا ہے پھر ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم کہیں کہ

فلانی کم قوم کی ہے' خوب یاد رکھو قیامت کے دن صرف یہ پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا کیا کمایا یہ نہ پوچھا جائے گا کہ کس کے نسب میں تھے۔

سب کے نسب کی انتہا حضرت آدم علیہ السلام پر ہے پس انہیں کی طرف منسوب کرنا چاہیے:

اور جس قدر قومیں ہیں سب کے نسب کی انتہا یقینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام پر ہے مگر معلوم نہیں ان کی طرف اپنے آپ کو نسبت کیوں نہیں کرتے اگر جواب میں کہا جائے کہ وہ دور ہیں اور نسب میں قریب کا اعتبار ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر قرب کا اعتبار ہے تو میں ایک چیز نہایت قریب بتاتا ہوں اس کی طرف نسبت کرو وہ کیا ہے؟ ایک ناپاک پانی ہے جس سے ہم پیدا ہوئے ہیں۔

اس کا جواب کہ نسب میں قریب کا اعتبار ہے اور ایک بزرگ کا ایک نوجوان کو نصیحت کرنے کا قصہ:

چنانچہ ایک بزرگ کے سامنے ایک شخص نہایت شیخی اور غرور سے اکڑتا ہوا نکلا ان بزرگ نے اس کو نصیحت کی کہ بھائی اترا ؤمت اس نے کہا تم مجھ کو نہیں جانتے میں کون ہوں فرمایا ہاں میں جانتا ہوں' اول کی حالت تو آپ کی یہ ہے کہ ناپاک نطفہ تھے' آخری حالت یہ ہے کہ سڑیل مردار ہو گے اور درمیانی حالت یہ ہے کہ پیٹ میں ناپاکی بھرے پھرتے ہو اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ نسب کی شرافت کوئی چیز نہیں۔

نسب کا آخرت میں تو اعتبار نہیں مگر دنیا میں اعتبار ہے

آخرت میں تو واقعی نسب کوئی چیز نہیں نیکیاں ہی کام آنے والی ہیں لیکن دنیا میں وہ بیکار بھی نہیں ہے شریعت نے خود اس کا اعتبار کیا ہے' اگر نسب کوئی چیز نہ ہوتی تو جو لوگ اپنے برابر کے نہیں ان میں نکاح کرنے سے منع نہ کیا جاتا اور یہ قاعدہ مقرر نہ ہوتا کہ خلیفہ صرف قریش ہی کے خاندان سے ہوں گے ان حکموں سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع نے بھی شریفوں غیر شریفوں میں ضرور فرق رکھا ہے اور یہ فرق دنیا کا انتظام رکھنے کے لیے ہے'

اگر سب کے سب دنیا میں یکساں ہوتے تو ہرگز انتظام نہ ہو سکتا نہ کوئی کام چل سکتا' اگر کوئی گھر بنانے کے لیے کسی کو کہتا تو وہ کہتا کہ تم ہی ہمارا گھر بناؤ' اگر کسی سے خط بنانے کو کہتے وہ کہتا کہ تم ہی میرا خط بنادو' دھوبی کپڑے نہ دھوتا' غرض سخت مصیبت ہوتی' اگر بڑھئی کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملتا اگر نوکر کی ضرورت ہوتی تو نوکر نہ ملتا یہ چھوٹے بڑے کا ہی فرق ہے جس سے لوگوں کے کام چل رہے ہیں' چنانچہ یہ قانون کہ خلیفہ صرف قریش ہی کے خاندان سے ہوں گے اس میں بھی انتظام کی مصلحت ہے' قدرتی طور سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو فضیلت دی ہے' جب سردار اور خلیفہ ان میں سے ہوں گے تو اوروں کو ان کی تابعداری سے عار نہ ہوگا اور ان کو دوسروں کی تابعداری سے عار ہوتا اور لڑائی جھگڑے کی صورت پیدا ہوتی' دوسرے یہ مصلحت بھی ہے کہ قاعدہ کی بات ہے کہ آدمی اپنی خاندانی چیز کی بہت حفاظت کرتا ہے تو اگر قریش کے خاندان سے خلیفہ ہوگا تو دین کی حفاظت دو وجہ سے کرے گا ایک اس وجہ سے کہ دین اپنے گھر کا ہے' کیونکہ نبی علیہ السلام بھی انہی کے خاندان سے تھے' دوسرے مذہبی تعلق سے۔

نسب کا اعتبار دنیوی انتظام کے لیے ہے اس پر غرور کرنا جائز نہیں

غیر شریفوں کا یہ غرور کہ وہ اپنے کو شریفوں کے برابر سمجھتے ہیں!

پس معلوم ہوا کہ نسب کا اعتبار اس مصلحت سے ہے کہ دنیا کا انتظام بنا رہے اس لیے وہ بیکار نہیں' مگر نسب پر غرور کرنا اور شیخی کرنا ہر حالت میں حرام ہے اور آج کل کے شریفوں میں تو نسب پر غرور ہے ہی مگر غیر شریفوں میں دوسرے طور پر غرور پایا جاتا ہے کہ اپنے کو شریفوں کے برابر سمجھنے میں اور اپنے میں اور ان میں کچھ فرق نہیں جانتے' یہ بھی زیادتی ہے جو فرق اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے' غرض یہ شیخی اور غرور بھی برا ہے جیسا کہ شرافت کے دعوے کرنے والوں خاص کر عورتوں میں ہے' اور مرتبے کا فرق ہو مگر لکھنا بھی ٹھیک نہیں' جیسا کہ دوسری قوموں نے اختیار کیا ہے' میں اس کو بیان کر رہا ہوں کہ ہماری عورتوں کے اخلاق نہایت خراب ہیں' ان کو اپنی اصلاح کرنا نہایت ضروری

ہے۔

بغیر اخلاق درست ہوئے عبادت اور وظیفہ کار آمد نہیں:

او یاد رکھو کہ بغیر اخلاق درست ہوئے عبادت اور وظیفہ کچھ کار آمد نہیں' حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ فلانی عورت بہت عبادت کرتی ہے راتوں کو جاگتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو بہت ستاتی ہے' فرمایا کہ وہ دوزخی ہے' اور ایک دوسری عورت کی نسبت عرض کیا کہ وہ زیادہ عبادت نہیں کرتی مگر پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرتی ہے فرمایا وہ جنتی ہے' مگر ہماری عورتوں کی بزرگی آجکل تسبیح او وظیفے پڑھنے میں رہ گئی اخلاق کی طرف بالکل توجہ نہیں حالانکہ اگر دین کا ایک حصہ بھی کم ہوگیا تو دین ناتمام ہوگا' مگر آج کل لوگوں نے جیسے اور چیزوں کا ست نکالا ہے اسی طرح دین کا بھی ست نکال لیا ہے' بعض نے تو نماز روزہ ہی کو دین سمجھ لیا ہے معاملات اور اخلاق وغیرہ کو چھوڑ دیا ہے او بعضوں نے صرف اخلاق کو لے لیا عبادتوں اور عقیدوں کو چھوڑ دیا اور اخلاق بھی ان کا دعویٰ ہی ہے' واقع میں اخلاق بھی ان کے درست نہیں ہیں لیکن اگر ہوتے بھی تو بیکار تھے' کچھ لوگ وہ ہیں کہ ان کے عقیدے اور اعمال اور معاملے اچھے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ ہم خوش عقیدہ ہیں اور اس پر اتراتے ہیں اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں تو ان میں اخلاق کی کمی ہے' اسی طرح ہماری عورتوں نے عقیدوں اور وظیفوں اور نماز کو لے لیا مگر اخلاق کو چھوڑ دیا' صبح سے شام تک غیبت حسد لعنت ملامت میں مبتلا رہتی ہیں اور اس پر یہ سمجھتی ہیں کہ ہم بڑی بزرگ ہیں تو بزرگی صرف یہ نہیں ہے' اسی طرح مردوں کو بھی کہا جاتا ہے کہ اخلاق کی ان میں بھی کمی ہے وہ اپنی اصلاح کریں بلکہ اخلاق کے اعتبار سے نیک کاموں سے بھی زیادہ ضروری ہیں' اس لیے کہ اگر نیک کاموں میں کمی ہوگی تو اس کا نقصان اپنی ذات تک ہی رہے گا اور اخلاق اگر خراب ہوئے تو اس کا نقصان دوسروں کو پہنچے گا جو کہ بندوں کے حقوق میں داخل ہے' افسوس نماز کے چھوڑنے کو اور دوسرے گناہوں کو تو گناہ سمجھا جاتا ہے اور غیبت اور حسد اور زیور کی طمع اور اپنی سوکن سے اختلاف اور ان کے مثل اور عادتوں کو گناہ نہیں سمجھتیں۔

خلاصہ: سارے وعظ کا یہ ہوا کہ اس حدیث میں تین عیب بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ تین عیب ایسے ہیں کہ باقی تمام عیبوں کا تعلق انہی تین سے ہے' بعض عیبوں کا تو ان سے یہ تعلق ہے کہ وہ ان سے پیدا ہوتے ہیں' جیسے غیبت اور چغلخوری کہ یہ بھی لعنت ملامت کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور نا اتفاقی لڑائی جھگڑے وغیرہ ہوشیار مرد کو بے عقل کر دینے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض عیبوں کا ان سے یہ تعلق ہے کہ خود یہ ان سے پیدا ہوتے ہیں جیسے خاوند کی ناشکری حرص اور طمع سے پید ہوتی ہے اسی طرح غور کرنے سے سب کا تعلق معلوم ہوسکتا ہے پس ان تینوں کی اصلاح ضروری ہوئی۔

اصلاح کا طریقہ:

اب اصلاح کے طریقہ کو غور سے سننا اور سمجھنا چاہیے اور اسی پر وعظ ختم ہو جائے گا' اس اصلاح کے طریقہ میں دو چیزیں ہیں' ایک علم حاصل کرنا دوسرے کام کرنا اور علم یہی نہیں کہ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لیا تفسیر سورہ یوسف پڑھ لی یا نور نامہ وفات نامہ پڑھ لیا بلکہ کتاب وہ پڑھو جس میں تمہارے عیبوں کا بیان ہو[1] یہ تو علم ہوا' اور کام ایک تو یہ ہے کہ اول زبان کو روک لو' تمہاری زبان بہت چلتی ہے' تم کو کوئی برا کہے یا بھلا ہرگز مت بولو اس سے خاوند کی ناشکری اور ہوشیار مرد کو بے عقل بنا دینا اور کثرت سے لعنت ملامت کرنا اور غیبت وغیرہ سارے عیب جاتے رہیں گے اور جب زبان روک لی جائے گی تو یہ عیب جن چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی دل سے جاتی رہیں گی کیونکہ ان سے زبان ہی کے ذریعہ سے کام لیا جاتا ہے' جب زبان کی قوت سے کام ہی نہ لیا جائے تو وہ آپ ہی کمزور ہو جائیں گے دوسرا کام یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے یہ سوچا کرو کہ دنیا کیا چیز ہے اور یہ دنیا چھوٹنے والی ہے اور موت اور اس کے بعد کی ایک ایک حالت کو روزانہ سوچا کرو جیسے قبر اور منکر نکیر کا سوال جواب اور اس کے بعد قبر سے اٹھنا اور حساب و کتاب اور پل صراط کا چلنا' اس سے دنیا کے مال اور مرتبہ کی محبت بھی جاتی رہے گی اور تکبر اور حرص بھی اور جو مرض حرص سے پیدا ہوتے ہیں جسے غیبت اور حسد وغیرہ وہ بھی جاتے رہیں گے

[1] جیسے تعلیم الدین اور تبلیغ دین اور بہشتی زیور حصہ ہفتم

غرض حاصل علاج کا دو چیزیں ہوئیں ایک تو علم حاصل کرنا دوسرے کام کرنا سو علم تو یہ ہے کہ قرآن شریف کے بعد ایسی کتابیں پڑھ لو جن میں مسئلوں کے ساتھ دل کی بیماریوں کا بھی بیان ہوا جیسے حسد غرور وغیرہ کی برائی' کم از کم بہشتی زیور ہی کے دس حصے پڑھ لو' اور کام دو ہیں ایک زبان کا روکنا دوسرے موت اور اس کے بعد کی حالتوں کا سوچنا' لیکن طوطے کی طرح بہشتی زیور کے الفاظ خود پڑھ لینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا' بلکہ یہ ضروری ہے کہ کسی مولوی سے پڑھ لو جبکہ گھر میں مولوی ہو ورنہ گھر کے مردوں سے عاجزی کرو کہ وہ کسی مولوی سے پڑھ کر تم کو پڑھا دیا کریں' مگر پڑھ کر بند کر کے مت رکھ دینا ایک وقت مقرر کر کے ہمیشہ اس کو خود پڑھتی رہنا' اوروں کو بھی سناتی رہنا' میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس طریقے سے انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی اور یہاں اس سے زیادہ بیان کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ یہاں کی عورتیں خود سمجھ دار ہیں۔

تمام خرابیوں کی جڑ بے فکری ہے:

اور جڑ ان تمام خرابیوں کی ایک ہی بات ہے وہ اگر جاتی رہے تو سب باتوں کی اصلاح ہو جائے' وہ یہ کہ آج کل بے فکری ہو گی ہے' اگر ہر بات میں دین کا خیال رکھا جائے کہ یہ کام ہم جو کرتے ہیں دین کے موافق ہے یا نہیں' تو انشاء اللہ چند روز میں اصلاح ہو جائے گی۔

اب دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے۔ (امین)

ملتقت

(۳۲) اتباع نفس کی برائی

منتخب از وعظ دھم دعوات عبدیت حصہ اول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبہ ماثورہ:

اَمَّابَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَاتَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَاب

ترجمہ: ''اے داؤد علیہ السلام بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پس تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور نفس کی خواہش کی پیروی مت کرو کہ یہ تم کو اللہ کے راستہ سے بے راہ کر دے گی۔ بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے گم ہو گئے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہو گا اس سبب سے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے ہیں۔''

اس آیت کے متعلق یہ مضامین ہیں:۔

(۱) اس آیت میں اگرچہ داؤد علیہ السلام کو کہا گیا ہے کہ آپ نفس کی خواہش کی پیروی مت کیجئے لیکن یہ حکم سب کو شامل ہے کچھ داؤد علیہ السلام ہی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ داؤد علیہ السلام کو حکم کرنے سے اس بات کی اور تاکید ہو گئی کہ یہ حکم سب کے لیے ہے۔ اس لیے کہ جب بڑوں کو کسی بات کا حکم کیا جاتا ہے اور باوجود ان کی بڑائی کے اس کے خلاف کرنے پر ان کو عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے تو چھوٹے بھی اس حکم میں ضرور آ جاتے ہیں۔ جیسے حکیم اگر کسی تندرست مضبوط آدمی کو کہے کہ فلانی چیز نہ کھاؤ' تم کو نقصان دے گی تو اس

سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جب اس چیز سے پرہیز کرنے کی تندرست مضبوط آدمی کو ضرورت ہے تو کمزور بیمار کو کیسے ضرورت نہ ہوگی۔ اسی طرح سے یہاں داؤد علیہ السلام کو حکم ہے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کو باوجود نبی ہونے کے یہ حکم ہے تو اوروں کو تو ضرور اس حکم کی پابندی کرنا چاہیے۔ اور اس حکم کی نبوت کے ساتھ کچھ خصوصیت بھی نہیں ہے جس سے یہ شبہ ہو کہ یہ حکم نبی کے ساتھ خاص ہے۔ اور وہ حکم جو داؤد علیہ السلام کو اس آیت میں کیا گیا ہے یہ ہے کہ اپنی جی چاہی بات پر عمل نہ کرو۔ اب ظاہر ہے کہ داؤد علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ اور پیغمبر بھی صاحب کتاب' کہ خدا کی کتاب زبور شریف ان پر اتری ہے۔ اور نبی جتنے بھی ہیں سب پاکیزہ نفس ہوتے ہیں۔ اور ان کے اخلاق اور خواہشیں پاک صاف ہوتی ہیں۔ خاص کر جو نبی صاحب کتاب ہیں ان کے تو کیا ہی کہنے۔ جب باوجود اس کے ان کو نفس کی پیروی سے منع کیا گیا ہے' حالانکہ ان کا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ اور اگر اس میں خواہش بھی ہوگی تو بری نہ ہوگی۔ تو ہم جو کہ سر سے پیر تک گندہ ہی گندہ ہیں۔ ہم اگر نفس کی خواہش پر چلیں گے تو بالکل ہی ہلاک ہو جائیں گے' خدا بچائے رکھے (۲) اور آج اس مضمون کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مضمون وہ بیان کرنا چاہیے جس کی ضرورت ہو اور یوں تو ہر حکم کی ہر وقت ہم کو ضرورت ہے لیکن آدمیوں کی حالت اور زمانے کے بدلنے سے بعض حکم زیادہ ضروری ہو جاتے ہیں۔ جیسے اگر حکیم بیمار کو ایسے وقت میں جب کہ موسم آدمیوں کا نہ ہو یہ کہے کہ دیکھو ترش آم نہ کھانا۔ تو یہ منع کرنا فی نفسہ تو ضروری ہے لیکن اس وقت اس کی ممانعت کرنا بالکل بیکار ہے اس وقت تو اس چیز سے منع کرنا چاہئے جو موجود ہو۔ اسی طرح نصیحت کرنے والے کا حق یہ ہے کہ جو مرض اس وقت پائے اسی کی اصلاح کرے۔ اور اگر کئی مرض ہوں تو جو ان میں زیادہ سخت ہو اس کی پہلے خبر لے مجھ کو اسی قاعدہ کی وجہ سے اس مضمون کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا کرتا ہے جو اس وقت ضروری ہو۔

نفسانی خواہش کی پیروی میں عام لوگ مبتلا ہیں:

اس وقت مجھ کو یہ خیال ہوا کہ نفسانی خواہش کی پیروی ایسا مرض ہے جس میں عام

طور پر آج کل لوگ مبتلا ہیں اور یہ اصل ہے تمام مرضوں کی' پھر اس مرض میں جاہل اور عالم سب مبتلا ہیں بلکہ عالموں میں جو اللہ والے اور دوسروں کو ہدایت کرنے والے ہیں وہ بھی اس سے بچے ہوئے نہیں اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو اپنے اندر شریعت کی پابندی بہت کم پائیں گے۔ زیادہ حصہ نفسانی خواہش کی پابندی ہی کا نظر آئے گا۔ کیونکہ جن کاموں میں ہم شریعت پر چلتے ہیں اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ ان کی اصلی وجہ نفسانی خواہش ہوتی ہے' شریعت کی پیروی مقصود نہیں ہوتی ہے شریعت کی پیروی تو صرف حیلہ اور بہانہ ہے اور یہ مرض عوام کے اندر اور رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور عالموں میں اور رنگ میں۔ عوام میں جو دنیا دار کہلاتے ہیں وہ تو آزاد ہو کر نفسانی خواہشوں کو گناہوں کی صورت میں پورا کرتے ہیں۔

جو لوگ دیندار کہلاتے ہیں وہ دین کے رنگ میں نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں:

مگر جو پرہیز گار دیندار کہلاتے ہیں وہ دین کی صورت میں نفسانی خواہش کو پورا کرتے ہیں۔ چنانچہ مولویوں کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کوئی مسئلہ ایسا بھی ہے جس میں یہ کام اس طرح ہو جائے۔

شریعت کے تابع نہیں ہوتے شریعت کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں:

کیوں صاحب تم سے اپنی حالت کو شریعت کے حکم کے تابع نہیں بنایا جاتا شریعت کے حکم کو چاہتے ہو کہ تمہارے تابع ہو جائے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ مولوی صاحب کوئی فتویٰ ہمارے موافق نکال دیں۔

ایک شخص کی حکایت جو کہ رضاعی بہن کے حلال ہونے کا فتوے چاہتے تھے:

کچھ دن ہوئے کہ ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ دودھ شریک بھائی بہن کا آپس میں نکاح ہو گیا ہے۔ اور نکاح کے وقت خبر نہ تھی بعد نکاح کے معلوم ہوا اب کیا کیا جائے میں نے کہا' ان دونوں میں جدائی کرا دو۔ یہ حکم سن کر وہ شخص سہم ہی تو گیا اور کہنے

لگا۔ صاحب اس میں تو بڑی بدنامی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے ساتھ مسلمانوں کی یہ حالت ہو کہ یہ فرمائش کی جائے کہ ہمارے موافق مسئلہ مل جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی اس میں تو نیک نامی ہوگی کہ بڑے اچھے آدمی ہیں کہ ان سے ایک غلطی ہوگئی تھی۔ جب حق بات معلوم ہوئی تو حق کو اختیار کرلیا۔ اور بدنامی تو اب ہو رہی ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بھائی بہن دونوں جمع ہو رہے ہیں۔ اب یہ جواب تو احسان کے طور پر تھا ورنہ اصلی جواب تو یہ ہے کہ بلا سے بدنامی ہو' ہونے دو۔ اگر ایسا ہی بدنامی کا خوف ہمارے بزرگوں کو ہوتا تو آج ہم مسلمان نہ ہوتے' مگر ہمارے بزرگوں نے اسلام لانے میں کیسی کیسی مصیبتیں اور بدنامیاں اٹھائی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی باطل مذہب کو چھوڑتا ہے تو باطل مذہب والے اس پر ایسی ملامت کرتے ہیں جیسے حق کو چھوڑتے وقت حق مذہب والے ملامت کرتے ہیں کیونکہ جو لوگ باطل مذہب پر ہیں وہ اپنے بیہودہ گمان میں اپنے مذہب کو حق اور عمدہ سمجھتے ہیں۔

ایک چمار کی حکایت:

میں ایک مرتبہ موضع سونتہ[1] میں گیا۔ وہاں ایک بوڑھے چمار کو دیکھا کہ بہت پاک صاف ستھرا رہتا ہے۔ اور رات کو اٹھ کر رام رام بھی کرتا ہے۔ اور معلوم ہوا کہ اس کے اولاد وغیرہ کچھ نہیں۔ میں نے اس سے کہلا کر بھیجا کہ تو مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے لوگوں سے صلاح کر کے جواب دوں گا۔ صلاح کر کے اس نے جواب دیا کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں کیوں ایمان کھوتا ہے۔ غرض کافر بھی اپنے کو ایماندار سمجھتا ہے اس لیے وہ اپنے مذہب کو چھوڑنے والے پر ملامت کرتے ہیں تو میں نے ان صاحب سے کہا جو اپنے موافق مسئلہ کی فرمائش کرتے تھے کہ جناب اگر سب کے سب آپ جیسے ہوتے اور حق کے اختیار کرنے میں بدنامی سے ڈرتے تو اس وقت آپ بھی کافر ہوتے۔ مسلمان کو تو ملامت کی کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ جو حق کی طلب میں ہو اس کو تو ملامت میں اور زیادہ مزہ آتا ہے۔

---

[1] جو تھانہ بھون سے دو کوس پر ایک گاؤں ہے ۱۲ منہ ہیں۔

دین کے بارہ میں ملامت سننے سے آدمی دین میں اور پکا ہو جاتا ہے:

اور ملامت میں ایک عجیب خوبی بھی ہے کہ آدمی اس سے دین میں پکا ہو جاتا ہے۔ جب تک ملامت نہ ہو کچا رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب چاروں طرف سے ملامت کو بوچھاڑ پڑنے لگتی ہے تو طبیعت کا خاصہ ہے کہ اس کو اپنی بات پر اور ضد ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے کام پر ہٹ ہو جاتی ہے اور اس سے اپنے کام میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے شادی میں کوئی رسم نہیں کی' اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی تو یہ شخص رسموں کے چھوڑنے میں اور پکا ہو جائے گا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے کوئی چیز خواہ کسی قسم کی ہو، بے حکمت پیدا نہیں فرمائی دیکھئے ملامت ظاہر میں تکلیف دینے والی چیز معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس میں یہ نفع نکلا کہ اس سے دین کو مضبوطی ہو سکتی ہے۔

کنجوسی اور غصہ وغیرہ بھی اپنے موقع پر نفع کی چیزیں ہیں:

اسی طرح طبیعت میں جس قدر کیفیتیں رکھی گئی ہیں۔ کنجوسی اور غصہ وغیرہ سب نفع کی چیز ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کنجوسی اور بزدلی بھی ہر جگہ بری نہیں ہیں' بلکہ کبھی اچھی بھی ہیں جبکہ ان سے اچھی جگہ کام لیں۔ جیسے کوئی مانگنے والا آیا کہ مجھے سو روپے دے دیجئے شادی میں ناچ کراؤں گا۔ سو یہاں کنجوسی ہی بہتر ہے۔ اسی طرح غصہ کو سمجھو کہ جب تک نفس کی اصلاح نہ ہوئی تھی مسلمانوں پر غصہ آیا کرتا تھا۔ بعد اصلاح کے اپنے نفس اور شیطان اور کافروں پر غصہ آنے لگا۔ پس غصہ کی جگہ بدل گئی۔ اور یاد رکھو اصلاح کے بعد اخلاق نہیں بدلتے۔ بلکہ اخلاق اسی طرح باقی رہتے ہیں صرف ان کے برتنے کی جگہ بدل جاتی ہے کہ پہلے بے موقع ان سے کام لیتے تھے اب موقع پر کام لیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے اندر ایک چیز ضد اور ہٹ بھی ہے کہ وہ بھی نفع کی چیز ہے۔ اگر اپنے موقع میں ہو۔ جیسا کہ پہلی مثال میں بیان ہوا کہ ضد سے رسموں کے چھوڑنے میں اور پکا ہو گیا۔ ہاں اگر اس سے بری جگہ کام لیا جائے۔ تو یہ ضد دوزخ میں

لے جانے والی ہے عرب کے کافروں کو ضد ہی تو ہوگئی تھی۔ حالانکہ حق ان پر ظاہر ہوگیا تھا۔ چنانچہ ایک شخص نے خود حضور ﷺ سے کہا تھا کہ میں ایمان تو لے آتا لیکن قریش کی بڑھیاں کہیں گی کہ دوزخ سے ڈرگیا۔ بہادری میں فرق آجائے گا۔ چنانچہ اسی حال میں مرگیا۔ آپ ﷺ کو بہت رنج ہوا۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ ﷺ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے تو بے موقع ضد ایسی بری ہے اور اگر حق پر ملامت ہونے سے ضد بڑھ جائے تو وہ اچھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کے بندوں نے تو ملامت اپنے سر پر لی ہے۔ اور نفسانی خواہش کے مقابلہ میں حق کو اختیار کیا ہے غرض یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ نفسانی خواہش کی پیروی بہت بری چیز ہے۔

پیروی کرنے کے قابل صرف وحی ہے:

اب یہ بات رہی کہ پیروی کس چیز کی کرنی چاہئے۔ سو اس کے قابل سوائے[1] وحی کے اور کچھ چیز نہیں۔ اس لیے کہ طبیعت تو اس قابل ہے نہیں کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ نبیوں کو بھی نفسانی خواہش کی پروری سے منع کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کی نفسانی خواہش پیروی کے قابل نہیں۔ رہی عقل سو ظاہر ہے کہ عقلوں میں خود اختلاف ہے۔ ایک عقلمند کی کچھ رائے ہے تو دوسرا اس کے خلاف ہے تو آخر کس کی عقل کو صحیح مانا جائے۔ پھر کس کو لیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ خود عقل پر اکثر طبیعت اور رسموں کا غلبہ ہو جاتا ہے جس سے عقل اس کام کی نہیں رہتی کہ اچھے برے میں تمیز کر سکے چنانچہ ہم دیتے ہیں کہ اکثر رسم ورواج کے غلبہ سے عقلمند بلکہ بڑے بڑے مولوی بھی بے وقوفی کے کام کرنے لگتے ہیں جیسے جب بیاہ لکھا آتا ہے تو نائی کے سامنے شکرانہ بنا کر رکھتے ہیں اور کھانے کے بعد جوڑے کے ساتھ اس کے سامنے بہت سے روپے خوان میں ڈالتے ہیں اور وہ اس میں سے ایک دو اٹھالیتا ہے باقی پھیر دیتا ہے سب جانتے ہیں کہ واقع میں اس کو اتنی بڑی رقم دینا منظور نہیں مگر پھر بھی اس کے سامنے اتنے بہت سے روپے نہ معلوم کس غرض سے رکھے جاتے یں اس میں تو نام بھی نہیں اس لیے کہ

[1] خدا کا پیام جو نبیوں کے پاس آتا ہے اس کا نام وحی ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا منظور نہیں' پھر کیا نام ہوا۔ یہ تو صرف لڑکوں کا کھیل' اور بالکل بیہودہ حرکت ہے۔ مگر بڑے بڑے عقلمند جو دوسروں کو عقل سکھاتے ہیں وہ بھی اس میں مبتلا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عقلوں پر بھی رسمیں غالب ہو جاتی ہیں۔ پس ہماری عقل بھی اس قابل نہیں کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اور وحی ان تمام نقصان سے پاک ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ پیروی کے لائق صرف وحی ہے۔ لیکن یہ بھی جب ہے کہ وحی میں الٹ پھیر کر کے اس کو نفسانی خواہش کے موافق نہ بنالیا ہو ورنہ اس کی پیروی ہرگز جائز نہیں۔ جیسا آج کل اکثر عوام اور پڑھے لکھے پیروی تو کرتے ہیں نفسانی خواہش کی اور وحی کو صرف آڑ بنا لیتے ہیں۔ سو یہ کتنا بڑا حیلہ اور فریب ہے۔ اس سے صرف اتنا تو نفع ہو جاتا ہے کہ خلق کے اعتراض سے بچ جاتے ہیں' مگر اللہ تو ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے اس سے کیسے بچیں گے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تو دھوکہ نہیں کرنا چاہیے۔ اور ان کے حکموں کی سچی پیروی کرنی چاہیے۔ اس میں نیک نامی اور بدنامی کی کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
خود ہی جو نا کام ہو اس کو کسی سے کام کیا

آجکل دین پر اس وقت عمل کرتے ہیں جبکہ اپنی خواہش کے خلاف نہ ہو:

آج کل یہ کیفیت ہے کہ دین پر بھی عمل اس وقت کریں گے جبکہ وہ حکم اپنی خواہش کے خلاف نہ ہو اور نہ اس میں کچھ خرچ ہو' اور نہ کسی دنیا کی مصلحت کے خلاف ہو اور اس پر بھی دینداری کا دعویٰ ہے۔ چنانچہ میں نے جن صاحب کا پہلے ذکر کیا ہے انہوں نے بھی یہی کہا کہ کوئی مسئلہ ایسا نکال دو کہ جس میں یہ عورت حلال ہو جائے۔ میں نے کہا کہ دیوانہ ہوئے ہو' میں حرام کو حلال کہہ دینے والا کون ہوتا ہوں' اور اگر کہہ بھی دیا تو اس سے حلال تو نہیں ہو جائے گی جب تک شرع سے حلال نہ ہو۔ مولنا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ فلاں مرد و عورت کا آپس میں یہ رشتہ

ہے اس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہوسکتا۔ اس پر وہ کیا کہتا ہے کہ ہم نے تو کیا تھا ہو گیا تھا۔ تو وہ بے وقوف نکاح نہ ہونے کا مطلب یہ سمجھے کہ زبان سے نکاح کی بات چیت نہ نکل سکتی ہوگی۔ اسی واسطے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو کیا تھا اور ہو گیا تھا یعنی منہ بند نہیں ہو گیا تھا۔ اسی طرح یہ شخص بھی اس دودھ شریک بھائی بہن کو حلال کرانا چاہتا تھا جب انہوں نے مجھ سے صاف جواب سنا تو اب اس کی فکر ہوئی کہ باتیں بنا کر کسی طرح کام نکالنا چاہیے تو فرمانے لگے کہ اس لڑکی نے دودھ پیا تو تھا، مگر تھوڑا سا پیا تھا۔ وہ عقلمند یہ سمجھے کہ بہت سا پینے سے نکاح حرام ہوتا ہوگا' تھوڑا پینے میں کیا حرج ہے۔ میں نے کہا کہ جناب ایک قطرہ پینے میں بھی نکاح حرام ہو جائے گا۔ اس پر فرمانے لگے کہ جی جو کچھ پیا تھا وہ بھی قے ہو گیا تھا اندر نہیں رہا۔ وہ یہ سمجھے کہ بس دودھ نکلنے کے ساتھ حرام ہونے کا بھی حکم جاتا رہا میں نے کہا بھائی حلق کے نیچے اترتے ہی نکاح حرام ہو گیا اور حرام ہو جانے کے بعد حلال نہیں ہوسکتا۔ اس پر وہ نا امید ہو کر چلے گئے اور دہلی پہنچے۔ غیر مقلدوں سے جا کر مسئلہ پوچھا۔ غیر مقلدوں کا چونکہ یہ مذہب ہے کہ پانچ گھونٹ سے کم میں نکاح حرام نہیں ہوتا۔ اور یہی مذہب امام شافعی رحمہ اللہ صاحب کا بھی ہے۔ اس لیے انہوں نے یہی جواب دیا کہ اگر اس لڑکی نے پانچ گھونٹ سے کم دودھ پیا ہے اس سے دودھ شریک بھائی کے ساتھ نکاح حرام ہوا یا نہیں۔ ان میں سے کسی نے جواب لکھ دیا کہ اس صورت میں نکاح حرام نہیں ہوگا۔ پس آپ خوش خوش ہو گئے اور بھائی بہن کو اسی حالت میں جمع رکھا۔ دیکھیے اس مسئلہ میں ان حضرات نے کس قدر اپنے نفس کی پیروی کی ہے۔ جیسا کہ اس کی بات چیت سے ظاہر ہے۔ پھر یہ امید بھی نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر یہ نکاح جائز ہوا ہو۔ اس لیے کہ بچے کے دودھ پینے کے وقت کسے خیال تھا کہ ایسا واقعہ ہوگا تو کس نے گنا تھا کہ اس نے پانچ گھونٹ پیے ہیں یا کم۔ دوسرے یہ شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر تھا۔ اور پہلے سے اس کا عقیدہ وہی تھا جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صاحب کا مذہب ہے۔ یہ عقیدہ نہ تھا جس پر اس نے عمل کیا۔ اگر پہلے سے امام شافعی رحمہ اللہ صاحب کے مذہب پر ہوتا تو اس فتویٰ پر عمل کرنا مضائقہ نہ تھا۔ اب تو

کھلی نفس کی پیروی ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے مسئلہ سے اپنا کام نکلتے دیکھا تو اسے لے لیا۔

ترکہ تقسیم کرنے کے لیے فرائض اس وقت نکلواتے ہیں جبکہ اپنے اپنے ملنے کی امید ہو اور اس پر ایک حکایت:

اسی طرح لوگ ہم سے فرائض نکلواتے ہیں۔ اور بعض اول ہی پوچھ لیتے ہیں کہ ہمارا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں۔ اگر کچھ حصہ ہو تو مسئلہ نکلواتے ہیں۔ اور اگر نہ ہو تو چل دیتے ہیں۔ اور بعض اس امید پر مسئلہ نکلواتے ہیں کہ شاید ہمارا بھی کچھ حصہ ہو۔ مگر جب ان کو مسئلہ نکال کر سنایا جاتا ہے۔ اور وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے تو بہت بد دل ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت فرائض بھی مسئلہ نکالنے والے ہی کے پاس چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ نکالنے والے کا جی برا ہوگا اس کی خاطر ہی سے لے جائیں۔

ایک شخص میرے پاس ایک فرائض لائے۔ اور پوچھا کہ میرا کتنا حصہ ہے؟ میں نے بتلا دیا کہ اس قدر ہے۔ ان کو وہ بہت کم معلوم ہوا کہنے لگے یہ میرا حصہ کیوں گھٹ گیا۔ میں نے کہا کہ فلانے حصہ دار کی وجہ سے کم ہو گیا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو تم کو زیادہ ملتا۔ تو کہنے لگے کہ جناب پھر اس کو نہ سیکھئے اور اکثر فرائض وہی شخص پوچھتا ہے جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور قبضہ کرنا چاہتا ہو۔ اور جس کا قبضہ ہوتا ہے وہ کبھی فرائض نہیں نکلواتا کیونکہ جانتا ہے کہ تقسیم کرنی پڑے گی اور قبضہ سے نکل جائے گی۔ غرض لینے کے لیے نکلواتے ہیں دینے کے لیے کوئی نہیں نکلواتا۔ ایسا ہزاروں میں ایک ہی ہوگا جو دینے کے لیے فرائض نکلوائے۔ تمام عمر میں ایک شخص ایسے آئے جو بڑے رئیس تھے اور تمام ریاست ان کے قبضہ میں تھی۔ انہوں نے فرائض نکلوائی تھی تاکہ جائداد شرع شریف کے موافق تقسیم کر دیں وہ گوڑ گانوہ کے رہنے والے تھے میرے پاس کئی بار آئے اور گئے جو ضروری بات اس میں کوئی رہ جاتی تھی' اس کے دریافت کرنے کے لیے بار بار آتے اور جاتے تھے۔ اور ان

کے سوا جو کوئی آتا ہے ایسا ہی آتا ہے جو لینا چاہتا ہے اور دینا نہیں چاہتا۔

ایک شخص کی حکایت جو حقدار کو مردہ کے ترکہ سے محروم کرنے کے لیے اس کے کفر کا فتویٰ چاہتا تھا:

ایک بار ایسے ہی شخص آئے اور انہوں نے مسئلہ پوچھا کہ ہماری بہن بے اولاد مرگئی ہے۔ اور اس کا خاوند شیعہ ہے۔ کیا اس کو بھی عورت کے ترکہ میں سے کچھ ملے گا۔ میں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ملے گا۔ اس میں سے آدھا مال اس کا ہے تو وہ بھائی یہ چاہتے تھے کہ خاوند کو کچھ نہ ملے کیونکہ مال بہت تھا۔ انہوں نے کہیں یہ سن لیا تھا کہ شیعہ پر کفر کا فتویٰ ہے تو اس لیے چاہتے ہیں کہ اس حیلہ سے اس کے خاوند کو کچھ نہ ملے' سب مال ہمارے قبضہ میں آئے چنانچہ وہ کہنے لگے کہ شیعہ تو کافر ہیں اس لیے سنی عورت کا شیعہ سے نکاح ہی نہیں ہوسکتا۔ پھر وہ خاوند ہی کب ہے۔ میں نے کہا کہ تم کو کچھ خدا کا خوف بھی ہے کہ دوسرے کا حق رکھنا چاہتے ہو۔ اور اگر خدا کا خوف نہیں تو اچھا غیرت کہاں اڑگئی کہ تھوڑی سی دنیا کے لیے یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمہاری بہن تمام عمر حرام کاری میں مبتلا رہی اور دوسرے یہ بتلائیے کہ آپ نے نکاح کے وقت کیوں نہ پوچھا کہ یہ خاوند شیعہ ہے۔ اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اور تیسرے یہ کہ سچ سچ کہنا کہ اگر یہ مال خاوند کے قبضہ میں ہوتا اور وہ مرتا اور تمہاری بہن کو ملنے کے بعد پھر تمہارے پاس پہنچنے کی امید ہوتی تو کیا اس وقت بھی تم اس نکاح کے صحیح نہ ہونے کی کوشش کرتے میرے پاس کثرت سے ایسے سوال آتے ہیں کہ کوئی بات نکال دو' چنانچہ ابھی ایک مسئلہ آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں اور اس کی درخواست تھی کہ کوئی ایسی صورت نکال دو کہ حلالہ نہ کرنا پڑے۔ یہ تو عام لوگوں کی کیفیت ہے جو بیان ہوئی کہ ہر کام میں نفسانی خواہش پر عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ شریعت کے مسئلوں میں بھی مولویوں سے فرمائش کرتے ہیں کہ ہماری مرضی کے موافق فتویٰ دیں۔ رہے مولوی۔ ان کو تو کسی کے کہنے سننے ہی کی ضرورت نہیں۔ مسئلوں کی کتابیں ان کے سامنے ہیں جس طرح چاہیں

عمل کریں۔ اور میں سب مولویوں کو نہیں کہتا بلکہ صرف ان کو جو مال اور عزت کی محبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سو ایسے مولویوں کا فتویٰ بھی معتبر نہیں جس کو دنیا کی محبت اور لالچ ہو۔ اور ہمیشہ گمراہی ایسے ہی لوگوں سے پھیلتی ہے۔

ہر شخص کو مولوی نہ بنانا چاہیے:

پہلے زمانہ میں جو رسم تھی کہ مولوی بننے کی اجازت نہ تھی اس میں بڑی مصلحت تھی، مگر اس میں اتنی کمی تھی کہ جس شناخت سے لوگوں کو علم دین پڑھانے کے لیے چھانٹتے تھے وہ شناخت غلط تھی کہ انہوں نے خاص خاص قوموں کو اس کے لیے چھانٹ رکھا تھا' انہی کو علم دین پڑھنے کی اجازت تھی۔ تو یہ طریقہ غلط تھا۔ کیونکہ خاص قوموں کے اندر بھی سب برابر نہیں ہوتے اور بعض ان میں بھی لالچی اور نکمے ہوتے ہیں بلکہ اس شناخت سے چھانٹنا چاہیے کہ طالب علمی کے زمانہ میں استاد اس بات سے اندازہ کر لیا کریں کہ کس شخص میں دنیا کی حرص غالب ہے اور کس شخص میں نہیں ہے جس میں دنیا کی حرص غالب دیکھیں اس کو رخصت کریں اور مدرسہ سے نکال باہر کریں اور جس میں دنیا کی حرص نہ ہو اس کو مولوی اور دین کا مقتدار بنائیں۔

مدرسہ نظامیہ بنانے کا قصد:

بغداد میں ایک مدرسہ نظامیہ تھا جس سے بڑے بڑے مولوی' جیسے امام غزالی رحمہ اللہ اور شیخ سعدی رحمہ اللہ پڑھ کر نکلے۔ اور وجہ اس مدرسہ بنانے کی یہ ہوئی تھی کہ اس زمانے میں قاضی اور مفتی مولویوں ہی کو بنایا جاتا تھا۔ اور بڑے بڑے عہدے بھی مولویوں ہی کو دیے جاتے تھے۔ تو جس کا باپ قاضی ہوتا اس وقت کے بادشاہ نے وزیروں اور امیروں کے مشورہ سے یہ مدرسہ اس لیے بنایا کہ جو اس مدرسہ میں پاس حاصل کر لے اس کو یہ عہدے دیئے جائیں گے تاکہ نا اہلوں اور جاہلوں کو حوصلہ ایسے عہدوں کی درخواست کا نہ ہو تو جس روز اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اس روز بخارا کے مولویوں میں ماتم ہوا تھا کہ آج کی تاریخ سے علم دین دنیا کے لیے پڑھایا جائے گا۔ لیکن پھر بھی ایسے مولوی اس میں سے پڑھ کر نکلے جو مولوی کے لیے فخر اور عزت کا سبب ہوئے اور ان کا مثل اس وقت زمین نے پردہ

پر نہ تھا۔

بادشاہ کا اس وقت مدرسہ کے امتحان کے لیے آنا اور اس کے توڑنے کا ارادہ کر لینا اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے باقی رکھنا:

ایک روز بادشاہ اس مدرسہ کے لیے تشریف لائے اور بھیس بدل کر طالب علموں کے خیالات کی آزمائش کی کہ دیکھیں علم پڑھنے سے ان کی کیا غرض ہے۔ چنانچہ ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کس لیے پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا، میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ میرا باپ قاضی ہے۔ میں اگر مولوی ہو جاؤں گا تو میں بھی قاضی ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد دوسرے سے پوچھا' اس نے بھی دنیا ہی کی کوئی غرض بتلائی۔ بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ افسوس ہے کہ دین کا علم دنیا کے لیے پڑھا جا رہا ہے اور ہزاروں روپیہ مفت میں برباد ہو رہا ہے۔ ایک کونے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں بیٹھے ہوئے کتاب دیکھ رہے تھے۔ اس وقت یہ طالب علم تھے نہ ان کو کوئی جانتا تھا نہ ان کی شہرت تھی۔ بادشاہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کیوں پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں نے عقل سے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک اصلی مالک ہے جو آسمان اور زمین کا بھی مالک ہے اور مالک کی تابعداری ضروری ہوتی ہے کہ جن کاموں سے وہ خوش ہو ان پر عمل کرے اور جن کاموں سے ناراض ہو ان سے بچے۔ سو میں اس کے معلوم کرنے کے لیے علم دین پڑھتا ہوں کہ کون سے کاموں سے وہ خوش ہوتے ہیں اور کون سے کاموں سے ناراض ہوتے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اب سب پر ظاہر کر دیا کہ میں بادشاہ ہوں کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس مدرسہ کو توڑ دوں' مگر تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ رہ گیا۔ پس علم اس غرض سے حاصل کرنا چاہیے جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر کی جس شخص کی غرض علم دین سے دنیا کمانا ہو اس کے علم سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ اور یہ امتحان پہلے بزرگ بھی لیا کرتے تھے کہ پڑھنے والوں میں دنیا کی محبت ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کے استاد اس کا خیال رکھتے تھے کہ طالب علموں میں کون ایسا ہے جو بادشاہوں اور حاکموں سے رغبت رکھتا ہے اور کون نہیں ہے جو بادشاہوں اور حاکموں کی طرف رغبت رکھتا اس کو اپنے

حلقہ میں آنے سے روک دیتے تھے کیونکہ بادشاہوں اور حاکموں کے پاس سوائے دنیا کے کیا ہے پس جو حاکموں سے میل جول رکھتا ہوگا معلوم ہوتا کہ اس کا مقصود دنیا ہے چنانچہ بادشاہوں اور امیروں کے دربار میں جو مولوی ہوتے ہیں وہ ان کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے ہیں' خواہ حق ہو یا ناحق ہو۔

امیروں کے پاس ایسے مولوی کو جانا درست ہے جو حق بات کہتا ہو اور دبتا نہ ہو:

ہاں جو مولوی حق بات کہتا ہو اور کسی سے دبتا نہ ہو وہ اگر بادشاہوں اور امیروں کے ہاں جائے اور حق بات کہے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت:

ایک شخص ایک بزرگ کی ملاقات کے لیے سفر کر کے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ بزرگ بادشاہ کی ملاقات کے واسطے گئے ہیں۔ یہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور پچھتایا کہ ہم تو بزرگ سن کر آئے تھے' یہ تو دنیادار نکلے۔ غرض یہ وہاں سے واپس ہو کر جا رہا تھا کہ اس بادشاہ کے لوگوں نے ان کو جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا اور بادشاہ کے دربار میں حاضر کر دیا۔ وہ بزرگ اس وقت وہاں تشریف رکھے ہوئے تھے' انہوں نے بادشاہ سے فرمایا کہ یہ جاسوس نہیں ہے ہمارا مہمان ہے۔ اس پر یہ چھوڑ دیئے گئے۔ اس کے بعد وہ بزرگ بھی وہاں سے چلے اور راستہ میں اس شخص سے کہا میں اس لیے بادشاہ کے یہاں آیا کرتا ہوں کہ جو لوگ بے خطا پھنس جائیں' انہیں چھڑا دوں اور حق بات سنا دیا کروں مگر ایسے سو میں ایک بھی نہیں۔ ہماری اور امیروں کی مثال تو چھری اور خربوزہ کی سی ہے۔ خربوزہ کی سلامتی چھری سے الگ ہی رہنے میں ہے خواہ خود ان کے پاس جاؤ یا وہ تمہارے پاس آئیں۔ اور ان کے آنے سے تم پر اثر پڑے۔ دونوں صورتیں برابر ہیں۔ امیروں سے ملنا اور حق پر جمار ہنا بڑے پکے آدمی کا کام ہے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

جس کی شان حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی سی ہو۔ ان کی حکایت ہے کہ ایک بار ایک موقع پر چلے جا رہے تھے' چلتے چلتے دجلہ کے کنارے پر پہنچے' دیکھا کہ شراب کے مٹکے

کشتیوں سے اتر رہے ہیں۔ پوچھا کہ ان میں کیا ہے؟ کشتی والے نے کہا' شراب ہے بادشاہ کے لیے آئی ہے۔ اور وہ دس مٹکے تھے۔ شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ کر انہوں نے لگاتار نو مٹکے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا۔ چونکہ یہ شراب بادشاہ کے لیے لائی گئی تھی' اس لیے سیدھا بادشاہ کے یہاں ان کا چالان کر دیا گیا۔ وہ بادشاہ نہایت ڈراؤنی صورت میں بیٹھ کر دربار کیا کرتا تھا۔ لوہے کو ٹوپی اوڑھتا تھا اور لوہے کی زرہ' لوہے کا گرز ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔ جب ان کو دربار میں لایا گیا تو بادشاہ نے نہایت کڑک کر ڈراؤنی آواز سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے۔ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا۔ بادشاہ یہ جواب سن کر غصہ میں بھر گیا اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی' کیا تم شرعی کوتوال ہو کہ لوگوں کے کاموں کی دیکھ بھال کرتے پھرتے ہو؟ شیخ نے فرمایا کہ ہاں شرعی کوتوال ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے کوتوال بنایا ہے؟ فرمایا کہ جس نے تجھے بادشاہ بنایا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے۔ فرمایا کہ ہاں یہ آیت ہے **یا بنی اقم الصلوۃ وامربا لمعروف وانہ عن المنکرواصبر علی ما اصابك**: ترجمہ: اے میرے بیٹے نماز اچھی طرح پڑھا کرتا اور اچھے کاموں کا دوسروں کو حکم کرتے رہنا اور برے کاموں سے روکنا' اور جو کچھ تم کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنا۔ حاصل یہ کہ برے کاموں سے روکنے کا آیت میں حکم ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو حق ہے کہ بری بات پر روک ٹوک کرے۔ بادشاہ نے جو یہ نڈر پنے کی باتیں سنیں تو اس پر بڑا اثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے کوتوال بنا دیا مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکا تم نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسن تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ بادشاہ سے بھی نہ ڈرا میں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے توڑے تھے۔ اگر اب توڑوں گا تو وہ نفس کے لیے ہوگا۔ اس لیے دسواں مٹکا چھوڑ دیا، بادشاہ پر اس کا بہت اثر ہوا' کتابوں میں ایسی ہی حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لکھی ہے کہ آپ ایک کافر کے قتل کرنے کے واسطے اس کے

سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اتر پڑے اور اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا کہ باوجود اس کے آپ مجھ پر غالب ہو گئے تھے اور میں پوری طرح آپ کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ پھر میں نے گستاخی بھی سخت کی۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے کیا وجہ ہوئی کہ آپ الگ ہو گئے اور مجھے قتل نہیں کیا۔ فرمایا کہ تیرے تھوکنے سے پہلے تو میری نیت اللہ کے واسطے تجھ کو مارنے کی تھی۔ اور جب تو نے تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا اور نفس نے کہا کہ جلدی اس گستاخ کا کام تمام کر دو تو نفس کی شرکت ہوگئی تھی۔ اب اگر قتل کرتا تو خالص اللہ کے واسطے نہ ہوتا۔ اس لیے میں نے چھوڑ دیا۔ وہ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ یہ شکایت تو اس مناسبت سے بیان کی گئی کہ جیسے حضرت ابو الحسن نوری رحمہ اللہ نے خالص اللہ کے لیے شراب کے مٹکے توڑنے شروع کیے تھے اور جب نفس کی شرکت ہوئی تو ہاتھ روک لیا۔ ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے۔ باقی مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ جیسے ابوالحسن نوری رحمہ اللہ نے بادشاہ کے منہ پر حق بات ماری اور ذرا نہیں دبے۔ اگر کوئی ایسا پکا ہو تو اس کو امیروں سے ملنے کا ڈر نہیں' بے کھٹکے ان کے پاس جائیے اور ان کو اچھے کاموں کا کم کرے اور برے کاموں سے منع کرے۔ اور اگر ان کی ہاں میں ہاں ملانا پڑے اور حق بات نہ کہہ سکے تو اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ امیروں سے بچا رہے۔

جو مولوی امیروں سے ملتے ہوں اور ان کو بری باتوں سے منع نہ کرتے ہوں وہ دین کے لیٹرے ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ مولوی دین کے امانت دار ہیں جب تک امیروں اور حاکموں سے میل جول نہ کریں۔ اور جب امیروں اور حاکموں سے میل جول کرنے لگیں تو وہ دین کے لٹیرے ہیں۔

ایک مولوی صاحب کا قصہ جو دین کے لیٹرے تھے:

چنانچہ تھوڑے دنوں کا قصہ ہے کہ ایک عورت کی ایک مرد سے آشنائی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح خاوند سے چھوٹ کر آشنا سے نکاح ہو جائے۔ ایک ایسے ہی مولوی صاحب نے جو دین کے لٹیرے تھے' ان کو ترکیب سکھائی کہ تو کافر ہو جا نکاح ٹوٹ جائے

گا۔ پھر توبہ کر کے دوسرے سے نکاح کر لینا۔ خدا کی پناہ ایسے ہی ظالموں نے مولویوں کو بدنام کیا ہے۔ غرض جو لوگ علم رکھتے ہیں ان میں بھی یہ نفسانی خواہش کی پیروی کا مرض اس رنگ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

دین کا شکل میں نفسانی خواہش ہونے کی مثالیں:

اور جو علم والوں میں بہت ہی خاص لوگ ہیں' ان میں بھی یہ مرض موجود ہے' اگرچہ ان کو مال اور عزت مقصود نہیں ہے مگر پھر بھی کوئی وسیلہ نفسانی خواہش کا موجود ہے جیسے کسی کے ساتھ سختی کی اور اس کو برا بھلا کہا تو نفس یہ سمجھاتا ہے کہ سختی سے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس لیے تم پر کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ تمہاری نیت اس میں اچھی ہے لیکن یہ عذر اس وقت صحیح ہوتا ہے کہ جب سختی کرنے سے پہلے ہی خیال ہوتا کہ سختی سے اصلاح ہوگی' اور اسی خیال سے سختی کرتے حالانکہ اس وقت تو سوائے غصہ کے کچھ بھی دل میں نہ تھا۔ اب فرصت میں تاویلیں گھڑتے ہیں اور دھبہ دھونے کے لیے بعض مرتبہ زبان سے بھی کہتے ہیں کہ کیا کہیں بڑی سختی ہوگئی۔ یہ اقرار اپنی زبان سے اس لیے کرتے ہیں کہ تا کہ مریدوں اور معتقدوں کے دل میں شبہ نہ رہے اور یہ سمجھیں کہ حضرت میں بڑی تواضع اور صفائی ہے خود اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں۔ پھر اس پر مزید تعریفیں کرتے ہیں اور ان کی باتیں بناتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں ہماری اصلاح کے لیے کرتے ہیں۔ آپ کی اس میں کیا غرض ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے غرض ایسے مرید اور معتقد اس کا دماغ اور زیادہ خراب کر دیتے ہیں' ایسے لوگوں کو یہی چاہیے کہ کام کرنے سے پہلے غور کر کے دیکھا کریں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس میں نفسانی خواہش کس قدر اور شریعت کی پیروی کس قدر ہے۔ جتنا حصہ نفسانی خواہش کا ہو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

ایک مثال اور لیجئے۔ ایک امیر آیا اور اس کی عزت اور خاطر داری کی اب نفس یہ کہتا ہے کہ اس کی عزت اور خاطر کرنے میں دنیا کی کوئی غرض نہیں ہے' بلکہ شریعت کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کا دل ٹوٹے گا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی بڑا شخص آئے تو

اس کی عزت کرو۔ پس امیروں کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنا شریعت کے موافق ہے' مگر کلام اس میں ہے کہ ہم نے جو اس کی تعظیم کی ہے' کیا اس کی یہی وجہ ہے یا اور کوئی وجہ ہے۔ غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو یہ وجہ ہرگز نہیں ہوتی۔ یہ تو بعد میں دل کے سمجھانے کے لیے مضمون تراش لیتے ہیں۔ اصل وجہ وہی دنیا کی خوشامد ہے۔ نفع کی توقع پر امیروں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ غرض یہ اکثر لوگوں کے نفسوں میں شرارتیں ہیں۔ مگر بدمعاشوں میں اور طرح کی ہیں۔ نیک بختوں میں اور طرح کی۔ ان میں نیک بختی ہی کے رنگ میں شرارتیں ہیں۔ پھر مولویوں اور طالب علموں میں اور رنگ سے ہیں۔ اور درویشوں میں دوسرے رنگ سے ہیں۔ لیکن یہ ضروری بات ہے کہ جو شخص کام کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے لیے خالص عمل کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ غلطی ہو جانے کے بعد اس کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ لیکن یہ مشکل ہے کہ اکثر سمجھ میں آجانے کے بعد بھی غلطی کا بدل نہیں کرتے۔ کیونکہ بدل کرنے سے شرم آتی ہے نفس کہتا ہے کہ آئندہ سے ایسا نہ کریں گے۔ اور اب بدل کرنا مصلحت کے خلاف ہے لیکن یاد رکھو کہ اگر اس وقت اس کا بدل کر لیا جائے اور کھلم کھلا غلطی کا اقرار کر لیا جائے تو آئندہ کام کرنے کی توفیق بھی ہوتی ہے۔ اور بدل نہ کرنے سے ہمت کمزور ہو جاتی ہے اور توفیق بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ تجربہ کی بات ہے۔ ایک دھوکہ اور ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو نفس کہتا ہے کہ تمہارے اندر اللہ کے نام سے نور پیدا ہو گیا ہے۔ تمہاری سمجھ میں وہ صحیح ہی ہوتا ہے تو تم سے غلطی نہیں ہوتی۔ سو اتنی بات تو بے شک صحیح ہے کہ واقعی مسلمان کے اندر عبادت اور پرہیز گاری سے دانائی اور سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان کی سمجھ سے بچتے رہو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ اس کو دھوکہ دے لوگے۔ کیونکہ اس کو خدا تعالیٰ کے نور سے سوجھایا جاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت:

میں نے سنا ہے کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا' انہوں نے مشورہ کیا کہ مجھے مدینہ جانا ہے کس طرف کو جاؤں۔ فرمایا کہ ینبوع سے ہو

کر جاؤ' دوسرا ایک اور آیا اس نے بھی یہی مشورہ لیا۔ اس کو فرمایا کہ سلطانی راستہ ہو کر جاؤ۔ سو جس شخص کو یبوع کے راستہ سے جانے کے لیے فرمایا تھا وہ بھی کسی مصلحت سے سلطانی ہی راستہ کو گیا اور حضرت کے مشورہ پر عمل نہ کیا' اس کو ویسے بھی بہت تکلیف ہوئی اور بدوؤں سے بھی واسطہ پڑا۔ ان سے الگ تکلیف پہنچی' اور جس کو سلطانی راستہ کا مشورہ دیا تھا وہ آرام سے چلا گیا۔ حضرت سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ آپ نے اس کو اس راستہ کا مشورہ دیا۔ اور اس کو دوسرے راستہ کا۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ فرمایا کہ جب پہلا آیا میرے دل میں وہی آیا جو اس کو بتایا اور جب دوسرا آیا تو میرے دل میں اس وقت یہی جو اس کو مشورہ دیا۔ سو ایسے شخص سے واقعی غلطی کم ہوتی ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت:

اسی کے مناسب ایک اور حکایت ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں چند آدمی جو سفر کرنے والے تھے۔ ملنے آئے' جب وہ جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم کو کچھ وصیت کیجئے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاتھی کا گوشت مت کھانا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم کو تو ہاتھی کے گوشت کھانے کا خیال تک بھی نہیں آتا' پھر آپ نے ہاتھی کے گوشت نہ کھانے کو کیوں منع فرمایا' فرمایا کہ میرے منہ سے اس وقت ایسا ہی نکلا۔ خدا جانے کیا وجہ ہے' وہ لوگ رخصت ہوگئے۔ اتفاق سے راستہ بھول گئے اور ایک جنگل بیابان میں پہنچ گئے۔ وہاں کئی دن تک بھوک اور پیاس سے بے تاب ہوئے۔ اتفاق سے ایک ہاتھی کا بچہ سامنے سے دکھائی دیا۔ سب نے اتفاق کیا کہ اب تو جان جانے کا خطرہ ہے ایسی حالت میں حرام بھی حلال ہے۔ اس کو کاٹ کر کھانا چاہیے۔ ایک نے ان میں سے منع کیا کہ کیا تم کو حضرت کی وصیت یاد نہیں ہے۔ انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور سب نے خوب اس کا گوشت کھایا لیکن ایک نے نہیں کھایا۔ سب تو گوشت کھا کر سو رہے کیونکہ تھکے ماندے تھے مگر جس نے نہیں کھایا تھا اس کو نیند نہیں آئی' جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر میں ایک جماعت ہاتھیوں کی آئی ان میں ایک ہتھنی بھی تھی۔ اس ہتھنی نے اپنے بچہ کو تلاش کرنا شروع کیا۔ تلاش کرتے کرتے وہاں بھی آئی۔ یہاں یہ لوگ سو رہے تھے اور ان سونے

والوں میں سے ایک ایک کا منہ سونگھا تو اس کو گوشت کی بو آئی۔ اس نے ایک ٹانگ پر پاؤں رکھا اور دوسری سونڈ سے پکڑ کر اس کو چیر ڈالا۔ اسی طرح سب کا کام تمام کر دیا۔ پھر آخر میں اس کے پاس آئی جس نے نہیں کھایا تھا چونکہ اس کے منہ سے بو نہ آئی اس کو سونڈھ سے اٹھا کر اپنی کمر پر بٹھا لیا اور ایک جانب کو لے چلی' اور ایک میوہ دار درخت کے نیچے لے گئی اور ٹھہر گئی۔ اس نے خوب سیر ہو کر میوے کھائے۔ اس کے بعد اس کو راستہ پر چھوڑ آئی۔ ان حضرات کی یہ شان ہو جاتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ بات تو بے شک صحیح ہے کہ پرہیز گاری سے صحیح سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ تم بھی ان میں ہو یا صرف نفس کی بناوٹ ہے۔.....

صاحبو! جو لوگ کامل نہیں ہیں ان کو نہ چاہیے کہ اپنی حالت کو کاملوں کی حالت کے مثل سمجھنے لگیں اور اپنی نفسانی خواہش کی نسبت یہ خیال کر لیں کہ یہی مصلحت ہے کیونکہ میرے دل میں جو بات آتی ہے وہ ٹھیک ہوتی ہے۔ میرے دل میں خدا کا نور ہے جیسا پہلے بزرگوں میں ہوا کرتا تھا۔ یہ بڑی غلطی ہے تم کو چاہیے کہ اپنے نفس پر ہر وقت بدگمانی رکھو۔ اگر کسی وقت اس میں خواہش بھی پاؤ تب بھی نفس کو مردہ ہرگز نہ جانو۔ اس کی مثال اژدہا کی سی ہے کہ وہ مردہ معلوم ہوتا ہے مگر زندہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کسی پہاڑ پر چلا گیا' دیکھا کہ اژدہا مردہ پڑا ہے حالانکہ وہ جاڑے کی وجہ سے ٹھٹھر رہا تھا مردہ نہیں تھا۔ اس نے اس کو پکڑ لیا اور شہر میں لایا اور لوگوں کے مجمع میں لے کر بیٹھا۔ تھوڑی دیر میں جو سورج نکلا' اور اس کے بدن میں گرمی پہنچی اور سردی کا اثر جاتا رہا تو اس نے ہلنا شروع کیا اور لوگوں نے بھاگنا شروع کیا' سینکڑوں تو اوپر تلے گر کر مر گئے۔ یہی حال تمہارے نفس کا ہے کہ اس کے پاس سامان نہیں ہے اس لیے مرجھایا ہوا ہے سامان ہونے پر یہ دیکھنے کے قابل ہے۔ ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دو چار روز اللہ اللہ کیا اور تہجد پڑھنے لگے تو سمجھنے لگے کہ ہم کامل ولی ہو گئے اور نفس پر بھروسہ ہو جاتا ہے' حالانکہ نفس خواہ کیسا ہی ہو جائے مگر اس سے بدگمان ہی رہنا چاہیے جو خیال آئے اور جو کام کرو پہلے سوچ لو اور غور کر لو کہ اس میں کوئی نفس کی شرکت تو نہیں ہے بعض وقت نفس یہ چالاکی کرتا ہے کہ ظاہر توبہ کرتا ہے کہ کام

خلوص کے لیے ہے اور مقصود ہوتا ہے اپنی خواہش کا پورا کرنا۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے ایک شخص کو زور سے ذکر[1] کرنا سکھایا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو آہستہ ذکر کرنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ زور سے ذکر کرنے میں دکھلاوہ ہو جاتا ہے حضرت نے فرمایا کہ سبحان اللہ زور سے ذکر کرنے میں تو دکھلاوہ ہوگا اور آہستہ ذکر کرنے میں دکھلاوہ نہ ہوگا۔ جب آنکھیں بند کر کے بیٹھو گے لوگ سمجھیں گے کہ خدا جانے حضرت کہاں کی سیر میں ہیں عرش کی یا کرسی کی۔ اور زور سے ذکر کرنے میں تو سوائے اس کے کوئی بھی کچھ نہ سمجھے گا کہ اللہ اللہ کر رہا ہے۔ سو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے تو اس میں ایک تو شرارت نفس کی یہ ہوئی کہ جس کام میں دکھلاوہ کم ہے اس کو چھوڑ کر اس کام کو اختیار کرتا ہے جس میں بڑا دکھلاوہ ہے۔ اور دوسری شرارت بعض وقت اس میں یہ ہوتی ہے کہ اگر ذکر زور سے شروع کیا تو اگر کسی روز آنکھ نہ کھلی تو بھانڈا پھوٹے گا اور رسوائی ہوگی سب کو معلوم ہو جائے گا کہ میاں رات کو نہیں اٹھے اور آہستہ ذکر کرنے میں کسی کو بھید کی خبر بھی نہ ہوگی۔ سب سمجھیں گے کہ آہستہ کیا کرتے ہیں آج بھی کیا ہوگا اس رسوائی سے بچے رہیں گے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ نفس بھی مولوی ہے یعنی اس کو بڑی دور کی سوجھتی ہے۔ ہماری عقل مشکل سے وہاں تک پہنچتی ہے۔ ہاں اگر نفس کی پوری اصلاح ہوگئی ہو اور اس کی خواہش سوائے بھلائی کے اور کچھ نہ ہو تو اس سے کیا بہتر ہے۔ لیکن پھر بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی رائے میں اکثر کچھ نہ کچھ مکر ضرور ہوتا ہے۔

ایک بزرگ ایک حجرہ میں رہا کرتے تھے۔ آدمیوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اللہ اللہ کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے مسلمانوں اور کافروں میں مقابلہ آن پڑا ان بزرگ کے نفس میں خیال آیا کہ چلو جہاد کریں شہادت کا ثواب ملے گا۔ پھر سوچے یہ کیا بات ہے نفس نے جہاد کی کیوں رائے دی یہ تو نیک کاموں میں جان چرایا کرتا ہے۔ آج اسے جہاد کا کیسے شوق پیدا ہوا۔ ضرور اس میں نفس کا کوئی چھپا ہوا مکر ہے۔ بہت سوچنے سے

[1] اللہ اللہ کہنے والوں کو کہتے ہیں ۱۲ منہ

معلوم ہوا کہ نفس نے اس میں اپنے لیے نجات سمجھ کر یہ رائے دی ہے۔ یہی نفس نے سوچا تھا کہ یہ شخص رات دن مجھ کو ستاتا ہے اور میرے سر پر میری خواہشوں کے خلاف کاموں کے آرے چلاتا رہتا ہے۔ عبادت میں ہر وقت گھونٹتا ہے۔ کسی وقت چین لینے نہیں دیتا۔ شہید ہونے میں ایک دفعہ پاپ کٹ جائے گا اور اس مصیبت سے نجات ہو جائے گی۔ جب نفس کا یہ مکر معلوم ہوا تو انہوں نے نفس کو جواب دیا کہ میں تجھ کو اس مصیبت سے کبھی نجات نہ دوں گا۔ میں تو تجھ کو یہاں حجرہ ہی میں شہید کروں گا۔

بعض لوگوں پر حج فرض نہیں ہوتا۔ اور ان کو حج کی ہوس ہوتی ہے۔ اس میں بھی نفس اور شیطان کا یہ مکر ہوتا ہے کہ ایک نفل کے پیچھے بہت سے فرض برباد ہوتے ہیں' کیونکہ بہت لوگ حج کے سفر میں نمازیں چھوڑ بیٹھتے ہیں اور ساتھیوں سے لڑتے جھگڑتے گالی گلوچ کرتے ہیں اور بعض لوگ اس لیے حج کرتے ہیں حاجی صاحب بن جائیں گے۔ لوگ تعظیم کیا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے حج کو جانے والو! تم حج کرنے کہاں چلے معشوق تو یہاں ہے۔ یہاں آؤ۔ یعنی تمہارے پیارے کی خوشی تو ایسی حالت میں وطن رہنے میں ہے اس لیے کہ تم پر حج فرض نہیں ہے اور نفل حج ادا کرنے میں بہت سے واجب اور فرض چھوٹتے ہیں۔ غرض کہ جو شخص جس خیال کا ہوتا ہے۔ نفس اور شیطان اسی کے موافق اس کو دھوکا دیتا ہے۔

تھوڑے ہی روز ہوئے کہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے' ان کے نفس نے یہ رائے پاس کی تھی کہ نوکری چھوڑ کر اللہ کے واسطے پڑھائیں۔ اس لیے کہ پڑھا کہ تنخواہ لینے سے یہ کام خالص خدا کے لیے نہیں رہتا' بلکہ ایک قسم کی مزدوری ہو جاتی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے شیطان نے دیکھا کہ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں ان سے یہ کام چھوڑانا چاہیے تو اگر یہ کہتا کہ پڑھانا چھوڑ دو تو اس کی ہرگز نہ چلتی' اس لیے اس کی وہ صورت نکالی جو دنیداری کے رنگ میں ہے کہ تنخواہ لے کر پڑھانا خالص خدا کے لیے نہیں ہوتا۔ نوکری چھوڑ کر پڑھاؤ تو سمجھ لو کہ اب تو تنخواہ کی پابندی سے کام ہو رہا ہے۔ اور اگر نوکری چھوڑ دو گے تو پابندی تو ہوگی نہیں آزادی ہوگی' جب دل چاہے گا

پڑھائیں گے جب دل نہ چاہے گا نہ پڑھائیں گے۔آ خرکم ہوتے ہوتے پڑھانا ہی چھوٹ جائے گا اور شیطان کی مراد پوری ہو جائے گی۔ اور یہ جوتم کو وسوسہ ہے کہ ہم نے عوض لے لیا ہے اس لیے یہ پڑھانا خالص خدا کے لیے نہیں رہا۔تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کو اب جتنے روپے ملتے ہیں اگر اور کہیں اس سے زیادہ تنخواہ پر بلا دیں تو تم اس جگہ کو چھوڑ کر وہاں چلے جاؤ گے یا نہیں۔ کہنے لگے' میں تو ہرگز نہ جاؤں گا میں نے کہا کہ بس معلوم ہو گیا کہ تم روپیہ کے لیے نہیں پڑھاتے بلکہ اللہ کے واسطے پڑھاتے ہو' اور روپیہ گزران کے لیے لیتے ہو۔ دنیا تم کو مقصود نہیں پس یہ وسوسہ غلط ثابت ہوا کہ ہمارا پڑھانا خالص اللہ کے لیے نہیں ہے اس لیے نوکری ہرگز مت چھوڑو بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ اگر مولوی امیر ہو اور تنخواہ ملنے لگے، تب بھی اس کو چاہیے کہ تنخواہ لے کر پڑھائے۔ اگر ایسا ہی امیری کا جوش ہے تو وہ تنخواہ مدرسہ میں دیدے مگر لے لے ضرور تا کہ پابندی سے کام ہوتا رہے ہمارے مذہب کے عالموں نے لکھا ہے کہ اگر قاضی بڑا امیر ہو تو اس کو تنخواہ لینی چاہیے' اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی قاضی تنخواہ نہ لے اور دس برس تک قاضی رہا اور اس کے بعد کوئی غریب قاضی ہو کر آیا تو اب تنخواہ کا جاری کرنا مشکل ہو گا سبحان اللہ! ان حضرات کی کیسی سمجھ ہے۔ یہ حضرات حقیقت پہچان لیتے ہیں۔ اس شان کا علم اور ایسی سمجھ خلوص اور پرہیزگاری کی برکت ہے ان حضرت کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ ہدایہ والے جب تک ہدایہ لکھتے رہے برابر روزے رکھتے تھے۔ جب تک ہدایہ تمام نہ ہوئی اس وقت تک روزے موقوف نہ کیے اور تماشا یہ کہ کسی کو روزہ رکھنے کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ خدا جانے کتنے سال میں ہدایہ لکھا ہو گا برابر روزے رکھنا اور کسی کو خبر نہ ہونا کس قدر خلوص کی بات ہے۔ مردانہ مکان میں بیٹھ کر ہدایہ لکھتے تھے۔ لونڈی مکان سے کھانا لاتی تھی اور کہہ کر چلی جاتی تھی۔ جب کوئی مرد ایسا مسافر سامنے سے گزرتا جس سے جان پہچان نہ ہوتی تو اس کو وہ کھانا دیدیتے۔لیکن چونکہ اپنے خاص خاص لوگوں سے پردہ نہیں ہوتا اس لیے خدا تعالیٰ کی نعمت ظاہر کرنے کے طور پر کبھی اپنے کسی خاص دوست سے یہ قصہ بیان کیا ہو گا۔ اس لیے نقل ہوتا ہوتا ہم تک پہنچا۔ پس جن حضرات کی عقل اور سمجھ اس خلوص کی برکت سے نورانی تھی

یہ انہیں کی رائے ہے کہ تنخواہ لینے میں برکتیں ہیں۔ پس نفس ان مصلحتوں کے برباد کرنے کے لیے کبھی یہ رائے دیتا ہے کہ تنخواہ مت لو۔ غرض شیطان اور نفس ہر شخص کو اسی کے خیال کے موافق بہکاتا ہے۔ اور دین کی سمجھ رکھنے والا اسی لیے شیطان پر بھاری ہے کہ وہ اس کے مکروں سے واقف ہے اور دوسروں کو خبردار کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص جو دین کی سمجھ رکھتا ہو وہ ہزار عبادت کرنے والوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔

ذکر و شغل کرنے والوں کو شیطان کے دھوکہ دینے کا بیان:

جو لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں ان کو نفسانی خواہش کی پیروی میں اس طرح پھنساتا ہے کہ انہیں اس کی طلب میں لگاتا ہے کہ عبادت میں مزہ آنے لگے اور شوق اور مستی کی حالت پیدا ہو جائے۔

ذکر سے مقصود کیا ہے:

خوب یاد رکھو' ذکر سے مقصود خدا تعالیٰ کی نزدیکی اور رضامندی ہے۔ اور جس کام میں مشقت زیادہ ہو گی اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ رضامندی ہو گی۔ نفس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ حیلہ نکالا ہے کہ شوق اور مزہ کے حاصل کرنے میں پڑ گیا' کیونکہ شوق اور مزہ حاصل ہو جانے سے پھر عبادت میں مشقت نہیں رہتی ہاں شوق اور مزہ حاصل ہونے کا بھی ایک وقت ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ خود عنایت فرمائیں گے۔ لیکن ابھی وقت نہیں آیا اس کی فکر فضول ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تجویز تمہاری رائے سے بہتر ہے۔ دیکھئے ایک بیمار ہے اس کو حکیم صاحب نے خمیرہ گاؤزبان جواہر والا چاندی سونے کے ورق میں لپیٹ کر کھانے کو بتلایا۔ اور ایک دوسرے بیمار کے لیے املتاس لکھا۔ اگر یہ دوسرا بیمار کہنے لگے کہ حکیم صاحب بھی عجیب شخص ہیں اس کے واسطے ایسی مزہ دار خوش ذائقہ دوا لکھی اور میرے واسطے ایسی بدمزہ' تو یہ احمق ہے یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے اندر سے مرض کا مادہ نکل چکا ہے وہ املتاس کے پیالے پی چکا ہے' اب اس کے لیے یہی مناسب ہے اور میرے اندر ابھی مرض کا مادہ موجود ہے جو بغیر ایسی بدمزہ دواؤں کے نہ نکلے گا اس لیے میرے لیے یہی املتاس مناسب ہے۔ اسی طرح جو شخص شروع ہی کی حالت میں ہے وہ اگر ایسے

شخص کی حرص کرنے لگے جو اپنی اصلاح کر چکا ہے یہ تو اس کی حماقت ہے۔ عاشق کی تو شان ہونی چاہیے کہ ہر حال میں راضی رہے۔ خواہ بے لطفی کی حالت کہ شوق اور مستی اور مزہ کا پتہ نہ ہو، خواہ لطف کی حالت ہو جس میں شوق اور مستی اور مزہ سب کچھ ہوں، دونوں حالتوں کو جھیلے۔ حضور ﷺ سے زیادہ کون محبوب ہوگا۔ حضور ﷺ پر پورے تین سال تک وحی کے بند ہونے سے ایسی بے لطفی کی کیفیت رہی کہ بہت دفعہ آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ اپنے کو پہاڑ سے نیچے گرا دیں۔ لیکن سنبھال لیے جاتے تھے۔ پس اگر بے لطفی کی حالت خدا تعالیٰ کی ناراضی اور دوری کی علامت ہوتی تو حضور ﷺ کو کیوں پیش آتی۔ جب یہ حالت خدا تعالیٰ سے دور ہونے کی علامت نہیں پھر اس پر کیوں پریشان ہو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب مدرسہ نظامیہ سے فارغ ہو کر نکلے ہیں تو بہت بڑے مولوی ہوئے کہ تین سو مولوی آپ کے ساتھ چلتے تھے' ایک مدت تک اسی حالت میں رہے۔ اس کے بعد خدا کی طلب کا جوش ہوا اور دل میں آیا کہ سب چھوڑ کر تنہائی اختیار کریں تو ایک مدت تک آج کل پر ٹالتے رہے آخر ایک بار سب چھوڑ چھاڑ بیت المقدس کے جنگل میں جا بیٹھے اور مدت تک عبادت میں محنت اور مشقت کی اور دس برس تک ان پر بے لطفی کی حالت رہی کہ سوائے پوست اور ہڈیوں کے کچھ باقی نہ رہا۔ مرنے کے قریب ہو گئے بعض آس پاس کے رہنے والے ان کی یہ حالت دیکھ کر کسی نصرانی ڈاکٹر کو بلا لائے اور ان کی نبض دکھائی اس نے نبض دیکھ کر کہا کہ ان کو محبت کا مرض ہے اور محبت بھی مخلوق کی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ہے جب تک ان کو وصل میسر نہ ہوگا آرام نہ ہوگا۔ امام غزالی چیخ مار کر بیہوش ہو گئے۔ غرض مدتوں کی محنت اور مشقت کے بعد کامل ہوئے اور پھر بغداد میں آئے تو اور ہی شان سے آئے کہ مولوی دشمن ہو گئے اور کفر کا فتویٰ ان پر لگایا گیا اور ان کی کتاب جلائی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ سنت امام غزالی کی ہم کو بھی نصیب ہوئی کہ مجھ پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا گیا' اور میری کتاب بہشتی زیور جلائی گئی۔ حاصل یہ کہ کسی کے لیے شوق اور مزہ کی حالت مناسب ہے کسی کے لیے گھلنا اور پگھلنا ہی مصلحت ہے۔ اسی لیے ان خیالات کو

چھوڑ کر کام میں لگنا چاہیے۔ غرضیکہ جس کو دیکھو نفسانی خواہش کی پیروی میں مبتلا ہے۔ عام لوگوں میں سے ہو یا خاص لوگوں میں۔ البتہ ہر ایک کی نفسانی خواہش جدا جدا قسم کی ہے لیکن سب کے سب ان تین قسموں کے اندر داخل ہیں۔ ایک نفسانی خواہش تو وہ ہے جو عقیدہ سے تعلق رکھتی ہو۔ دوسری وہ ہے جو شریعت کے احکام کے اندر پائی جاتی ہے۔ تیسری یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہے اس میں ہم اپنی رائے ٹھونستے ہیں کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہیے تھا۔ تو نفسانی خواہش عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے اس کا نام بدعت ہے جس کی اصلیت یہ ہے کہ جو بات دین کی نہیں ہے اس کو دین سمجھ لے۔ اور بدعتیں بہت سی ہیں لیکن شب برات جو نزدیک آنے والی ہے اس کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

شب برات کی بدعتوں کا بیان:

لوگوں نے شب برات میں کئی طرح کی بدعتیں کر رکھی ہیں۔ اور تو یہ کہ حلوا پکانے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے متعلق طرح طرح کی روایتیں گھڑی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا دانت شہید ہوا تھا۔ اس میں حضور ﷺ نے حلوا کھایا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے حضور ﷺ نے حلوے پر ان کی فاتحہ دلائی تھی۔ یہ دونوں روایتیں بالکل عقل کے خلاف ہیں کیونکہ یہ دونوں واقعے احد کی لڑائی میں ہوئے تھے اور احد کی لڑائی شوال کے مہینے میں ہوئی ہے۔ اور شب برات شعبان کے مہینہ میں ہوتی ہے۔ تو یہ روایتیں عقل کے بھی خلاف ہوئیں اور ویسے بھی بے اصل ہیں۔ کسی معتبر کتاب میں ان کا پتہ نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شب برات میں روحیں آتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ روحوں کا آنا دو طرح ثابت ہو سکتا ہے، یا تو ان کو آتے ہوئے دیکھا ہو۔ یا قرآن و حدیث سے معلوم کیا ہوا۔ سو ظاہر ہے کہ روحوں کو آتے ہوئے تو دیکھا نہیں۔ رہا قرآن و حدیث۔ سو اس سے بھی کہیں ثابت نہیں، بلکہ قرآن شریف سے تو اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ روحیں یہاں نہیں آتیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پیچھے ان کے ایک پردہ ہے قیامت تک کے لیے حاصل یہ ہے کہ روح اور اس جہان کے درمیان قیامت تک کے

لیے ایک پردہ ہے جو اس کو اس طرف نہیں آنے دیتا۔ ہاں اگر کرامت کے طور پر بعض کو اجازت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے جیسے شہیدوں کو اجازت ہوتی ہے۔ تو یہ آنا بطور کرامت کے ہوگا لیکن کرامت ہمیشہ نہیں ہوا کرتی، کبھی کبھی ہوا کرتی ہے۔ اور نہ وہ کوئی اختیاری بات ہے۔ اور جو اختیاری ہوتا ہے اس کا نام تصرف ہے۔ جیسے اپنے اختیار سے کسی کو لوٹ پوٹ کر دینا، کسی کا مرض اتار دینا وغیرہ وغیرہ، اور کرامت کا ظاہر ہونا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا کیونکہ اس کی اصلیت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کی غرت ظاہر کرنے کے لیے عادت کے خلاف کوئی کام کر دیں۔ سو ظاہر ہے کہ یہ بندہ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی لیے بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے اس کو کرامت کی خبر تک نہیں ہوتی۔

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے بادشاہ کے پاس ان کی شکایت کر دی بادشاہ نے ان کو بلایا۔ اور سوال و جواب شروع کیے۔ بادشاہ جو سوال کرتا تھا وہ بزرگ بھی دلیری سے وہی سوال الٹ کر اس سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آخر میں بادشاہ نے کہا کوئی ہے۔ ان بزرگ نے بھی فرمایا کوئی ہے۔ اسی وقت ایک شیر غراتا ہوا ایک کونے سے ظاہر ہوا۔ بادشاہ اور سب لوگ بھاگ۔ سب کے ساتھ یہ بزرگ بھی بھاگے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ عصا کو ڈال دو۔ اور وہ ڈالنے سے اژدہا ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام خود ڈر گئے۔ اگر اپنے اختیار کا کام ہوتا تو خوف نہ کرتے۔ غرض کہ کرامت اختیاری نہیں ہوتی اور نہ اس کو ہمیشگی ہوتی ہے۔ اور تصرف جو اختیار ہے وہ روحوں کے لیے کسی دلیل سے ثابت نہیں اور بلا دلیل کے کوئی عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی اس رات میں مردوں کو ثواب نہ بخشے تو روحیں کوستی ہوئی جاتی ہیں۔ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مردہ کو ثواب بخشنا یہ نفل ہے فرض اور واجب نہیں ہے اور نفل کے چھوڑنے پر برا کہنا یا بددعا کرنا گناہ ہے، اس عقیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ بھی گناہ کرتا ہے حالانکہ مرنے کے بعد انسان گناہ نہیں کر سکتا۔ غرض یہ سب باتیں بے اصل ہیں۔ شب برات میں صرف تین باتیں حدیث سے ثابت ہیں۔ اول یہ کہ اس رات میں قبرستان میں جا کر مردوں کے لیے ویسے

اتفاقیہ طور پر ساتھ ہو جائے یہ دوسری بات ہے۔ باقی خود اکٹھا ہو کر جانے کا انتظام نہ کریں اور حدیث شریف میں تو اس رات کے متعلق صرف اسی قدر آیا ہے مال کی خیرات کا ثواب بخشا نہیں آیا لیکن چونکہ دعا کرنے اور قرآن شریف پڑھ کر بخشنے سے مردہ و ثواب پہنچانا مقصود ہے اور وہ مالی خیرات سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کچھ کھانا بھی پکا کر مردہ کو ثواب بخشیں اور اس میں حلوے وغیرہ کی قید نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں' دوسرے یہ کہ پندرھویں رات کو عبادت کریں تیسرے یہ کہ پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھیں۔ اور یہ سب باتیں نفل ہیں جو حدیث سے ثابت ہیں واجب یا فرض نہیں اور باقی سب خرافات ہیں۔ جس وقت یہ رسمیں نکالی گئی تھیں شاید ان میں اس وقت کوئی مصلحت ہو۔ لیکن چونکہ اب ان کو ضروری سمجھنے لگے ہیں اور عقیدہ خراب ہو گیا ہے اس لیے اگر کوئی مصلحت بھی ہوتی تب بھی عقیدہ خراب ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہ کیا جاتا۔ کیونکہ شرع کا قاعدہ ہے کہ غیر ضروری کاموں سے اگر کوئی خرابی پیدا ہو تو اس کے دور کرنے کے لیے ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور مصلحت کا کچھ اعتبار نہیں کرتے۔ اس لیے اب رسموں کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔ اور اگر وہ بزرگ اس وقت زندہ ہوتے جنہوں نے ان رسموں کو جاری کیا ہے اور لوگوں کے عقیدہ کو دیکھتے تو وہ خود بھی ان کو منع کرتے۔ دیکھئے جو عادتیں جناب رسول اللہ ﷺ کے وقت کسی مصلحت سے تھیں اور دین کی ضروری باتوں سے نہ تھیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے منع فرمایا۔ جیسا عورتوں کا مسجد میں آ کر جماعت میں شریک ہونا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر عورتیں مسجد میں جماعت میں آ کر شریک ہوتی تھیں۔ اور اس وقت کوئی فتنہ وفساد نہ تھا۔ پھر بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جب فتنہ وفساد کا خوف ہوا تو عورتوں کو اس سے روک دیا گیا۔ سو ہم بھی پہلے بزرگوں کی ان رسموں کو اگر روک دیں تو کیا حرج ہے' عالموں کا یہی کام ہے کہ زمانہ کے رنگ اور ہوا کو دیکھتے ہیں' زمانہ کے بدلنے سے اس قسم کے احکام جو کسی مصلحت کی وجہ سے جاری ہوئے ہوں بدلتے رہتے ہیں نہ کہ تمام احکام' دیکھو بقراط حکیم کے مطب کے نسخے اگر کوئی حکیم آج کل برتے تو ہرگز نفع نہ ہوگا۔ بلکہ اور نقصان پہنچنے کا ڈر ہے۔ تجربہ کار حکیم ہر مریض کے لیے یہ

نسخہ لکھتا ہے جو اس کے مزاج اور اس وقت کی آب و ہوا کے موافق ہو۔ مگر حکمت کے قاعدے اب بھی وہی ہیں جو پہلے حکیموں نے جمع کر دیئے ہیں حاصل یہ کہ حلوہ اور آتشبازی وغیرہ سب خرافات ہے۔ اس کے علاوہ مسور کی دال کو بھی ضروری کر رکھا ہے۔ اس روز مسور کی دال بھی ضرور پکتی ہے۔ معلوم نہیں حلوہ اور مسور کی دال کا کیا جوڑ ہے شب برات کے متعلق ایک اعتقاد بعض لوگوں کا یہ ہے کہ جو مردہ اس سال مرتا ہے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا۔ جب تک اس کو شب برات سے ایک روز پہلے حلوا دے کر مردوں میں شامل نہ کیا جائے۔ اس کا نام عرفہ رکھا ہے۔ یہ سارے عقیدے مسجدوں کے ملانوں کے پھیلائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسی ایسی نکالی ہیں جس میں آمدنی ہو۔ ان ملانوں کی حرص اس قدر ہوتی ہے کہ ان کو جائز ناجائز کی بھی تمیز کچھ نہیں ہوتی۔ ان کی بدنیتی اور حرص پر ایک حکایت یاد آئی۔

ایک بھانڈ نے دوسرے سے پوچھا' سب سے بہتر فرقہ کون ہے اور سب سے بدتر کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ سب سے بہتر فرقہ تو ہمارا ہے ہمیشہ خوشی ہی مناتے ہیں کہ خدا کرے کہ کسی کے ہاں شادی ہو اور ہماری پوچھ ہو۔ اور سب سے بدتر فرقہ مسجدوں کے ملانوں کا ہے کہ ہمیشہ غمی مناتے ہی کہ کوئی مرے تو ہم کو ملے۔ واقعی اس فرقہ کی یہی حالت ہے۔ اگر موٹا سا آدمی بیماری ہوتا ہے اور ان ملانوں سے کہا جائے کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ اس کو صحت دے۔ تو ہرگز دل سے دعا نہ کریں گے' بلکہ دل سے چاہیں گے کہ یہ مرے تو اچھا ہے تا کہ ہماری مونچھیں تر ہوں۔

بدعتیں کس کی نکالی ہوئی ہیں؟

یہ شب برات کا حلوا اور محرم کا کھچڑا سب انہیں کھاؤ بھائیوں کا تراشا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے ثواب بخشنے میں ایسی نچیں لگائی ہیں کہ سوائے ان کے کسی کو دے ہی نہ سکے۔ جیسے کھانا پانی سامنے رکھ کر پنج آیات وغیرہ پڑھنا کہ عوام تو پڑھنا نہیں جانتے مجبور ہو کر ان ہی کو بلا دیں گے تو حصہ بھی ضرور ملے گا۔

بدعتیں چھڑانے کی ترکیب:

اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ جہاں بدعتوں سے منع کرنے میں لوگوں کو وحشت ہو اور ناخوش ہوں تو ایسے موقع پر یوں کہنا چاہئے کہ تم سب کچھ کرو مگر ان ملانوں کو کچھ مت دو۔ بلکہ ان سے محض اللہ واسطے مفت فاتحہ دیوایا کرو۔ پھر دیکھ لینا یہی بدعت کو منع کرنے لگیں گے۔ کیونکہ ملنا ملانا تو کچھ رہے گا نہیں اور فاتحہ کے لیے جگہ جگہ گھسیٹے جائیں گے تو بدعتیں خود چھوٹ جائیں گی۔ دوسری قسم نفسانی کی یہ ہے کہ کوئی کام کسی بری غرض کے لیے کیا جائے جیسے کوئی کام مال کی یا غرت اور مرتبہ کی غرض سے کیا جائے۔ جیسا اوپر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

خدا تعالیٰ کے کاموں میں اپنی رائے کو دخل دینا بڑی سخت بات ہے:

تیسری قسم یہ ہے کہ جو کام اللہ کی قدرت سے ہوتے ہیں۔ بارش ہونا یا نہ ہونا۔ مفلس ہونا۔ مالدار ہونا وغیرہ وغیرہ' ان میں اپنی رائے کو دخل دینا۔ آج کل لوگ ان کاموں میں بھی نفسانی خواہش کے موافق رائے لگاتے ہیں۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ بارش نہیں ہوئی۔ ادب کی بات تو یہ ہے کہ دعا کریں۔ گناہوں کو بخشوائیں' ان سے توبہ کریں۔ یہ تو ہوتا نہیں۔ بلکہ رائے لگایا کرتے ہیں کہ صاحب اگر ساون اتر گیا تو بس کھیتی گئی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ یہ مشورہ کس کو سناتے ہو۔ ہم کو سنانا ہے تو بے کار ہے کوئی نفع ہی نہیں اس لیے کہ ہمارے قبضہ کی تو بات نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو بلا تمہارے کہے سب معلوم ہے اس لیے اس کو سنانا مقصود نہیں تو بس یہ اعتراض ہوا اور خدا تعالیٰ کو رائے دی کہ بارش ہونا چاہیے۔ یہ بڑی بے ادبی اور نہایت گستاخی ہے۔ خدا تعالیٰ جیسے حاکم ہیں اس کا تو تقاضا یہ تھا کہ ان کے سامنے بلا اجازت دعا کرنا بھی جائز نہ ہوتا۔ اعتراض کرنا اور رائے مشورہ دینا تو بڑی بات ہے۔ ان کو تو یہ شان ہے کہ وہ جو حکم کریں اس کے سامنے کسی کو زبان ہلانے کی مجال نہیں' خود فرماتے ہیں کہ (اے رسول ﷺ آپ) فرما دیجئے کہ خدا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اور تمام دنیا بھر والوں کو ہلاک کرنا چاہیں تو ایسا کون شخص ہے جس کو ان کے سامنے کچھ بھی اختیار ہو اور ان کو اس ارادے کے پورا کرنے سے روک سکے) اور

آسمانوں اور زمینا کی' اور ان کی درمیانی چیزوں کی سلطنت خدا ہی کے لیے ہے۔ اور بعض تو ایسے دلیر ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جوان مرجاتا ہے تو کہتے ہیں اس کی عمر تو مرنے کی نہ تھی' کچھ دنوں اور زندہ رہتا تو اچھا تھا۔ دوسرے صاحب آتے ہیں وہ کہتے ہیں ارے میاں خدا کے سامنے کس کی مجال ہے کہ کچھ بولے یہ بات ویسے تو سچی ہے۔ بے شک خدا کے سامنے کسی کو مجال نہیں' اگر ان جاہلوں کا مطلب تو اس سے یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا مرنا ہے تو بے موقع' لیکن توبہ توبہ اگر خدا تعالیٰ بے موقع کام ہی کرے تو اس کے سامنے کون دم مارسکتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے ہاں بڑی بے انتظامی ہے۔ مصلحت پر نظر نہیں ہے کہ اس کے مرنے کے دن نہ تھے اس کو موت دے دی۔ یادرکھو کہ یہ نہایت ہی بے ادبی اور گستاخی ہے حق تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں وہی مصلحت ہے۔

بزرگوں کو ایسی باتوں پر ڈانٹا جاتا ہے جس میں گستاخی کا شبہ بھی ہو

اور اس پر ایک حکایت:

ایک بزرگ ایک جنگل میں تنہائی اختیار کر کے بیٹھے تھے' ایک روز بارش ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ! آج کیا موقع پر بارش ہوئی ہے غیب سے آواز آئی۔ او بے ادب! اور بے موقع کس روز ہوئی تھی۔ دیکھئے بزرگوں کو ایسی تعریف پر ڈانٹا جاتا ہے جس میں بے ادبی کا ذرا شبہ بھی ہو۔ مگر ہم لوگ رات دن کھلم کھلا بے ادبیاں ہی کر رہے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ جیسے حاکم ہیں۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم کو دعا کی اجازت نہ ہوتی۔ مگر ہماری کمزوری کو دیکھ کر دعا کی اجازت دے دی۔ یہ انتہا درجہ کی رحمت ہے۔ دنیا کے بادشاہوں سے بات چیت کرنے میں لوگ سینکڑوں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں اور دنیا کے محبوبوں سے دو بات کرنے کے لیے سب کچھ دے دیتے ہیں اور پھر بھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اور جو سب بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ اصلی محبوب ہیں۔ ان کے یہاں نہ فیس ہے نہ کسی زبان کی قید ہے کہ عربی ہو یا اردو نہ وقت کی قید ہے نزدیک دور اندھیرے اجالے جس وقت چاہو ہمکلام ہو اور دعا کرو۔ اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی پھر دنیا کے بادشاہ اور محبوب

زیادہ بولنے سے ناخوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میاں کیوں جان کھائی۔ اور جو اصلی حاکم اور محبوب ہیں وہ دعا نہ کرنے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور جو دعا زیادہ کرے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں اصرار کرنے والے کو محبوب رکھتے ہیں پس دعا بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی میسر ہوتی ہے۔

تیسرے حاصل یہ کہ نفسانی خواہش کی پیروی تین قسم کی ہے ایک تو بدعت ہے دوسرے گناہ کے کام تیسرے خدا تعالیٰ کے کاموں میں رائے لگانا۔ اور ہر نفسانی خواہش میں یہ خاصیت ہے کہ سیدھے راستہ سے ہٹا دیتی ہے جو نفسانی خواہش سب میں بڑے درجہ کی ہے یعنی کفر اور شرک' وہ تو اسلام ہی سے باہر کر دیتی ہے اور جو ادنی درجہ کی ہے وہ کمال کے درجہ سے ہٹا دیتی ہے یہ حکم آیت کا کہ نفسانی خواہش کی پیروی تم کو خدا کے راستہ سے ہٹا دے گی' دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ کیونکہ گمراہی کے بہت سے درجے ہیں۔ کوئی بڑے درجہ کی ہے کوئی چھوٹے درجہ کی۔ اگر نفسانی خواہش بڑے درجہ کی ہوگی تو گمراہی بھی ویسی ہوگی۔ اور اگر نفسانی خواہش ادنی درجہ کی ہوگی تو گمراہی بھی اسی کے موافق ہوگی۔ اب بات یہ رہ گئی ہے کہ نفسانی خواہش کا علاج کیا ہے۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ جو بات حدیث وقرآن میں بتلائی گئی ہے۔ اس میں تو قرآن وحدیث کی پیروی کرے۔ اور جو بات قرآن وحدیث میں نہیں بتلائی گئی ہے اس میں تو ان حضرات کی پیروی کرے جنہوں نے اپنے کو خدائی راہ میں مٹا دیا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفسانی خواہش دبانے کی تدبیر اس سے بہتر کوئی نہیں کہ سایہ کی طرح اس راستہ پر چلنے والوں کے ساتھ رہو اور اس راستہ میں ان لوگوں کی نہایت ضرورت ہے پس تنہا ہرگز مت جاؤ' اور اسی لیے تو نماز میں حکم ہے کہ جماعت کے ساتھ پڑھا کرو۔ تاکہ سب کے ساتھ مل کر تمہاری نماز بھی قبول ہو جائے۔ اسی لیے خدا کے راستہ میں تنہا نہ چلو' کسی کو ساتھ لے لو۔

(۴) جماعت کی نماز میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک کو دوسرے سے فیض پہنچے دوسری جماعت میں کوئی تو مقبول ہوگا۔ اسکی وجہ سے کیا عجب کہ سب کی نماز مقبول ہو جائے۔

کبھی ایسے شخص سے بھی برکت پہنچتی ہے جس کی طرف وہم وگمان بھی نہیں ہوتا:

بعض برکتیں ایسے شخص سے پہنچتی ہیں جس پر گمان بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک شخص قزاقی کا پیشہ کیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس کو ہدایت فرمائی وہ ایک بزرگ سے بیعت ہوگئے۔ اور ان کے مریدوں میں شامل ہو کہ ذکر و شغل کرنے لگے سب لوگ قزاقی کی وجہ سے ان کی حقیر سمجھا کرتے تھے۔ ایک روز ایک شخص نے ان بزرگ کی مع سب مریدوں کے دعوت کی۔ جب اس شخص کے مکان پر سب چلے تو سب کے اوپر ایک ابر نے سایہ کر لیا۔ سورج کی تیز اور دھوپ سے بچ گئے۔ پیر سمجھے کہ یہ میری برکت ہے۔ ان کے ساتھ اور بھی بڑے بڑے خلیفہ اور مرید تھے۔ وہ اپنی کرامت سمجھے۔ اور جو شخص قزاقی کا پیشہ چھوڑ کر آیا تھا' ان کو تو خیال تک بھی نہ تھا یہ کہ میری کرامت ہے۔ اس لیے کہ جانتے کہ میں وہی قزاق اور ہر طرح کا گناہگار ہوں۔ جب وہاں سے دعوت کھا کر واپس ہوئے تو وہ ابر پھر بھی موجود تھا سب سے پہلے اسی شخص کا راستہ دوسروں سے جدا ہوا جو قزاقی چھوڑ کر آیا تھا۔ یہ ان سے الگ ہو کر اپنے راستہ پر ہوا تو اس وقت وہ ابر ان کے ساتھ چلا اور پیر صاحب مریدوں سمیت سب دھوپ میں رہ گئے۔ تب سب کو معلوم ہوا کہ یہ ان کی برکت تھی حق تعالیٰ کو ان کی عاجزی اور تواضع پسند آئی۔ اس سے یہ برکت ہوئی۔

بیعت کرتے وقت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب نیت:

حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں ہم تو لوگوں کو اس نیت سے مرید کر لیتے ہیں کہ اگر وہ مقبول ہوگا تو وہ ہم کو لے جائے گا۔ اور اگر ہم مقبول ہوں گے۔ تو ہم اس کو لے جائیں گے۔ جو پیر سمجھدار ہیں وہ رات دن دیکھتے ہیں کہ مریدوں سے ان کو کیا کیا فیض حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان سے کہتے اس لیے نہیں کہ کہیں ان کا دماغ نہ بگڑ جائے اور اپنے کو کچھ سمجھنے نہ لگے۔ غرض یہ کہ سب چھوٹوں سے بھی فیض پہنچتے ہیں تو اپنے بڑوں سے بے پروائی کرنے کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے نفسانی خواہش کی پیروی

کا سب میں عمدہ علاج یہ ہے کہ کسی اللہ والے کی پیروی اختیار کرے۔

خلاصہ یہ کہ شریعت کی پیروی اور اللہ والوں کے پاس رہنا اور ان کی پیروی اختیار کرنا۔ اس سے نفسانی خواہش سے نجات ہو جائے گی۔

تمت

ہماری دیگر مطبوعات

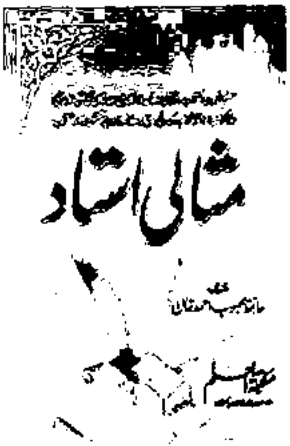

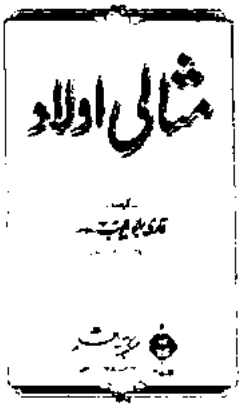

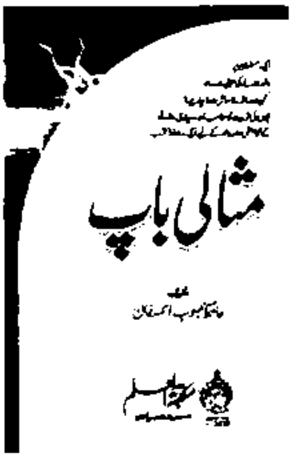

ناشر
مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار لاہور پاکستان
37231788
37211788